تحریک مجاہدین کا ایک ورق

پاکستان کے بانی اولین سیدین الشہیدین کی تحریک کا آخری دور

سنہ ۱۹۰۰ء سے سنہ ۱۹۵۱ء تک یعنی

سوانح حضرت

مولانا فضل الٰہی مرحوم

وزیرآبادی امیر المجاہدین جمعیۃ عالیہ ہندیہ چمرقند آزاد

مرتبہ خالد گھرجاکھی

ناشر: جمعیت مجاہدین پاکستان

[1966]

زیر سرپرستی

امیر جمعیت مجاہدین پاکستان صاحبزادہ مولانا محمد سلیمان صاحب

انتساب

تاریخ کے گمنام مجاہد "جعفر[1] تریین" جدِ اعلےٰ صدرِ پاکستان محمد ایوب خاں کے نام جس نے احیائے دین کی اسلامی تحریک میں حضرت سید احمد صاحب کا آخر دم تک ساتھ دیا۔

[1] جعفر نام ہے اور ترین قوم ہے۔

Marfat.com

فہرست

تمہید و پیش لفظ از حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب مرحوم — از صـ۹ تا صـ۱۶

تمہید از مرتب — از صـ۱۸ تا صـ۲۴

تیرھویں صدی کی برصغیر ہند کی تجدیدی تحریک اور اس کے مختلف ادوار از صـ۲۵ تا صـ۵۹

پہلا دور ۱۸۳۱ء تک شہیدین کا دور — ۲۸

دوسرا دور ۱۸۴۱ء تک سید نصیر الدین کا دور — ۳۳

تیسرا دور ۱۸۵۹ء تک پٹنوی خاندان — ۳۵

چوتھا دور ۱۹۰۲ء تک امیر عبداللہ صاحب — ۳۹

پانچواں دور ۱۹۵۱ء تک — ۵۸

سوانح مولانا فضل الٰہی صاحب امیر المجاہدین ہند رحمۃ اللہ علیہ — از صـ۶ تا صـ۱۷۶

پیدائش۔ خاندان۔ تعلیم۔ جماعت سے تعلق اور حفظ قرآن

جماعت کی خدمات۔ جرمن سفارت۔ طلباء کی ہجرت۔ مرکز چمرقند۔ جرمن وفد

غلطیہائے عدیم المثال جہاں اور قید کے حالات

مارشل لا اور اس کے بعد کاروباری زندگی میں جماعتی کام

دوبارہ وارنٹ۔ واقعہ ہجرت اور یاغستان کی زندگی

مدرسہ اوڈانوالہ۔ شہادت مولانا بشیر صاحب۔ تحریک پاکستان کے اسباب

کرامات — ۱۶۹

تتمہ:۔ ایک اہم سوال اور اس کا جواب — از صـ۱۷۷ تا صـ۲۳۶

(کانگریس کی اسلام دشمنی اور انگریز نوازی)

Marfat.com

فہرست ضمیمہ جات

جواب خرافات گاندھی وغیرہم — از ص ۲۳۷ تا ص ۲۷۰
فصل :- وزیرستان جانے کے وجوہات پر حضرت صاحب کا بیان — از ص ۲۷۱ تا ص ۳۰۵

باب

مکتوبات متعلقہ مولانا بشیر صاحب مرحوم — از ص ۳۰۶ تا ص ۴۶۴
مکتوب ۱ مجریہ مئی ۱۹۳۲ء — ص ۳۰۶
مکتوب ۲ مجریہ جولائی ۱۹۳۴ء — ص ۳۳۹
روئیداد جرگہ اقوام سرحد منعقدہ فروری ۱۹۳۵ء — ص ۳۴۹
درخواست استہلائے افراد جرگہ بخدمت شاہ افغانستان — ص ۴۱۹
حضرت صاحب کے چند مکتوبات شاہ افغانستان کی خدمت میں — ص ۴۲۵
مکتوب دیگر — ص ۴۳۱
تفصیل مکتوب بر واقعہ شہادت — ص ۴۳۵
جماعت اسمست کی طرف ایک مکتوب — ص ۴۶۵
روئیداد جرگہ جمعیت العلماء سرحد آزاد — ص ۴۷۷
ضمیمہ :- پختونستان سٹنٹ کا پس منظر — ص ۴۸۷
فقیر ایپی کے نام آپ کا ایک مکتوب — ص ۴۹۳

کوائفِ یاغستان

حضرت صاحب کے مکتوبات ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۲ء متعلقہ علاقہ یاغستان مع حالات اقوام و تاریخ و جغرافیہ۔

اسی کتاب کے دوسرے حصّہ کی شکل میں آرہا ہے۔
انتظار فرمائیے

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ[1]

(از حضرت مولانا فضل آلہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ

میں مسلمان ہوں اور اسلام ہی کی تعلیم کے زیر اثر وطن کی آزادی کی خاطر گھربار خویش واقارب غرض جملہ مالوفات اور مرغوبات کی محبت سے دست کش ہو کر ½ صدی سے پہاڑوں اور جنگلوں کے اندر جہاں شہری زندگی کے لوازمات سے کسی ادنیٰ چیز کا میسر ہونا بھی عنقا صفت ہے۔ جہاں لوگوں کو دونوں وقت جو کی روٹی کبھی لسی اور کبھی تازہ گھی یا پیاز یا لسی کے ساتھ میسر ہونا بھی مشکل ہے۔ گندم کی روٹی سوائے عید۔ شادی یا خیرات کے موقع کے شاید ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ جن لوگوں کو ہندوستان کے نادان بھائی۔ دشمنوں کے پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر وحشی اور درندہ صفت کہنے کے عادی ہیں۔ میرے پاس اس بات کے باور کرالینے کے ناقابل انکار دلائل ہیں کہ اگر میرے دل میں دنیا کی لذتوں سے بہرہ اندوز سربلندیوں اور اعلیٰ سے اعلیٰ سربلندیوں سے سرفراز ہونے اور سرمایہ جمع کرنے کا شوق ہوتا تو میرے لیے اس کے کافی سامان موجود تھے۔ جن لوگوں کو میں نے اپنے ہاتھ سے ہندوستان سے بھیجا تھا اور انکی غم خوری کا حق ادا کرتا رہا۔ آج وہ دنیا کے ہر قطر میں۔ افغانستان۔ ایران ترکی۔ چین۔ جاپان۔ روس۔ جرمنی۔ امریکہ اور فرانس کے اندر اعلیٰ سے اعلیٰ منصبوں پر فائز اور سرفراز ہیں۔ بہت سی حکومتیں براہ راست میری سیاسی زندگی کے حالات سے باخبر اور غلط یا صحیح میرے لیے ایک فوق العادت حیثیت کے قائل ہیں۔ مگر بتوفیق خداوندی میں نے دیدہ دانستہ ان تمام مصائب کو برداشت کیا۔ بارہا بار اس عرصہ میں میدان جنگ

[1] دراصل یہ حضرت صاحب کے ایک مضمون کا پیش لفظ تھا جس کو اہم محسوس کرتے ہوئے اس جگہ درج کیا جا رہا ہے مکمل مضمون [illegible]

کے اندر مشین گن اور توپ کی گولہ باری کے سامنے اور ہوائی جہازوں کی بمباری کے نیچے پیش ہونے کا اتفاق ہوا اور ہوتا رہتا ہوں۔ وہ کونسا موقع ہے جس میں خود مجھ پہ یا میرے رفیقوں میں سے کسی پہ ایسی مصیبت پیش نہ آئی ہو جس سے بچ نکلنا معجزہ سے کم نہ تھا جس میں میرا کوئی ساتھی زخمی یا شہید نہ ہوا ہو۔ خاندان کی بربادی۔ عیال کی پراگندگی کا شاید ہی کسی کو جی بھر کے تماشہ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا جتنا کہ مجھ کو۔ ماں باپ جن کے پاؤں کے نیچے میری جنت تھی۔ لائق اولاد کا جن کا نظیر بلحاظ علوم عصری اور دینی۔ اخلاق عالیہ فکر صحیح جذبۂ قربانی کے مادر وطن شاید ہی پیدا کر سکے۔ جوانی میں مرجانا اور ان میں سے کسی کا چہرہ نہ دیکھنا کتنی بڑی بدنصیبی ہے۔ وہ جن کی موت کے بعد میرا کوئی سہارا نہ رہا۔ سرمایہ کے فقدان کی وجہ سے جو جو مصائب اپنے اوپر اور اپنے رفیقوں کے اوپر وقتاً فوقتاً پیش آئے یا آتے رہے ان میں سے ہر ایک ایسا صبر آزما اور حوصلہ شکن تھا کہ ان کے سامنے میرا یا میرے شرکاء کار کا ٹھہرنا اس سے زیادہ نہ تھا۔ جیسے دریا کی طغیانی کے سامنے کسی ناآشنا تیراک کا۔ ستم عصروں کے ہاتھ سے جو جو تکلیفیں پہنچیں ان میں سے ہر ایک اپنی شرح میں الگ الگ دفتر کی محتاج ہے۔ وہ کونسی تدبیر اور سازش تھی جو انہوں نے اس عاجز کی جان لینے اور میری سیاسی زندگی کو ساقط الاعتبار کرنے کی نہ کی ہو۔ زہر کا پیالہ مجھ کو اور میرے غریب عیال اور معصوم بچوں کو پلایا گیا۔ شبخون ڈالے گئے۔ بمب پھینکے گئے۔ شاہ امان اللہ خاں کی دوستی اور خاندان نادری کی دشمنی سے متہم کیا گیا اور تو اور انگریزوں کا وظیفہ خوار ٹھہرانے سے دریغ نہ کیا گیا۔ حالانکہ سیفٹی بل کی حمایت میں جس کا مقصد ہندوستانی سرحدوں کی حفاظت کے لیے پولیس کو سکھا شاہی اختیار دینا تھا۔ نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم مرحوم کو جو دولت برطانیہ کی نہ صرف مقامی بلکہ بین المللی سیاست اور اعتماد حقیقی کا روح رواں تھا۔ اسمبلی میں وائسرائے ہند لارڈ ارون کے روبرو تقریر کرتے ہوئے ساری سرحد آزاد کے اندر میرے وجود کے سوا اسے کوئی شخص ایسا نظر نہ آیا جسے وہ دولت برطانیہ کے تختہ الٹنے کے لیے بطور دلیل پیش کر سکتا ہو۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا   اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

یہ وہی موقع ہے جبکہ بھگت سنگھ اور دت دو نوجوان پنجابیوں نے اسمبلی میں بم پھینک کر ہندوستان کی مظلومیت کی آواز تمام ملل اور دول کے کانوں تک پہنچائی تھی۔ یہ تقریر اس کی تمام جرائد سرکاری اور غیر سرکاری۔ انگریزی اور ورنیکولر میں چھپی تھی۔ میرے پاس اس کی ایک نقل ہے جو اردو ترجمہ ہو کر فرنٹیر ایڈوکیٹ پشاور کے اولیں پرچہ میں بتاریخ ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو چھپ کر شائع ہوئی۔ ان ناقابل برداشت مصائب اور زحمات کو دیکھ کر میرے جاننے والے میرے حال پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اب تک بقید حیات کیونکر ہوں۔ یا کم از کم دیوانگی اور جنون کا مرض مجھے کیوں لاحق نہیں ہوا۔ مگر سوال یہ ہے کہ میں کیوں اتنا احمق بن گیا۔ جو ان تمام مصائب کو بطیب خاطر قبول کرتا رہا۔ اور کر رہا ہوں اور کسی کمزوری کے اظہار کا نام تک نہیں لیتا۔ بلکہ جوں جوں دشمنوں کی کثرت اور ان کی پشت زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہے ویسے ہی اس خالق بندہ نواز کی تائید غیبی سے۔

میرے عزائم میں پختگی کی روح پیدا ہوتی گئی اور میرے رفقاء کار کی رویں رویں سے صدائے حوصلہ افزاء ...

فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ہر گوش ذی ہوش میں پہنچتی رہی وہ ان تمام سرگردانیوں اور پریشانیوں کو اعلیٰ ترین روحانی غذا اور خدائے بے نیاز کے نہایت قیمتی تمغے سمجھتے ہیں اور حسب حال یوں کہہ کر مجھ کمزور کو صبر کی تلقین کرتے ہیں ؎

کشتۂ عشقیم محبت کفن ماست | پردردۂ دردیم مصیبت وطن ماست
زاہد تو برو طوطی فردوس بریں باش | ما بلبل آں باغ کہ دوزخ چمن ماست
ماکار نداریم بایں آتش دوزخ | چوں نام محمد ہمہ دم در دہن ماست

اقبال کا فلسفہ

دشمن کی کثرت اور ان کی علو مرتبت اور شوکت کے پیش نظر ان کے وجود کو میرے لئے اور اپنے لیے خدا کی رحمت بنا کر مجھ پر حضرت اقبال مرحوم کا فلسفہ پیش کرتے ہیں۔ جو انہوں نے رموز خودی میں بدیں الفاظ بنی نوع

پرپیش کیا ہے سے

با عزیزاں سرگراں بودن چرا	شکوہ سنج دشمناں بودن چرا
کشت انساں را عدو باشد سحاب	ممکناتش را بر انگیزد ز خواب
ہر کہ دانائے مقامات خودی ست	فضل حق داند اگر دشمن قوی ست
سنگ راہ آب ست اگر ہمت قوی ست	سیل را پست و بلند جاده چیست
خویش را چوں از خودی محکم کنی	تو اگر خواہی جہاں برہم کنی
در خودی کن صورت یوسف مقام	از اسیری تا شہنشاہی خرام

مقصد از تحمل مصائب اب سوال یہ ہے کہ یہ سب کیوں اور کس لیے؟ یہ سب صرف اس لیے کہ آزادی وطن کی جنگ میں۔ میں اور میرے رفقائے کار خدا اور رسول کے نزدیک کسی سے کم نہ رہ جائیں۔ ہندوستان کی مسلم قوم کا رویہ ہندوستان کی دوسری آزادی خواہ جماعتوں کی نظر میں کم مقدار نہ پائے۔ اسلاف رحمہم اللہ کی عدیم النظیر اور لازوال قربانیوں کی روایات کا شاندار ریکارڈ جس کی حضرت سلطان ٹیپو علیہ الرحمۃ سے ابتدا ہوئی۔ اور جس کا سلسلہ حضرت سید احمد صاحب۔ مولانا اسمٰعیل صاحب مولانا عبدالکریم بن ولایت علی کے واسطہ سے مجھ نااہل تک پہنچا۔ ٹوٹنے نہ پائے۔ ماضی کی طرح حال اور استقبال میں بھی وہ بدستور مشعل راہ بنا رہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے سوانح حیات کی ہر زمانے کے مورخوں نے بہت کچھ مدح سرائی کی ہے بعضوں نے مستقل کتابیں اس باب میں تصنیف کی ہیں۔ یہی حال یورپین مورخین کا ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر نے عصر گذشتہ میں اپنی تصنیف (دی انڈین مسلمانز) کرنل ایچ۔ سی۔ ولی۔ سی۔ بی نے اپنی تصنیف (فرام دی بلیک مونٹین ٹو وزیرستان) میں اور سر جے۔ ڈبلیو کین۔ چیف کمشنر صوبہ سرحد نے اپنی تصنیف (دی گریٹ وار اینڈ دی فرانٹیر ٹرائیبس) میں۔ امریکن مورخ مسمی لوتھارپ سٹوڈرٹ نے اپنی کتاب (دی نیو ورلڈ آف اسلام) میں اس پر مستقل باب باندھے ہیں۔ اور ان حضرات کو بیداری اسلام اور آزادی شرق کا اولیں راہنما قرار دیا ہے[ا]

[ا] یہاں پر حضرت صاحب نے انگریزی کتب کے اقتباسات مع حوالہ صفحات اور سنہ تصنیف وغیرہ (باقی بر صفحہ)

Marfat.com

پس مجھ معتکف باب اللہ مہجور الوطن کی طرف اس قسم کے خطوط بھیج کر مجھ سے پوچھنے والے ناآشنا حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر ان کو میری تحریر سے از راہ دشمنی میرے مافی الضمیر کے خلاف کوئی غلط استدلال کر کے مجھے یا میرے خاندان کو کسی غم میں مبتلا کرنا یا ہمیں بدنام کرنا مطلوب ہو تو انہیں آخرت کی بھاری مسئولیت سے ڈرنا چاہئے اور موجودہ تکلیفوں میں کسی اضافہ کا خواہشمند نہیں ہونا چاہئے۔ اور اگر وہ از راہ ہمدردی میری اس تحریر کو حجت بنا کر میرے خاندان پر سے کسی قدیم یا جدید عاید شدہ تکلیف کو دور کرنا یا میری واپسی وطن کیلئے ملت اور وطن کے اجتماعی مفاد اور مصالح کے خلاف کوئی ناجائز راہ تجویز کرنا چاہتے ہیں تو میں ان کی ہمدردی کا تہ دل سے مشکور ہو کر ان سے بصد منت عرض کروں گا کہ وہ میرے اور میرے خاندان کی جملہ تکالیف کو خدا کاشف الغم کے حوالے کر کے مجھے ہمیشہ کے واسطے ایسا بھول جائیں جیسا کوئی مردے کو قبر کے اندر دفن کرنے کے بعد۔ میری واپسی کے لیے کوئی ایسی راہ نہ سوچیں جو میرے لیے اور میری موجودہ اور آئندہ نسل کے لیے موجب بدنامی، ضمیر کی ملامت اور خدا اور رسول کی لعنت کا سبب ٹھہرے۔ ہمارے رسول خدا نے دشمنوں کی شماتت سے پناہ مانگی ہے۔ خدا مجھے ایسی واپسی سے پناہ دے۔ آمین ؎

آں لحظہ کہ روز و شب بہم پیوندند | یا رشتۂ مہر و سایہ بر ہم بندند

من با تو نشینم دراں حالت تیز | ارباب خرد تمام بر من خندند

دنیا کی ہر چیز گذشتنی و گذاشتنی ہے۔ میں اپنی عمر کے آخری دور پر دنیا میں ایک دو روز کا مہمان ہوں کیا عجب کہ وہ تختہ اور اینٹ جو میری قبر کے واسطے مقدر ہو۔ تیار ہو چکا ہو۔ اور داعی اجل دربار الٰہی سے میری گرفتاری کا وارنٹ لے کر چل پڑا ہو۔ دین کو بگاڑ کر دنیا کی ہزارہا کدورتوں سے بھری موہوم آسائش حاصل کرنے۔ ایک حاکم کے دربار سے نکل کر دوسرے کے سامنے حاضر ہونا۔ دوسرے سے تیسرے کے علیٰ ہذا القیاس۔ بلبیدل

(بقیہ حاشیہ صد ۱۳) دیے ہوئے تھے۔ چونکہ وہ سب انگریزی میں تھے اس لیے ان کے نقل کرنے سے معذور ہیں حضرت صاحب کے تمام مسودات فارسی اور انگریزی میں سوائے اس رسالہ کے کہ صرف یہی ایک اردو میں ہے اور یہ آپ ہی کا اردو ہے جو نقل کیا جا رہا ہے (خالد گھر جاکھی)

Marfat.com

حکام کے سامنے ناک رگڑتے اور لمبے لمبے بیان دیتے پھرتا۔ صدہا بے گناہوں کو گرفتار کرانا سینکڑوں شریف خاندانوں کو رولاتا۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے اور کہاں کی سعادت مندی خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ کا محاورہ ایسے ہی حالات پر بولا جاتا ہے۔ خدا مجھ کو ایسی لغزش سے بچا دے جس کی تلافی کی کوئی صورت ممکن نہ ہو ؎

بگاڑو دین کو اپنے کہیں دنیا ہی مل جائے — نہ دین ہی رہا باقی نہ دنیا کے مزے پائے
بڑی دولت ملی اس کو جو ہوا اللہ کا عاشق — امید آخرو عقبی پہ دنیا اس سے چھٹ جائے

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

یہ آواز بلند ہو۔ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا ؎

اے کاش کہ مرا مادر نہ مے زاد — اگر مے زاد شیرم ہم نہ مے داد

شاہ شہید محمد نادر شاہ مرحوم و صدارت عظمیٰ کا ہمدردانہ مشورہ اور شاہانہ نوازشات

شاہ شہید محمد نادر شاہ علیہ الرحمۃ۔ والاحضرت صدر اعظم صاحب مدظلہ نے ۱۹۳۲ء میں جب مجھے دار السلطنت کابل میں ان حضرات والا صفات سے شرف یاب ہونے کا اتفاق ہوا۔ میرے واقعات جانکاہ سے متاثر ہو کر از راہ شفقت مجھے فرمایا کہ حکومت افغانستان بواسطہ وزیر مختار برطانوی مقیم کابل حکومت ہند سے تمہاری واپسی ہند کی سفارش کرتی ہے بہتر ہے کہ تم وطن چلے جاؤ اور بقیہ عمر عیال کے اندر رہ کر خدا اور رسول اور وطن کی خدمت کرو۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ حکومت افغانستان کی سفارش کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ میری یہ دلی اور عزت افزائی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی ضمانت یا کفالت روئے زمین پر نہیں ہو سکتی تھی۔ جب میں نے عذر کیا تو فردوس مکانی شاہ شہید علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کابل میں بمعہ اہل و عیال ٹھہرو۔ تین سو روپیہ ماہوار اور ستر جریب زمین گذارے

Marfat.com

کے واسطے دی جائے گی۔ مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ نہ آیا۔ شاہانہ نوازشات اور الطاف کے مقابلہ میں ان جنگلوں اور پہاڑوں کے اندر سرگرداں رہنے کو اس امید پر کہ شاید میں اہل سرحد کی اور مادر وطن کی کچھ خدمت بجا لا سکوں قیام سرحد کو ترجیح دی اور اپنے اسلاف رحمہم اللہ کی روایات کے مطابق یہاں کے فقر و فاقہ اور تنگی و ترشی سب کو قبول کیا ؎

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند — فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی — دیوانۂ تو دو جہاں را چہ کند

با ایں ہمہ میری خدمات کے پیش نظر از راہ مسافر نوازی ہیرے لیے سرحد آزاد میں رہنے کی صورت میں ایک سو روپیہ ماہوار کا تا آن وقت کہ خاندان نادری کی حکومت باقی رہے۔ میرے لیے اور میری اولاد کے لیے تقرر فرما دیا۔ جس سے میں ہم عصر رقیبوں کی رقابت اور حسد کی وجہ سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکا۔ پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اگلے پچھلے انتقام کے خیال سے شکنجۂ عقوبت میں کھینچے۔ یہاں تک تو پھر بھی خیر ہے کہ انسان کو اگر خدا صبر دیوے تو اپنی جان پر کھیل سکتا ہے۔ مگر دوسروں کو جو اس کی وجہ سے تکلیف ہو گی اس کا کیا علاج۔ اور اب جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور قریب المرگ ہوں اور اس لائق نہ رہا کہ وطن میں جا کر اپنے خاندان کی یا وطن کی خدمت بجا لا سکوں اور بمصداق آیت وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُّ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ہر ایک کے لیے بار خاطر ہوں نہ کہ یار خاطر وطن میں فداکار کارکنوں کی کونسی کمی ہے جو مجھ سے نالائق اور نا بکار کی وہاں ضرورت ہو میرے لائق فرزند اور میرے قدر دان دوست سب پیوند خاک ہو گئے پس وطن کو جاؤں تو کیوں جاؤں۔ کیا مردوں کی قبروں پر اشک بہانے اور مرثیہ پڑھنے کو بقول ظفر ؎

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آ سکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں
میں نہیں ہوں نغمۂ جانفزا مجھے سن کے کوئی کرے گا کیا
میں بڑے ہی روگی کی ہوں صدا کسی دل جلے کی پکار ہوں
میرا رنگ روپ بگڑ گیا میرا یار مجھ سے بچھڑ گیا

Marfat.com

جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں
نہ ہی میں کسی کا رقیب ہوں نہ ہی میں کسی کا حبیب ہوں
جو بگڑ گیا وہ نصیب ہوں جو اجڑ گیا وہ دیار ہوں
کوئی پھول مجھ پہ چڑھائے کیوں کوئی مجھ پہ شمع جلائے کیوں
کوئی مجھ پہ اشک بہائے کیوں کہ میں بے کسی کا مزار ہوں

واپسی وطن کی قابلِ قبول صورت

ہاں واپسی وطن کی دو صورتوں میں سے ایک ہو سکتی ہے اول یہ کہ یا در وطن ہندوستان اپنے ہمسایہ ممالک ایران اور افغانستان کی طرح خدا کی تدبیر بیگانہ سے اہل وطن کی خواہش کے مطابق اپنے جملہ داخلی و خارجی معاملات میں مطلق آزاد ہو جائے یا یہ کہ حکومت ہند تمام حامیان تشدد۔ سیاسی مجرموں۔ قیدیوں اور جلاوطنوں کے لیے غیر مشروط رہائی کا عام اعلان کر دے۔ جس کا مقصد یہ ہو کہ ان سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی جائے گی۔ اور ان کو عام شہریوں کے حقوق جیسے حقوق مل جائیں گے اور آزادیٔ وطن کی راہ میں ان کی آئینی جد وجہد پہ کوئی پابندی عائد نہ کی جائے گی۔

نوٹ:۔ اس کے نیچے مولانا صاحب کے انگلش میں دستخط ہیں اور اس چٹھی کا نمبر ۹۸ درج ہے اور تاریخ ۲ر جولائی ۱۹۳۸ء انگریزی میں درج ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى

شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے

تمام قوموں کے عروج و زوال کی داستان اسی میں پنہاں ہے کہ جب کوئی قوم ابھرتی ہے تو بہت جفاکش اور عزم بلند ہوتی ہے اور اپنے مقاصد میں مخلص ہوتی ہے۔ کوئی مشکل ان کے سامنے مشکل نہیں ہوتی۔ تمام مصائب کو خندہ پیشانی سے قبول کرتی ہے۔ اور جب اقتدار مل جاتا ہے تو آہستہ آہستہ وہ عیش و عشرت کی زندگی میں پڑ جاتے ہیں۔ ناچ رنگ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دن رات رنگ رلیاں مناتے رہتے ہیں۔ حتی کہ جب ان کی عیش عیاشی کی حد تک پہنچ جاتی ہے تو تمام انتظامات ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اندرونی خلفشار نمودار ہو جاتی ہے۔ سرحدوں پر دشمن یورش کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس وقت حکمران "پدرم سلطان بود" کا نعرہ لگاتے ہیں اور آبائی جبروت و سطوت کی داستانیں سنا کر ہمسایہ دشمنوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اندرونی نکتہ چیں لوگوں کو کچھ دے دلا کر ان کا منہ بند کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ ریت کی دیواریں ان کا دفاع نہیں کر سکتیں۔

اسلام جب نمودار ہوا تو اس نے بھی لوگوں کے سامنے اعلیٰ کردار اور عملی جدوجہد دو چیزیں پیش کیں۔ جب تک اعلیٰ کردار نہ ہو عملی جدوجہد ہو ہی نہیں سکتی۔ اعمال میں کردار بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو بلندی کردار و اخلاق میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ اور اپنے اخلاق حسنہ کا اسوۂ حسنہ عوام پر پیش کر کے ان کو اعلیٰ اخلاق و کردار سے آراستہ کرتے رہے۔ جب آپ نے اپنے متبعین میں تیرہ سال کی کوشش کا نتیجہ دیکھا تو پھر آپ نے انہیں عملی جدوجہد کی ترغیب دی۔ چنانچہ صرف دس سال کے عرصہ میں آپ نے سارا خطہ عرب زیر نگیں کر لیا اور آپ کی وفات کے صرف پچیس سال بعد تک چین سے لے کر بحیرۂ اطلانتک اور یورپ سے لے کر ریگستان افریقہ تک اسلام پھیل چکا تھا۔

اس اسلام کی علمبردار جماعت کا اخلاق و کردار کیا تھا؟ اس اسلام کے بانی رسول

تقلید محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دنیاوی عیش وجاہ کو کبھی نزدیک بھی نہ پھٹکنے دیا اور خصوصاً اس وقت بھی جبکہ بے انداز مال و دولت تمام گھر دو لوازمے سے آر ہے تھے۔ لیکن آپ نے پھر بھی کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ کبھی فاقہ کا شکوہ نہیں کیا۔ نا داری حضور کو غنی سے زیادہ پیاری تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ بھوک کی وجہ سے رات بھر نیند نہ آتی۔ مگر اگلے دن پھر روزہ رکھ لیتے۔ اگر حضور چاہتے تو اللہ تعالیٰ انہیں تمام خزائن ارضی کی کنجیاں اور ثمرات و لمتعات زندگی کی افزائشیں سب ہی عطا فرما دیتا۔ ام المؤمنین رض فرماتی ہیں کہ میں حضور کے فاقہ کی حالت دیکھ کر رو پڑا کرتی۔ اپنا ہاتھ حضور کے پیٹ پر پھیرا کرتی (کہ فاقہ سے کیسا دب گیا ہے) اور کہا کرتی قربان جاؤں دنیا سے اتنا ہی قبول کر لیجئے جو جسمانی طاقت کے قائم رکھنے کو کافی ہو تو جواب میں فرماتے۔

یاعائشۃ مالی والدنیا اخوانی	عائشہ مجھے دنیا سے کیا کام میرے بھائی
اولوالعزم من الرسل صابروا	اولوالعزم رسول اس سے بھی زیادہ سخت
علی ماھو اشد من ھذا.....	حالت پر صبر کرتے تھے وہ اسی حالت میں
ومامن شئی ھو احب الی من	ہی رہے حتیٰ کہ اللہ سے جا ملے مجھے شرم
اللحوق باخوانی واخلائی۔	آتی ہے کہ میں ان سے پیچھے رہ جاؤں۔
(کتاب الشفاء ص۶۳)	بلکہ میری تو اب یہ خواہش ہے کہ میں

اپنے ان بھائیوں اور خلیلوں سے جا ملوں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس گفتگو کے بعد حضور صرف ایک مہینہ تک رونق افروز عالم رہے اور پھر رفیق اعلیٰ سے جا ملے صلی اللہ علیہ بعدد خلقہ ورضا نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ وسلم علیہ کثیرا کثیرا۔

پھر حضور کے جانشینوں نے بھی وہی طرز زندگی اختیار کیا حتیٰ کہ عمر فاروق جیسی باجبروت ہستی نے نہ محل بنوایا نہ دربان رکھے۔ ٹاٹ کے کرتہ پر بھی کئی کئی پیوند لگے ہوتے۔ ساری زندگی خلافت میں صرف ایک دفعہ شہد کا شربت سامنے آیا لیکن آپ نے صرف یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ

"خلیفہ کو لائق نہیں کہ اس کی رعایا کو تو شہد کا شربت نصیب نہ ہو اور خلیفہ شہد کا شربت پیئے"
حضرت عثمان جیسے مالدار اور مشہور غنی اور سخی جب تخت خلافت پر آتے ہیں تو بے اندازہ اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑوں میں سے صرف دو اونٹ اپنے سفر حج کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ باقی سب اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر دیتے ہیں۔

اموی خلفاء میں اگرچہ عیش پرستی آ گئی تھی۔ پھر بھی بسا غنیمت تھا کہ انہوں نے ملکی وملی شیرازہ منتشر نہ ہونے دیا۔ ہسپانیہ سے لے کر سرحد چین تک کے ملک پر ایک حکومت تھی ایک خاتون کی آواز پر دور دراز ملک ہند پر فوجیں بھیج دیں جو کہ کامیابی سے ہم کنار ہوئیں۔

بعد میں عباسی خلفا کے ہاتھ میں نظم ونسق آیا۔ اگرچہ عباسی امویوں کے صحیح جانشین نہ ہو سکے کیونکہ بہت سے علاقے ان کی حکومت میں شروع سے ہی نہ آ سکے تھے لیکن پھر بھی شروع میں کچھ انتظامات درست رہے جو کہ رفتہ رفتہ وہ بھی ختم ہو گئے۔

اموی خلفاء کے زمانہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اور صحابہ کے نمونہ کا اثر بدرجہ اتم موجود تھا۔ لیکن عباسی خلفاء میں قریباً طاوس ورباب آخر" والا معاملہ بالکل پورا ہو چکا تھا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لا تزال ناس من امتی ظاھرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ کہ قیامت تک ایک گروہ ہمیشہ حق کی حمایت میں کمر بستہ رہے گا۔ چنانچہ آج بھی اگر ہم پرانی تاریخ کو دیکھیں تو اکثر لوگ ایسے نظر آئیں گے۔ جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جنہوں نے اپنی ذات کے لیے کوئی کام نہ کیا۔ بلکہ صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔

ان کے مقابلہ میں اسی طرح ہی عیش کی زندگی گذارنے والے اور اللہ کی نافرمانیوں میں لگے رہنے والے لوگ بھی بدستور موجود رہے۔ بلکہ جب بھی کبھی ان سرفروشان اسلام کو کوئی تکلیف پہنچی تو ان لوگوں سے ہی پہنچی جو اپنے کو مسلمان بلکہ قوم کے لیڈر کہلاتے رہے اور ان کا مطمح نظر ہی یہ دنیا کی زندگی ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالے پھر بھی ہر صدی کے آخر پر تجدید دین کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا کرتا رہا۔

Marfat.com

چنانچہ تیرھویں صدی کی تجدید دین کی تحریک پر غور کرنے سے جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف وہ شخص جو اپنی بڑی بڑی گدیاں اور ریاستیں چھوڑ کر آرام و آسائش کی زندگی چھوڑ کر صرف اللہ کی رضا کی خاطر سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے ان خشک پہاڑوں کی زندگی اختیار کرتے ہیں کہ جہاں پتے اور گھاس پھونس کھانے سے شعب ابی طالب والی اور اصحاب صفہ والی مثال پیش ہو سکتی ہے۔ اگر انہیں کوئی جاہ و اقتدار کی بھوک ہوتی تو وہ ہندوستان میں انگریز کے زیر سایہ بہت حاصل ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جہاد میں مشغول ہوئے تو پہلے سکھوں نے بہت بڑی جاگیر کی پیش کش کر کے اپنے کو محفوظ کرنے کی کوشش کی، بعد میں انگریز آئے تو انہیں آسان طریقہ یہی نظر آیا کہ اگر مجاہدین سارا کوہستان کا علاقہ لے کر بھی دق کرنا چھوڑ دیں تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ لیکن مجاہدین نے یہی کہا سے مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا۔ ہم تو صرف اللہ کی خاطر تمام ہند میں اسلام نافذ کرنے کی کوشش کریں گے اور غیر ملکیوں کے اقتدار اور سکھوں کے ظلم سے مسلمانوں کو نجات دلانے کی پوری کوشش کریں گے۔ اگرچہ ہمارے جسموں کے پرزے کیوں نہ اڑ جائیں۔ جبتک جان میں جان ہے خون کا آخری قطرہ تک اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔

بارہویں و تیرھویں صدی ہجری میں بہت سی دینی تحریکیں اٹھیں۔ شیخ احمد سنوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جو طرابلس و مصر میں اٹھی۔ علامہ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جو مشرق وسطیٰ میں ظہور پذیر ہوئی۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جس نے تمام عرب ممالک میں انقلاب برپا کر دیا اور شاہ شہید اور مجاہدین ہند کی تحریک جس نے صدی ڈیڑھ صدی انگریز کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور بالآخر اسے جانا ہی پڑا۔ یہ تمام تحریکیں قریباً ایک ہی زمانہ کی تحریکیں تھیں۔

ہندوستان میں انگریز آئے تو مرکز میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ مقابلہ کر سکے۔ البتہ مجاہد ملت سلطان فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کوشش کی کہ ان عیسائی اقوام کو اسلامی ہند سے باہر نکال دیا جائے اور اس کے لیے اتنی کوشش کی کہ اپنی جان اسی

Marfat.com

بازی پر لگا دی ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن　　خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس کے بعد مسلمان قوم کسی ایسے امیر کی متلاشی تھی جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر انگریز سے پوری ٹکر لی جائے۔ چنانچہ مختلف نوابوں کے درباروں پر دستک دی۔ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ والئے ٹونک کی فوج میں جا کر بھرتی ہو گئے لیکن جب وہ انگریز سے صلح کا معاہدہ کر چکا تو فوج سے مستعفی ہو کر واپس آ گئے اور باوجود اصرار کرنے کے وہاں رہنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ پھر چند فقیر لوگوں نے کلمۂ جہاد بلند کرنے کا عزم کیا

ہمارا موضوع اس وقت صرف تحریک مجاہدین ہند کے حالات بیان کرنا ہے۔ ہند میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی تحریک انیسویں صدی عیسوی کے شروع (تیرھویں صدی ہجری) میں ظہور میں آئی اور اپنے مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی پاکستان بننے پر ختم ہوئی۔

تحریک کے پہلے دور کے متعلق بہت سا مواد مل سکتا ہے۔ اگرچہ تحریک کے حساب سے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ کیونکہ بے انداز لوگ ابھی تک اوجھل ہیں جن کا تذکرہ ہی نہ مل سکا۔ جبکہ مومن شاعر کی کایا پلٹ کا یہ حال تھا کہ کجا شاعر اور کجا صرف تنقیہ اور تجزیہ کلام۔

بہر حال سوانح احمدی۔ حیات طیبہ۔ کالا پانی۔ سید احمد اور غلام رسول مہر کی حیات سید احمد کے علاوہ بھی مواد دستیاب ہو سکتا ہے۔

درمیانہ دور کے متعلق جو مولانا غلام رسول صاحب کی کتاب "تحریک مجاہدین" ہے وہ بہترین ذخیرہ ہے۔ شاید اس سے زیادہ مواد ابھی تک صفحۂ قرطاس پر نہیں آیا لیکن آخری دور جو کہ تحریک کا انجام ہے اس کا تذکرہ ابھی تک سامنے نہ آ سکا۔ اس کتاب کا موضوع قریباً صرف اسی دور کے متعلق ہے۔ حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب جو

؎ یہ تحریک اصل میں سلطان ٹیپو کے باپ سلطان حیدر علی خاں نے ۱۷۶۷ء میں شروع کی جو کہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سلطان ٹیپو کی شہادت پر ختم ہو گئی۔

۱۸۳۶۹

Marfat.com

بیسویں صدی عیسوی کے شروع سے لے کر نصف صدی تک کام کرتے رہے ۱۹۰۳ء میں جماعت سے باقاعدہ منسلک ہوئے اور ۱۹۵۱ء میں جہاد کشمیر کی جنگ بندی کے غم میں وفات پائی۔ ان کی سوانح اس دور کا بہترین مرقع ہوگی۔

اس کتاب کا ماخذ کتب کے علاوہ وہ آدمی بھی ہیں جو تحریک سے منسلک رہے ہیں مخصوصاً صوفی عبداللہ صاحب جو ۱۹۰۶ء سے باقاعدہ جماعت کے کارکن رہے اور اب تک بقید حیات ہیں اور مولوی عبدالقادر صاحب ہزاروی (علاقہ کلیات) وہ بھی ۱۹۰۶ء میں مرکز مجاہدین میں چلے گئے اور قریباً ۱۹۲۸ء تک کام کرتے رہے۔ اور غازی عبدالکریم جو چمرقند (باجوڑ) کے علاقہ کے ہی رہنے والے تھے ۱۹۲۷ء میں حضرت صاحب سے بیعت ہوئے اور آخر وقت تک حضرت صاحب کے ساتھ رہے۔ اس کے علاوہ حضرت صاحب کے مکتوبات اس معاملہ میں بہت مفید ثابت ہوئے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ مکمل سوانح یا اس دور کی مکمل تاریخ ہے۔ بلکہ صرف پہلی کوشش ہے۔ امید ہے کہ اس کے لیے وہ حضرات جو جماعت کے کاموں میں ہمہ وقتی کام کرتے ہیں۔ باقی مواد بھی عوام کے سامنے پیش فرمائیں گے۔ مثلاً سردار محمد شفیع صاحب جو ۱۹۱۷ء سے لے کر آخر وقت تک اور مولانا راغب حسن ایم۔ اے (امیر تحریک مجاہدین مشرقی پاکستان) جنہوں نے آخری وقت تک جماعتی کاموں میں حصہ لیا۔ اگر یہ حضرات اپنے واقعات کو بیان فرمائیں تو تشنگی بہت حد تک دور ہو سکتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ حضرات جو میری اس محنت کو دیکھیں گے اس کی تشنگی دور کرنے میں میرے معاون ہوں گے۔ اور جو مزید واقعات ہوں گے وہ بھی بیان فرمائیں گے۔ نیز یہ بھی امید کرتا ہوں کہ میری لغزشوں کو نظر انداز فرماتے ہوئے ان کی نشان دہی بھی فرمائیں گے

میں صاحبزادہ صاحب مولانا مولوی محمد سلیمان صاحب کا بہت بہت مشکور ہوں کہ جنہوں نے مجھے حضرت صاحب کے مکتوبات اور دیگر کتب خانہ اور آپ کے مسودات سے مستفیض ہونے کا موقع عنایت فرمایا جس میں سے بعض مکتوبات حضرت صاحب کے ایسے بھی ہیں جو کہ مستقل کتاب کی شکل میں لائے جا سکتے ہیں۔

وہ مکتوبات اکثر اس کتاب کے دوسرے حصے میں درج کر دئے گئے ہیں۔ جو کہ سوائے ایک دو کے سب فارسی زبان میں اور یا پھر انگریزی ہیں۔

فارسی مکتوبات کا ترجمہ کر کے ان کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اور مکتوبات کا ترجمہ مولانا محمد سلیمان صاحب کیلانی نے کیا۔ ان مکتوبات سے اس تحریک کے بہت سے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ خصوصاً تمام علاقہ سرحد آزاد کا جغرافیہ اور قبائل کا تذکرہ بھی اس میں آگیا ہے اور سنہ ۱۹۲۰ سے لے کر سنہ ۱۹۳۸ء تک ایک مکمل دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

میں اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ محض اپنی رحمت سے اس کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

خالد گھرجاکھی

۲۰ رمضان سنہ ۱۳۸۵ = ۱۳ جولائی سنہ ۱۹۶۶

Marfat.com

تیرھویں صدی کی تجدیدی تحریک

برصغیر ہند و پاکستان کی سرزمین میں اسلام مبلغین کے ذریعہ سے پہنچا۔ عرب کے نواحی ملکوں میں اسلام عرب لشکروں کے ساتھ پہنچا جس کی وجہ سے وہاں کا تمدن و تہذیب تو کجا وہاں کی زبان بھی عربی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ لیکن ہندوستان پر جو سب سے پہلا حملہ اسلامی لشکروں کا ہوا وہ محمد بن قاسم کا تھا جو اموی فرمانرواؤں کی طرف سے تھا۔ اگرچہ محمد بن قاسم کا ہندوستان میں قیام چند ماہ سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن ہندوؤں کے دلوں میں اسلام کا وقار و عظمت جاگزین ہو گیا تھا۔ وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اسلام ایک دیوتاؤں کا مذہب اور مقدس تحریک ہے۔

دوسری مرتبہ حملہ محمود غزنوی کے باپ سبکتگین نے کیا جس نے شمال مغربی دروں سے گذر کر سرزمین پنجاب میں قدم رکھا جس کے بعد اس کے نوجوان بہادر لڑکے سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر پے بہ پے سترہ حملے کیے۔ وہ فتوحات کرتا ہوا ہندوستان کے قلب میں پہنچ گیا اور ریگ زار راجپوتانہ کو عبور کر کے سومنات فتح کیا۔ خاندان غزنویہ نے ہندوستان پر قریباً ڈیڑھ سو سال حکومت کی۔ لیکن محمود جیسی جرأت و بہادری کسی میں نہ تھی۔ حتیٰ کہ غزنوی خاندان کی جگہ غوری خاندان نے لے لی۔ شہاب الدین غوری نے دہلی کو فتح کر کے اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جب محمد غوری گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو اسی کے نائب السلطنت قطب الدین ایبک نے خود مختاری کا اعلان کر کے خاندان غلاماں کی بنیاد رکھی اور ہندوستان میں باقاعدہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ خاندان غلاماں کے بعد کئی خاندان برسر اقتدار آئے مثلاً خلجی۔ تغلق۔ لودھی وغیرہ بالآخر امیر تیمور کی اولاد میں سے بابر نے فرغانہ سے نکل کر افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ پھر پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ جو صدیوں تک ہندوستان میں رعب و طنطنہ سے قائم رہی۔

Marfat.com

اتنی بڑی اسلامی سلطنتوں کے ہونے کے باوجود ہندوستان میں اسلامی تہذیب وتمدن پوری طرح نہ آ سکا۔ اسلام جو ایک مکمل ضابطۂ حیات تھا صرف کتابوں میں ہی تھا۔ اسلامی حکمران بھی پوری طرح اس پر عمل پیرا نہ تھے اور عوام کا تو یہ حال تھا کہ انہوں نے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار تو کر لیا تھا لیکن اس سے ان کی روحانی حالت میں کوئی اہم تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ اگر پہلے وہ مندروں میں مورتیوں کے آگے ماتھا ٹیکتے تھے اب مسلمان ہو کر پیروں اور قبروں کے سامنے سجدے کرنے اور ان سے مرادیں مانگنے لگے۔ پروہتوں اور برہمنوں کی جگہ مسلمان پیروں نے لے لی تھی۔ جن کے نزدیک انسان کی روحانی تربیت کے لیے اسلام کی پابندی۔ اعمال حسنہ اور سنت نبوی کی پیروی ضروری نہ تھی بلکہ یہ مدعا بھی مراقبوں۔ وظیفوں اور مرشد کی توجہ سے حاصل ہو جاتا تھا۔ تعویذ گنڈوں کا بہت زور تھا۔ بیماریوں کے دور کرنے اور دوسری ہر قسم کی مطلب براری کے لئے سب سے زیادہ کوشش تعویذوں کی تلاش میں کی جاتی۔ ہندو جوگی اور مسلمان پیر کاغذ پر الٹی سیدھی لکیریں ڈال کر خوش اعتقادوں کو دیتے اور یوں انہیں حصول مقصد کے لیے صحیح اسلامی طریقوں کے قریب بھی آنے کا موقع نہ دیتے۔

فرمانروایان مغلیہ میں سے اورنگ زیب عالمگیر کا دور ایک روشن دور ہے جکومت کا یہ حال تھا کہ کابل سے راس کماری تک اور بحیرۂ عرب کے ساحل سے ہندوستان کے مشرقی پہاڑوں تک حکومت کا سکہ چلتا تھا۔ کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہ تھی اور اسلامی تہذیب کی ترقی کے متعلق جو کوشش کی وہ یہ تھی کہ ہندوستان کے تمام مقتدر علماء کو بلا کر جن کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ تھی ایک عالمگیر اسلامی قانون کتاب وسنت کی روشنی میں مرتب کروایا جو کہ آج بھی فتاوی عالمگیری کے نام سے ہمارے ہاں موجود ہے۔ اگرچہ آج کے حالات کے مطابق اس میں بھی بعض ترامیم کی ضرورت ہے۔ لیکن اس زمانے میں ایک بہترین علمی ذخیرہ تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر اتنی بڑی سلطنت چھوڑ گیا تھا کہ اس کے جانشینوں کے لیے اس کا انتظام کرنا بھی آسان کام نہ تھا اور جیسا کہ اصول ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو

دہراتی ہے"۔ اور ہر سلطنت اپنے عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہونے لگتی ہے۔ یہی صورت سلطنت مغلیہ کو پیش آئی اور اورنگ زیب کی وفات کے بعد جہاں مغل سلطنت کو زوال آیا وہاں مغرب سے آئی ہوئی تاجر قوم کو پاؤں پھیلانے کا موقع بھی ملا۔ مغل سلطنت میں ضعف آنے کے باعث ملک میں جا بجا بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ راجواڑو اور صوبوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ انگریز نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ وہ کسی کی مخالفت کرتے اور کسی کی حمایت۔ اور اسی طرح دو حکمرانوں کو لڑا کر اپنا الّو سیدھا کرتے رہے۔

برصغیر کے مسلمانوں کے لیے یہ انتہائی نازک وقت تھا۔ حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ وہ اخلاقی اور مذہبی طور پر بھی پستی کی طرف جا رہے تھے۔ معاشرتی رسموں کے اعتبار سے بھی مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی بڑا فرق نہ تھا۔ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔ لیکن اب بھوت پریت اور توہمات کے ڈر سے روحانی زندگی کا سکون تلف ہو رہا تھا۔ اسلام یہ کہتا تھا کہ انسان اتنے بلند مقام پر فائز ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کے آگے مت جھکے بلکہ تمام چیزوں کو انسان کے ماتحت کر دیا گیا ہے اور یہ ہی انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا مقام تھا۔ لیکن اب یہ حال تھا کہ انسان انسانوں کے در پہ کاسہ لیسی کرتے بلکہ جتنے پیر خانے بنے ہوئے تھے وہ انسانوں کو خدا کے در پر جھکانے کی بجائے اپنے در پہ جھکاتے اور کوئی بھی خانقاہ ایسی نہ تھی جہاں غیر اللہ کی بندگی کے احکام بجا نہ لائے جاتے ہوں۔ ہندوؤں میں نکاح بیوگاں پاپ سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں بھی نکاح ثانی برا سمجھا جانے لگا۔ بیاہ شادی اور تجہیز و تکفین کے متعلق اسلامی احکام نہایت سادہ اور معقول اور دینی و دنیاوی بھلائی پر مبنی تھے لیکن مقامی اثرات اور ہندوانہ ذہنیت کی وجہ سے ان کی جگہ ایسی خلاف شرع رسموں نے لے لی تھی جن میں فضول خرچی۔ تضیع اوقات اور دوسری بیسیوں قسم کی قباحتیں اور بدعات موجود تھیں۔

مجاہدین آزادیٔ ہند کا پہلا دور ۱۸۳۱ء تک

ایسے نازک اور پرخطر دور میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے چند بزرگوں نے مسلمانوں کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ احمد شاہ ابدالی کا حملہ بھی انہی کے بلاوے پر ہوا تھا۔ لیکن ابدالی پانی پت کے تاریخی مقام پر مرہٹوں کو زبردست شکست دے کر واپس لوٹ گیا اور ہندوستان پھر ایک مرتبہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا۔ گر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی مجدد یا مصلح ہونے کا کوئی بلند بانگ دعویٰ نہ کیا تھا۔ لیکن تجدید و اصلاح کا پورا سامان مہیا کر دیا تھا۔ قوم کی اخلاقی اور روحانی قباحتوں کو اپنی تصانیف میں بے نقاب کیا۔ ملک میں قرآن فہمی اور درس حدیث کے چشمے جاری کیے جس کی وجہ سے غیر اسلامی عناصر سب کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔ بس سے بھی بڑھ کر وہ ایک ایسی صالح جماعت کی بنیاد ڈال گئے تھے جو ان کی اصلاحی تجاویز کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتی تھی۔

انیسویں صدی کے ابتدا میں سرزمین برصغیر کی سیاسی نوعیت بالکل بدل گئی تھی کیونکہ اٹھارہویں صدی میں انگریز کے مراعات لینے کے بہانے انہوں نے اپنے ناخن کافی مضبوط کیے تھے۔ اور انگریز اپنی اس پالیسی کی وجہ سے جس پر ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی کے قبل سے کار فرما تھا۔ اسلامی حکومت کو کافی نقصان پہنچایا۔ ۱۸۰۳ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی نے ملک کے اکثر و بیشتر حصوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مدراس، بنگال، میسور، دکن، بمبئی، روہیل کھنڈ اور یوپی کے صوبجات پر کمپنی کی بلاشرکت غیرے حکومت قائم ہو چکی تھی۔ کمپنی کے نمائندوں نے مرکزی حکومت سے ملکی انتظامات کا چارج تہ پروانہ لکھوایا ہوا تھا حتیٰ کہ روزمرہ کے اعلانات میں بھی یہی کہا جاتا تھا۔ کہ "خلقت خدا کی۔ ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا"۔ مغلیہ خاندان کا فرمانروا صرف قلعہ معلیٰ کے اندر ہی فرمانروائی کرتا تھا۔ اس کے باہر تمام دہلی پر کمپنی کی حکومت ہو چکی تھی۔ پنجاب بمعیت علاقہ سرحد و کشمیر سکھوں کے زیر نگین تھا۔ اس

Marfat.com

میں ظلم کی یہ انتہا تھی کہ ہر بدترین حکومت کے لیے "سکھا شاہی" کا نام ضرب المثل ہو گیا۔ اس وقت خاندان ولی اللہی ہی کے ایک مرید حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پورے زور سے ہندوستان میں جہاد کی تحریک شروع کی۔ حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے فتویٰ دیا کہ اب ہندوستان دار الحرب ہو چکا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ دین کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے میں جان و مال کی بازی لگا دیں۔ چہ جائیکہ ایک اسلامی حکومت چھن کر غیر مسلموں میں چلی جائے۔ تو بطریق اولےٰ ان فرض ہو جائے گا کہ وہ ان غیر مسلموں کو نکالنے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

سید احمد صاحب تیرھویں صدی کے پہلے دن پیدا ہوئے۔ یعنی پیدائش کا دن یکم محرم ۱۲۰۱ھ ہے۔ جماعت مجاہدین میں سید صاحب مجدد الف ثالث گنے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب قریباً پچیس سال تک اپنی تعلیم و تعلم میں مشغول رہے لیکن ان کا رجحان ذکر و اذکار کی طرف زیادہ تھا۔ تعلیم تھوڑی حاصل کرتے۔ اللہ اللہ زیادہ کرتے۔ رات کا اکثر حصہ تہجد میں گذارتے اور دن کو تعلیم کے ساتھ ساتھ عسکری زندگی کے سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس لیے اکثر تلوار گتکہ وغیرہ کے کرتبوں میں مشغول رہتے۔

جب حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تعلیم حاصل کر رہے تھے تو ساتھ ہی مجاہدانہ تربیت بھی حاصل کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ۱۲۲۵ھ میں آپ نواب امیر خاں والئ ٹونک کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ کیونکہ نواب صاحب انگریز اور ہنود ؤں سے بیک وقت جنگ کر رہے تھے۔ ۱۲۳۳ھ میں نواب امیر خاں نے انگریزوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا۔ تو شاہ صاحب اس کی فوج سے مستعفی ہو گئے۔ نواب امیر خاں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ انگریز کے خلاف جہاد کے لیے تو میں نے فوجی نوکری کی تھی اب وہ ہی نہیں رہا تو میری نوکری کس کام کی۔ نواب نے کہا کہ آپ مستقل ملازمت اختیار فرما لیں آپ کو فوجی دستوں کی افسری پر مقرر کر دیتا ہوں۔ اگر یہ نہیں چاہتے تو

Marfat.com

آپ مستقل دین کی تبلیغ کرتے رہیں اور میرے پاس رہا کریں۔ لیکن شاہ صاحب نے کوئی چیز بھی قبول نہ کی۔ چنانچہ آپ پھر اپنے مرکز یعنے دہلی اپنے استادوں کے ہاں چلے آئے

حضرت شاہ عبدالعزیز کو انہی دنوں خواب میں بشارت دی گئی تھی کہ تمہارے ہاتھوں یا تمہارے کسی شاگرد کے ہاتھوں تجدید دین کی تحریک کو عروج پہ پہنچایا جائے گا چنانچہ حضرت سید احمد صاحب شاہ عبدالعزیز کے پاس آئے تو حضرت شاہ عبدالعزیز کے کہنے پہ ان کے قریباً تمام کنبہ کے کارکن افراد نے ان کی بیعت کی۔ یہ دن قریباً اس اصلاحی اور جہادی تحریک کا پہلا دن تھا جبکہ یہ تحریک علمی دور سے نکل کر عمل کے دور میں داخل ہوئی۔

سب سے پہلے تحریک کو لبیک کہنے والے حضرت مولانا عبدالحیؒ۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھانجے اور حضرت مولانا شاہ اسمٰعیلؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے اور حضرت شاہ اسحاقؒ شاہ عبدالعزیز کے نواسے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے مولانا شاہ عبدالحی صاحب کو شیخ الاسلام اور شاہ اسمٰعیل صاحب کو حجۃ الاسلام کا لقب عطا فرمایا۔ اکثر بطور تحدیث نعمت فرمایا کرتے تھے الحمد للہ الذی وھبنی علی الکبر اسمٰعیل واسحاق۔

ایک موقع پہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ تفسیر قرآن میں عبدالحی میرا نمونہ ہے اور تحریر میں رشیدالدین صاحب۔ حدیث میں مرزا حسن علی۔ اور فقہ میں اسحاق شاہ اور اسمٰعیل کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسمٰعیل کا علم کسی خاص شعبے میں محدود نہیں جن لوگوں نے میرے عہد شباب کا علم دیکھا ہے اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو اسمٰعیل کو دیکھ لیں۔

اس تجدیدی تحریک نے رجب ۱۲۳۳ھ مطابق جون ۱۸۱۸ء میں عملی رنگ اختیار کیا۔ اور سید احمد صاحب کی اس تحریک میں سب سے بلند کردار شاہ اسمٰعیل صاحب نے ادا کیا۔ اور قریباً آخر وقت تک شاہ صاحب بطور وزیر یہ مشیران کے شریک کار رہے۔ سید صاحب اس وقت تک کسی کام کا فیصلہ نہ فرماتے۔ جب تک شاہ اسمٰعیل صاحب سے مشورہ نہ کر لیتے۔ چنانچہ سید صاحب نے اپنے مشیروں کو چھوٹے چھوٹے تبلیغی دستوں کی صورت میں

تمام علاقہ میں دورہ کرنے کے لیے کہا اور آپ بھی جہاد کی تبلیغ کے لیے مختلف جگہوں میں تقریریں فرماتے اور جہاد کی بیعت لیتے رہے۔

چونکہ یہ تحریک کوئی صرف سیاسی تحریک نہ تھی جس کا کام ملک گیری ہو اور نہ ہی صرف تبلیغی تحریک تھی جو سیاست سے روشناس ہی نہ ہو بلکہ یہ ایک تجدیدی تحریک تھی جس کے سامنے بیک وقت لوگوں کی اصلاح کا پروگرام بھی تھا اور ایسی حکومت کا قیام بھی تھا جو خالص کتاب و سنت کے قانون کی حامل ہو۔ چنانچہ ان دنوں بعض ملاؤں نے یہ فتوی دے رکھا تھا کہ اب حج فرض نہیں رہا۔ کیونکہ انگریزوں وغیرہ سے جنگوں نیز اپنی خانہ جنگیوں کی وجہ سے راستہ مخدوش ہے۔ نیز ہندوانہ ذہنیت کی وجہ سے بیوہ عورتوں کا نکاح بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس بدرسم کو اپنے ہی گھر سے توڑا اور گھر میں جو بیوہ عورتیں تھیں ان کا مناسب جگہوں پر نکاح کر دیا۔ اس کے بعد جلد ہی حج کا اعلان فرمادیا کہ آئندہ سال ہم چار صد افراد حج کو جائیں گے۔ لیکن جاتے ہوئے کئی اور مل گئے کیونکہ آپ نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص بھی ہمارے ساتھ جانا چاہے ہم اپنے ساتھ جانے والوں کے اخراجات خود برداشت کریں گے۔

سید صاحب نے ذیقعد ۱۲۳۶ھ میں حج کا سفر شروع کیا۔ ۱۲۳۷ھ کے ذوالحج میں فریضہ حج ادا فرمایا۔ اور ربیع الاول ۱۲۳۸ھ کو واپسی اختیار کی۔ ۲۹ رشعبان ۱۲۳۹ھ کو آپ واپس ہندوستان پہنچ گئے۔ اور واپس آ کر بدستور سابق اپنے تمام مریدان باصفا سے جہاد کی بیعت لینی شروع کر دی۔

ہندوستان کے اندر تو جیسا لکھا جا چکا ہے کہ جہاد کا کوئی مقام بحیثیت مرکز کے محفوظ نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے اس کے لیے افغانستان اور سرحد کا علاقہ مرکز بنانے کے لیے طے پایا۔ کیونکہ حضرت شاہ صاحب کے شاگردوں میں سے جو پٹھان لوگ جنہیں ان دنوں ولایتی کہا جاتا تھا۔ یہی مشورہ دیا۔ اور سید صاحب نے اسے قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ نے ہندوستان میں مختلف دورے کر کے تمام بڑے بڑے شہروں میں سامان رسد اور کمک پہنچانے کے لیے خلیفے مقرر کئے۔ جب اندرونی انتظامات مکمل کر لیے تب ہجرت کا اعلان فرما دیا۔

Marfat.com

سید صاحب نے ۷ رجمادی الثانی ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۸۲۶ء کو راہ ہجرت میں قدم رکھا۔ اس وقت آپ کے ساتھ پانچ سات ہزار ہندوستانی مجاہد تھے۔ جنہوں نے جہاد کرنے اور مسلمانان پنجاب وغیرہ کو مذہبی آزادی دلانے کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ آپ براستہ عمرکوٹ۔ حیدر آباد۔ شکارپور۔ درہ بولان۔ کوئٹہ اور قندھار سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے اور وہاں سے براستہ درہ خیبر پشاور میں داخل ہوئے اور پھر وہاں سے نوشہرہ تشریف لے گئے۔

جنگ شروع کرنے سے پہلے شاہ صاحب نے دربار لاہور میں سکھوں کی حکومت کو ایک تحریری اعلان حسب قاعدہ شریعت بھیجا۔ لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ جرنیل بدھ سنگھ کو ایک بڑا لشکر دے کر مجاہدین کے مقابلے کو بھیجا۔ پہلا معرکہ ۲۰ رجمادی الاول ۱۲۴۲ھ (۲۰ دسمبر ۱۸۲۷ء) کو نوشہرہ سے سات میل دور بمقام اکوڑہ ہوا۔ اس میں مجاہدین کامیاب رہے اور بدھ سنگھ کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے بعد متواتر کئی جنگیں لڑی گئیں جس کی وجہ سے مجاہدین کی دھاک بیٹھ گئی اور قریبًا ایک ماہ بعد تمام علماء و رؤسا علاقہ نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور باقاعدہ امیر المومنین چنا تاکہ آپ کو انتظام جہاد۔ تقسیم غنائم۔ اقامت جمعہ اور اقامت حدود شریعت کا پورا اختیار ہو۔ چنانچہ سید صاحب نے وہاں جو جہاد کی چھوٹی بڑی مہمیں سر کیں۔ قریبًا اٹھائیس تھیں۔ نیز علاقہ سمہ (یعنی پشاور اور دریائے اٹک کا درمیانی میدانی علاقہ) اور کوہستان توچی (یعنی دریائے اٹک سے ریاست سوات تک کا پہاڑی علاقہ) میں باقاعدہ اسلامی نظام قائم کیا گیا۔ شہروں میں قاضی مقرر کیے گئے جو شرعی حدود کا نفاذ کرتے۔ محصل زکوٰۃ و عشر مقرر کیے گئے اور باقاعدہ ایک اسلامی نظام حکومت کی بنیاد قائم کر دی گئی۔ لیکن افسوس کہ وہ علاقائی سردار اور نواب جو پورے طور پر خود سر ہو چکے تھے۔ اسلامی نظام کو برداشت نہ کر سکے اور سازش کر کے ایک ہی رات میں تمام علاقہ کے قاضی اور محصلین میں سے اکثر کو شہید کر دیا گیا۔ یہ شرعی نظام بمشکل ایک ہی سال پوری طرح رہا ہو گا۔

Marfat.com

سید صاحب ان غداروں سے لٹتے دل برداشتہ ہوئے کہ وہاں سے بھی ہجرت کی اور اپنے جہاد کے لیے کسی دوسرے میدان کی تلاش شروع کر دی۔ تبلیغی دورہ کرتے ہوئے کشمیر پہنچنے کا ارادہ تھا کہ بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے جنگ ہوئی۔ ملکی لوگوں نے غداری کی اور سکھوں کو راتوں رات بالاکوٹ کے سر پر لے آئے بالآخر ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء بروز جمعہ دن کے پہلے حصے میں اکثر مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

جنگ بالاکوٹ میں سے جو مجاہدین باقی بچے وہ بمشکل ایک سو کے قریب تھے۔ اور وہ بھی اس لیے کہ وہ عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال اور انتظام پر مقرر تھے۔ ورنہ مجاہدین تو اپنے گھر سے تمام کنبہ کے افراد جائدادیں وغیرہ چھوڑ کر گئے ہی اس لیے تھے کہ اللہ کی راہ میں شہادت پائیں۔ سو وہ اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ منھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔

یہ دور تحریک جہاد کا پہلا پانچ سالہ دور تھا۔ جو شہادت بالاکوٹ پر ختم ہوا۔ اس کے بعد مجاہدین کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔

دوسرا دور ۱۸۳۱ء سے ۱۸۴۷ء تک

بقیۃ السیف مجاہدین کی امارت مولوی ولی محمد صاحب کے سپرد کی گئی۔ مولوی ولی محمد صاحب نے اپنی طرف سے محمد قاسم پانی پتی کو امیر جہاد مقرر کیا۔ اور آپ سید صاحب کی اہلیہ کو کسی محفوظ مقام پر پہنچانے کی کوشش میں لگ گئے۔ مجاہدین پسپا ہو کر ٹانک یا رہو گئے۔ لیکن باوجود تھوڑے اور بے دست و پا ہونے کے بھی جہاد میں وقتاً فوقتاً حصہ لیتے رہے۔

دہلی میں اس وقت سید نصیر الدین شاہ رفیع الدین صاحب کے نواسے مجاہدین کی ملکی خدمات سرانجام دینے پر مقرر تھے۔ جب انہیں بالاکوٹ کی شہادت کے بعد سے

Marfat.com

حالات کا مکمل علم ہوا تو انہوں نے دوبارہ دہلی اور گردونواح میں تبلیغ کا کام کرکے مجاہدین کی ایک جماعت اکٹھی کی۔ چنانچہ رفقاء دہلی نے انہیں اپنا امیر مقرر کیا۔ مولوی صاحب نے اندرون ہند میں تمام جگہوں پر اپنے نائب مقرر کیے۔ بلکہ اکثر پرانے کارکنوں سے بھی کام لیا اور جوش دلا کر انہیں دوبارہ جہاد کی سرگرمیوں میں مشغول کر دیا۔ اور خود مجاہدین ہند کی جماعت کو لے کر مرکز سرحد کی طرف رخت سفر باندھا۔

سید نصیر الدین صاحب ۳ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ (۲ اپریل ۱۸۳۵ء) کو ہجرت پر نکلے اور دہلی سے شکارپور تک کا وہی راستہ اختیار کیا۔ جو سید احمد صاحب نے اختیار کیا تھا یعنے دہلی سے ٹونک۔ اجمیر۔ جودھپور۔ جیسلمیر۔ خیرپور۔ پیر کوٹ اور شکارپور کا راستہ اور اس سے آگے کوئٹہ اور قندھار جانے کی بجائے روجھان دکشمور وغیرہ کے راستہ سے یعنے دریائے سندھ کے بائیں کنارے جانے کو پسند کیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ پیر کوٹ۔ رپیر جو گوٹھ کے سید صبغتہ اللہ نے ان سے پورا تعاون کیا اور اپنے مریدوں کو جو حُرّوں کے نام سے مشہور تھے اس کام پر مامور فرمایا بلکہ بطور کمک کے کئی حُرّوں کو مجاہدین کے ساتھ بھیجا۔ ملتان کا صوبہ ان دنوں چونکہ بطور ایک سکھ ریاست کے انگریزوں کے زیر اقتدار تھا اس لیے وہاں بھی سکھوں سے کافی مڈبھیڑ ہوئی۔ بالآخر وہاں سے کامیابی کے ساتھ آگے بڑھے بلوچستان میں تنظیمی کام کرتے ہوئے وزیرستان تک پہنچے۔

افغانستان میں ان دنوں امیر دوست محمد فرمانروا تھا۔ اور انگریز چاہتا تھا کہ کابل پر قابض ہو کر افغان حکمرانوں کو بھی بے دخل کر دیا جائے۔ چنانچہ انگریزی فوج کوئٹہ سے قندھار پر حملہ آور ہوئی اور غزنی کے راستہ سے کابل پہنچنا چاہتی تھی۔ ادھر مجاہدین بھی وزیرستان کے راستہ غزنی پہنچ چکے تھے اور امیر دوست محمد خاں کی فوج کے ساتھ مل کر انگریز کی فوج سے لڑے۔ چنانچہ ۲۱ جولائی ۱۸۳۹ء (ربیع الاول ۱۲۵۵ھ) کو جو جنگ انگریزوں سے ہوئی اس میں قریباً تین سو صرف مجاہدین شہید ہوئے اور افغان فوجیوں کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ لیکن انگریزی فوجی جلال آباد پہنچتے پہنچتے بالکل ختم ہو گئے۔ صرف ایک ڈاکٹر بچا جس نے یہ تمام واقعات سنائے۔

سید نصیر الدین صاحب بقیۃ السیف مجاہدین کو ساتھ لے کر مرکز مجاہدین ستھانہ میں ۱۸۴۰ء کے شروع میں پہنچ گئے۔ اہل ستھانہ نے جاتے ہی سید نصیر الدین صاحب کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے کہ خوانین سرحد نے انہیں دھوکہ سے زہر دے کر شہید کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد سید عبدالرحیم صاحب امیر مقرر ہوئے جو جولائی ۱۸۴۱ء تک رہے۔ بالآخر وہاں عظیم آبادی خاندان (پٹنہ) کے دو چشم و چراغ مولوی ولایت علی صاحب و مولوی عنایت علی صاحب وہاں پہنچ گئے۔ انہی کو امارت تحریک کی خدمت سرانجام دینا پڑی۔

مولوی ولایت علی صاحب اس سے پہلے مرکز مجاہدین کی طرف سے علاقہ دکن میں بطور خلیفہ کام کرتے رہے۔ اور مولوی عنایت علی صاحب علاقہ بہار میں کام کرتے رہے یہ دور تحریک جہاد کا دوسرا دور سمجھنا چاہئے۔ پہلے پنجسالہ دور کے بعد دوسرا دس سالہ دور مجاہدین کے لیے بہت جانفزا رہا ہے۔ اگرچہ اس دور میں مرکز مجاہدین ستھانہ سے براہ راست کوئی اہم کام نہ ہو سکا۔ لیکن اندرون ملک میں مختلف تحریکیں اٹھتی رہیں۔ غالباً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعلیم و تربیت کا ہی اثر تھا۔ کہ لوگ انگریز کی حکمرانی میں چین سے بیٹھنا گناہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ تیتو میاں کی تحریک آزادی بنگال جس کا نام "فرائضی تحریک" یعنے اللہ تعالےٰ کے احکام و فرائض نافذ کرنے والی تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعلیم سے متاثر لوگوں کی تحریک معلوم ہوتی ہے اور سید نصیر الدین صاحب دہلوی نے تو زیادہ جنگیں ڈیرہ غازی خاں کے ضلع اور افغانستان کے علاقہ میں لڑی تھیں اور ستھانہ پہنچنے کے بعد تو انہیں زیادہ مہلت ہی نہ مل سکی۔

تیسرا دور ۱۸۴۱ء تا ۱۸۵۹ء

عظیم آبادی خاندان جو کہ مشہور نواب خاندانوں میں سے تھے۔ جب سرحد میں پہنچے تو اس وقت وہاں کا نظم و نسق اتنا بہتر نہ تھا چنانچہ انہوں نے دوبارہ ہندوستانی خلفا کو از سرِ نو مرتب کیا اور مولانا ولائت علی صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا عنائت علی صاحب کو مرکز سرحد

Marfat.com

میں بھیجا۔ ان دنوں مجاہدین کے آمدورفت کا راستہ گورداسپور سے کشمیر کے کنارے ہوتا ہوا جہلم سے قریباً دس میل شمال میں سے گذر کر پہاڑی راستوں سے ضلع ہزارہ تک پہنچا تھا۔ مولانا عنایت علی صاحب اپنے ساتھ قریباً دو ہزار ہندوستانی مجاہدین کو لے کر گئے تھے۔ انہی دنوں رنجیت سنگھ کے مرنے کی وجہ سے سکھوں کی حکومت بالکل متزلزل تھی۔ چنانچہ اس وقفہ سے مجاہدین کو اچھا موقع مل گیا۔ جون ۱۸۴۱ء کو مولانا عنایت علی سرحد پہنچے اور جاتے ہی امیر المجاہدین مقرر کر دیے گئے اور دو سال کی متواتر کوشش سے ۱۸۴۳ء میں سادات کاغان کے تعاون سے بالاکوٹ فتح کر لیا۔ اور اسکے بعد یکے بعد دیگرے سلسلۂ فتوحات بڑھتا ہی گیا۔ حتی کہ سارا ہزارہ، وادیٔ کاغان، ملحقہ حصۂ کشمیر اور سرحد کا شمالی سلسلۂ کوہ سارا مجاہدین کے تسلط میں آ گیا۔ اسلامی نظام رائج کیا گیا۔ اور قانون اسلامی کے مطابق حدود کا نفاذ کیا جاتا۔ حتی کہ بے نمازوں کو بھی سزا دی جاتی۔ باقاعدہ فوج اور محاصل کے محکمے قائم کیے گئے۔ افغانستان اور کشمیر سے باقاعدہ سفارتی تعلقات قائم کیے گئے۔

یہ دوسرا روشن موقع تھا جبکہ مجاہدین کو اسلامی نظام قائم کرنے کا موقع ملا۔ لیکن اسلام کا نام جتنا مسلمانوں میں کشش کا کام دیتا ہے۔ اتنا ہی آج کا مسلمان اس کے نظام سے بھاگتا ہے

چنانچہ خوانین کی طرف سے پھر وہی شکایتیں اور غداریاں نمودار ہونا شروع ہو گئیں۔ ادھر مولانا ولایت علی صاحب کو جب معلوم ہوا تو وہ ۹ر اکتوبر ۱۸۴۶ء (۱۷ر شوال ۱۲۶۲ھ) کو اپنے چھوٹے بھائی کے بلاوے پر سرحد پہنچے تو ان کا بڑا ہی تپاک استقبال کیا گیا۔ اور ۱۶ر اکتوبر ۱۸۴۶ء (۲۴ر شوال ۱۲۶۲ھ) کو سارا کاروبار خلافت ان کے سپرد کیا گیا

مولوی ولایت علی صاحب کی خلافت کے ابھی صرف تین ہی ماہ کے قریب گذرے تھے کہ خوانین کی غداری کی وجہ سے سکھوں اور انگریزوں کی فوجوں نے مل کر مظفر آباد اور گڑھی حبیب اللہ دونوں طرفوں سے حملہ کر کے سارا سلسلہ ختم کر دیا۔ دونوں بھائیوں

کا ملا کر خالص اسلامی دور قریباً دو سال سے کچھ متجاوز ہے۔

اس کے بعد دوبارہ دونوں بھائی مولوی ولایت علی اور مولوی عنایت علی سرحد سے واپس عظیم آباد تنظیمی اور ملکی سلسلے میں پہنچے۔ انگریز نے انہیں دو سال کے لیے نظر بند کر دیا۔ اور اگست ۱۸۴۹ء میں نظر بندی کی میعاد ختم ہوتے ہی دونوں بھائی دوبارہ سرحد چلے گئے۔ گھر سے ہجرت کرنے کی تاریخ یکم ستمبر ۱۸۴۹ء (۱۳ شوال ۱۲۶۵ھ) ہے۔ لیکن مرکز ستھانہ پہنچنے کی تاریخ ۱۰ فروری ۱۸۵۱ء (۸ ربیع الآخر ۱۲۶۷ھ) ہے اور ڈیڑھ سال چھپ چھپا کر ملک میں جہاد کی تحریک میں سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ مولوی ولایت علی صاحب تو سرحد جا کر قریباً بیس ماہ بعد ۵ نومبر ۱۸۵۲ء (۲۲ محرم ۱۲۶۹ھ) کو انتقال فرما گئے۔ حالانکہ تحریک جہاد کے متعلق ابھی تک کوئی مستقل قدم نہیں اٹھا سکے تھے۔

اس کے بعد مولوی عنایت علی صاحب کے ہاتھ پر بیعت جہاد ہوئی اور ایک ماہ بعد ہی جہاد شروع ہو گیا۔ حضرت امیر المجاہدین مولانا عنایت علی صاحب کی مستقل زندگی جہاد ہی میں گذری۔ حتیٰ کہ انگریزوں نے بہت بڑی فوج سے مجاہدین کے مرکز ستھانہ کو توپوں سے اڑا دیا۔ جس کی وجہ سے مجاہدین کو اپنا مرکز منگل تھانہ میں منتقل کرنا پڑا۔

دوسرے مرکز میں پہنچ کر مقامی لوگوں کو بھی دعوت اصلاح و جہاد دیتے رہے اور ساتھ ہی اندرون ہند میں بھی دعوت اصلاح و جہاد کے مبلغ بھیجتے رہے اور خصوصاً انگریزی فوج میں مبلغ بھیجے جو نہایت رازداری سے فوجیوں میں تبلیغ اصلاح و جہاد کا کام کرتے رہے۔ کیونکہ جن فوجیوں کی وجہ سے بار بار مجاہدین کو پسپا ہونا پڑا وہ عموماً ہندوستانی ہی تھے۔ اور مقصد یہ تھا کہ یہ ہندی فوجیں بجائے ہم پر حملہ کرنے کے الٹا انگریزوں پر ہی حملہ کرنا شروع کر دیں۔ اس تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ اکثر فوجی جہاد کے جذبہ سے انگریزوں سے متنفر ہو گئے اور خنزیر کی چربی کے کارتوس وغیرہ کی باتیں تمام کی تمام ان میں اسی لیے پھیلائی گئیں تاکہ انگریز کو اپنا جانی اور مذہبی دشمن سمجھنے لگیں۔

اس تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ تمام فوجوں میں سے اکثر و بیشتر بالکل موقع کی تاک میں تھے۔ بلکہ ان کی مثال اس لاوے کی طرح تھی جو بالکل ابلنے کے لیے موقع کا منتظر ہو یا اس

Marfat.com

بارود کے ڈھیر کی طرح جو صرف ایک چنگاڑی کا منتظر ہو چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے انگریز غدر کے نام سے موسوم کرتے ہیں اسی وجہ سے ہوئی۔ سرحدی مجاہدین کی ۲۰ جولائی ۱۸۵۷ء کی جنگ تاریخی خاص طور پر قابل ذکر ہے جس میں انگریزوں کا بہت بھاری نقصان ہوا اور رائل فیملی کے کئی افراد مارے گئے۔ انگریزوں نے اس کے مقابلہ میں سرحدی انتظامات مضبوط کر دئے اور بڑی سختی سے پڑتال شروع کر دی۔ کہ مجاہدین کو کسی قسم کا سامان رسد اور خرچ نہ پہنچ سکے۔ جس کی وجہ سے مجاہدین واقعی دقت محسوس کرنے لگے بلکہ بسا اوقات فاقوں تک بھی نوبت آجاتی۔ لیکن مجاہدین سلسلہ جہاد میں کمی نہ آنے دیتے۔ امیر المجاہدین مولانا عنایت علی صاحب ۲۲ مارچ ۱۸۵۸ء (۸ شعبان ۱۲۷۴ھ) کو فوت ہوئے ان کے بعد انکے جانشین بھی بدستور انگریزوں سے لڑتے رہے۔ بالآخر انگریزوں نے بہت بھاری فوجوں سے علاقے کے تمام مرکزوں کو تباہ کر دیا۔ مجاہدین بھی کافی شہید ہوئے۔ جو باقی بچے وہ بالا کوہستان میں "ملکا" کے مقام پر جو سادات ستھانہ کی ملکیت تھا وہاں چلے گئے علاقہ سرحد میں اکثر و بیشتر سادات گھرانوں نے مجاہدین کی بڑی خدمت کی بلکہ مجاہدین کی تکالیف میں برابر کے شریک رہے اور مجاہدین کے ساتھ مل کر بہت بڑے دنیاوی نقصانات سہتے رہے۔ لیکن خوانین اکثر و بیشتر غداری ہی کرتے رہے۔ الا ماشاء اللہ

مجاہدین کی اس شکست کے بعد قریباً ڈیڑھ سال تک منتشر سی حیثیت سے ہی رہے۔ اگرچہ عارضی امیر تو مقرر کر لیا تھا لیکن وہ کوئی کام نہ کر سکے۔ ادھر مولانا ولایت علی صاحب کے صاحبزادہ مولوی عبداللہ صاحب جو کہ ابھی تک پٹنہ ہی میں تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ مجاہدین کا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے تو انہوں نے بذات خود سرحدی مرکز میں جانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ ۱۹ نومبر ۱۸۵۹ء (۲۳ ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ) کو مع اہل عیال سرحد روانہ ہو گئے۔ جاتے ہی انہیں امارت کے لیے منتخب کر لیا گیا۔

تیسرا دور تحریک مجاہدین کا عظیم آبادی خاندان کے دو مجاہدوں کے فوت ہونے پر ختم ہوا۔ یہ دور قریباً اٹھارہ سالہ تھا۔ چوتھا دور مولانا عبداللہ صاحب امیر المجاہدین سے شروع ہوتا ہے۔ ان کا زمانہ امارت چالیس سال سے کچھ لمبا ہے گویا یہ دور سب

Marfat.com

سے لمبا ہے۔

چوتھا دور ۱۸۵۹ء تا ۱۹۰۲ء

امیر عبداللہ صاحب نے باقاعدگی سے یاغستان کے تمام قبائلی علاقوں میں بھی اور اندرون ہند بھی اپنے سفیر (خلیفے) مقرر کر کے بھیجے جس کی وجہ سے انگریز بہت پریشان تھے۔ اور وہ بار بار فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوتے۔ مسلمانوں کا بھی نقصان کافی ہوتا۔ لیکن انگریز کو بھی یہ لڑائیاں سستے داموں نہیں پڑ رہی تھیں۔ قریباً اٹھارہ مہمیں تو ۱۸۵۰ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک ہی بھیجی جا چکی تھیں اور اس کے بعد ان فوجی مہموں میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

۱۸۶۳ء کی جنگ امبیلا جو امیر عبداللہ صاحب کی سرکردگی میں لڑی گئی۔ اس میں انگریز کا بہت ہی نقصان ہوا۔ ڈاکٹر ہنٹر "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں خود لکھتا ہے۔ تمام شمالی ہند کی فوج اکٹھی کر کے مجاہدین کے مقابلہ کے لیے بھیج دی گئی۔ فوج کی قوت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام سپاہی جمع کر کے مجاہدین کے مقابلہ میں بھیج دیئے گئے۔ یہاں تک کہ وائسرائے کے حفاظتی دستے کے لیے گارد مہیا نہ ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود جو حشر مجاہدین نے ان کا کیا دیکھنے اور سننے کے قابل ہے۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ انگریز دل کے لیے آگے بڑھنا ناممکن تھا لیکن پیچھے ہٹنا بھی موت کو دعوت دینا تھا۔ سب سے پہلے ۲۰ تاریخ رات کے وقت شبخون مارا گیا۔ پہلے تو مجاہدین نے انگریزی فوج کو دو حصوں میں چیرنے کی کوشش کی مگر بروقت پتہ چل جانے کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ ایک سپاہی لکھتا ہے کہ شبخون کا نظارہ نہایت ہیبت ناک تھا۔ سامنے جنگل تھا پہاڑوں پر روشنی دھند کی ستارہ کی طرح معلوم ہو رہی تھی کہ اچانک اللہ اکبر کی خوفناک آواز بلند ہوئی پھر بندوقیں چلنے لگیں۔ پھر یک دم تلواروں کی جھنکار سنائی دی۔ یہ آواز سناٹے میں جنگل کے اندر بہت ڈراؤنی گونج پیدا کر رہی تھی۔ پھر اچانک مجاہدین ایک بہت بڑا بوجھ اٹھائے ہوئے (المیہ تیشن) پہاڑوں پر چلے گئے۔ پھر تحکمانہ آواز میں آواز آئی جنگ بند کر دو۔

Marfat.com

اس کے بعد گولی چلنی بند ہو گئی اور ان کے پاؤں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ جوں جوں دیر ہوتی جا رہی تھی۔ ہمارے خطرات بڑھتے جا رہے تھے اور مجاہدین کی طاقت میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن کافی فوج کے باوجود ہم آگے بڑھنے کے قابل نہ تھے"۔

یہی ہنٹر دوسری جگہ لکھتا ہے ۱۸۶۳ء کی لڑائی میں ہم نے کافی نقصان اٹھانے کے بعد یہ سبق حاصل کیا کہ مجاہدین کے خلاف مہم روانہ کر دینا۔ دُنیا کے ۵۳ ہزار جنگجو اور بہادر انسانوں کی مجموعی طاقت کے ساتھ جنگ کرنا ہے"۔

نیز پھر لکھتا ہے کہ "مجاہدین کا یہ کیمپ جس قدر امن کے زمانے میں ہماری توہین کا باعث تھا اس سے کہیں زیادہ جنگ کے زمانہ میں ہماری تباہی کا سبب بن گیا۔

یہ اقتباسات ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں سے ہیں

انگریز یہ سمجھ گیا تھا کہ لڑائی میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اس کے بعد فوجوں کو وہیں بٹھائے رکھا اور دوسری حکمت سے کام لینا شروع کیا۔ بہت سے خوانین کو کچھ دے دلا کر اپنے ساتھ ملایا۔ لیکن خوانین لینے کے باوجود اس چیز پر رضامند نہ ہو سکے کہ مجاہدین کو ختم کر دیا جائے بلکہ صرف اتنا طے کیا کہ ایک دفعہ ہمارے فوجیوں کو "ملکا" (مرکز مجاہدین) پہنچایا جائے تاکہ اسے برائے نام جلا لیں اور ہمارے نام سے دھبہ دھل جائے اس کا عوضانہ نقصان سے زیادہ لے لینا۔ بہرحال انگریزوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "ملکا" کو جلایا گیا اور ہماری فوجی مہم کامیاب رہی۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ انگریزوں نے اپنے نام سے ایک دھبہ دھونے کی کوشش کی۔ کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اتنی بڑی حکومت اور اتنی زبردست فوجیں بھی ان سرحدی قبائل کو سرنہ کر سکیں۔

البتہ یہ ہوا کہ ان مجاہدین کا انتقام ان مقامی علماء سے لیا جانے لگا جو مجاہدین کی طرف سے ہندوستان میں بطور خلیفوں کے کام کرتے تھے اور سرحد میں روپیہ اور آدمی بھیجتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان میں علماء حق کے خلاف جگہ جگہ مقدمے کھڑے کئے گئے اور خصوصاً اہلحدیث علماء کی شامت ہی آ گئی شاید ہی الا ماشاء اللہ کوئی بچا ہو جو بازپرس سے رہ گیا ہو۔ حضرت میاں صاحب (سید نذیر حسین صاحب) جیسے بوجہ بیس گھنٹے حراست میں

Marfat.com

میں علم پڑھانے میں ہی مشغول رہتے۔ وہ بھی سال ڈیڑھ سال انکوائری کے ایام جیل میں کاٹ آئے۔

چنانچہ ۱۸۶۴ء میں انبالہ میں ایک مقدمہ کھڑا کیا گیا جس میں گیارہ آدمی ماخوذ تھے۔ جنکو مندرجہ ذیل سزائیں دی گئیں۔

(۱) شیخ محمد شفیع سزائے موت معہ ضبطی جائداد (لاش گورستان جیل میں دفن کیجائے)

(۲) مولانا یحییٰ علی " " " " " " " " "

(۳) مولانا محمد جعفر تھانیسری " " " " (بعد میں کالا پانی کی سزا میں تبدیل کر دی گئی)

(۴) مولوی عبدالرحیم حبس دوام بعبور دریائے شور مع ضبطی جائداد

(۵) قاضی میاں جان " " " " " " " " " " " " "

(۶) میاں عبدالغفار " " " " " " " " " " " "

(۷) منشی عبدالکریم " " " " " " " " " " " "

(۸) عبدالغفور " " " " " " " " " " " "

(۹) الٰہی بخش " " " " " " " " " " " "

(۱۰) حسین عظیم آبادی " " " " " " " " " " " "

(۱۱) حسین تھانیسری " " " " " " " " " " "

دوسرا مقدمہ عظیم آباد (پٹنہ) ۱۸۶۵ء میں کھڑا کیا گیا۔

جس میں مولانا احمد اللہ صاحب جو عظیم آباد کے مرکز میں مجاہدین کا کام کرتے تھے۔ وہ بھی مولانا یحییٰ علی اور مولانا عبدالرحیم صاحب کے ساتھ پکڑے گئے۔ جس میں انکو بھی بعبور دریائے شور معہ ضبطی جائداد کی سزا ملی۔ ان تینوں حضرات کی جو جائداد ضبط ہوئی وہ ان دنوں ایک لاکھ سے زائد رقم کی تھی۔

اتنے بڑے بڑے مقدموں کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مجاہدین کی مدد کرنا کرانا چھوڑ دیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ یہ معاملہ مصلحت کا نہ تھا بلکہ دین کا تھا۔ چنانچہ مولوی احمد اللہ صاحب کی گرفتاری پر یہ کام مولوی مبارک علی صاحب حاجی پورہ ضلع مظفر نگر (بہار) نے

Marfat.com

اپنے ذمہ لے لیا۔

ایسے ہی مالدہ اور راج محل میں بھی ۱۸۷۵ء میں مقدمے کھڑے کیے گئے جس میں مولوی امیر الدین اور ابراہیم منڈل کو سزائے حبس دوام بعبور دریائے شور معہ ضبطی جائداد ملی۔

۱۸۷۱ء میں عظیم آباد میں ایک اور مقدمہ کھڑا کیا گیا جس میں مولانا مبارک علی صاحب اور ان کے لڑکے کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور ان کے ساتھ پانچ آدمی اور بھی گرفتار کر لیے گئے۔

مولوی مبارک علی صاحب تو مولانا احمد اللہ کی جگہ کام کرنے میں ماخوذ ہوئے اور ان کے لڑکے مولوی تبارک علی ۱۸۶۳ء کی جنگ امبیلہ میں شرکت کرنے کی وجہ سے گرفتار ہوئے اور کچھ آدمی تجارت پیشہ گرفتار ہوئے۔ جن کے ذریعے رقم مجاہدین کو پہنچائی جاتی تھی۔

جنگ امبیلہ کے بعد مجاہدین خود ہی سادات ستھانہ سے الگ ہو گئے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے سادات ستھانہ بار بار ستائے گئے۔ نیز علاقہ کے خوانین نے چونکہ انگریزوں سے معاہدے کر لیے تھے اس لیے وہ بھی کچھ مجاہدین کے لیے پریشانی کا باعث بنا۔

مجاہدین ملکا سے نکل کر علاقہ بونیر میں چلے گئے اور وہاں کا ایک قلعہ بلوسی تھا جہاں قریبا بیس برس تک رہے۔ اور تبلیغی و اصلاحی کام کرتے رہے اور کبھی کبھی جب بھی انگریزوں سے جنگ کا موقع ملتا ٹلتے نہ تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۳ء کی جنگ امبیلا کے بعد ۱۸۶۷ء میں۔ پھر ۱۸۶۹ء میں پھر ۱۸۸۰ء میں انگریزوں کی طرف سے مجاہدین پر حملے ہوتے رہے جو کوہ سیاہ کی مہموں کے نام سے موسوم ہوئے۔ ۱۸۸۸ء تک قریبا انگریز بیس مرتبہ مجاہدین یاغستان پر حملے کر چکے تھے۔ لیکن پورا تسلط کبھی بھی نہ کر سکے۔ بالآخر ۱۸۹۱ء کی مہم میں انگریز بارہ ہزار کی فوج سے حملہ آور ہوئے اور قلعہ بلوسی تک پہنچ کر مجاہدین کے قلعوں وغیرہ کو جلا آئے۔

جنگ امبیلا کے بعد دراصل مجاہدین کا کوئی خاص مقام نہ تھا۔ رہنے کو تو قلعہ بلوسی میں

رہتے تھے۔ لیکن دراصل مجاہدین سارے پاکستان میں چل پھر کر کام کرتے تھے اسی لیے ۱۸۹۷ء میں جب انگریزوں نے درہ خیبر کی مہم بھیجی اس وقت بھی مجاہدین نے بڑا سخت مقابلہ کیا۔

انگریز دراصل بہت پریشان تھا کہ مٹھی بھر مجاہدین ہیں لیکن بہت بڑی حکومت ان پر قابو پانے سے عاجز ہے۔ انگریز کی دانائی میں کوئی شبہ نہیں۔ بالآخر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ان سے مستقل لڑائی کرنا بے سود ہے۔ جب موقع ملتا انگریز مجاہدین کو تنگ کرنے سے نہ چوکتے۔ لیکن جب مجاہدین کو موقع ملتا تو اپنی طرف سے کمی وہ بھی نہ کرتے تھے

انگریز نے مجاہدین کے خلاف جو جو کارنامے سرانجام دیئے وہ لڑائیوں کے علاوہ داؤ بھی کافی تھے۔ ان میں سے ایک "وہابی" کا لفظ تھا۔ انگریز کے ذہن میں "وہابی" باغی کے مترادف لفظ تھا کیونکہ جس طرف یہ لفظ منسوب کیا جاتا ہے وہ محمد بن عبدالوہاب نجدی تھا جس نے عرب میں قریباً اسی زمانے کے لگ بھگ ہی اصلاحی تجدیدی تحریک شروع کی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے جلدی کامیابی دے دی۔ لیکن ہندوستان کی تجدیدی تحریک اتنی کامیاب نہ ہو سکی۔ محمد بن عبدالوہاب کا مذہب یہ تھا کہ انگریز کے ساتھ کسی قسم کی رعایت مت کرو۔ کیونکہ وہ مشرک ہے اور مشرک سے دوستانہ تعلقات نہیں قائم کرنے چاہئیں۔ اس لئے دراصل یہ نسبت ہی غلط تھی۔ کیونکہ اس اصلاحی تحریک کا بانی جو نجد میں شروع ہوئی وہ عبدالوہاب کا بیٹا محمد تھا اور اس نسبت کی وجہ سے انہیں محمدی کہا جا سکتا ہے۔ عبدالوہاب جیسے بھی اپنے بیٹے کا مخالف تھا اور عبدالوہاب نے اپنے بیٹے کی اس تحریک میں سخت مخالفت کی بلکہ جو فریق مدمقابل تھا اس کی طرف سے اپنے بیٹے محمد پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتا رہا۔ کیونکہ عبدالوہاب قبر پرستی کا مخالف نہ تھا۔ اس لحاظ سے وہابی اگر اصولی طور پر کہا جا سکتا ہے تو قبر پرستوں کو کہا جا سکتا ہے کیونکہ عبدالوہاب قبر پرست تھا اور اس کا بیٹا محمد اس کا سخت مخالف تھا اور قبروں پر نذر و نیاز اور چڑھاوے وغیرہ کو شرک کہتا تھا۔ اس وجہ سے قبر پرستی کے مخالفوں کو محمدی کہا جا سکتا ہے۔ اور قبروں پر چڑھاوے چڑھانے والوں کو وہابی کہنا چاہئے۔

Marfat.com

وجہ سے انگریز ہر مسلمان باغی کو وہابی کہتا تھا۔ یہ وہابی کو بطور گالی استعمال کرنے والی مہم انگریز نے ۱۸۶۵ء میں شروع کی۔

۱۸۶۸ء میں دہلی سے شہزادہ فیروز شاہ (بہادر شاہ کا بھتیجا) جب سرحد یاغستان میں مجاہدین کے پاس پہنچا تو اس پر بھی خوانین نے وہابی ہونے کا طعنہ کسا۔ اور خوانین نے اسے سرحد میں رکھنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ فیروز شاہ مسلکاً اہلحدیث نہ تھا۔ بلکہ صرف انگریز کا باغی ہونے کی وجہ سے ہی اسے وہابی کہا گیا۔ گویا کہ اس زمانے میں ہر باغی کو وہابی کہا جاتا تھا۔ لیکن چونکہ مسلمانوں کے نزدیک انگریز سے بغاوت کوئی شرعی جرم نہ تھا۔ اس لیے وہابی کا لفظ بدنام نہ تھا۔ بلکہ مجاہد اور وہابی دونوں لفظوں کا قریبا ایک ہی مطلب لیا جاتا تھا۔

انگریز سمجھتا تھا کہ اب حکمت عملی سے کام لیے بغیر بات نہیں بن سکتی۔ چنانچہ اندرون ہند اس نے مسلمان علماء اور معاونین پر مقدمے بنائے اور ساتھ ہی انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۸۵ء میں کانگرس کو بنوانے والے اور کامیاب کروانے والے انگریز ہی تھے اور انہوں نے اپنے فائدے کے لیے بنوائی۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ مسلمان چونکہ حکمران طبقہ تھا۔ اس لیے انگریز سے تعاون کرنے کے لیے کبھی بھی نہ جھکا۔ لیکن ہندو چونکہ کافی عرصہ غلامی میں رہ چکا تھا اس لیے اسے انگریز کی غلامی سے عار ہی نہ تھی۔ چنانچہ ہندوستان کی واحد قومی جماعت کانگرس بنا کر مسلمان کو کچلنے کے منصوبے سوچے جانے لگے۔ اور مقصد یہ تھا کہ انگریز اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے اور کہہ دے کہ ہندوستان کی قومی آواز ہی یہ ہے۔ ویسے مسلم آبادی بھی ایک چوتھائی ہی تھی۔ اس لیے بات تو وہی تسلیم ہوتا تھی جو تین چوتھائی یعنی ہندو کہے۔ نہ کہ ایک چوتھائی جو مسلمان کہے۔ گویا یہ نشانہ انگریز نے ہندو کے کندھے پر رکھ کر مارا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ انگریز نے ہندو کو ترقی دینا شروع کر دی۔ اور مسلمان کو پیسنا شروع کر دیا۔ بنگال میں تو مسلمان کو بالکل ہی ختم کر دیا۔ رات مسلمان نواب تھے تو صبح خاک سیاہ ہو گئے۔ کیونکہ زمین کے مالک مسلمان تھے اور مزارعہ ہندو تھے۔ انگریز نے قانون پاس کر دیا کہ بنگال میں جو شخص زمینداری کر

Marfat.com

رہا ہے زمین اسی کی ہو گی۔ مسلمان کی زمینیں اس طرح ختم ہو گئیں اور انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا ویسے گناہ سمجھتا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان بالکل ہی ختم ہو گئے اور نان شبینہ سے بھی عاجز آ گئے۔ اگر یہ کام انگریز اپنی طرف سے کرتے تو دنیا کہتی کہ ظلم ہوا۔ لیکن چونکہ قومی جماعت کانگرس کے کہنے پر کیا گیا اس لیے انگریز پہ حرف بھی نہ آیا۔

دوسرا کام اندرون ملک یہ کیا کہ انگریز جس حرف "جہاد" سے ڈرتا تھا۔ اس کو مٹانے کے درپے ہوا۔ انگریز خود تو کام کر نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے علاقہ پنجاب قادیاں میں ایک شخص کی خدمات حاصل کیں کہ وہ جہاد کے منسوخ ہونے کی مہم کو چلائے۔

مرزا غلام احمد صاحب اس خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ جو پشت در پشت سے راجوں مہاراجوں کا چوکیدارا کرنا ہی سیکھے تھے۔ مرزا صاحب خود اپنی کتاب کتاب البریہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

"میرے والد کو انگریزی حکام نے خوشنودی مزاج کی چٹھیاں دی تھیں۔ سر لیپل گریفن نے اپنی کتاب "تاریخ رئیسان پنجاب" میں ان کا تذکرہ کیا ہے"۔ (ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز ۱۹۰۶ء بابت جون ۶ جلد ۵)

اس تذکرہ کا اردو ترجمہ سید نوازش علی شاہ صاحب مترجم دفتر لفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب نے ۱۹۱۱ء میں سرکار کی خصوصی اجازت سے کیا اور نولکشور گیس پرنٹنگ پریس کے زیر اہتمام بڑے تزک و احتشام سے چھپوایا اس کی جلد دوم صفحہ ۶۲ پر مرزا غلام احمد صاحب کے خاندان کا شجرہ نسب اور ضروری کوائف درج ہیں اور انہی کے الفاظ میں اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) عطا محمد صاحب (مرزا صاحب کے دادا) اور ان کا والد گل محمد رام گڑھیا اور کھنیا مسلوں (سکھ جماعتوں) سے لڑتے رہے۔ آخر کار عطا محمد اپنی تمام جاگیر[ل] کھو کر سردار فتح سنگھ اہلو والیا کی پناہ میں چلا گیا۔ جہاں بارہ سال تک امن و امان کی زندگی بسر کی۔

(۲) مہاراجہ رنجیت سنگھ نے عطا محمد کی وفات پر اس کے بیٹے غلام مرتضیٰ (مرزا صاحب

ل یہ بھی ان کی آبائی جاگیر تھی جو ان کو فوجی خدمات کے صلہ میں ملتی رہی ۱۲

Marfat.com

کے والد) کو واپس بلا لیا۔ اور جدی جاگیر کا بہت بڑا حصہ واپس دے دیا۔ اس پر غلام مرتضٰے اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا اور کشمیر کی سرحد کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔

(۳) نونہال سنگھ، شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضٰی ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں جرنیل ونطورا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا۔ پھر ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ[۱] کے مفسدے میں اس نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

(۴) جب پنجاب کا انگریزوں سے الحاق ہو گیا تو خاندان کے دوسرے افراد کی جاگیر ضبط ہو گئی۔ لیکن سات سو روپیہ کی پنشن غلام مرتضٰی اور ان کے بھائیوں کو عطا کی گئی۔

(۵) اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران میں بہت اچھی خدمات سرانجام دیں۔ غلام مرتضٰی نے بہت سے آدمی بھرتی کیے اس کا بیٹا غلام قادر (مرزا غلام احمد کا بھائی) اس وقت جنرل نکلسن کی فوج میں تھا۔ اس نے ۴۶ نیٹو انفنٹری (سیالکوٹ) کے باغیوں کو تہ تیغ کیا۔ جنرل مذکور نے غلام قادر کو ایک سند عطا کی جس میں درج تھا کہ ان کا خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا ہے۔

اس نمک حلالی کا اقرار و اعتراف خود مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کو رہا۔ ان کے اپنے الفاظ میں کتابوں کی ایسی پچاس الماریاں بھری پڑی تھیں جن میں انگریزوں کے قصیدے مرقوم تھے۔

مرزا صاحب نے خود ان چیزوں کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

(۱) ہمارا جانثار خاندان سرکار دولت مدار کا خود کاشتہ پودا ہے۔ ہم نے سرکار انگریزی کی راہ میں (اللہ کی راہ میں نہیں) اپنا خون بہانے اور جان دینے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔

(۲) غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ۔ نیک نامی حاصل کردہ اور مورد مراحم گورنمنٹ ہے (ملخص از درخواست مرزا صاحب بحضور گورنر بہادر مورخہ

[۱] ہزارہ کے مفسدے سے مراد تحریک مجاہدین کی مہمیں ہی ہیں ۱۲

۲۷ فروری ۱۸۹۸ء۔ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم مؤلفہ میر قاسم علی صاحب)

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کا خاندان شروع ہی سے راجوں۔ مہاراجوں کا خدمتگذار تھا۔ اور مرزا صاحب کا بھی مسلک تھا۔ اُن وقت کی خدمتگذاری کرنا ہی تھا۔ جس طرح ان کے آباؤ اجداد نے اسلام کو پس پشت ڈال کر اپنے آقایان نعمت کی خدمات سرانجام دیں۔ حتی کہ ان میں سے سب سے بڑا کارنامہ سید احمد بریلوی امیر المجاہدین کی شہادت کا المیہ تھا۔ اس میں جو فوجی افسر جنرل ونطورا، ہری سنگھ نلوہ، اور جنرل شیر سنگھ فرزند مہاراجہ رنجیت سنگھ پیش پیش تھے۔ مرزا صاحب کے والد اور بھائی انہی کی معیت میں وہاں بھی لڑتے رہے اسی طرح مرزا صاحب بھی اپنے والیان نعمت کی خدمتگذاری کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور انگریز کی نظر میں بھی اس سے زیادہ کوئی اور خاندان نمک حلال نہ تھا۔ چنانچہ انہیں اس کام پہ مامور کیا گیا کہ "جہاد" جس نے ہمیں بہت پریشان کر رکھا ہے اس کی منسوخی کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ ایجاد کیا جائے۔

چنانچہ مرزا صاحب نے سب سے پہلے ۱۸۸۰ء میں ملہم من اللہ اور مجدد ہونے کا دعوی کیا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان الہام و وحی کے نام پر ہی اتنا شیفتہ ہے کہ فوراً قبول کر لیتا ہے اور اپنے الہام میں اعلان کر دیا کہ "جہاد" منسوخ ہے۔ اور اس کے لیے پورا ایک گدی نشینی کا رنگ اختیار کیا اور ظاہری دینداری کو بڑا سخت قرار دیا اور کہہ دیا کہ جو شخص میرا بیعت ہونا چاہے اس کے لیے پانچ نمازوں کے علاوہ تہجد کا پابند ہونا بھی ضروری ہے داڑھی رکھنا فرض ہے (خواہ فرنچ کٹ ہی ہو) جو شخص ارکان خمسہ میں کوتاہی کرتا ہے وہ میرا مرید نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ۔

علماء حق کی طرف سے اعتراض شروع ہو گئے کہ اس دینداری کا مقصد صرف لوگوں کو ورغلا کر منسوخی جہاد کی طرف لانا اور انگریز کا فرمانبردار بنانا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جہاد کو نہ کسی عادل کا عدل اور نہ کسی ظالم کا ظلم منسوخ کر سکتا ہے قیامت کے قریب جب حضرت مسیح آئیں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ تمام دنیا مسلمان ہو جائے گی تب جہاد منسوخ ہو جائے گا اوکما قال صلعم کیونکہ جب کافر ہی کوئی

نہ رہے گا تو جہاد کس سے ہو گا۔

تب مرزا صاحب کو مسیح موعود ہونے کا دعوی کرنا پڑا چنانچہ ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا اور ظلی و بروزی نبی کی اصطلاح ایجاد فرمائی۔

لوگوں نے اعتراض کیا کہ مسیح تو آسمان سے آئے گا کیونکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا تھا اور قیامت کے قریب منارۂ دمشق پر نازل ہوں گے۔ تب نزول مسیح کا انکار بھی کرنا پڑا اور وفات مسیح کی ایک مستقل بحث شروع کر دی۔ قادیاں کو دمشق بنایا اور ایک مینار "منارۃ المسیح" تعمیر کرایا (ایک زبردست حکومت کا ہاتھ پشت پر ہو تو کمی کیا ہے خواہ دس مینار تعمیر کروا لے) اور زندہ انسان کے آسمان پر جانے سے انکار کر دیا۔

مسلمانوں کی طرف سے اعتراض ہوا کہ زندہ انسان آسمان پر کیوں نہیں جا سکتا جب کہ حضرت سرور کائنات محمد صلے اللہ علیہ وسلم معراج کی رات آسمان پر گئے تھے۔ تب معراج جسمانی کا بھی انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ معراج روحانی تھا حالانکہ اگر معراج روحانی اور ایک خواب کی حالت ہی تھی تو اللہ تعالے نے قرآن میں اتنا بڑا احسان کاہے کو جتایا ایسی خوابیں تو کئی لوگوں کو آتی رہتی ہیں میں نے خود ایک دفعہ اپنے آپ کو ایک فضائی کرہ پر کھڑے دیکھا اور کئی مرتبہ پرواز کرتے دیکھا۔

بہر حال مرزا صاحب کو بڑے بڑے اہم مسائل سے انکار کرنا پڑا۔ محض اس لیے کہ کسی طرح لوگ مسئلہ جہاد کے منسوخ ہونے کو تسلیم کر لیں اور اس طرح ان کا حق نمک ادا ہو جائے۔ چنانچہ چند اقتباسات قادیانی لٹریچر سے اس کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) بعض احمق سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ سو یاد رہے کہ ان کا سوال نہایت حماقت کا ہے کہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے۔ اس سے جہاد کیسا؟ میں سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی ایک بدکار اور حرامی آدمی ہی کا کام ہے۔ (شہادت القرآن مصنفہ مرزا صاحب)

(۲) ہمارے سر پر سلطنت برطانیہ کے بہت احسان ہیں وہ مسلمان سخت جاہل سخت نادان اور سخت نالائق ہے جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے اگر ہم اس کا شکر ادا نہ کریں تو پھر

Marfat.com

خدا تعالے کے بھی ناشکر گذار ہوں گے اس سے بے ایمان کون شخص ہو سکتا ہے کہ خدا تعالے کا مسیح تو کہتا ہے کہ ہر مسلمان کو انگریزوں کی کامیابی کے لیے دعا کرنا چاہیئے اور یہ کہتا ہے کہ دعا کی کیا ضرورت ہے انگریزوں کو شکست ہو تو زیادہ بہتر ہے (الفضل مورخہ ۵ر جون ۱۹۴۰ء خطبہ میاں محمود احمد)

(۳) حضرت مسیح موعود نے اپنی پاک تعلیم میں گورنمنٹ عالیہ کی اطاعت اور وفاداری کو جزو مذہب قرار دے کر ہمیں ان منافق طبع مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا ہے جو ابھی انتظار میں ہیں کہ خونی مہدی ایک جرار لشکر لے کر آب دار تلواروں میں اور سیاہ و سرخ پرچموں کے ساتھ ظاہر ہوگا اور سب عیسائی سلطنتوں کو مٹا کر ایک نام کے مسلمانوں کو حکمران بنا دے گا (الفضل جلد ۴ ص ۸۴ یکم مئی ۱۹۱۷ء)

(۴) میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھ کو مسیح اور مہدی جان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار ہے (اشتہار مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم)

(۵) میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانان ہند پر اطاعت گورنمنٹ برطانیہ فرض ہے اور جہاد حرام ہے (اشتہار معنفہ ۱۰ ستمبر ۱۸۹۴ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم)

(۶) میں نے ۲۲ برس سے اپنے ذمے یہ فرض کر رکھا ہے کہ وہ تمام کتابیں جن میں جہاد کی مخالفت ہو اسلامی ملکوں میں ضرور بھیج دیا کروں (تبلیغ رسالت جلد دہم ص ۶۶)

(۷) مجھے تین باتوں نے گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی میں اول درجہ پر بنا دیا ہے۔

(۱) والد مرحوم کے اثر نے

(۲) اس گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے

(۳) اور خدا تعالے کے الہام نے (تریاق القلوب ص ۳۰۹/۳۱۰)

(۸) میرے پانچ اصول ہیں جن میں سے دو حرمت جہاد اور اطاعت برطانیہ بھی ہیں (تلخیص از تبلیغ رسالت ص ۱۰۷)

ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اور ان کی جماعت نے دین اسلام کی بہت تبلیغ کی اپنے ملک میں عیسائیوں سے آریوں وغیرہ سے مناظرے کیئے بیرونی ممالک اور خصوصًا عرب ممالک میں بھی تبلیغ اسلام کا حق ادا کیا۔ کیا وہ شخص جس کے دل میں تبلیغ دین کا احساس نہ ہو کیسے کر سکتا ہے؟

اس کا جواب بھی خود مرزا صاحب نے دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تبلیغی مباحثے اور مناظرے اس لیے کھڑے کیے گئے کہ عوام دین کا مبلغ سمجھ کر میری بات مان لیں۔ نیز وہ مسلمان جو جہاد کا وعظ کرتے پھرتے ہیں ان کا رجحان میری طرف ہو جائے اور بجائے جہاد کے مجھ سے مناظرے کرنا شروع کر دیں اور انگریز ان کے جہاد سے محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں۔

(۱) مجھے عیسائی رسالہ "نور افشاں" میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف توہین آمیز الفاظ پڑھ کر اندیشہ ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا نہ ہو۔ تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی صحیح اور پاک نیت سے مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبانے کے لیے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تاکہ سریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں بدامنی پیدا نہ ہو ...... میرے کانشنس نے مجھے فتوی دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش والے آدمی موجود ہیں ان کے غیظ و غضب کی آگ بجھانے کے لیے یہ طریق کافی ہو گا ...... مجھ سے پادریوں کے مقابل جو کچھ وقوع میں آیا یہی ہے کہ حکمت عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا جائے (عریضہ بحضور گورنمنٹ عالیہ از مرزا صاحب، ۲۷ دسمبر ۱۸۹۹ء مندرجہ تریاق القلوب ص ۳۰۶)

(۲) میں نے قرین مصلحت سمجھ کر مخالفت جہاد کو عام ملکوں میں پھیلانے کے لیے عربی اور فارسی کتابیں تالیف کیں اور وہ تمام کتابیں عرب، شام، روم، مصر، بغداد اور افغانستان میں شائع کی گئیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ کسی نہ کسی وقت ان کا اثر ہو گا۔ (تبلیغ رسالت جلد ۸ صفحہ ۶۲)

Marfat.com

(۳) میں نے ۲۲ برس سے اپنے ذمہ یہ کام لے رکھا ہے کہ وہ تمام کتابیں جن میں جہاد کی مخالفت ہو اسلامی ملکوں میں ضرور بھیج دیا کروں۔ (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص ۲۶)

یہی نہیں کہ اسلامی ملکوں میں جہاد کے خلاف تبلیغ کر کے مسلمانوں کو انگریز کے مقابلہ میں ناکارہ کرتا ہے بلکہ جب بھی کوئی اسلامی ملک انگریز فتح کرتے ہیں تو قادیان میں چراغاں کیا جاتا اور بڑے جوش و خروش سے خوشیاں منائی جاتیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

(۱) مسیح موعود فرماتے ہیں کہ مہدی موعود ہوں اور برطانوی حکومت میری تلوار ہے پھر ہم احمدیوں کو فتح بغداد سے کیوں خوشی نہ ہو۔ عراق عرب ہو شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں (الفضل جلد ۶ ص ۴۲ مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۱۸ء)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ انگریز نے ان مجاہدین کو جو ہندوستان سے بے پناہ دولت بھیجتے رہے اور سپاہی بن کر جاتے رہے کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لیے یہ کام کیا اور مرزا صاحب نے اس کام کو اتنا حسن و خوبی سے سرانجام دیا کہ جو انگریز کی بے پناہ فوج اور گولہ بارود نہ کر سکا وہ مرزا صاحب کے چند رسالوں کی اشاعت اور تبلیغ اسلام کی ظاہری نمود نے کر دکھایا۔ اسی طرح انگریز ہندوستانی معاونین کو برگشتہ کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

جو قبائلی معاونین تھے ان کے لیے فوجی زور آزمائی سے جو خونریزی ہوتی تھی وہ کیا ناکافی تھی چہ جائیکہ ساتھ خوانین میں سے کچھ آدمی خرید کر انکی معرفت قبائل کو برگشتہ کرنے میں کمی نہ کی۔

اتنی زور آزمائی کے باوجود مسلمانوں میں جب بھی مجاہدین کا تذکرہ آتا تو مسلمان مجاہدین کی ہمدردی و خیر خواہی کرنے میں کبھی کمی نہ کرتے۔ چنانچہ اس کے توڑ میں انگریز نے مجاہدین کے خلاف ایک ایسی پارٹی کو کھڑا کیا جو مجاہدین کو کافر کہیں جن میں سے شاذ و نادر آج بھی ایسے لوگ ملیں گے جو حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو کافر کہتے ہیں اگرچہ نہایت قلیل ہیں مگر انگریزی ذہنیت کے پروردہ ضرور ہیں۔

اگرچہ وہ مذہباً قادیانیوں کے ہم عقیدہ نہیں ہیں لیکن سیاسی طور پر انگریز کے لیے

Marfat.com

بہت مفید تھے۔ ان کے نزدیک ہر وہ لیڈر جس نے ذرہ بھر بھی آزادی حاصل کرنے کی اور انگریز کی غلامی سے نکلنے کی کوشش کی ان سب پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ خصوصاً جب میں مقابلتاً دیکھتا ہوں کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کی رضا کے لیے گھر بار۔ اہل و عیال۔ عزیز و اقارب کاروبار وغیرہ سب کچھ چھوڑ کر جا رہے ہیں اور وہاں جا رہے ہیں جہاں خشک پہاڑوں کے سوا ہے ہی کچھ نہیں وہ تو کافر ہوں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو ندین کو اختیار ہی صرف اس لیے کیے بیٹھے ہیں کہ اس میں ان کی پیٹ پرستی کی تمام آسانیاں موجود ہیں اور پھر جنت کے ٹھیکیدار بھی یہی ہوں تو ذہن کوئی کام نہیں کرتا کہ انہیں کیا کہا جائے۔

میں آج تک شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقا کے متعلق ان لوگوں کے کفر کے فتوے تو کافی پڑھے ہیں۔ لیکن آج تک مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کفر کا فتویٰ کس وجہ سے لگا ہے اگر مقصد یہ ہے کہ وہ مجاہدین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب حاضر ناظر وغیرہ نہیں مانتے اس لیے کافر ہیں تو یہ ایک ایسی بات ہے جس میں امت مسلمہ کے تمام فقہاء متفق ہیں۔ مثلاً امام ابن ہمام صاحب ہدایہ اپنے عقائد کے رسالہ مسامرہ جلد ۲ صـ۸۸ میں فرماتے ہیں۔

ذکر الحنفیۃ فی فروعھم تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضتہ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فے السموات والارض الغیب الا اللہ الخ	کہ آجتک جتنے حنفی مسلک کے امام ہوئے ہیں سب نے بالاتفاق اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے وہ کافر ہے کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے برخلاف ہے کہ آپ کہدیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی اللہ کے سوا غیب نہیں جانتا الخ

اور فتاویٰ قاضی خاں جلد ۲ صفحہ ۸۶۸ میں ہے کہ

رجل تزوج امراۃ بغیر شھود	اگر کوئی مرد عورت بغیر گواہوں کے نکاح

Marfat.com

فقال الرجل والمرأة خدا را دپیغمبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفراً لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب دھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف کان بعد الموت۔

کریں اور کہیں کہ "ہم اللہ اور اس کے رسول کو گواہ کرتے ہیں" تو یہ بات کہنا کفر ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ حاضر ہیں اور) یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں حالانکہ وہ اپنی زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو وفات کے بعد کیسے غیب داں ہو گئے۔[۵۱]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کا بارہ صدیوں کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے اور نہ حاضر و ناظر تھے اور اگر یہی بات جو کہ امت کا متفقہ عقیدہ ہے حضرت شاہ اسمٰعیل شہید وغیرہ نے لکھ دی تو اس میں کفر کی کونسی بات ہے اور اگر اس عقیدہ کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب اور ان کے دوسرے رفقاء کار مجاہدین کافر ہیں تو پھر نعوذ باللہ تمام فقہاء امت کو اس کفر سے بچانا مشکل ہو جائے گا۔

بدیں وجہ میں آج تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ان مجاہدین کو کافر کیوں کہا جانے لگا میرے خیال میں ان بزرگان دین نے صرف یہ قصور کیا تھا کہ وہ انگریز کی غلامی میں رہنے کے لیے کسی قیمت میں بھی تیار نہ تھے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی ان کے کفر کی وجہ بیان کی گئی ہے اور نہ کی جا سکتی ہے۔

۵۱ بطور دلیل کے صرف دو حوالے لکھے ہیں ورنہ اگر اور مطلوب ہوں تو مندرجہ ذیل کتب میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ الابد منہ معنفہ قاضی ثناء اللہ صاحب ص ۶۷ (متوفی ۱۲۲۵ھ) فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲ و ۳۰۰ (زمانہ تالیف فتوی ۱۱۱۸ھ) در مختار معنفہ امام محمد بن علی رح ص ۱۷ جلد ۲ (متوفی ۱۰۸۸ھ) شرح فقہ اکبر ملا علی قاری حنفی رح ص ۱۸۵ (متوفی ۱۰۱۴ھ) بحر الرائق شرح کنز الدقائق ص ۹۴ جلد ۳ (متوفی ۹۷۰ھ) ہدایہ معنفہ امام ابن ہمام حنفی ص ۵۹ جلد ۱ (متوفی ۸۶۱ھ) فتادی بزاریہ بحوالہ شامی معنفہ امام محمد بن محمد ص ۳۰۶ جلد ۳ (متوفی ۸۲۷ھ) فتادی قاضی خاں معنفہ حسن بن منصور ص ۲۶۸ جلد ۷ (متوفی ۵۹۲ھ) مراۃ التحقیقات مطبوعہ مصر معنفہ پیر عبد القادر جیلانی رح ص ۱۸ (متوفی ۵۶۱ھ) تفسیر مدارک ص ۲۱۹/۳ بحوالہ امام ابوحنیفہ رح (متوفی ۱۵۰ھ)

Marfat.com

بلکہ ہندوستان میں جب انگریز اپنا تسلط جمارہا تھا تو ولی اللہی خاندان کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے ایک فتویٰ شائع فرمایا کہ انگریز کی عملداری میں ہندوستان دار الحرب ہے (فتویٰ عزیزیہ ص ۲۸/۱) اور مقصد یہ تھا کہ جب ایک دار الاسلام دار الحرب میں تبدیل ہو جائے تو ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس دار الحرب کو دار الاسلام (اسلامی حکومت) بنانے کے لیے اپنے آخری قطرۂ خون تک بہانے سے دریغ نہ کریں

لیکن اس کے مقابلہ کے لیے ایک مستقل کتاب بنام "اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام" لکھی گئی اور اس میں ہندوستان کا دار الاسلام ہونا ثابت کیا گیا۔ کیونکہ دار الاسلام میں جہاد نہیں ہو سکتا۔

نیز قادیانیوں کی طرح انہوں نے بھی انگریز کی کاسہ لیسی کی۔ انگریزی فوج میں بھرتی کے لیے فتوے شائع کیے۔ بھرتی ہو کر عراق عرب بغداد اور حرمین پر گولیاں چلانے والوں کو تعویذ دیے۔ چنانچہ شورش کاشمیری ظفر علی خاں صاحب مرحوم کی سوانح حیات صفحہ ۸۰ میں لکھتے ہیں۔ "مولانا (ظفر علی خاں مرحوم) کا ایک ہدف "متصوفین کا وہ طبقہ تھا مراد ہے جس کے افراد ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے سایۂ ہما یا یہ کو ظل الٰہی سمجھتے اور ان عقاید کی شطحیات کے باعث مسلمانوں میں ایک جان لیوا امراض کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ اس طائفہ مقدسہ کے خلاف مولانا نے سب سے زیادہ جہاد اس وقت کیا جب زمیندار بند کر دیا گیا اور اس کی جگہ "ستارہ صبح" نکالا یا پھر زمیندار کے ثانوی دور میں ان بزرگوں کی کاسہ لیسی کا انتہائے کمال یہ تھا کہ انہوں نے سر مائیکل اوڈوائر کو جلیانوالہ باغ کے قتل عام پر سپاس نامہ پیش کیا اور جنگ عظیم میں خلافت اسلامیہ کی بیخ کنی کو اپنے تعویذی کرامات کا نتیجہ کہا۔ ان کے نزدیک ترک کافر تھے جن کی گولیاں انکے تعویذوں کی برکت سے برطانوی سپاہ کے ہندوستانی اجیروں پر کوئی اثر نہ کر سکتی تھیں۔" الخ

تحت ظلال السیوف مولانا کی مشہور نظم ہے۔ جس کی اشاعت پر زمیندار کا زر ضمانت دس ہزار ضبط کر لیا گیا۔ ملاحظہ ہو۔

کہتے ہیں یہ صوفی کہ ہے فردوس حق اس کا — جس پہ ہو شکمہ گنج کی دیوار کا سایہ

لیکن ہے پیمبر کا یہ ارشاد کہ جنت ملتی ہے اسے جس پہ ہو تلوار کا سایہ
صوفی ہے وہی جس کو خدا سے ہو سروکار صوفی وہ نہیں جس پہ ہو سرکار کا سایہ
اے گولڑہ کے پیر نہ ڈر دارورسن سے جب خود سر منصور پہ ہے دار کا سایہ
اللہ کا سایہ ہے زمیندار کے سر پہ پنجاب کے سر پہ ہے زمیندار کا سایہ

نیز جس طرح مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا ہے کہ خدا تعالٰی نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا ہی اس لیے ہے کہ جہاد کو منسوخ کروں اور تلوار کی جگہ مجھے اللہ تعالٰی نے قلم دیا ہے کہ میں اس سے جہاد کروں بالکل اسی طرح کتاب "خالص الاعتقاد" صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ "اب جب جہاد میں تلوار نہیں رہی تو خدا نے دیسی کانٹ چھانٹ ان کے قلم کو عطا کردی"۔ یعنے اب جہاد بالقلم شروع ہو گیا ہے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ جہاد بالسیف بند ہو۔

یہ ہی نہیں کہ صرف مجاہدین پر ہی کفر کے فتوے لگائے گئے بلکہ ہر وہ شخص جس نے ذرہ بھر بھی انگریز کی غلامی سے نکلنے کی کوشش کی اس پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا تاکہ لوگ ان لیڈروں سے کنارہ کش رہیں اور انگریز کے خلاف کوئی تحریک کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے ایک مستقل کتاب بریلی کے پریس سے شائع کروائی گئی جس کا نام "تجانب اھل السنۃ من اھل الفتنۃ" تھا۔ نشر کی گئی اور کسی سیاسی لیڈر کو کفر کی مشین سے مستثنیٰ نہ رہنے دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"بحکم شریعت مسٹر جناح اپنے عقاید کفریہ یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے" (کتاب مذکور ص۱۲۲)

"جو شخص ان کو (مسلم لیگ والوں کو) مسلمان نہیں جانتا۔ کافر نہیں ہے مگر ان جماعتوں میں شریک اور ممبر ہے وہ مرتکب حرام اور اشد فاسق ہے۔ اہل سنت کو اس سے اجتناب لازمی اور اس کے ساتھ مجالست و مواکلت حرام شرعی ہے" (کتاب مذکور ص۱۴۱)

ان صلح کل لیڈروں میں اعظم گڑھ کے مولوی شبلی اور الطاف حسین حالی اور زمانہ حال کے مشہور شاعر ڈاکٹر اقبال بہت نمایاں ہستی رکھتے ہیں ان کی صلح کلیت اپنی حد سے گذر کر

Marfat.com

شدید نیچریت و دہریت تک پہنچی ہوئی ہے (ص ۲۸۹)

وہابیہ۔ دیوبندیہ، قادیانیہ، روافض، نیاچرہ، خاکساریہ، چکڑالویہ، احراریہ دھتا دھاریہ (خواجہ حسن نظامی کے مرید) و آغا خانیہ و دہابیہ غیر مقلدین و دہابیہ تجدیہ و لیگیہ غالیہ و صلح کلیہ غالیہ اپنے عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بنا پر بحکم شریعت قطعاً یقیناً اسلام سے خارج اور کفار، مرتد ہیں جو مدعی اسلام ان میں سے کسی کے قطعی یقینی کفریہ یقینی اطلاع رکھتے ہوئے بھی اسکو مسلمان کہے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا ان کو کافر و مرتد کہنے میں توقف کرے وہ بھی یقیناً کافر اور مرتد ہے اور بے توبہ مرا تو مستحق نار ابد (ص ۱۵۲)

فرقہ احرار اشرار بھی فرقہ نیچریہ کی ایک شاخ ہے۔ اس فرقے کے بڑے بڑے مکلّین (گُتے) یہ ہیں ملکی شیخ جی امام الخوارج مبلغ دہابیہ ایڈیٹر النجم عبد الشکور کاکوردی۔ صدر مدرسہ دیوبند حسین احمد اجودھیاباشی۔ شبیر احمد دیوبندی۔ عطاء اللہ بخاری۔ حبیب الرحمان لدھیانوی۔ احمد سعید دہلوی۔ نائی عن الاسلام کفایت اللہ شاہجہان پوری۔ عبد الغفار سرحدی گاندھی۔ اس فرقہ کا سرغنہ مسٹر ابو الکلام آزاد ہے۔ جو امام الاحرار کہلاتا ہے۔ (کتاب مذکور ص ۱۶۰)

یہ حوالہ جات صرف ایک ہی کتاب سے ہیں اور لکھنے کا مقصد صرف یہ نمونہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ اس پارٹی کے قلم سے نہ کوئی لیڈر بچ سکا اور نہ کوئی دوسرا آزادی کا طلبگار بچ سکا۔ اور مقصد یہ تھا کہ انگریز کا سایہ سلامت رہے۔

اور ایک اور گروہ کو انگریز نے کھڑا کیا۔ جو شکل میں بھی انگریز کے ہی مشابہ تھے اور ان کو اسلامی شعار کی اہانت اور مذاق اڑانے پر لگایا۔ کوئی داڑھی کا نام لے تو کہہ دیں دیکھا ہے بھیٹی داڑھی والوں کو بھی۔ کوئی نماز کا نام لے تو کہہ دیں کہ دوسرے نمازی کیا کوئی اچھے کام کرتے ہیں جو ہم کو کہتے ہو۔ کوئی حج کے لیے کہے تو کہہ دیں کہ حاجی کا ڈسا ہوا تو بچتا ہی نہیں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ اسلام سے بھی متنفر ہو جائیں اور اسلام والوں سے بھی متنفر ہو جائیں۔ خصوصاً مجاہدین شعار اسلامی کے بڑے پابند تھے جس کا کہ خود انگریزوں کو بھی اعتراف تھا۔ چنانچہ ہنٹر لکھتا ہے۔

Marfat.com

"وقت گزرتا گیا لیکن جب بھی وہ دیکھتے کہ ان کی تحریک تباہ ہو رہی ہے تو وہ جہاد کا علم بلند کر دیتے۔ وہ اپنی حفاظت سے بے نیاز تھے۔ ان کی زندگی داغوں سے پاک تھی۔ ان کے سینے میں ایک شعلہ فروزاں تھا۔ کہ انگریز کافروں کا تختہ الٹ دیا جائے اور جہاں تک روپیہ اور رنگروٹ فراہم کرنے کے لیے ایک مستقل نظام کا تعلق تھا۔ وہ اس کے بہت ماہر تھے پٹنہ کے خلیفہ اس فرقہ میں ایک نمونہ کی شخصیت کے مالک تھے ان کی تعلیمات عموماً اغلاط (بدعات) سے پاک تھیں۔ انہوں نے ہزارہا ہم وطنوں کو خدا کے ایک بہترین تصور سے آشنا کیا۔ اور انہیں زیادہ سے زیادہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر ابھارا۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک میرے تجربہ کا تعلق ہے اس فرقہ کے سب سے زیادہ روحانی اور کم از کم خود غرض نمونے کی نمائندگی صرف وہابی مبلغ ہی کر سکتا ہے۔ ایک وہابی کے سامنے صرف ایک چیز ہے وہ یہ کہ دین محمدی کی تطہیر کا عظیم الشان کام سر انجام دیا جائے۔ اس راستے پہ گامزن ہوتے ہوئے وہ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی پہ رحم کر سکتا ہے۔ زندگی میں اس کا راستہ واضح ہے اور کسی قسم کی تنبیہ یا سزا اسے راستہ سے ہٹانے پر مجبور نہیں کر سکتی"۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ مجاہدین جو انگریز کے سب سے بڑے دشمن تھے ان کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ شکل و صورت سے ہی پہچانے جا سکتے تھے اور نماز کا یہ عالم تھا کہ نماز میں انہیں اپنی بھی خبر نہ رہتی تھی۔ فریضہ حج ادا کر کے فریضہ جہاد ادا کرنا شروع کیا۔ دن کا جہاد تہجد کی شب بیداری میں مانع نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے انگریز نے انہیں بدنام کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھیاروں سے کام لیا۔

مختصر یہ کہ انگریز نے فریضہ جہاد منسوخ کرنے کے لیے قادیانیت کو جنم دیا۔ اور معاونین ہند کی طرح طرح تکلیفیں سزائیں دیں جو قتل، پھانسی اور کالے پانی سے ضبطی جائداد سے کم نہ تھی۔ مجاہدین پہ کفر کے فتوے لگوائے۔ [illegible] کی آزادی [illegible] کی۔ شعائر اسلام کا استہزاء اڑایا اور یہ تمام قسم کی کاروائی سنہ ۱۸۶۰ء سے لے کر سنہ ۱۹۰۰ء تک

ملہ وہابی کا نام انگریز کی طرف سے مجاہدین کو ملا ہوا تھا جس کو وہ باغی کے مترادف سمجھتے تھے ۱۲

تک ہیں کی۔ گویا کہ انیسویں صدی کا نصف مسلمانوں کے لیے بڑا ہی نازک وقت تھا اور یہ تمام قسم کی مصیبتیں امیر المجاہدین حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کے زمانۂ خلافت میں آئیں۔ مولانا عبد اللہ کی وفات ۲۹ر نومبر ۱۹۰۲ء (۲۷ شعبان ۱۳۲۰ھ) میں ہوئی۔ اور ان کے بعد مجاہدین کی امارت مولانا عبد الکریم صاحب کو سونپی گئی۔ مولانا عبد الکریم صاحب مولانا عبد اللہ صاحب سابق امیر المجاہدین کے بھائی تھے۔ اور عظیم آباد سے مولانا عبد اللہ صاحب کے ساتھ ہی یاغستان گئے تھے۔ مولانا عبد الکریم صاحب کی امارت سے قریباً مجاہدین کا پانچواں دور شروع ہوتا ہے۔

پانچواں دور ۱۹۰۲ء سے ۱۹۵۱ء

سابق امیر المجاہدین مولانا عبد اللہ صاحب کے آخری دور میں مستقل مرکز کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ مولانا عبد الکریم صاحب نے اپنا مرکز جہاد اسمست (علاقہ بونیر) میں مقرر کیا۔ جو آج تک مجاہدین ہی کے پاس ہے۔ یہ مرکز ۱۹۰۲ء میں ہی قائم کیا گیا۔ مولانا عبد الکریم بھی اپنے بھائی کی طرح بہت مستعد اور بڑے محبوب الخلائق امیر تھے۔ اور انہوں نے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے لیڈروں سے اور تحریکات آزادی کے راہنماؤں سے روابط پیدا کیے
مولانا فضل الٰہی صاحب مرحوم (امیر المجاہدین ہند) نے بھی ۱۹۰۳ء میں انہی کے ہاتھ پر اسمست جا کر بیعت جہاد کی اور وہاں سے انہیں سارے ہندوستان کے لیے خلیفہ مقرر کیا گیا۔ اور ہندوستان سے آدمی اور چندہ بھیجنا ان کے ذمہ لگایا گیا۔

چونکہ میرا موضوع دراصل یہی دور ہے اور مولوی فضل الٰہی صاحب کا دور بھی یہی ہے جو کہ ۱۹۰۳ء میں بیعت جہاد سے لے کر تا وفات حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب ۱۹۵۱ء تک ہے۔ اس لیے یہ واقعات آئندہ صفحات میں بالتفصیل بیان ہوں گے۔ فی الحال مجاہدین کے مرکز کی مختصر روئیداد درج ذیل ہے۔

حضرت امیر المجاہدین مولانا عبد الکریم صاحب کا دور ایک بہترین دور رہا ہے۔ انہوں نے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے علماء کرام سے ربط و ضبط قائم کیا اور ہمسایہ ممالک

Marfat.com

سے سفارتی تعلقات قائم کیے ان کے وفد روس. جرمنی. ترکی. افغانستان اور عرب ممالک تک جاتے رہے۔ مولانا عبدالکریم صاحب ۱۱ر فروری ۱۹۱۵ء (۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ) کو فوت ہوئے اور ان کے بعد امیر عبداللہ کے پوتے امیر نعمت اللہ کو بالاتفاق امیر منتخب کیا گیا۔ لیکن انہوں نے ۱۹۱۷ء میں درپردہ انگریزوں سے صلح کرلی۔ آپ نے جو معاملہ بھی طے کیا وہ بحالت مجبوری ہی کیا۔ لیکن اس واقعہ سے بہت سے اختلافات رونما ہوئے بلکہ مجاہدین ہند کو اپنا مرکز جہاد بھی الگ منتخب کرنا پڑا جو کہ چمرقند میں بنایا گیا۔

اگرچہ چمرقند بھی اسمست کے ماتحت ہی کہلاتا رہا۔ لیکن درا صل انہی وجوہات کی بنا پر اسے علیحدہ کیا گیا۔ اور بالآخر یہ صلح ہی ان کی شہادت کا سبب بنی۔ امیر نعمت اللہ ۴ر مئی ۱۹۲۱ء (۲۶ر شعبان ۱۳۳۹ھ) کو شہید ہوئے۔

ان کے بعد مولانا رحمت اللہ بن امان اللہ بن امیر عبداللہ صاحب بالاتفاق امیر جماعت چنے گئے۔ امیر رحمت اللہ نہایت سادہ اور زاہد آدمی تھے۔

امیر نعمت اللہ کے لڑکے برکت اللہ ابھی کمسن تھے۔ جوان ہوئے تو ان کی شادی امیر رحمت اللہ کی اکلوتی بیٹی سے ہوئی۔ جماعت کے کاموں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لینے لگے۔ سپہ سالاری اور مدار المہامی کے عہدے ان ہی کو سونپ دئے گئے۔

امیر رحمت اللہ پاکستان بننے کے بعد تک زندہ رہے۔ جنگ کشمیر میں شریک ہوئے اور غالباً ۱۹۵۷ء میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد ان کے پسماندگان جو وہاں رہ رہے ہیں تو وہ اسی طرح رہ رہے ہیں جیسے ان کا گھر ہے اور جو چند گھرانے وہاں موجود ہیں ان کی امارت امیر برکت اللہ صاحب کے پاس ہے۔

چونکہ ہماری کتاب کا اصل موضوع حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب مرحوم امیر المجاہدین چمرقند سے ہے اور ان کا تعلق بھی مرکز چمرقند سے ہی رہا۔ اب انشاء اللہ ان کے مفصل حالات شروع ہوتے ہیں۔

Marfat.com

باب

سوانح حضرت مولینا فضل آلہی صاحب

امیر المجاہدین ہند

پیدائش مولانا فضل آلہی صاحب کی پیدائش حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے پوری ایک صدی بعد ہوئی۔ سید صاحب کی پیدائش بارھویں صدی ہجری کے ختم ہونے کے بعد تیرھویں صدی کا پہلا دن یکم محرم الحرام تھا اور مولانا فضل آلہی صاحب مرحوم تیرھویں صدی ختم اور چودھویں صدی شروع ہونے سے تین ماہ پہلے ۲۷ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک ۱۲۹۹ھ میں صبح چار بجے عالم شہود میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ تاریخ حضرت صاحب نے اپنی بیاض میں درج کی ہوئی تھی۔ اور ان کے خاندانی شجرہ پر بھی درج تھی۔

مجاہدین میں حضرت سید احمد شہید کو مجدد الف ثالث شمار کیا جاتا ہے اور میرے خیال میں حضرت مولانا فضل آلہی صاحب کو اگر مجدد الف رابع کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حضرت مولانا فضل آلہی صاحب کی وفات ۲۸ رجب ۱۳۷۰ھ ۲ بجے بروز ہفتہ مطابق ۵ مئی ۱۹۵۱ء ہوئی۔ اس حساب سے عمر قمری سال کے مطابق قریباً ستر سال یعنی ۲ ماہ کم اور بحساب شمسی سال قریبا ۶۸ سال ہوئی۔

خاندان حضرت صاحب کے صاحبزادہ سے میں نے پوچھا کہ آپ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تو فرمانے لگے ہماری ساری برادری تو قریشی کہلاتی ہے ہمیں اس سے زیادہ علم نہیں۔ اپنا شجرۂ نسب صرف سات پشت تک جانتے تھے جو اس طرح ہے۔ امیر المجاہدین ہند حضرت مولانا فضل آلہی صاحب بن میراں بخش بن رجب دین بن نور محمد بن امام بخش بن محمد اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

تعلیم سکول کی تعلیم وزیر آباد کے مشن سکول میں حاصل کی۔ لیکن خاندانی طور سے بچپنے

Marfat.com

ہیں ہی نماز کے پابند تھے اور کئی مرتبہ سکول کے ماسٹروں سے نماز پڑھنے کی وجہ سے مار کھائی۔

انگریزی لکھنے میں بہت خوشخط تھے اور چھٹی جماعت میں "کانگ مین" کی کاپیوں پر انگلش لکھی جاتی تھی جس میں اصل اور نقل میں کوئی فرق نہ رہتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ انسپکٹر آیا۔ اور دیر تک دیکھتا رہا کہ پرنٹ کا لکھا ہوا کونسا ہے اور مشق کا لکھا کونسا ہے پھر کبھی میری طرف دیکھتا تو نیلی کھدر کی تہبند اور آدھے بازوؤں والی چھوٹی کرتی (پنجابی میں اسے پھتوئی کہتے ہیں) یہ سادگی اور خالص دیہاتی پن کے ساتھ اس خوش خطی کو کوئی مناسبت نہ تھی۔ حیران بھی ہوا اور اس خوشخطی پر خوش بھی بہت ہوا۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں میٹرک کا امتحان دیا اور بڑے اچھے نمبروں میں پاس ہوئے۔ اور اسی سال اپنے والد صاحب کی وساطت سے ریلوے میں ملازم ہو گئے۔

عربی تعلیم کا یہ حال تھا کہ بچپن ہی سے حافظ عبد المنان صاحب مرحوم سے سادہ قرآن اور ترجمہ وغیرہ پڑھا تھا۔ پھر انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہی حضرت حافظ صاحب سے دینیات کی کتب بھی پڑھتے رہے۔ چنانچہ عربی و فارسی کی تعلیم مکمل حافظ صاحب کے درس سے ہی کی تھی۔

حضرت مولانا مولوی فضل الٰہی صاحب بہت ذہین تھے اردو۔ عربی۔ فارسی انگریزی ان چار زبانوں پر تو تعلیمی طور پر بہت عبور تھا۔ ان زبانوں میں لکھنا۔ پڑھنا۔ گفتگو کرنا ایسا تھا جیسے کہ مادری زبان ہوتی ہے۔ بلکہ ان زبانوں میں نہایت فصیح و بلیغ تقریر کر سکتے تھے۔ اور پنجابی چونکہ اپنی مادری زبان تھی اور پٹھانوں میں رہنے کی وجہ سے پشتو بھی مادری زبان کی طرح ہی ہو گئی تھی۔ گویا کہ ان چھ زبانوں اردو۔ عربی۔ فارسی۔ پنجابی پشتو۔ انگریزی پر پورا عبور تھا۔ اس کے علاوہ روسی۔ جرمنی۔ ترکی زبانیں بھی سمجھ لیتے تھے۔ اگرچہ ان پر مکمل عبور نہ تھا۔

جماعت مجاہدین سے تعاون حافظ عبد المنان صاحب اگرچہ نابینا تھے لیکن جماعتی کاموں میں آنکھ والوں سے بھی کہیں بہت آگے تھے۔ مجاہدین سے تعلق خاص

Marfat.com

تھا۔ مجاہدین کو روپیہ پہنچانے والوں کی ایک منزل یہ بھی تھی۔ جہاں پر انہیں کھانا اور ٹھکانہ ملتا تھا۔ چنانچہ حافظ صاحب سے ہی جماعت مجاہدین یاغستان کا پتہ چلا۔ اور دن بدن دلچسپی بڑھتی ہی گئی۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں ریلوے کی ملازمت میں بہ مشکل ایک سال ہی گذارہ ہو گا کہ آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ملازم نے آکر اطلاع دی کہ کہیں سے تار آیا ہے۔ آپ نے نماز پڑھنے کے بعد تار کا جواب بھی دیا اور ساتھ ہی استعفیٰ بھی لکھ دیا۔ اور سیدھے وزیر آباد واپس آکر حافظ صاحب کی مجلس میں رہنا شروع کر دیا۔

حفظ قرآن حافظ عبدالمنان صاحب سے آپ نے احادیث پڑھنے کے ساتھ ساتھ قرآن بھی حفظ کرنا شروع کر دیا۔ حفظ قرآن کے لیے چونکہ تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے آپ عموماً وزیر آباد کے مشرق کی جانب ایک باغ تھا آپ وہاں چلے جایا کرتے اور سارا دن قرآن یاد کرتے رہتے۔ چنانچہ جس سال آپ باغ میں قرآن یاد کرنے کو جایا کرتے تھے اس سال باغ کو بہت پھل آیا۔ اور ایک دن باغ والے ایک ٹوکرا پھل کا لے کر حافظ صاحب کے گھر آئے اور کہنے لگے کہ اس سال آپ ہمارے باغ میں قرآن پڑھتے رہے ہیں جس کی برکت سے اس دفعہ باغ کو پھل بہت کثرت سے آیا ہے تو آپ نے ان سے کہا کہ میں کسی معاوضہ کے لیے وہاں نہیں جاتا تھا اور نہ ہی میرا مقصد تھا۔ بلکہ آپ لوگوں کی مہربانی تھی کہ آپ نے مجھے باغ سے روکا نہیں تھا یہ پھل سب تمہارا ہی حق ہے اسے لے جاؤ اور فائدہ اٹھاؤ۔

نوکری چھوڑنے کی وجہ سے والد صاحب اور والدہ صاحبہ مجھ سے کچھ ناراض سے ہو گئے۔ والد صاحب نے بھی قرآن حافظ عبدالمنان صاحب سے ہی پڑھا تھا اور بڑی عمر میں پڑھا تھا۔ چنانچہ ایک دن والد صاحب نے حافظ صاحب سے شکایت کی کہ فضل الٰہی نہ تو نوکری کرتا ہے اور نہ ہی کوئی اور کاروبار کرتا ہے۔ میرے کہنے سے باہر ہے اس کے مہمان بہت آتے رہتے ہیں۔ میری سمجھ سے باہر ہے کہ اس کا کیا کروں۔ حافظ صاحب نے

جواب دیا کہ "میرے چار لڑکے ہیں چاروں لے لو اور فضل آلٰہی مجھ کو دے دو تمہیں کیا قدر کہ یہ کیا چیز ہے"۔ اور حافظ صاحب جلال میں آ گئے۔ اس دن سے والد صاحب راضی ہو گئے۔ اور قریبًا تین چار سال کے بعد راضی ہوئے۔

مولانا فضل آلٰہی صاحب قریبًا ۱۹۰۳ء میں امیر المجاہدین امیر عبد الکریم کے پاس بیعت جہاد کرنے کو مرکز مجاہدین اسمست میں پہنچے۔ اور وہاں سے حکم ہوا کہ ہندوستان جا کر مجاہدین کے لیے چندہ اور آدمی فراہم کرتے رہیں وہ پہلے بھی حافظ عبد المنان صاحب کے ماتحت یہی کام کرتے تھے اور امیر صاحب نے بھی انہیں اسی کام پر مامور فرمایا۔ بیعت کے بعد مولانا صاحب نے اپنے آپ کو مستقل طور پر جماعت کے کاموں کے لیے وقف کر دیا۔

امیر عبد الکریم صاحب نے ۱۹۰۳ء میں امیر منتخب ہونے کے بعد اپنا مرکز اسمست بنایا اور سب سے بڑا یہ کام کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں اور لیڈروں سے تعلقات قائم کیے۔ ان ہندوستانی مرکزوں کو یک جہتی میں منسلک کرنے کے لیے غالبًا ۱۹۰۶ء میں مولانا فضل آلٰہی صاحب کو امیر المجاہدین ہند کا عہدہ تفویض ہوا۔

چونکہ آپ کے ذمہ مجاہدین کے لیے چندہ کی فراہمی اور مجاہدین کو یاغستان بھیجنے کا کام تفویض ہوا تھا چنانچہ اس میں آپ نے ہمت اور تندہی سے کام کیا اور خاص طور پر حافظ صاحب کے مدرسہ میں رہتے اور طلباء سے بہت پیار کرتے اور طلباء کا نہایت باریک بینی سے تجزیہ کرتے رہتے بالآخر ان میں سے کئی مجاہد تیار کرتے اور یاغستان بھیجتے رہتے۔

طلباء سے محبت کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات گھر کا تمام پکا پکایا ان کے لیے لے جاتے اور ہر جمعرات کو طلباء ایک مشقی جلسہ کیا کرتے تھے سوائے مولانا کے اور کوئی بھی ان کی تقاریر نہ سنتا تھا۔ لیکن مولانا آخر تک تمام تقریریں سنتے رہتے اور طلباء میں سے اپنے مطلب کے اور طریق کار کے لیے موزوں مجاہدوں کو منتخب کرتے رہتے۔

ملک حکیم عبد اللہ نصر صاحب سوہدرہ کے بیان کرتے تھے کہ میں بچپن میں حافظ صاحب کے مدرسہ میں پڑھا کرتا تھا۔ جمعرات کو جب طلباء تقریریں شروع کرتے تو مولانا فضل آلٰہی صاحب خوب کپڑا لپیٹ کر منہ و سر ڈھانپ کر بیٹھے رہتے اور کبھی کبھی جوش میں آ کر یہ دو شعر

پڑھا کرتے تھے ؎

ایس عشق حقیقی اندر سجناں سب کجھ ہتھوں دیتے تے تاں کجھ لیتے

بچوں سے بہت پیار کرتے تھے ان کو سبق پڑھاتے تھے گھر پہ عموماً مختصر سا درس ہر وقت جاری رہتا تھا۔

حضرت صوفی محمد عبد اللہ صاحب مجاہدین میں شامل ہونے کا اپنا واقعہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں (صوفی محمد عبد اللہ صاحب قریباً دس بارہ سال حضرت صاحب سے چھوٹے تھے) فرماتے ہیں کہ میں قریباً دس بارہ سال کا تھا۔ رمضان کے روزے رکھنے کا بہت شوق تھا۔ چونکہ محلہ کی مسجد حافظ عبد المنان صاحب کی مسجد ہی تھی جو کہ اہلحدیث کی مسجد تھی اس لیے افطاری کے انتظار میں مسجد کے دروازہ پہ آجایا کرتے تھے اور یہ عموماً بچوں کی عادت ہوتی ہی ہے۔

ایک دن حضرت صاحب حسب دستور مسجد میں تشریف لائے افطاری کے لیے بادام کی سردائی ساتھ لائے۔ میرے سر پہ ہاتھ رکھا اور فرمایا برخوردار کس کے بیٹے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ قادر بخش کا لڑکا ہوں۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا پھر تو تو ہمارا بھتیجا ہے کیونکہ وہ اور میں ہم جماعت ہیں۔ اکٹھے پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ مجھے مسجد میں لے گئے اور سردائی سے افطاری کرائی۔ پوچھا نماز پڑھتے ہو۔ میں نے کہا کہ نماز تو مجھے آتی ہی نہیں چنانچہ انہوں نے مجھے نماز کا سبق دینا شروع کر دیا اور میں آپ کے گھر پہ ہی سبق پڑھا کرتا تھا۔ کیونکہ وہاں اور بھی لڑکے پڑھتے تھے۔ اور اپنی غیر حاضری میں ہمیں مولانا مولوی عمر دین صاحب کے سپرد کر جایا کرتے تھے۔ مولانا عمر دین صاحب بھی مسلکاً اہلحدیث تھے اور پہلے والی مسجد میں رہتے تھے اپنے ہاتھ سے مشقت کرتے ورق کوٹنے کا کام کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے روٹی کما کر کھاتے تھے[1] اور مسجد میں للہ فی اللہ خدمت کرتے

---

[1] مولانا عمر دین صاحب کی ٹانگیں نہ تھیں ہاتھوں کے بل چلتے پھر بھی ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے۔ جب بیت اللہ کو تشریف لے گئے تو فرمانے لگے یا خدا میں نے سنا ہے کہ جہاز میں بہت گندگی ہوتی ہے تو میں قضائے حاجت کیسے کیا کروں گا چنانچہ جب جہاز پہ گئے تو دس بارہ دن بالکل پاخانہ نہ آیا ڈاکٹر کو طبیعت دکھائی نے کہا طبیعت میں کوئی نقص نہیں ہے حالانکہ خوراک با قاعدگی سے کھاتے جب جدہ میں جا کر اترے تب پاخانہ کی حاجت ہوئی اسی طرح آتی دفعہ بھی جہاز میں حاجت نہ ہوئی ۱۲ (باقی برصفحہ آئندہ)

صوفی عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ماں باپ سے بھی زیادہ مشفقانہ سلوک کرتے اور بچے بھی ان کا بہت احترام کرتے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سے اس قدر محبت تھی کہ جب تک روزانہ انہیں دیکھ نہ لیتا طبیعت کو چین نہ آتا تھا۔ ان کی غیر حاضری میں ان کے مکان کی بیٹھک کی چوکی پہ بیٹھ جاتا۔ ان کی شکل میرے سامنے آجاتی۔ کتنی کتنی دیر بیٹھا رہتا۔

صوفی صاحب کا ہی بیان ہے کہ قریباً ۱۹۰۵ء میں حضرت صاحب نے مجھے کچھ عملی کام کے ساتھ آزمانا شروع کیا۔ چنانچہ ایک دن مجھے ایک رقعہ دے کر بھیجے جو کہ وزیر آباد کے نواحی دیہات میں سے ہے بھیجا وہاں کے چوہدری صاحب دان کی اولاد آج کل وزیر آباد میں مطب کا کام کرتی ہے) نے مجھے اکیس پونڈ طلائی دیئے۔ جنہیں میں دیکھ کر بہت حیران ہوا اور حضرت صاحب کو لاکر دے دیئے۔

ایک دفعہ ملکہ کا روپیہ جو چاندی کا تھا سے ایک بیگ بھر کر مجھے دیا اور فرمایا کہ اسٹیشن پہ لے چلو میں بھی آتا ہوں۔ روپیہ اتنا زیادہ تھا کہ میں بیگ بڑی مشکل سے اٹھا رہا تھا۔ میں دو تین گھنٹے اسٹیشن پہ انتظار کرتا رہا لیکن حضرت صاحب تشریف نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) صوفی عبداللہ صاحب کا پہلا اصل نام سلطان محمد تھا اور باغستان کا نام عبداللہ تھا قریباً ۱۹۰۵ء سے باقاعدہ طور پہ مجاہدین میں شامل ہوئے تھے۔ اکثر حضرت صاحب کے ساتھ زندگی گزاری حضرت صاحب کی ہجرت سے پہلے بہت دفعہ باغستان گئے۔ حالانکہ حضرت صاحب کا باقاعدہ ہجرت سے پہلے باغستان جانا بمشکل پانچ سات دفعہ تھا لیکن صوفی صاحب نے بے شمار دورے کیے تھے اور حضرت صاحب کی ہجرت کے بعد وہ تو ہمیشہ نہ آسکتے تھے لیکن صوفی صاحب بدستور آتے جاتے رہتے تھے چونکہ ان کے واقعات کا تعلق زیادہ تر حضرت صاحب کی زندگی سے تھا اس لیے اسی میں بیان آتا رہے گا۔ قریباً ۱۹۳۰ء میں مقام اوڈانوالہ میں مدرسہ عربیہ قائم کیا پھر اسی کی خدمت میں لگ گئے۔ لیکن اپنا نام وغیرہ کسی کو نہ بتاتے تھے۔ قریباً بیس بائیس برس تک مدرسہ رکھنے کے باوجود اپنا راز فاش نہ ہونے دیا ایک دفعہ ایک بخاری ٹلاد ملک، بخارا کا رہنے والا جو مجاہدین کے تعلق کو پہلے سے جانتا تھا مدرسہ میں تعلیم کے لیے آگیا تب یہ راز آشکارا ہوا لیکن پھر بھی اپنے آپ کو گمنام رکھنے کی (باقی برصفحہ آئندہ)

Marfat.com

لائے۔ کافی انتظار کے بعد میں نے واپس آکر دروازہ پر دستک دی تو فرمانے لگے عبداللہ واپس آگئے۔ میں نے کہا حضرت آپ تشریف نہیں لائے تھے تو فرمایا اچھا آجاؤ۔ میرا ارادہ ملتوی ہو گیا تھا۔ روپیہ اندر رکھ آؤ۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ حضرت صاحب صرف میری آزمائش فرماتے تھے۔ کیونکہ روپیہ ایک ایسی چیز ہے کہ انسان بہت جلد بددیانتی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ میں نے آجتک ایک چوری کا روپیہ بھی نہیں لیا۔ عموماً پونڈوں اور روپوں کی الماریاں بھری رہتی تھیں۔ اور مجھ سے ہی حضرت صاحب روپیہ نکلواتے تھے۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ حضرت صاحب کو مجھ پر بہت اعتماد تھا۔

صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب کے حکم کے مطابق مجاہدین کے لیے روپیہ اکٹھا کر کے لاتا رہا۔

مولوی عبدالقادر صاحب کٹرال قوم سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو اسی خدمت پر مامور تھے وہ خود فرماتے ہیں کہ میں عموماً مولوی لیاقت صاحب عرف پیر میاں سے روپیہ لایا کرتا تھا۔ کیونکہ علاقہ نیپال ترائی تک سارا علاقہ ان کے ماتحت ہی تھا۔ وہ "امیوا" جگہ میں رہتے تھے۔ جہاں عمر کا تیور۔ لکھنؤ۔ گورکھپور۔ نوگڑھ سے ہوتے ہوئے بیگنیاں اسٹیشن پر اتر کر پیدل جایا کرتے تھے اور میرا زیادہ کام صرف یہ تھا کہ میں آدمیوں کو سرحد پار کرایا کرتا تھا۔ کبھی کبھی میرے ساتھ ایک اور آدمی غلام مولیٰ جو برہان میں رہتا تھا بھی ہوتا تھا۔

(نوٹ) حاشیہ صفحہ ٦٦ صفحہ ٦٧ ملاحظہ فرمائیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٥) کوشش کرتا ہے ایک دفعہ اس سے پہلے ایک سکھ سی آئی ڈی انسپکٹر کسی کی اطلاع پر آیا تھا۔ لیکن وہ بے اولاد تھا۔ جب انکوائری کے لیے آیا تو کسی نے اسے کہا کہ یہ بہت بزرگ آدمی ہیں ان سے دعا کراؤ اولاد ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے دعا کے لیے درخواست کی صوفی صاحب نے اس کے لیے دعا کی تو وہ بجائے انکوائری کرنے کے معتقد ہو گیا۔ اللہ تعالے نے اس کو اولاد بھی دے دی۔ اس کے بعد اگر کوئی رپورٹ کرتا تو وہ افسر اس کی تردید لکھ کر واپس بھیج دیتا

Marfat.com

جنگ بلقان ویسے تو مولانا صاحب ہمیشہ دورے کرتے رہے اور مجاہدین کے لیے روپیہ فراہم کر کے بھیجتے رہے لیکن جب یورپی طاقتیں منظم ہو کر حکومت ترکی کے خلاف اعلان جنگ کرنے لگیں تو اکتوبر ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر کے جنگ بلقان کی بنیاد رکھی اور ایک سال بعد خود برطانیہ بھی جنگ ترکی میں کود پڑا۔ ترک اکیلا تھا اور اس کی زیر نگیں عرب حکومتیں انگریزی پالیسی کی وجہ سے ترکوں سے باغی ہو چکی تھیں۔ اور ہندوستان کی تمام فوج اکٹھی کر کے انگریز نے ترکوں کے خلاف ترکی کے گرد و نواح میں پھینک دی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی معمولی فوج رہ گئی تھی اس وقت ترکوں کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ تھی کہ انگریزوں کے خلاف ترکوں کو مدد دی جائے۔ چنانچہ مولانا

(حاشیہ صفحہ ۶۶) [1] مولوی عبدالقادر قوم کرٹال سے تھے علاقہ گلیات میں نزد ارہ ڈاکخانہ تارڑہ براستہ حویلیاں میں رہا کرتے تھے۔ اس علاقہ میں کرٹال اور ترین دو قومیں تھیں جو شروع سے جب مولانا ولایت علی صاحب نے اسلامی حکومت قائم کی تھی اسی وقت سے ہی وہ مجاہدین کی امداد بڑی گرمجوشی سے کرتی رہیں۔ مولانا ولایت علی صاحب کے وقت بھی اسی قوم کی وجہ سے مجاہدین کو سکھوں پر فتح نصیب ہوئی پھر جب انگریز اور سکھوں نے مل کر حملہ کیا تو ضلع ہزارہ مجاہدین کے تسلط سے نکل گیا لیکن یہ علاقہ اس وقت بھی سکھوں کے قبضہ میں نہ آسکا۔ بالآخر جب انگریز آئے تو اس قوم کے بڑے سردار حسن علی خاں نے تمام قوم کو اکٹھا کر کے کہا کہ اب مجاہدین ہماری پناہ میں نہیں رہ سکتے اور انگریز کو سپرد کرنے کے لیے ہم تیار نہیں اس لیے اب سب لوگ مل کر ان کا تمام سامان حتیٰ کہ چارپائیاں تک سب راتوں رات ستھانہ منڈی میں پہنچا دو تاکہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو ان دنوں علاقہ کرٹال کے امیر مولوی قاسم صاحب تھے۔

دوسری ترین قوم تھی جس نے مجاہدین سے کبھی دھوکہ نہیں کیا اور ہمیشہ ان کے معاون بنے رہے موجودہ صدر پاکستان محمد ایوب خاں صاحب کے دادوں میں جعفر توفیق "سید صاحب" کے ساتھیوں میں سے تھا۔ یہ مولوی نصیرالدین منگلوری کے زمانہ تک رہے پھر مولوی نصیرالدین دہلوی جب آئے تو ان کی قیادت میں جہاد میں بھی حصہ لیا۔ ترین قوم میں سے ایک غلام خاں تھے انہوں نے بھی مجاہدین کی بہت مدد کی بالآخر انگریزوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر کہیں دوسری جگہ لے جا کر شہید کر دیئے گئے۔

مولوی عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ میں ۱۹۰۶ء میں اپنے چچا کے ہمراہ مجاہدین میں جا کر شامل ہوا اور میرے چچا قریباً امیر عبداللہ صاحب کے ہمسر تھے اور سارا وقت انہی کے ساتھ رہے۔"

آزاد نے مختلف وقتوں میں تقریریں کر کے ہندوستان کی فضا کو انگریزوں کے خلاف کیا۔ حتی کہ ترکوں کے ساتھ جرمنوں کا معاہدہ ہو گیا۔ اور جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کا آغاز بین الاقوامی طور پہ ہو گیا۔

جرمن حکومت کے سفارتی خطوط مجاہدین یاغستان نے بھی اپنے وفد جرمنی، روس اور ترکی میں بھیجے۔ چنانچہ حکومت جرمنی کی طرف سے ہندوستان کے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کی طرف باقاعدہ طور پر چٹھیاں بھیجی گئیں جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگر ہندوستان پہ حملہ کیا جائے تو اس جنگ کو صرف انگریز کے خلاف سمجھا جائے اور ہندوستان کے نواب اور راجے آڑے نہ آئیں۔ چنانچہ ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ طور پہ چٹھیاں سفارتی طور پہ بھیجی گئیں۔ یہ چٹھیاں ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی تھیں۔ پہلے یہ چٹھیاں افغانستان پہنچیں اور پھر وہاں سے آگے بھیجی گئیں۔

انگریزی حکومت میں اس کے برخلاف بغاوت کی چٹھیاں راجوں اور نوابوں تک پہنچانا بہت مشکل کام تھا۔ جس مجلس میں یہ کارروائی ہو رہی تھی اس میں حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب بھی گئے ہوئے تھے اور صوفی عبداللہ صاحب بھی وہاں موجود تھے یہ ذمہ داری اٹھانے کے لیے کہا گیا تو سب خاموش ہو گئے۔ حضرت مولانا صاحب نے صوفی صاحب کی طرف دیکھا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ سات چٹھیاں انکے سپرد کی گئیں

صوفی صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ میں پہلے دہلی میں حافظ اسحاق صاحب کو ملا۔ وہاں کچھ چیزیں ان کے پاس رکھ کر پہلے راجہ نیپال کے پاس گیا۔ راجہ سے ملنے کے لیے پہلے اس حلقہ کے امیر مولوی لیاقت علی صاحب کو ملا وہ بیری قیصر میں رہتے تھے وہاں اور بھی ہمارے آدمی تھے۔ انہوں نے ایک ٹھیکیدار کے پاس بھیجا۔ وہ شاہی مہمان خانے میں سپلائی کا کام کرتا تھا۔ چنانچہ جب ٹھیکیدار کو مولوی لیاقت علی صاحب کی معرفت پیغام ملا کہ محمد عمر کی ملاقات راجہ سے کروانا ہے (اس سفر میں صوفی صاحب محمد عمر کے نام سے کام کر رہے تھے مجاہدین کا کوڈ نام کی تبدیلی سے ہی ہوا کرتا تھا) ٹھیکیدار نے

وقت مقرر کر کے کہا کہ تم میرے پیچھے چلے آنا۔ راستہ میں کسی چوبدار نے روکنے کی کوشش کی تو ٹھیکیدار نے روکنے نہ دیا حتیٰ کہ دونوں آگے ٹھیکیدار اور پیچھے صوفی صاحب شاہی دربار میں چلے گئے۔ وہاں ٹھیکیدار نے راجہ سے ملاقات کروائی تو صوفی صاحب نے وہ ریشمی رومال والی چٹھی نکال کر دے دی۔ راجہ نے جب خط پڑھا تو انگلی اپنے دانتوں میں دبا کر بہت حیرت زدہ ہوا فوراً حکم دیا کہ میرا شاہی مہمان خانہ کھول کر انہیں ٹھہراؤ لیکن ٹھیکیدار نے کہا نہیں یہ میرا مہمان ہے۔ چنانچہ راجہ نے جواب میں کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ بے فکر رہیں اور دس ہزار روپیہ نقد اور ایک ہاتھی دیا کہ اگر کوئی کسی قسم کی تکلیف یا گرفتاری وغیرہ ہو تو دے دلا کر نکل جانا۔ چنانچہ صوفی صاحب پھر مولوی لیاقت علی کے پاس آئے اور وہ روپیہ بھی اور ہاتھی دو ہزار کا فروخت ہوا وہ بھی سب رقم ان کے پاس مجاہدین کے لیے جمع کروا دی۔

اسی طرح کی ایک ریشمی چٹھی راجہ جودھپور اور ایک راجہ جے پور اور ایک راجہ گوالیار کو دی۔ وہاں ایک شخص "نبی جی خدا بخش" ریاست جودھپور میں راجہ کا نہایت منظور نظر آدمی تھا۔ نبی جی کا دادا راجہ کے جانوروں کے لیے چارہ کا ٹھیکیدار تھا اور خاندانی طور سے وہ راجہ کا مقرب تھا۔ خود بھی مجاہدین کو چندہ دیتا تھا اور پانچ راجوں سے بھی بہت مدد کروا دیا کرتا تھا۔ کیونکہ رئیس آدمی ہونے کی وجہ سے اس کے تعلقات کافی تھے۔ مجاہدین جو ہندوستان میں پھرتے تھے عموماً فقیروں کی شکل میں ہوتے اور اکثر جگہ فقیر ہی کہلاتے تھے۔

صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ جودھپور کا راجہ ویسے بھی مجاہدین فقیروں سے متاثر تھا۔ کیونکہ ان میں سے ایک شخص بنام مولوی لیاقت علی صاحب مستقلاً شہر کے باہر جنگل میں رہا کرتا تھا۔ اور راجہ کی فوج کے آدمی اکثر اس کے مرید تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ان ہی کا ایک مرید بخت خاں جس نے ہندوؤں کو کہا تھا کہ کارتوسوں کو گائے کی چربی لگی ہوئی ہے اور مسلمانوں کو کہا تھا کہ ان کو سور کی چربی لگی ہوئی ہے

جودھپور کے راجہ نے پانچ ہزار روپیہ نقد دیا تھا اور خط کے جواب میں کہا تھا کہ ان

Marfat.com

کے آنے پر ہم ان کے ساتھ مل کر کام کریں گے بے فکر رہیں وہ یہ روپیہ صوفی صاحب کو اپنی حفاظت کے لیے دیا تھا۔

جے پور کے راجہ کو جب نین جی کی معرفت خط دیا گیا تو اس نے مبلغ سات ہزار روپیہ دیا تھا۔ گوالیار کے راجہ کو بھی نین جی کی معرفت خط دیا گیا تھا۔

ایک خط راجہ اندور کو حافظ عبدالغفور صاحب تلام والوں کی معرفت پہنچایا گیا تھا۔

پھر بمبئی جا کر ایک خط مولوی محمد علی صاحب کو جو "محمد علی۔ شوکت علی برادران" جنگ آزادی کے بہترین کارکن تھے کو دیا۔ وہ خط نواب رامپور کو پہنچانا تھا۔ چنانچہ جب ان کو بھی خط دیا گیا تو اس نے بھی یقین دلایا کہ اگر وہ ہمارے ملک میں آ جائیں گے تو ہم انکی پوری طرح حمایت کریں گے

ایک خط نواب بہاولپور کو دیا گیا۔ بہاولپور کا نواب ابھی بالکل نوعمر تھا اور اس کے ساتھ پہلے ہی ہماری راہ و رسم کافی تھی۔ اس کا والی رحیم بخش تھا اس کی معرفت خط دیا گیا۔ ان کے مشیر کار عبدالرحمن صاحب تھے۔ ہمیں ہر سال انہی کی معرفت روپیہ ملتا تھا اور وہ دو ہزار روپیہ سالانہ ہمیں مجاہدین کے لیے دیا کرتے تھے۔

یہ سات چٹھیاں صوفی صاحب نے نوابوں اور راجاؤں کو دیں ایک چٹھی ملا محمود الحسن صاحب کو بھیجنے کے لیے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کو دی گئی۔ لیکن وہ پکڑی گئی یا جان بوجھ کر پکڑائی گئی واللہ اعلم۔

بعض لوگوں نے ان چٹھیوں کی ترسیل کو ایک علیحدہ تحریک "تحریک ریشمی رومال" کا نام دیا ہے۔ حالانکہ تحریک مجاہدین میں اس قسم کی خط و کتابت عموماً ہوتی ہی رہتی تھی چونکہ یہ چٹھیاں سفارت جرمن کی طرف سے تھیں۔ اس لیے انکو لانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ ریشمی رومال کوئی الگ تحریک نہ تھی۔ بلکہ منزل آزادی کا ایک قدم تھا۔

طلباء کی ہجرت ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں جماعت مجاہدین کی اطلاعات کے مطابق انگریز کی تمام فوج ہندوستان سے غیر حاضر تھی حتیٰ کہ وائسرائے کے حفاظتی دستہ کے لیے بھی ان کے پاس آدمی نہ تھے۔ انتظامیہ کا یہ حال تھا کہ ضلع جھنگ میں خانہ جنگی اور ڈاکہ زنی کی

Marfat.com

واردات بہت ہی بڑھ گئی تھیں کیونکہ انتظامات کے لیے بھی فوج کوئی نہ تھی۔

ادھر مولوی فضل الٰہی صاحب نے بڑی بھاری مقدار میں چندہ بھی اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ اور ہجرت کے لیے بھی ابھارنا شروع کر دیا تاکہ مجاہدین یاغستان کی آزاد فوج کو تربیت دے کر انگریز کے خلاف استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اس پروگرام کے ماتحت فروری ۱۹۱۵ء کو چودہ لڑکے جن میں سے چار میڈیکل کالج کے دو ایم۔اے۔ اور پانچ بی۔اے کے طلبا تھے مولوی فضل الٰہی صاحب کی تحریک سے ہجرت پر جانے کو تیار ہو گئے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے لاہور سے ہی ان کو اپنے بڑے بھائی محمد الٰہی کے سپرد کر دیا تاکہ انہیں ہری پور کے قریب اتار دیں۔ محمد الٰہی صاحب چونکہ تو ریلوے میں پلیٹیر تھے انہوں نے ہری پور اور سرائے صالح کے درمیان گاڑی کھڑی کر کے انہیں اتار دیا۔ رات مولانا اسمٰعیل صاحب جیری متصل ہری پور والوں کے پاس رہے۔ کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا مجاہدین کا کیمپ ہی تھا۔ پھر دوسرے دن وہ سرحد پار کر گئے۔

جو طلباء ہجرت کر کے گئے تھے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں (۱) مولانا عبدالقادر صاحب قصوری۔ (۲) مولوی یوسف صاحب (سابقہ نام عبدالرشید) از لاہور (۳) مولانا بشیر صاحب (سابقہ نام عبدالرحیم صاحب) (۴) پروفیسر محمد اقبال شیدائی از سیالکوٹ۔ (۵) یعقوب صاحب سابقہ نام محمد حسن از سیالکوٹ (۶) مولوی عبدالرحمن صاحب برادر مولوی عبدالرحیم صاحب (۷) میاں عبدالباری صاحب سابق رکن پاکستان دستور ساز اسمبلی پاکستان (۸) ڈاکٹر شجاع احمد صاحب (۹) ڈاکٹر عبدالحمید صاحب جالندھری (۱۰) شیخ محمد ابراہیم سندھی (۱۱) سردار عبدالحمید از میانوالی (۱۲) میر ظفر حسن کرنالی (۱۳) سردار اللہ نواز ملتان (۱۴) ڈاکٹر خوشی محمد جالندھری۔

مرکز چمرقند ان پڑھے لکھے طلباء کو محض جنگی ضروریات کے لیے وہاں بھیجا گیا۔ چنانچہ مولوی عبدالقادر قصوری کو فوجی تنظیم و تربیت کا کام سونپا گیا۔ مولانا بشیر صاحب (سابق نام عبدالرحیم) کو وزارت خارجہ کا عہدہ دیا گیا اور جو بھی گفتگو افغانستان سے ہوتی رہی سب انہی کی بمعرفت ہوتی رہی۔

ہندوستان کے تازہ مجاہدین کے جانے کی وجہ سے جو اکثر صاحب علم وفضل تھے۔ مجاہدین جوتیبر کی جماعت کی روش پر تنقید شروع ہو گئی اور بالآخر ان کا بھی جمود کچھ ٹوٹنے لگا اور جمعیت کے دائرہ عمل میں بھی وسعت پیدا ہو گئی۔

چونکہ تازہ وار دین کی نگاہ میں جماعت مجاہدین کا دولت عالیہ افغانستان کے ساتھ اتصال لازم اور ضروری تھا۔ لہذا چمرقند کو مرکز جمعیت مجاہدین کی صورت میں بدل دیا گیا اور حکومت افغانستان سے عملی روابط بھی قائم کیے گئے۔ چنانچہ حکومت افغانستان نے جماعت مجاہدین پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی۔ اور دوستی کا وظیفہ جو چار ہزار روپیہ سالانہ تھا سے بڑھا کر بارہ ہزار کر دیا۔

چمرقند میں پہلے ملا صاحب بڈہ تشریف فرما تھے۔ بہت اسلام پسند اور باعزم آدمی تھے۔ سب سے پہلے ۱۷ رمضان ۱۳۳۳ھ (جولائی ۱۹۱۵ء) کو امیر نعمت اللہ نے مولوی عبدالکریم صاحب قنوجی کی ماتحتی میں ایک لشکر مجاہدین کا چمرقند کی امداد کے لیے بھیجا اس کے بعد مولوی بشیر صاحب کی کوشش سے حکومت افغانستان نے بھی چمرقند کو ایک مستقل مرکز قرار دے دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ طلباء جو ہجرت کر کے اکثر افغانستان چلے گئے تھے وہ بھی چمرقند میں ہی آ گئے۔

ان طلباء نے جاتے ہی اپنے اپنے کام سنبھال لیے۔ ان میں زیادہ ڈاکٹر تھے جن کو زخمیوں کی مرہم پٹی پر اور ان کی تربیت پر لگایا گیا چنانچہ جنگ سرکا بی ۱۹۱۵ء (جنگ رستم) میں مولانا عبدالقادر اور دیگر مہاجرین حضرات نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس میں قریباً دس مہاجر مجاہدین اور کچھ حاجی ترنگ زئی کے آدمی بھی شہید ہوئے۔ یہ تمام جنگ مرکز چمرقند کے ماتحت ہی لڑی گئی اور تمام طلباء چمرقند ہی پہنچے۔

ان سرحدی جنگوں کا قاعدہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ چھاپہ مار دستے مقررہ کر کے سرحدوں پر انگریز کی فوجی چوکیوں کو تباہ و برباد کیا جاتا اور مرکز اسمست سے مبلغ بھیجے جاتے جو مقامی خوانین کو بھڑکاتے رہتے اور جنگ وجہاد پر آمادہ کرتے رہتے۔

۱۹۱۶ء جرمنی مولانا بشیر صاحب نے چمرقند جا کر جرمنی اور روس کے وفد پر آدمی بھیجے چنانچہ

ان دنوں جنگ عظیم میں جرمنی اور روس کا معاہدہ تھا اور ان کا پلہ بھی بھاری تھا۔ اس دونوں حکومتوں کو سفارتیں بھیج کر امداد کے لئے بلایا گیا۔ چنانچہ ان حکومتوں نے اسلحہ اور روپیہ سے بھی امداد کی۔ بالآخر اگست ۱۹۱۵ء کو جرمنی نے اپنی حکومت کی طرف سے باقاعدہ ایک سفیر اور اس کے ساتھ سارا عملہ مع جنگی مشیروں کے افغانستان بھیجا تاکہ گفتگو کر کے کسی عملی کام میں حصہ لیا جا سکے۔ یہ وفد پورا ایک سال کابل میں رہا۔ لیکن امیر حبیب اللہ شاہ افغانستان جنگ کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ بالآخر ستمبر ۱۹۱۶ء کو سب غیر ملکی ارکان مختلف راستوں سے واپس ہو گئے۔

افغانستان میں صلاح و مشورہ کے لیے جو وفد گئے ہوئے تھے ان میں سے چند ایک چیدہ شخصیتوں کے نام یہ تھے۔ کانگرس بھی چونکہ انگریز کے خلاف اور آزادی کی خواہاں تھی اس لیے انہوں نے اپنا وفد راجہ مہندر پرتاپ کی سرکردگی میں بھیجا تھا اور چونکہ وہاں اکثر تھے ہی مسلمان اس لیے راجہ صاحب مسلمانوں کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی ہی کھاتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان کے کانگریسی مسلمانوں کی طرف سے مولانا عبید اللہ سندھی بطور نمائندہ موجود تھے۔ مجاہدین ہندو یاغستان کی طرف سے بطور سفیر مولانا بشیر صاحب گئے ہوئے تھے۔ مولانا برکت اللہ جو کہ ریاست بھوپال کے ایک امیر گھرانہ کے پڑھے لکھے فرد تھے وہاں موجود تھے۔ کاظم بیگ مع اپنے عملہ کے محمد خامس خلیفۃ المسلمین ترکی کی چٹھی لے کر بطور فاتح وفد ترک آیا ہوا تھا۔ جرمنی کی طرف سے فان ہینٹگ کی سرکردگی میں مع کپتان نیڈ مائر قیصر ولیم کی چٹھی بنام شاہ افغانستان لے کر آئے ہوئے تھے۔

اتنی اہم اور کامیاب کوششوں کے باوجود امیر حبیب اللہ جنگ پر آمادہ نہ ہوا جس کی وجہ سے جرمن مشن ناکام واپس ہو گیا۔

غلطیہائے عدیم المثال جہاں

حضرت مولانا فضل الٰہی مرحوم نے امیر حبیب اللہ کی اس غلطی کو "غلطیہائے عدیم المثال جہاں" میں سے شمار کیا ہے۔ چنانچہ آپ صفحہ پر فرماتے ہیں۔

Marfat.com

بیسویں صدی عیسوی کی سب سے بڑی سیاسی غلطی وہ ہے جو گذشتہ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے دوران میں امیر شہید حبیب اللہ خاں مرحوم شاہ افغانستان سے سرزد ہوئی۔ ان دنوں برطانوی اقتدار کی کشتی جرمنوں کے ہاتھوں ہلاکت اور تباہی کے بھنور میں اس طرح بے ڈھب پھنس چکی تھی کہ امیر مذکور اگر جہاد کا جھنڈا بلند کرنے میں ذرا بھی توجہ کرتا تو انگریزوں کے لیے یہ بات بالکل ناممکن تھی کہ وہ کچھ زیادہ مدت تک ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے۔ ملک ہند بھی برطانوی گرفت سے رہا ہو جاتا اور افغانستان صوبہ سرحد پشاور اور کشمیر وغیرہ تمام ہاتھ سے نکلے ہوئے مقبوضات کے واپس لینے میں کامیاب ہو جاتا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہوتی کہ نہ خلافت ترکیہ معرض سقوط میں آتی کہ ترکیہ کو اتحادی قومیں باہم تقسیم کرنے کا موقع پاتیں بلکہ روئے زمین کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا جس کے اندر کہیں بھی اشتراکیت اور یورپ کی موجودہ سرمایہ داری نظام کا نشان نہ ملتا۔ موجودات عالم میں سے کسی کا کان موجودہ قحط سالی، بدامنی اور عالمگیر جنگوں میں سے کسی چیز کا آواز بھی سننے نہ پاتا۔ سر ولیم بارٹن نامی جو دولت برطانیہ کے سیاسی مدبروں کے اندر چوٹی کا آدمی ہے اس نے اس بات کی تصدیق کی ہے الخ۔

جب امیر حبیب اللہ لڑائی پر آمادہ نہ ہو سکا تو مجاہدین مرکز نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ تھا کہ پنجاب کے شمال مغربی سرحد پر جو محاذ کھڑا کیا ہوا تھا اس کو کامیاب کرنے کے مولانا فضل الٰہی صاحب امیر المجاہدین ہند کی سرکردگی ایک وفد شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا تاکہ وہ بنفس نفیس یاغستان و افغانستان کا دورہ کریں اور اپنے شاگردوں کو اس کام پر ابھاریں۔ لیکن وہ بھی نہ مانے جس کا انجام مسلمانوں کے حق میں بہت برا رہا۔ اور انگریز کو اس جنگ میں کامیابی رہی۔ کیونکہ اس کے لیے کوئی دوسرا محاذ نہ کھل سکا یہ پوری روئیداد سردار محمد شفیع صاحب کی زبان سے اس طرح ہے۔ جو کہ رسالہ تبصرہ ½ ص۳۶ تا ص۳۹ میں درج ہے۔

"مولانا فضل الٰہی اور یاغستان کے مجاہدین امیر حبیب اللہ سے سخت ناراض تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ پہلی جنگ عظیم میں انگریز کی کامیابی امیر حبیب اللہ کی بدولت ہوئی ہے۔ اگر امیر انگریز کا ان قدر

Marfat.com

حمایتی نہ ہوتا تو ہندوستان اور مشرق میں انگریز کا نام و نشان مٹ جاتا۔

امیر حبیب اللہ سے اختلاف کی مختصر روئداد یہ ہے۔

(۱) سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کی ابتدا میں جب جرمنی کامیاب ہو رہا تھا۔ یورپ میں فرانسیسی اور انگریز بہت بری طرح پٹ رہے تھے۔ کیلے میں جرمن اپنی دور مار توپیں نصب کر کے جنوب مشرقی ساحل اور لندن پر سخت گولہ باری کا پروگرام بنا چکا تھا۔ لارڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ لندن کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ ایسے وقت میں انگریز ہندوستان سے اپنی ساری طاقت لے جا کر جرمنی کا مقابلہ کرنے کے لیے مجبور تھا۔ ہندوستان کی تمام تربیت یافتہ فوجیں جنگ میں جھونک دی گئی تھیں۔ یہاں صرف نئے رنگروٹ اور تھوڑے سے گورے رہ گئے تھے

مولانا کو خاص ذریعہ سے ان دنوں یہ معلوم ہوا کہ یہاں صرف دو ہزار گورا فوج کی تعداد، سامان حرب کی کمی اور اسی قسم کی تمام ضروری معلومات کرنل ملک عمر حیات خاں ٹوانہ (خضر حیات ٹوانہ کے والد) سے معلوم ہوئیں وہ ان دنوں انگریزوں میں بڑے مقبول اور ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ خیرخواہ سمجھے جاتے تھے۔

مولانا نے ان خوشگوار حالات کی اطلاع امیر حبیب اللہ کو دے کر ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی، لیکن وہ انگریز پرست بادشاہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

(۲) جرمن اور ترک جرنیلوں کی کوشش کے باوجود امیر حبیب اللہ ہندوستان حملہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوا (یہ تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے)

یاغستان اور افغانستان میں سمجھ دار طبقہ ان باتوں کو دیکھ کر امیر حبیب اللہ سے سخت ناراض ہو گیا۔ مجاہدین اور مخالف انگریز افغانوں کے دلوں میں ایک آگ سلگ رہی تھی جس کا امیر حبیب اللہ کو کچھ علم نہ تھا کہ وہ اس آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھا ہوا انگریز کی وفاداری کا راگ الاپ رہا ہے۔ جس پہاڑ کے اندر ہولناک آگ کے شعلے بھڑک اٹھنے کے لیے صرف ایک چنگاری کی ضرورت ہے سردار نصر اللہ خاں (برادر خورد حبیب اللہ خاں) اور سردار عنایت اللہ خاں (ولی عہد افغانستان) کسی تحریک میں حصہ نہ لینے والے خاموش اور مرنجاں مرنج انسان تھے چھوٹا شہزادہ امان اللہ خاں ابتدا ہی سے انگریز کے سخت مخالفین میں سے تھا۔ وہ انگریز کے

Marfat.com

مخالفوں کا مددگار اور مجاہدین کا خصوصیت سے بڑا ہی مداح تھا۔ اسی لیے سب کی نگاہیں امان اللہ خاں پر تھیں۔

جوں جوں جنگ عظیم کا خاتمہ قریب آتا جارہا تھا عوام اور خواص حالات سے آگاہ حبیب اللہ کے مخالف ہو رہے تھے۔ اندر ہی اندر ایک تحریک چل رہی تھی۔ مولانا جب جیل سے رہا ہوئے تو انہوں نے شدت سے محسوس کیا کہ کامیابی کے قریب پہنچی ہوئی تحریک محض امیر حبیب اللہ خاں کی بدولت فیل ہو گئی ہے۔ ان کے دل میں بھی ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ اسی لیے وہ بار بار جماعتِ مجاہدین میں یہی پیغام بھیجتے کہ جس طرح ہو سکے افغانستان میں انقلاب بپا کیا جائے۔

شروع ۱۹۱۹ء میں مخالفین انگریز نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق امیر حبیب اللہ کو اس وقت جلال آباد میں قتل کیا جب اس کو جلال آباد میں آئے ہوئے تین ماہ سے کچھ زائد عرصہ ہو چکا تھا۔ حکومت کابل کے دستور کے مطابق سردیوں کے چھ ماہ امیر حبیب اللہ خاں جلال آباد میں گذارتا۔ جہاں بہ نسبت کابل کے سردی بہت کم ہوتی اور کابل میں بادشاہ کی چھ ماہ غیر حاضری میں حکومت اس طرح ہوتی تھی کہ پہلے تین ماہ ولی عہد سردار عنایت اللہ خاں گورنر بنتا اور آخری تین ماہ چھوٹا شہزادہ امان اللہ خاں گورنر بنتا۔ ولی عہد سردار عنایت اللہ خاں اپنے تین ماہ گورنری کے گذار کر کابل سے جلال آباد میں اپنے باپ امیر حبیب اللہ کے پاس آ چکا تھا اور کابل کا چارج بہ حیثیت گورنر امان اللہ خاں کے ہاتھ میں تھا۔ اس وقت امیر حبیب اللہ خاں جلال آباد میں قتل ہو جاتا ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں کہی جا سکتی کہ اس قتل میں امان اللہ خاں کا ہاتھ تھا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ مخالفین انگریز کی پارٹی بڑی مضبوط تھی انہوں نے اپنے طور پر اسکیم بنائی اور امان اللہ خاں کے لیے راستہ صاف کیا۔

شروع جنگ عظیم میں ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے سلسلے میں جماعت مجاہدین اور مولانا کی تجویزوں کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے۔

(۱) ماہ اگست میں انگریزوں نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ ان دنوں جماعت مجاہدین یاغستان کے امیر مولانا حافظ عبدالکریم بن مولانا ولایت علی صاحب تھے۔ انہوں نے

Marfat.com

فوراً ایک وفد مولوی عبدالکریم صاحب قنوجی کی سرپرستی میں دربار کابل میں روانہ کیا۔ مولانا عبدالکریم صاحب مشہور انقلابی لیڈر مولانا برکت اللہ صاحب کے رفیق اور ہم جماعت تھے۔ یہ دونوں عربی ادب میں نواب صدیق حسن خاں والیے بھوپال کے شاگرد تھے۔

اس وفد کا مقصد یہ تھا کہ نائب السلطنت سردار نصراللہ خاں اور قاضی القضاۃ کابل حاجی عبدالرزاق کے ذریعے امیر حبیب اللہ خاں کی خدمت میں پیش ہو کر یہ یقین دلایا جائے کہ اگر وہ انگریزوں کے برخلاف جہاد کا اعلان کرے تو تمام یاغستان کے جنگجو بڑی وفاداری کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں امیر کابل کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں گے۔

امیر حبیب اللہ نے مجاہدین کے وفد کی معروضات پر کوئی توجہ نہ دی۔ ابھی یہ وفد کابل میں ہی مقیم تھا کہ ۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو دنیا کے کانوں میں یہ آواز پہنچی کہ برطانیہ نے خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے اور اس کے بحیرۂ قلزم کے فوجی استحکامات پر قبضہ کر لیا ہے اس کے فوراً بعد خلیفۃ المسلمین نے عالم اسلام سے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کی اپیل کی اب حنفی فقہ کی رو سے افغانستان کے بادشاہ۔ اس کی رعیت۔ قبائل سرحد اور ہندوستان کے مسلمان کو اس دعوت کی قبولیت اور جہاد کی شرکت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اس صورت حال سے شاہ افغانستان کے لیے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ مولانا عبدالکریم امیر وفد مجاہدین نے اس نئی صورت حال کو دیکھ کر کابل کے قاضی القضاۃ حاجی عبدالرزاق صاحب کو جو مدرسہ دیوبند کے فارغ التحصیل اور شیخ الہند محمود الحسن کے ارادت مندوں میں تھے ان سے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ مولانا شیخ الہند کو جس طرح بن پڑے کابل میں لایا جائے اگر وہ تشریف لے آئیں تو شاہ کابل کو بھی چون و چرا کی مجال نہیں ہو گی۔ تمام افغانستان اور یاغستان دیوبند کے شاگردوں سے پٹا پڑا ہے۔ ان کے تشریف لانے اور اعلان جہاد کرنے سے لاکھوں کی تعداد میں مسلح جنگجو جمع ہو جائیں گے۔ بادشاہ بھی بےبس ہو کر شریک ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔ اور ایسا جوش پھیلے گا کہ افغانستان اور یاغستان نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔ کوئی افغان نوجوان کوہ سیاہ سے لے کر ترکستان تک اپنے گھر میں بیٹھا نہ رہے گا۔

چنانچہ مجاہدین کے سرکردہ آدمیوں میں سے چند ایک شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہوئے

Marfat.com

اوران کو اپنے ہمراہ آزاد سرحد میں آنے کی دعوت دی حضرت شیخ الہند نے مولانا عبیداللہ سندھی اور دیگر اراکین کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد اس دعوت کو قبولیت کا شرف نہ بخشا۔

مولانا سندھی ان کو حجاز جانے کا مشورہ دے رہے تھے اور حضرت شیخ حجاز جانے پر آمادہ ہو چکے تھے۔ مجاہدین کے وفد نے یاغستان اور افغانستان کے حالات سنائے اور یہ عرض کیا کہ لاکھوں جنگ جو وہاں آپ کے منتظر ہیں۔ حضور حجاز جانے کی غلطی نہ فرمائیں حجاز میں تو صرف تنہائی میں بیٹھ کر ترکوں کے حق میں فتح و نصرت کی دعا کے علاوہ اور کوئی مفید خدمت انجام نہ دے سکیں گے۔

ان دنوں مولانا سندھی ان پر چھائے ہوئے تھے وہ اپنی کسی ناممکن العمل تجویز کے تحت حضرت شیخ کو حجاز جانے کا مشورہ دے رہے تھے اور خود یاغستان جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حالانکہ مولانا عبیداللہ یاغستان یا افغانستان میں کوئی مفید کام نہیں کر سکتے تھے۔ شیخ الہند کی وہاں پوزیشن بالکل اور تھی تمام علمائے یاغستان، افغانستان اور ترکستان ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ خود سردار نصر اللہ خاں نائب السلطنت اور قاضی القضاۃ مولانا عبدالرزاق شیخ الہند کے حلقہ بگوشوں میں سے تھے۔

حضرت شیخ نے وفد کی تجویز نہ مانی اور یہ تجویز اتنی اہم تھی کہ اسی ایک بات پر تمام دنیا کا نقشہ بدلنے کی پوری امید تھی۔ اس لیے جماعت المجاہدین نے دوبارہ وفد بھیجا جس میں حافظ شریف اللہ صاحب نیپالی بھی تھے۔ جو مجاہدین یاغستان کے ممتاز اراکین میں سے تھے۔ مگر اب کی مرتبہ بھی ناکامی ہوئی اور حضرت شیخ حجاز جانے پر مصر رہے۔ حضرت شیخ کی مجلس شوریٰ کے بعض اراکین نے افغانستان جانے کی تجویز کی تائید نہ فرمائی۔ وہ بھی محض سرزمین حجاز کی عقیدت کی بنا پر حضرت شیخ کو حجاز جانے کی ترغیب دیتے۔ آخری مرتبہ یہی پیغام مولانا فضل الٰہی نے جو ان دنوں امیر جماعت المجاہدین ہند تھے۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا حضرت لاکھوں جنگجو حضور کے منتظر ہیں آپ کے یاغستان تشریف لے جانے سے دنیا میں ایک عجیب انقلاب آ جائے گا۔ صدیوں کے خواب پورے ہو جائیں گے نہ صرف ہندوستان میں انگریزی سلطنت بلکہ مشرق بعید میں بھی یورپ کی طاقت تنکے کی طرح بہ جائے گی۔ لیکن شیخ الہند حجاز جانے

Marfat.com

پڑھتے رہے۔

کئی دفعہ مولانا فضل الٰہی نے مجھ سے اس گفتگو کا ذکر کیا جو حضرت شیخ الہند سے ہوئی۔ جب بھی وہ یہ ذکر کرتے ان کی آنکھیں آبدیدہ ہو جاتیں۔ وہ فرمایا کرتے کہ سب سے بڑی غلطیوں میں سے یہ بھی ایک بڑی غلطی تھی کہ حضرت شیخ الہند حجاز تشریف لے گئے۔

مجاہدین یاغستان میں قبائل کو جنگ جہاد کے لیے تیار کر رہے تھے۔ جنگ میں قبائل کو باضابطہ رکھنے اور نظم و نسق قائم رکھنے کے لیے پنجاب سے کچھ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو آزاد قبائل میں مقیم مجاہدین کے پاس بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو مولانا فضل الٰہی نے چودہ ٹمنگٹ کالج لاہور کے لڑکے مولوی عبدالرحیم صاحب کی قیادت میں خفیہ طور پر یاغستان بھیجے جس کا ذکر رولٹ رپورٹ میں بھی انگریز نے کیا ہے۔

شیخ الہند کے حجاز تشریف لے جانے پر ایک عام اداسی و افسردگی طاری ہوئی تو ان طلباء میں کئی ہمت ہار گئے اور وہ واپس آنے کے لیے تیار ہو گئے۔"

حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب مرحوم امیر المجاہدین ہند نے اپنی کتاب "غلطہائے عدیم المثال جہاں" میں اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

(۸) اسی صدی بیسویں عیسوی کی سب سے بڑی سیاسی غلطی دوسری وہ ہے جس کا ارتکاب فردوس مکانی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم و مغفور سے ان کے بعض مقربین کی خود غرضانہ مشوروں کی بنا[1] پر ہوا۔ اس اجمال کی شرح یوں ہے کہ ماہ اگست ۱۹۱۴ء مطابق ماہ

---

[1] اس سے مراد مولانا عبید اللہ سندھی ہیں۔ سردار محمد شفیع صاحب اور حضرت صاحب دونوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی نے کوئی اچھا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ ویسے صوفی عبداللہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کو ان پر انگریز کا آدمی ہونے کا بھی شبہ تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب جرمن مشن ناکام ہو گیا تو مولانا عبید اللہ بھی ثمر قند چلے گئے۔ ان دنوں ثمر قند کے امیر مولانا عبدالکریم صاحب تھے۔ انہوں نے مولانا بشیر صاحب کے مشورہ سے مولانا عبید اللہ کو سفارت روس پر بھیجا۔ روس نے ان کو جنگی کاروائی کے لیے دس ہزار پونڈ دیئے۔ انہوں نے ان میں سے دو ہزار پونڈ ثمر قند بھیجے۔ جب مرکز کو پتہ چلا تو انہوں نے مطالبہ کیا جس کے جواب میں انہوں نے عبداللہ ڈب والے کو دو صد پونڈ دے کر

Marfat.com

رمضان ۱۳۳۲ھ میں انگریزوں نے جرمنی کے برخلاف جنگ کا اعلان کیا۔ ان دنوں جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مقیم یاغستان کے سردار مولانا حافظ عبد الکریم بن مولانا ولایت علی صاحب تھے۔ انہوں نے اس موقع پر رمضان کی بالکل پرواہ نہ کی اور ایک وفد فوراً دربار کابل میں مولوی عبد الکریم قنوجی مرحوم کی سرپرستی میں روانہ کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹) کسی طرح مولانا بشیر صاحب کو قتل کر دے۔ ان دنوں مولانا فضل الٰہی صاحب بھی ہجرت کر کے چمرقند پہنچ چکے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اگر مولانا بشیر صاحب ہاتھ نہ لگیں تو مولانا فضل الٰہی صاحب کو قتل کر دینا تو بھی الزام مولانا بشیر صاحب کے سر آئے گا اور اسکو دوسرے ساتھی مار دیں گے اور چمرقند خالی ہو جائے گا اور ہم قابض ہو جائیں گے۔ چنانچہ عبد اللہ نے نادر شاہ کو چمکنڈ کا شادتھا پچاس پونڈ دئے کہ یہ کام کرو۔ چنانچہ اس نے عبد اللہ سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں جا کر دیکھتا ہوں کہ کس طرح ہیں۔ رمضان کا مہینہ تھا دونوں اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب نادر شاہ وہاں پہنچا تو اس نے سوچا کہ یہ فقیر لوگ ہیں انہوں نے میرا کیا بگاڑا ہے کہ میں ان کے خون میں ہاتھ رنگوں چنانچہ اس نے من و عن ساری بات مولانا فضل الٰہی صاحب کو کہہ دی انہوں نے کہا کہ مولوی بشیر صاحب سے کہو جب انہوں نے سنا تو مولانا صاحب سے کہنے لگے کہ کیا کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ عالم ہیں فتویٰ دیں اس پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا اور چار آدمی اس کے قتل پر مقرر ہوئے نادر بھی ساتھ ہو لیا۔ عبد اللہ سو رہا تھا اس کو سوتے میں نادر ہی نے قتل کر دیا۔ صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے ہاں ہاں کی آواز میں نے سنی۔ پھر رات ہی کو اس کی لاش گھسیٹ کر لائے اور ایک کمرہ میں دفنا دی۔ بعد میں اس کمرہ میں عبد المجید کرڈالی رہتا تھا اس کمرہ سے ہم نے چھ سات مرتبہ کالا ناگ مارا تھا۔ ایک دن میں نے کہا اس لاش کو نکال ہی دیں چنانچہ میں نے ایک آدمی ساتھ لے کر کھودا تو بڈیوں میں ایک واسکٹ (صدیوں والا کیسہ جو کمر پر باندھا جاتا ہے) میں سے ڈیڑھ صد پونڈ نکلے جو بیت المال میں داخل کر دئے گئے۔

یہ عبد المجید کرڈالی وہی شخص تھا جسے امیر رحمت اللہ نے انگریز سے مصالحت کرنے کے بعد مولانا فضل الٰہی صاحب کے قتل پر مامور کیا تھا تاکہ چمرقند کا ڈیرہ ختم کر دیا جائے۔ لیکن عبد المجید مولانا صاحب کا بہت خیر خواہ تھا۔

وفد کا مقصد یہ تھا کہ وہ نائب السلطنت سردار نصر اللہ خاں اور قاضی القضاۃ حاجی عبد الرزاق خاں کے ذریعہ امیر حبیب اللہ خاں کے حضور میں پیش ہو کر اسے (دس لاکھ) یوسف زائی اور تین لاکھ کوہ سیاہ کے آزاد قبائل کی وفاداری اور رفاقت کا یقین دلائے اور اس کی ذات شاہانہ سے انگریزوں کے برخلاف جہاد کے بارے میں مشورہ اور اجازت طلب کرے۔ ولیکن امیر موصوف نے بوجہ روس اور برطانیہ کے باہمی اتحاد کے تحریک جہاد کی چنداں حوصلہ افزائی نہ فرمائی جمعیت مجاہدین ہند کا یہ وفد ابھی دربار کابل سے رخصت نہ ہونے پایا تھا کہ اس درمیان میں ناگاہ ۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو دنیا کے کان میں یہ آواز پہنچی کہ دولت برطانیہ نے خلیفۃ المسلمین ترکیہ کے برخلاف اعلان جنگ کر دیا ہے اور اس کے بحیرۂ قلزم کے فوجی استحکامات پر قبضہ کر لیا ہے اس کے بعد فوراً ہی خلیفۃ المسلمین نے عالم اسلام کو انگریزوں کے برخلاف جہاد کی بطریق نفیر عام دعوت دی اب حنفی فقہ شریف کی رو سے افغانستان کے بادشاہ اور اس کی رعیت کو اور قبائل سرحد اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دعوت کی قبولیت سے) اور جہاد کی شرکت سے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس صورت حال سے شاہ افغانستان کے لیے بہت سی نہ حل ہونے والی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں آخر کار "جنگ زرگری" کی پالیسی اختیار کی گئی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ شاہ افغانستان کو دولت برطانیہ کے اراکین کو دوستی اور غیر جانبداری کے اعلانات سے دم دلاسا دیتا رہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ نائب السلطنت سردار نصر اللہ خاں اور افغانستان کے قاضی القضات حاجی عبد الرزاق خاں دونوں شخص نہایت مخفی طریقہ سے قبائل آزاد کو انگریزوں کے برخلاف جنگ وجدال برپا رکھنے میں مشغول رہیں اور اگر اس درمیان میں انگریز اپنے حریف کے مقابلہ میں اس قدر گھر جائے کہ دوبارہ اس کے ابھرنے کی امید باقی نہ رہے تو اس وقت افغانستان علانیہ میدان جنگ میں کود پڑے اور قبائل آزاد کو ساتھ لے کر ہندوستان میں داخل ہو جائے ورنہ غیر جانبداری کی پالیسی پر جما رہے۔

جس وقت بلقان کی ریاستوں نے انگریزوں کی انگیخت پر ترکوں کے برخلاف جنگ شروع کی تھی۔ پہلے اٹلی نے ماہ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں پھر پورے ایک سال بعد اکتوبر ۱۹۱۲ء میں مانٹیگرو نے بلاوجہ ترکوں کے برخلاف اعلان جنگ کیا۔ اس وقت تک سے حضرت مولانا

Marfat.com

شیخ الہند کی طرف سے مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مقیم یاغستان کے صدر مرکز اسمست علاقہ بونیر میں آنا جانا رکھتے تھے۔ اور امیر المجاہدین (مولانا عبد الکریم بن مولانا ولایت علی) کی خدمت میں جہاد اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے متعلق مختلف تجویزیں اور تدبیریں پیش کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ حضرت مولانا شیخ الہند کے ارادوں سے بھی ان کو آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ جمعیت عالیہ کے وفد کے سرکردہ مولانا عبد الکریم قنوجی کو جنہیں تمام حالات سے خبر تھی۔ وہ حضرت شیخ الہند کے متعلق یہ بھی جانتے تھے کہ وہ ملک حجاز کی طرف عنقریب ہجرت کرنے والے ہیں۔ انہوں نے نائب السلطنت اور قاضی القضاۃ افغانستان کو مشورہ دیا کہ ہر تدبیر سے مولانا شیخ الہند موصوف حجاز کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں اور انہیں قبائل آزاد میں ہر قیمت پر لانے کی کوشش کریں۔ اور انہیں اپنی طرف سے امیر جہاد مقرر کرکے قبائل سرحد کو ترغیب دیں کہ ان کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن میں ڈال کر جہاد کا فریضہ شرعی رنگ میں ادا کریں۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ چونکہ ملک یاغستان اور افغانستان اور ترکستان وغیرہ تمام مدرسہ دیوبند کے شاگردوں سے پٹا پڑا ہے۔ اس لیے کسی کو آپ کی اطاعت سے عذر کی جگہ باقی نہ رہے گی۔ بلکہ قبائل سرحد کا بچہ بچہ آپ کی اطاعت کو خوشی سے قبول کرکے فریضۂ جہاد کو بجا لائے گا۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ سرحد آزاد کے لوگ ہمیشہ سے انگریزوں کے برخلاف جنگ کا شغل رکھتے ہیں تو انگریزوں نے کبھی قبائل کی ان مخاصمانہ تحریکات کی بنا پر دولت افغانستان کو محل اعتراض نہیں گردانا۔ اس طرح اب بھی وہ اسے محل اعتراض نہ بنا سکے گی۔ بلکہ وہ پہلے سے زیادہ افغانستان کی منت وزاری کرے گا کہ جس طرح اس سے بن پڑے اور جتنا بیبہ خرچ کرے اس سرحدی جھنجھٹ سے نجات دلاوے۔ چونکہ قاضی القضات حاجی عبد الرزاق خان موصوف مدرسہ دیوبند کے شاگردوں اور اس کے ارادت مندوں میں سے تھے اور خود نائب السلطنت بھی تہ دل سے حضرت شیخ الہند کے غائبانہ عقیدت مندوں سے تھے۔ مجاہدین ہند کے وفد کے سرکردہ کے اس مشورہ کو قبول کیا اور اس پر باعث ہونے کو سب کام چھوڑ چھوڑ کر حضرت مولانا ممدوح کی خدمت میں پہنچے اور مولانا کو اپنے ہمراہ سرحد آزاد میں لائے اور ہماری طرف سے اور ہماری سلطنت کی طرف سے ہر قسم کی اخلاقی اور مادی خاص کر سامان حرب کی امید

ان کی حوصلہ افزائی اور پژمردلی کرے۔ اور ان سے یہ بھی عرض کرے کہ بغیر اس تدبیر کے اور کوئی تدبیر متصور نہیں ہو سکتی جو خلافت ترکیہ کی خدمت گذاری کا حق ادا کرنے اور اس سے جنگ کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکے۔ کیونکہ اگر مولانا موصوف حجاز کی طرف تشریف لے جائیں گے تو وہاں وہ صرف تنہائی میں بیٹھ کر ترکوں کے حق میں فتح و نصرت کی دعا گوئی کے سوا کوئی مفید خدمت انجام نہ دے سکیں گے) اور اگر وہ سرحد آزاد میں تشریف لائیں تو کوہ سیاہ سے لے کر وزیرستان تک یاغستان کے سب قبیلوں کی مدد سے ہندوستان کی ساری شمالی مغربی سرحد پار انگریزوں کے برخلاف جنگ وجدال کی ایسی آگ بھڑکا سکتے ہیں جس کے فرو کرنے کے لیے انگریزی حکومت کو مجبوراً کم از کم چھ ڈویژن فوج ترکی محاذ سے ہٹا کر ہندوستان کی سرحد پر مقرر کرنی پڑے اور ان سے یہ بھی عرض کرے کہ اگر ہماری تدبیر ان کے نزدیک قبول کرنے کے لائق نہ ہو تو ان کو چاہیئے کہ پھر بھی حجاز نہ جائیں بلکہ ہندوستان کے اندر رہ کر مسلمانوں کو ہر جگہ اور ہر مقام پر انگریزوں کے برخلاف بغاوت اور ہنگامہ آرائی پر آمادہ کریں۔ (لیکن مولانا موصوف مولانا عبید اللہ سندھی کے یا کسی دوسرے شخص کے اثر میں آکر افغانستان کی اس دعوت کو قبولیت کے کانوں سے نہ سن سکے۔ پھر یہی پیغام مزید تاکیدات کے ساتھ حافظ شریف احمد نیپالی کے ذریعہ مولانا ممدوح کی خدمت میں بھیجا گیا۔ یہ قاصد خود اور اس کا باپ غازی عبدالکریم نامی جو مشہور دیوان گلشن ہدایت کا مصنف گذرا ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹا جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مقیم یاغستان کے ممتاز اراکین میں سے تھے۔ مگر اب کی مرتبہ بھی ناکامی ہوئی۔ ان کی مجلس شوریٰ کے بعض اراکین نے جیسا کہ چاہیئے تھا۔ اس افغانی تجویز کی تائید نہ کی اور ان پر باعث ہوئے کہ وہ حجاز ہی کی طرف ہجرت کریں۔ ایک آخری مرتبہ یہی پیغام مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کی معرفت جو ان دنوں سرزمین ہند میں حضرت سید احمد بریلوی کی مقدس تحریک کے ذمہ دار اراکین اور جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مقیم یاغستان کی انصاریت کے فرائض بجا لانے پر مامور تھے۔ مولانا موصوف کی خدمت میں پہنچایا گیا۔ ولیکن وہ آخر وقت اس دعوت کے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اور حجاز کی طرف چلے گئے۔ اس دعوتِ حقہ کا انکار کا وہی نتیجہ نکلا جس کی ان

Marfat.com

لوگوں کو توقع تھی جو مذکورہ بالا حالات سے باخبر تھے ۔ حضرت ممدوح انگریزوں کے ہاتھ میں دیدے گئے ۔ مقام جدہ میں انہوں نے ایک خواب دیکھا جو حقیقت میں افغانستان کی اس دعوتِ حق کے انکار کرنے سے آئندہ چل کر اسلام اور مسلمانانِ ہند کے حق میں جو نتائج پیدا ہونے والے تھے ان کی وہ ایک مثالی تصویر تھی ۔ مگر اس خواب کا مفہوم دوسرا سمجھا گیا ۔ یعنی ترکوں کی شکست ۔ اگرچہ آپ نے اس کی تعبیر بیان نہیں کی ۔ مگر مولانا حسین احمد مدنی کے نزدیک جنہوں نے اسے آپ کے سفرنامہ مالٹا میں درج کیا ہے اس کا یہی مفہوم ہے جیسے ہم نے درج کیا ہے ۔ شاید مولانا مدنی موصوف کو افغانستان کی مذکورہ بالا دعوت کے حالات سے اچھی طرح خبر نہ ہوئی ہو اگر وہ ہماری طرح اس خواب کے پس منظر کو جانتے ہوتے تو یقیناً اس کی وہی تعبیر لگاتے جو ہم نے لگائی ہے ۔ مولانا حسین احمد مدنی موصوف کے قلم سے خلاصہ خواب یوں ہے ۔

> حضرت شیخ الہند اور آپ کے سارے ساتھی آنحضرت صلعم کے جنازہ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے لیے جا رہے ہیں ۔ آپ کی نعش مبارک کو ایک جگہ رکھا گیا ۔ جہاں پر مولانا موصوف آپ کی تجہیز و تکفین کی خدمت بجا لا رہے ہیں ۔ (او کما قال)

اس رویائے صادقہ کے صحیح الفاظ جاننے کے لیے سفرنامہ مالٹا نامی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے جیسے مولانا حسین احمد مدنی نے لکھا ہے ۔ اس کتاب میں اس خواب کی تعبیر مہمل چھوڑ دی گئی ہے ۔ ولیکن جو لوگ مذکورہ بالا حالات سے واقف ہیں ان کو سو فیصدی یقین ہے کہ یہ خواب اس دعوت جہاد سے موافقت نہ کرنے کے نتائج کی ایک مثالی صورت ہے جو افغانستان کی طرف سے آپ کو بار بار دی گئی تھی ۔ اس خواب کی تعبیر اس عاجز کے نزدیک یوں ہے ۔

> مدرسہ دیوبند کے سرپرست ہندوستان میں شروع سے اس وقت تک ایسے اسلام کی امانت کے اٹھانے والے تھے جو سیاسی اقتدار نہ ہونے کے باعث بمنزلہ اس جسم کے تھا جس کے اندر روح نہ ہو ۔ اب وہی اسلام برائے نام جو ان کی کوششوں

سے اب تک ہند کے اندر جاری چلا آ رہا تھا۔ وہ مولانا شیخ الہند کی اس سیاسی فروگذاشت کی بنا پر اب خاص ان ہی کے ہاتھوں زمین کے اندر مدفون ہو کر بے نام و نشان ہونے والا ہے۔" واللہ اعلم بالصواب

جو کچھ مولانا ممدوح کو خواب میں دکھایا گیا تھا۔ بعینہٖ وہی آہستہ آہستہ ظہور میں آ رہا ہے مالٹا سے واپسی کے بعد سب سے بڑی سیاسی غلطی یہ ہوئی کہ بدوں کسی معاہدہ شرعی کے مشرکین ہند کی قوم سے اشتراک عمل شروع کر دیا۔ اور اس کام کا طریق یوں مقرر کیا گیا کہ کام کی ساری ذمہ داری ہندو قوم کے ہاتھ میں رہے اور ہندوستان کی اس ہمہ گیر انقلابی تحریک کا نام "جہاد آزادی وطن" رکھ کر اس کا نام ایک ایسے شخص کو مقرر کیا گیا جو ہندوستان کے بتیس کروڑ مشرکوں کا پیشوا مانا گیا ہے اور اس کا نام نامی مہاتما گاندھی ہے۔ اس فروگذاشت کے مہلک نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قوم یعنی مسلمان جو سلطان ٹیپو علیہ الرحمۃ کے وقت سے تمام انقلابی اور سیاسی تحریکوں کی زمام دار اور امام بنی چلی آ رہی تھی وہ امام کے درجہ سے گر کر ماموم اور مقتدا سے مقتدی بن گئی۔ اس کے بعد اسلام اور اہل اسلام پر مشرکین ہند کے ہاتھ سے جو پیش آیا، اور آ رہا ہے سب کو معلوم ہے لکھنے کی حاجت نہیں اور مشرکین کی حمایت میں دار العلوم دیوبند کے اکثر تعلقداروں اور حضرت مولانا ممدوح کے شاگردوں کے ہاتھ سے وقوع میں آیا اور آ رہا ہے۔ وہ دنیا کی آنکھ کے سامنے ہے یہ سب مولانا موصوف کی اسی پہلی اساسی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اللہ ان سے درگذر فرمائے۔ آمین

افغانستان کی طرف سے اگر کوئی دعوت نہ بھی ہوتی اور مولانا شیخ الہند یوں ہی اپنے طور پر آزاد قبائل کے اندر تشریف لے آتے تو سرحد کے سارے لوگ اپنی رضا و رغبت سے بلا چون و چرا آپ کی امارت پر اتفاق کر لیتے اور فریضہ جہاد بجا لانے میں ان میں سے کسی کو عذر نہ ہوتا۔ اس جنگ عمومی کے دوران میں ایک ایسا قیمتی موقع پیدا ہوا تھا کہ اگر مولانا ممدوح ایسے ہر دلعزیز اور ذی اثر شخص کی سرپرستی اس وقت قبائل کو حاصل ہوتی تو یقیناً ملک ہند برطانیہ کی گرفت سے آزاد ہو جاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جنگ کا سارا نقشہ بدل جاتا۔ برطانیہ فرانس۔ روس کا نام و نشان محو ہو جاتا۔ ترکیہ کی خلافت کا معرض سقوط میں آنا تو درکنار وہ

Marfat.com

یقیناً یورپ، افریقہ اور ایشیا کے تمام سابقہ مقبوضات پر دوبارہ مالک بن جاتے۔ اور ہندوستان کے مسلمان بھی اپنی گذشتہ عظمت کے حاصل کرنے میں ترکوں سے پیچھے نہ رہتے اور افغانستان بھی بھرپور فائدہ اٹھاتا۔ انگریزوں کی اس وقت کی کمزوری کا ایک واقعہ یہاں پر درج کرتا مذکورہ بالا بیان کی تائید کے لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کی شرح یوں ہے۔

۱۹۱۵ء کے شروع میں سنٹرل پاورس (جرمنی۔ آسٹریا۔ ٹرکی) کی طرف سے ایک وفد کابل کی طرف روانہ ہوا تاکہ شاہ افغانستان کو انگریزوں کے برخلاف خلیفۃ المسلمین ترکیہ کے رسوخ واثر سے کام لے کر جنگ پر آمادہ کرے۔ اس کی گرفتاری کے لیے ایک طرف سے روسی فوجیں اور دوسری طرف سے ساڑھے تین لاکھ کا ایک جرار لشکر کیل کانٹے سے پورا لیس ہو کر جنرل ٹونشند کی سرپرستی میں روانہ ہوئے۔ انگریزی لشکر ۲۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو عراق عرب کے مشہور مورچہ قطِ العمارہ کے اندر ترکوں کے گھیرے میں آ گیا۔ یہ محاصرہ چھ ماہ سے کچھ دن زیادہ ۲۰ اپریل ۱۹۱۶ء تک جاری رہا۔ اس درمیان میں جرنیل مذکور نے انگلستان اور ہندوستان سے امداد کے لیے بڑی کوشش کی کہیں سے امداد نہ پہنچی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر اسے ناامید ہو کر معہ لشکر اور سامان جنگ کے ترکوں کے سامنے تسلیم ہونا پڑا اس وقت ہندوستان کے اندر چند ہزار سے زیادہ لشکر باقی نہ رہا تھا۔ جمعیت عالیہ مجاہدین ہند کے دونوں مرکزوں (اسمس اور چمرکند) کی کوشش سے دربار کابل کی امداد کے بغیر سرحد یوسف زئی اور وزیرستان پر انگریزوں کے برخلاف جنگ شروع ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنوبی وزیرستان انگریزی اثر سے بالکل پاک ہو گیا۔ وہاں سے ان کا ایک بچہ بھی بقید حیات نہ نکل سکا۔ یوسف زئی کے محاذ پر ان کی جو گت بنی وہ ناقابل بیان ہے۔ اگر اس تحریک کی باگ ڈور اس وقت حضرت شیخ الہند جامع صفات لیڈر کے ہاتھ میں ہوتی جن کی ذات بابرکات کو افغانستان اور یاغستان کے اندر کسی طرح سے بھی وہابی اور لامذہبیت کے الزام سے بدنام نہ کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ یہ ملک مدرسہ دیوبند کے شاگردوں اور ارادتمندوں سے پٹے پڑے ہیں تو یہ تحریک اتنی مدت تک زندہ رکھی جا سکتی تھی کہ ہندوستان سے انگریزی اقتدار کا بزور شمشیر خاتمہ ہو سکتا۔

Marfat.com

قید و بند ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولوی عبد الکریم صاحب قنوجی امیر مرکز چمرقند اور مولانا فضل الٰہی صاحب امیر جماعت مجاہدین ہند دونوں چاہتے تھے کہ ایک بھرپور حملہ کر کے سرحدی علاقوں سے انگریز کو نکال دیا جائے۔ لیکن امیر نعمت اللہ ان سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔

امیر عبد الکریم صاحب ۱۱ رفروری ۱۹۱۵ء مطابق ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ میں فوت ہوئے اور ان کی جگہ امیر عبد اللہ صاحب کے پوتے نعمت اللہ صاحب بالاتفاق امیر منتخب ہوئے۔

قریباً ۱۹۱۵ء کے وسط میں ہی مولوی محمد یوسف جو امیر نعمت اللہ کے کاتب تھے اور مولوی بشیر صاحب سے ان کے اچھے تعلقات تھے انہوں نے مولوی بشیر صاحب کو اطلاع دی کہ امیر نعمت اللہ انگریزوں سے مل گئے ہیں۔ اس لیے اب تم علیحدہ کام کرو۔ مولانا بشیر صاحب نے مولوی فضل الٰہی صاحب کو لکھا کہ تم انہیں روپیہ بھیجنا بند کر دو۔ مولانا نے جواب دیا کہ جماعت کی مخالفت کرنا گناہ ہے۔ جب تک میرے پاس بیّن ثبوت نہ پہنچیں میں اس وقت تک امیر صاحب کی مخالفت نہیں کر سکتا کیونکہ امیر صاحب نے اگر صلح کی ہے تو ہو سکتا ہے کہ کسی احسن طریقہ پر ہوئی ہو۔

چنانچہ ان دنوں جو خط و کتابت امیر نعمت اللہ کی پولیٹیکل ایجنٹ سے ہو رہی تھی وہ ساری کی ساری مولوی یوسف صاحب سے مولوی بشیر صاحب نے منگوا بھیجی اور حضرت صاحب (مولانا فضل الٰہی صاحب) کو بھیج دی۔ یہ سارے کاغذات مولوی عبد العزیز صاحب رحیم آبادی کی معرفت بھیجے گئے تھے

حضرت صاحب بہت متحمل مزاج تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ کچھ نہ کچھ امیر صاحب کو بھی دیتے رہو تاکہ یہ ہمارے ہی مخالف نہ ہو جائیں اور زیادہ روپیہ چمرقند میں رکھو اور کام کو اچھی طرح جاری رکھو۔

چنانچہ مولانا عبد الکریم صاحب قنوجی امیر چمرکند کی طرف سے ہندوستان کی تمام جماعتوں کو لکھا گیا کہ روپیہ چمرقند میں بھیجا کرو اور امیر نعمت اللہ کو روپیہ نہ بھیجا کرو کیونکہ وہ انگریزوں سے مل گیا ہے۔ مولانا عبد العزیز صاحب رحیم آبادی مرکز کے سفیر تھے انہوں نے بھی روپیہ بھیجنے

سے انکار کر دیا۔

جب امیر نعمت اللہ کے پاس روپیہ پہنچنا بند ہو گیا تو اس نے مولوی عبدالعزیز کو لکھا کہ روپیہ آنا کیوں موقوف ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہند کی جماعتیں کہتی ہیں کہ انگریز سے جہاد شروع کرو تو ہم تم کو روپیہ دیں گے ورنہ نہیں دیں گے۔ امیر صاحب نے کہا کہ انگریز سے جنگ اس طرح نہیں ہو سکتی مجھے کم از کم پانچ کروڑ روپیہ دو جس سے اسلحہ وغیرہ خریدوں مقامی بھائیوں کو تنخواہیں دوں تب جنگ شروع ہو سکتی ہے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب نے کہا کہ ہم پانچ کروڑ روپیہ بھی دے دیں گے تم جنگ شروع کرو۔ چنانچہ انہوں نے روپیہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ صوفی صاحب کہتے ہیں کہ میرا خیال بلکہ اکٹھا کر کے قریباً روپیہ دے ہی دیا تھا۔

ادھر امیر نعمت اللہ نے انگریزوں کو لکھا کہ جماعت والے ہم کو پانچ کروڑ روپیہ دیتے ہیں کہ انگریز سے جنگ کرو۔ تم ہمیں جنگ نہ کرنے کے لیے کیا دو گے (جو اس سے پہلے انگریز سے طے شدہ تھا وہ تین لاکھ روپیہ تھا اور معاہدہ یہ تھا کہ ہم جنگ نہیں ہونے دیں گے اور اپنے علاقہ میں امن قائم رکھیں گے)

چنانچہ امیر صاحب سے انگریزوں نے تمام جماعت کے اراکین روپیہ اکٹھا کرنے والوں کی فہرست طلب کر کے ان کی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ جس کی وجہ سے مولانا فضل الٰہی صاحب کی گرفتاری ہوئی۔ مولانا ولی محمد صاحب کو بھی گرفتار کرنے آئے۔ لیکن وہ حسن تدبیر سے بچ کر بھاگ نکلے اور دریا کے کنارے بیلے میں چلے گئے۔ کیونکہ ان کا گاؤں ضلع فیروزپور میں دریائے بیاس کے کنارے پر تھا۔

مولانا کی گرفتاری کے متعلق حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ سے معلوم ہوا کہ ایک صاحب عبدالعزیز امرتسر کے رہنے والے سی۔ آئی۔ ڈی کے انسپکٹر وغیرہ تھے اور اہلحدیث خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے اور اسے تمام اہلحدیث کے مجاہدین کی معاونت کرنے کا علم تھا وہ انگریز کو اپنی کارکردگی دکھلانے کے لیے تمام اہلحدیث علماء کے نام گرفتاری کے وارنٹ لکھوا لائے کیونکہ اسے علم تھا کہ تمام اہلحدیث علماء مجاہدین کو چندہ دیتے دلواتے ہیں اور

Marfat.com

حقیقتاً پچھلے دور میں یہ تحریک صرف اہل حدیث جماعت میں رہ گئی تھی اگرچہ شروع سے اس میں اہلحدیث اور موحد حنفی دونوں حصہ لیتے رہے۔

ہو سکتا ہے کہ وارنٹ جاری کرنے کا حکم انگریز کے کہنے پہ ہوا ہو کیونکہ انگریز کسی اہلحدیث کو جن کو انگریز وہابی کہتا تھا کبھی بھی اپنا خیر خواہ نہ سمجھتا تھا۔

مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کو وارنٹ جاری ہونے سے دو دن پہلے کسی طرح پتہ لگ گیا کہ یہ سب گرفتار ہو جانے والے ہیں۔ چنانچہ مولانا صاحب نے حضرت مولانا عبداللہ غزنوی صاحب کو پیغام بھیجا کہ ایک دو دن تک یہ کام ہو جانے والا ہے انہوں نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو بھی اور مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی بلا بھیجا اور تینوں مل کر عبدالعزیز کے پاس گئے اور کہا کہ ہم نے یہ بات سنی ہے اس نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے کیونکہ آپ کے پاس مجاہدین کے آدمی آتے رہتے ہیں مولانا عبداللہ صاحب غزنوی جلال میں آ گئے فرمایا کہ یہ کیسی کمینگی ہے کہ کوئی مسافر آئے تو میں ٹٹولتا پھروں کہ یہ کہاں سے آیا کہاں جائیگا اور کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ مجاہدین کو زکوٰۃ کا روپیہ دیتے ہیں اور لوگوں کو بھی کہتے ہیں۔ مولانا صاحب نے فرمایا کیا صدقہ ہم کھایا کریں یا انکو دیا کریں۔ ہاں ہم کہتے ہیں کیونکہ ہم پر فرض ہے کہ لوگوں کو دین کے احکام بتائیں اور مولانا نے اسے خوب ڈانٹا وہ خود کہتا تھا کہ مولانا کے رعب کی وجہ سے مجھے پسینہ چھوٹ گیا تھا۔ بالآخر اس نے معافی مانگی اور کہا کہ میں آپ کے وارنٹ کینسل کرا دیتا ہوں اس کے بعد صرف وہ وارنٹ رہنے دیئے جو خاص مجاہدین کے کارکنوں کے تھے جن میں مولانا فضل الٰہی مرحوم بھی تھے۔

حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب ۷ نومبر ۱۹۱۵ء میں گرفتار ہوئے جس دن گرفتاری ہوئی تمام مکان کی ناکہ بندی تھی بے شمار پولیس اور انگریز ایس۔پی بھی آیا ہوا تھا اس وقت مولانا صاحب نے ابھی ڈاک لکھ کر رکھی ہی تھی تین لفافے اور دو خط میز پہ پڑے تھے انگریز ایس۔پی نے تین لفافے پکڑ لیے اور دو خط معمولی سمجھ کر چھوڑ دیئے۔ تمام مکان کی تلاشی شروع ہو گئی حضرت صاحب نے اپنے والد صاحب کو کہا کہ یہ خط کسی طرح گم کر دو یہ نہایت خطرناک ہیں۔ باباجی نے نہایت دانائی سے ان پہ کپڑا رکھا پھر کپڑے کو خطوں سمیت اٹھا لیا اور خط گول کر گئے

Marfat.com

منہ میں ڈال لیے اور انکو کھا گئے۔ ان میں سے ایک خط مولانا آزاد کی طرف تھا اور دوسرا مولانا محمد علی جوہر کی طرف تھا۔ اس طریقہ سے آپ ایک بہت بڑی آفت سے بچ گئے اس کے علاوہ گھر سے کچھ برآمد نہ ہو سکا۔

مولانا عبدالقادر صاحب کرٹالی کا بیان ہے کہ میں سرحد سے وزیرآباد حضرت صاحب سے رقم لینے آیا تو وزیرآباد اسٹیشن سے ہی معلوم ہو گیا کہ حضرت صاحب کی گرفتاری عمل میں آچکی ہے۔ چنانچہ میں واپس آنے کی بجائے لاہور چلا گیا تاکہ انہیں میرا پتہ نہ لگ جائے۔ کیونکہ میں نے بھی کسی سے حضرت صاحب کے متعلق پوچھا تھا۔ چنانچہ میں تین دن مولوی بشیر صاحب کے بہنوئی مولوی عبدالحق صاحب کے گھر چھپا رہا۔ تیسرے دن سید ھاہری پور گیا۔ مولوی اسمعیل صاحب ڈھیری والے میرے منتظر کھڑے تھے میں نے تمام حالات سے انکو مطلع کیا اور خود اسمست چلا گیا۔

حاجی میر بخش نے مجاہدین کے لیے بمبئی سے ایک ہزار وردی کا انتظام کیا تھا اور تین لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا جس کو ایک ڈاکٹر مع سامان ڈاکٹری لے کر آرہا تھا اس کی بھی راستہ ہی میں گرفتاری ہو گئی۔

مولوی عبدالقادر کہتے ہیں میں مولانا کی گرفتاری کے بعد جن حضرات سے روپیہ لاتا رہا۔ وہ یہ تھے۔ میاں حسین فتوحی والہ (مولوی ولی محمد صاحب کے خلیفہ تھے کیونکہ وہ وارنٹ گرفتاری کی وجہ سے بھاگ کر سرحد جا چکے تھے۔) حاجی نور محمد سنار فیروزپور۔ حاجی ابراہیم ماڑی اٹاری ضلع لائلپور۔ حاجی عطاء اللہ (چوہدری عبدالرحیم صاحب کے والد) اور حاجی عبدالکریم درزی لاہور۔

حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب کے بڑے بھائی بابو محمد الٰہی صاحب پر بھی مقدمہ دائر ہوا۔ جس کی وجہ سے انہیں قادیانیت اختیار کرنا پڑی۔ کیونکہ قادیانی ہونا انگریز کی خیر خواہی کی ایسی زبردست سند تھی جس کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ ہوتی۔ انگریز یہ سمجھتا تھا کہ جو لوگ ہمارے لیے دین کو قربان کر رہے ہیں جو سب سے نازک مسئلہ ہوتا ہے تو اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ بہرحال بابو محمد الٰہی صاحب اس طرح کے میل ملاپ کی وجہ سے

Marfat.com

معطل ہونے سے بچ گئے۔ لیکن پھر بھی قریباً سال بھر حیران و سرگردان رہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ابو محمد آلٰہی صاحب حقیقتاً قادیانی ہو گئے تھے۔ لیکن میرا ذہن یہ ماننے سے انکار کرتا ہے کیونکہ مرزا صاحب تو جہاد کے سخت مخالف تھے اور جو مجاہدین کا معاون ہو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی قادیانی نہ رہ سکتا تھا۔ لیکن ابو محمد آلٰہی صاحب اس واقعہ سے پہلے بھی باقاعدہ مجاہدین کے معاون رہے اور بعد بھی درپردہ بدستور مجاہدین کے معاون رہے۔ حالانکہ وہ بظاہر قادیانی ہو چکے تھے نیز ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان کے خاندان میں کوئی ایک بھی آدمی ایسا نہیں جس کو قادیانیت سے کچھ دور کا بھی واسطہ ہو انہی وجوہات کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ وہ دل سے قادیانی نہیں ہوئے تھے۔ ظاہراً بھی وہ قادیانیت سے فوت ہونے سے قریباً چار یا پانچ سال پہلے توبہ کر کے مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ مجھے بھائی محمد سلیمان صاحب نے ہی بتایا تھا۔

جیل کی زندگی

حضرت مولانا فضل آلٰہی صاحب کو گرفتار کر کے جالندھر جیل میں بھیج دیا گیا۔ لیکن وہاں بھی حضرت صاحب اپنے فرائض کو بخوبی سرانجام دیتے رہے اور ہندوستانی جماعتوں کو بدستور حکم احکام بھیجتے رہے۔ آپ کو حافظ عبدالغفور صاحب ملاقات والے اور کبھی قاضی عبیداللہ صاحب کوٹ قاضی ضلع گوجرانوالہ کے حضرت صاحب کے صاحبزادہ صاحب کو ملاقات کروانے کے بہانے جاتے یعنی آپ کے صاحبزادہ صاحب کے ساتھ بحیثیت گارڈین کے جاتے کیونکہ انکی عمر اس وقت بمشکل پانچ یا سات سال کی تھی۔ وہاں جا کر ان کو چٹھیاں دے آتے اور ان سے بیرونی حضرات کے نام چٹھیاں لے آتے۔ اس طرح کام بخوبی سرانجام

Marfat.com

پاتا رہا۔

حضرت صاحب کے والد صاحب بھی کبھی کبھی ملاقات کو جاتے تو وہاں جالندھر اسٹیشن کے قریب ہی ایک شخص جس کو "بابا امیّا" کہتے تھے جس سے پہلے کی کچھ واقفیت تھی اسی کے گھر رہتے اور اس کی معرفت ملاقات کرتے۔ بابا امیّا کی معرفت داروغہ جیل کو جو کہ ہندو تھا۔ ایک پونڈ دے کر ملاقات کرتے تھے۔

بعد میں حضرت صاحب نے ایک سپاہی جس کی عموماً ان پر ڈیوٹی ہوتی تھی ولی محمد نامی سے راہ و رسم پیدا کیے حتیٰ کہ وہ آپ کا آشنا گرویدہ ہوا کہ بالآخر وہ حضرت صاحب سے بیعت ہو گیا۔ تب حضرت صاحب کی ڈاک اس کی معرفت بھی آتی جاتی رہی۔ لیکن یہ کام زیادہ دیر نہ چل سکا اور قریباً ایک سال سے کچھ ہی کم عرصہ ہوا تھا کہ کچھ چھٹیاں پکڑی گئیں۔ کیونکہ ایک عیسائی بھنگی سے ولی محمد کی کچھ ان بن ہو گئی۔ اور عیسائی بھنگی نے شکایت کر دی جس کی وجہ سے ولی محمد کی نگرانی کی گئی۔ قدرتی طور پر ولی محمد کو جب پکڑا گیا تو اس سے ایک چٹھی برآمد ہو گئی جسے وہ لے کر باہر جا رہا تھا وہ سپاہی تو معطل ہوا اور اس پر مقدمہ چلا لیکن مولانا صاحب کا مقدمہ بہت ہی سنگین ہو گیا۔

سنہ ۱۹۱۶ء میں حضرت صاحب کے والد صاحب ملاقات کو گئے اور کتنے ہی دن انتظار میں بیٹھے رہے لیکن ملاقات کی اجازت نہ مل سکی بالآخر آپ نے ڈپٹی کلکٹر سے پوچھا کہ ملاقات کی اجازت کیوں نہیں ملتی تو اس نے کہا کہ ان پر بغاوت کا مقدمہ بن گیا ہے۔ چند دنوں تک یا تو ان کو پھانسی دے دی جائے گی یا بالکل بری کر دیا جائے گا۔ اسی لیے انکی ملاقات بند ہے۔

مولوی صاحب کے والد صاحب واپس آ گئے اور بہت ہی مغموم تھے۔ دوسرے دن جمعہ تھا تو ابراہیم جو ان کا برادری سے بھائی تھا سے ملے اس نے کہا بھائی ملاقات ہوئی یا نہیں۔ باباجی نے جواب دیا کہ ملاقات نہیں ہو سکی۔ افسر نے کہا ہے کہ غالباً ان کو گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ یہ کہہ کر کہنے لگے کہ اسے تو شاید گولی لگے یا نہ لگے لیکن مجھے تو گولی لگ ہی گئی چنانچہ جب واپس آئے اسی وقت سے بیمار ہو گئے۔ اور چند دن میں اسی صدمہ سے راہی ملک بقا ہو گئے۔

جیل ہی میں ان پر مقدمہ چلتا رہا۔ لیکن جرم ثابت نہ ہو سکا جس کی وجہ سے پھانسی سے بچ گئے

Marfat.com

لیکن قریباً چھ ماہ سخت گرمی کے دنوں میں انہیں سارا دن دھوپ میں رکھا جاتا جس کی وجہ سے حضرت صاحب کا جسم جھلس گیا۔ رنگ سیاہ پڑ گیا اور آنکھیں خراب ہو گئیں۔

حافظ فضل کریم[۱] صاحب سے ایک واقعہ کا پتہ لگا تھا جو کہ ان کی جرأت اور دلیری پر بھی دلالت کرتا ہے کہ جالندھر جیل میں جب ایک دفعہ خاص فوجی عدالت میں ان پر کیس جاری تھا۔ جب جیل کی عدالت کے کمرہ سے لے جایا گیا ابھی افسر نہ آیا تھا۔ صرف ایک آدمی پاس تھا۔ میز پر ایک انگریزی کی کتاب تھی جس میں تمام واقعات کی رپورٹ تھی اور ایک جگہ پر کاغذ کی نشانی رکھی ہوئی تھی۔ چوکیدار کی نظر دوسری طرف ہوئی تو مولانا صاحب نے کتاب کے ورق الٹ کر دیکھا تو انہیں کے مقدمہ کی روئداد تھی۔ چنانچہ آپ نے فوراً کتاب کو اٹھا کر چھپا لیا اور چوکیدار سے کہنے لگے کہ مجھے قضائے حاجت کو جانا ہے۔ چنانچہ وہ ساتھ گیا۔ مولانا صاحب پائخانے میں کاغذ ولی بگ سے کھول کر بیانات پڑھ کر تسلی سے اس کے جواب سوچ کر آ کر اسی طرح پردہ داری سے کتاب رکھ بھی دی۔ چنانچہ بعد میں جب افسر آیا تو بیان ایسا دیا کہ افسر کو کچھ بن نہ آیا۔

آزادی اور مزید خدمات جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تھی اور ۱۹۱۵ء میں بہت سے آزادی کے خواہاں اور عدم موالات کے حامی لیڈروں کو سیفٹی ایکٹ کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا جن میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا آزاد بھی شامل تھے۔

گاندھی جی چونکہ گرفتار نہیں ہوئے تھے اس پر انگریز نے دباؤ ڈالا تو وہ ترک موالات سے اس شرط پر دستکش ہو گئے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو داخلی آزادی (ہوم رول) دے دی جائے گی۔ چنانچہ گاندھی جی نے بھرتی دینے کا اعلان کر دیا۔ لیکن مولانا آزاد گاندھی جی کے ہم خیال نہ ہو سکے۔

نومبر ۱۹۱۸ء میں جب جنگ بند ہوئی تو انگریزوں نے اپنی کافی شرائط صلح ترکی کے سامنے رکھیں۔ اگرچہ ترکی ایک قسم کا مغلوب ہو کر ہی صلح کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی ترکوں کی طرف سے صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ انگریزوں نے

[۱] حافظ فضل کریم صاحب بھی مولانا کے دوست اور جماعت مجاہدین کے سچے خادم تھے۔ حضرت صاحب لاہور جا کر حافظ صاحب کے پاس کئی کئی روز رہتے۔ لاہور ریلوے سٹیشن کے قریب انارکلی میں عینکوں کا کاروبار کرتے ہیں ۱۲

Marfat.com

۱۹۱۸ء میں تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے جن میں مولانا فضل الٰہی صاحب بھی رہا ہوئے لیکن رہائی کے باوجود ان پر تین سال کی سخت نظر بندی عائد کر دی۔ کہ شہر کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ اور آپ صبح و شام کوتوالی میں حاضری دیتے ۱۹۱۹ء میں مارشل لاء کے دوران میں پولیس کی رپورٹ چونکہ مولانا کے متعلق اچھی تھی اس لیے مارشل لاء کے بعد وہ پابندی بھی اٹھا دی گئی۔

مارشل لاء مارشل لا لگنے کی وجہ یہ تھی کہ انگریز نے (ہوم رول) داخلی آزادی کا وعدہ کر کے ہندوستان سے فوجی بھرتی تو لے لی۔ لیکن جب جنگ بند ہوئی تو انگریز سراسر اپنے وعدوں سے پھر گیا اور اس کے جواب میں سختی کر کے عوام کو مرعوب کرنا اور آزادی کے نعرہ سے دستبردار کرنا چاہتا تھا چنانچہ بجائے آزادی دینے کے حکومت ہند نے رولٹ ایکٹ منظور کر دیا۔ رولٹ ایکٹ ایک قسم کا سیفٹی ایکٹ تھا جس میں آفیسر طبقہ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ بغیر اطلاع دیے جس کو چاہیں گرفتار کر لیں اور جس اخبار کو چاہیں بند کر دیں اور مقصد صرف عوام کو مرعوب کر کے غلام بنائے رکھنا تھا چنانچہ تمام ہندوستانی عوام اور لیڈروں نے احتجاج کیا۔ مارچ ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ پاس ہوا۔ ۲۸ مارچ کو مسٹر محمد علی جناح صاحب جو کہ امپیریل کونسل کے ممبر تھے بطور احتجاج مستعفی ہو گئے۔ گاندھی جی نے بھی تحریک سول نافرمانی شروع کر دی اور ۳۰ مارچ کو ملک بھر میں زبردست ہڑتال ہوئی۔

ان دنوں ہندو مسلم اتحاد مثالی طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں جبکہ جنگ قریب الاختتام تھی اور ترکی خلافت جس کا صرف مسلمانوں سے تعلق تھا اس کو انگریز ختم کر دینا چاہتے تھے ہندوستان کے مسلمان ان کی حمایت میں بیان بھی دیتے اور ان کی معاونت کے لیے چندے بھی دیتے۔ چونکہ کانگریس جو اگرچہ دراصل جماعت ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ تھی لیکن بعد میں کانگرس عملاً بالکل ہندو جماعت ہو گئی کیونکہ دوٹ تین چوتھائی ہندو تھے اس لیے بہرحال کامیابی ہندو کی زیادہ تھی) اس لیے کانگرس کی طرف سے گاندھی جی نے تحفظ خلافت کے مطالبہ کی مکمل حمایت کا اعلان کر دیا۔

گاندھی جی کی اس حمایت سے خلافت کو کیا فائدہ پہنچنا تھا۔ البتہ ہندوستانی مسلمان بہت متاثر ہوئے کیونکہ اس سے قبل ابھی تک کسی ہندو لیڈر نے تحفظ خلافت کی حمایت میں کچھ نہیں

Marfat.com

کہا تھا۔ لیکن مسلمان ہندو مسلم اتحاد چاہتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور کانگریس دونوں جماعتوں کے لکھنؤ میں اجلاس ہوئے جس میں دونوں جماعتوں کا سیاسی مطالبات پر مکمل سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ جس کا سہرا (بقول سروجنی نائیڈو) مسٹر جناح کے سر تھا۔ اور ہندو مسلم اتحاد ویسے بھی ان حالات میں ناگزیر تھا۔[1]

۶ر اپریل ۱۹۱۹ء کو یعنے اگلے اتوار پھر ہڑتال ہوئی اور جلوس نکالے گئے لیکن پولیس نے دونوں ہڑتالیوں کے پرامن جلوسوں پر فائرنگ کی۔

۹ر اپریل کو ہندوؤں کا تہوار رام نومی تھا اس میں اتفاقیہ ہڑتال ہو گئی اور رام نومی کے جلوس میں ہندو اور مسلم دونوں شامل ہوئے اور اکٹھا ہو کر کھایا پیا۔

اسی دن گاندھی جی پنجاب آ رہے تھے۔ چنانچہ شام کو پنجاب کے داخلہ کے وقت گاڑی سے گرفتار کر لیا گیا۔ دوسرے دن دس اپریل کو ڈاکٹر کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو امرتسر میں چپکے سے گرفتار کر لیا گیا۔ لوگوں نے احتجاجاً جلوس نکالا جس پر فائرنگ کی گئی۔ چونکہ لیڈروں کو پہلے گرفتار کیا جا چکا تھا اس لیے عوام مسلمان مشتعل ہوئے تو ان کو کوئی سنبھال نہ سکا جس کے نتیجہ میں عوام نے دو بنک لوٹ لیے پانچ انگریز افسر امرتسر میں مارے گئے دو چار دیگر سرکاری عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا۔ لاہور میں بھی جلوس پر فائرنگ کی گئی۔

---

[1] ہندو کے ساتھ چلنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ اسے خلافت ٹرکی سے کوئی دلچسپی تھی۔ بلکہ گاندھی جی نے چونکہ منشروط طور پر انگریز کو بھرتی دینے کا اعلان کیا تھا۔ کہ جنگ بند ہوتے ہی ہندوستان کو داخلی آزادی دیدی جائے گی۔ لیکن انگریز نے جنگ بند ہوتے ہی بجائے آزادی دینے کے، رولٹ ایکٹ نافذ کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہیں آزادی کا مطالبہ کرنے کا ہی کوئی حق نہیں۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی شورش سے ہندو فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ ورنہ انہیں کوئی اس سے ہمدردی نہ تھی۔ مالویہ جو کہ ہندو سبھا کا لیڈر تھا۔ یہ نظریہ رکھتا تھا کہ اگر ہندو کو حکومت ملے اور دو مسلمانوں کے ساتھ دو ہندو بھی مارے جائیں۔ لیکن آزادی میں حکومت ہندو کو ملے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ لیکن گاندھی اس سے کچھ فراخ دل تھا اس کا نظریہ یہ تھا کہ اگر کوئی دیوار ہندو اور مسلم دونوں پر گرے تو اسے تھامنا چاہئے۔ اور اگر کوئی دیوار صرف مسلمان پر گرے تو اسے گرنے دیا جائے ۱۲

Marfat.com

۱۱ر اپریل کو لاہور میں جمعہ کے بعد ہندوؤں نے مسجدوں میں تقریریں کیں ۱۲ر اپریل کو بھی لاہور میں فائرنگ ہوئی اس کے بعد لاہور میں پھر تصادم نہیں ہوا۔

۱۳ر اپریل کو بیساکھی تھی جس کا میلہ امرتسر میں بہت دھوم دھام سے لگتا تھا۔ عوام الناس میلے میں آئے ہوئے تھے۔ ادھر جلیانوالہ باغ میں میلے کی وجہ سے رونق بھی عام تھی اور وہاں ہی جلسہ کا اہتمام بھی وہیں کر لیا گیا۔ چنانچہ انگریز آفیسر نے فوج اور پولیس کی مدد سے جلیانوالہ باغ کی دربندی کر کے فوج کو حکم دیا کہ فائر کھول دے۔ چنانچہ ان پانچ انگریزوں کا بدلہ جو دس اپریل کو مقتول ہوئے تھے ہزاروں مسافروں اور عوام سے لیا گیا۔ جلیانوالہ باغ میں ہزاروں کی تعداد میں عوام قتل کیے گئے اور شہر کو فوج کی نگرانی میں دے دیا گیا۔

۱۵ر اپریل کو پنجاب کے کئی شہروں میں مارشل لا لگا دیا گیا۔ ۱۶ر اپریل کو مکمل مارشل لاء کا اعلان کر دیا گیا۔

ان ہنگاموں میں لاہور۔ امرتسر اور گوجرانوالہ کے شہروں نے نمایاں حصہ لیا۔ گوجرانوالہ میں ڈاک خانہ اور اسٹیشن اور کئی دیگر سرکاری عمارتیں جلا کر خاکستر کر دی گئیں۔

خلافت کمیٹیوں کے ممبروں میں جماعت مجاہدین کا خصوصی ہاتھ تھا۔ کیونکہ مجاہدین کا رجحان ہندو کی طرف نہ تھا۔ البتہ مجاہدین کی اندرونی پالیسی ایسی رہی کہ سرحدی کیمپ میں چھیڑ خوانی ہوتی رہنی چاہیئے تاکہ تحریک آزادی میں مسلمانوں کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔

چنانچہ ایک طرف ستمبر ۱۹۲۰ء میں کانگرس، مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی کے سپیشل اجلاس کلکتہ میں ہو رہے تھے جن میں شامل ہونے والے بہت حد تک وہی لوگ تھے جو کبھی خلافت کمیٹی کے لیڈروں کی حیثیت سے خلافت کانفرنس میں اور کبھی کانگرس کے لیڈروں کی حیثیت سے کانگرس کے سٹیج پر جاتے اور کبھی مسلم لیگ کی حیثیت سے مسلم لیگ کے پنڈال میں آبیٹھتے۔ لیکن ان مشترکہ ڈیلیگیٹوں اور لیڈروں میں داڑھی والے مولوی کی تعداد زیادہ ہوتی تھی (از شمارہ مشرق ۱۸ر ستمبر ۱۹۶۳ء مضمون مارشل لا سے مارشل لا تک)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ جنگ آزادی میں حصہ لینے والے صرف متدین مسلمان ہی تھے۔ خلافت کمیٹی کی حمایت میں صرف گاندھی نے ساتھ دیا کسی اور ہندو لیڈر نے ساتھ

Marfat.com

نہ دیا۔ بلکہ گاندھی نے بھی رولٹ ایکٹ کے خلاف خلافت کمیٹی کو بطور ہراول دستہ استعمال کرنے کے لیے ساتھ دیا تاکہ اگر دوبارہ مارشل لاء کی سی سختی کی جائے تو اس میں مسلمان ہی کام آئیں البتہ کانگریس کو ایک فائدہ یہ پہنچا کہ اس حمایت سے کانگریس اور خلافت کمیٹی قریباً ایک ہو گئی جس کا اثر بعد کی مسلمان جماعتوں کو بیں بھی نظر آتا رہا۔

گاندھی کی تحریک عدم تعاون جسے گاندھی نے اس اجلاس میں پیش کیا جس کے چار مرحلے تھے۔ ترک خطابات۔ پولیس اور فوج کے علاوہ نوکری سے استعفیٰ۔ پھر پولیس اور فوج سے علیحدگی۔ پھر ٹیکسوں سے انکار۔ اس تجویز کو تین ماہ بعد ناگپور کے اجلاس کے مسلمانوں نے منظور کر لیا۔ صرف جناح صاحب نے مخالفت کی کیونکہ تحریک عدم تعاون کے چاروں مرحلے ایک قسم کی بغاوت تھے جس کا نشانہ گاندھی جی مسلمانوں کو بنانا چاہتے تھے بلکہ نشانہ بنا گئے۔ لیکن کھل کر ہندو ذہنیت ۱۹۲۲ء میں سامنے آئی۔

بہرحال اگر ایک طرف مسلمان مولویوں نے ہندوستان میں اس قسم کی تحریک جاری رکھی تھی کہ تمام جماعتیں گڑبڑ پر پا رکھیں تو دوسری طرف یاغستان کی سرحدوں پر بھی پوری طرح یورشیں برپا رکھیں۔

کاروباری زندگی میں جماعتی کام پولیس کی رپورٹ کے مطابق چونکہ مولوی فضل الٰہی صاحب نے مارشل لا کے ہنگاموں میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اس لیے ان پر جو تین سال کی پابندی لگائی گئی تھی۔ وہ اٹھا لی گئی اس طرح مولانا کو ۱۹۱۹ء میں ہی جماعتی کاموں کو کھل کر کرنے کا موقع میسر آگیا۔ لیکن بہت محتاط رہتے تھے کہ کہیں پھر کوئی قدغن نہ لگ جائے۔

حضرت صاحب نے وزیر آباد میں ہی ایک چاقو چھریاں بنانے والی فرم کی تشکیل کی جس کے چار حصہ دار تھے (۱) حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب (۲) مولوی عبد الماجد صاحب (۳) مولوی عبد القادر صاحب (۴) اور شیخ عبد العزیز صاحب۔ لیکن سپلائی کا کام اپنے ذمہ لیا۔ سیمپل بکس بنوا کر اس میں ہر قسم کے چاقو چھریاں اور آرڈر بک رکھ کر تمام ہندوستان میں کام کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح گذر اوقات کا بھی بندوبست کیا اور جماعتی کاموں کے لیے بھی سہولت ہو گئی۔

مولانا صاحب کو اپنے سفر پہ جانے کی اطلاع ہوم سیکرٹری لاہور کو دینا پڑتی تھی۔ چنانچہ

جب لاہور جاکر سمپل بکس دکھایا تو انگریز افسر دیکھتے ہی کہنے لگا ڈیل ڈیل" تم نے جماعتی کام کرنے کا بہت اچھا طریقہ سوچا ہے"۔ لیکن چونکہ کاروبار تھا اس لیے کوئی پابندی نہیں لگا سکتے تھے۔

حضرت صاحب کو اس کا علم ہو چکا تھا کہ امیر نعمت اللہ نے انگریزوں سے کچھ مفاہمت سی کر لی ہے۔ چنانچہ حضرت صاحب کو جالندھر جیل میں ہی صلح نامہ کے کاغذات دکھائے گئے تھے اور انگریز افسر نے خود آکر دکھائے تھے تاکہ حضرت صاحب کو مجاہدانہ کارروائیوں سے بددل کر کے روک سکیں۔ مفاہمت کے معاہدہ کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے کہ فریقین ایک دوسرے کے خلاف کوئی جارحانہ اقدام نہیں کریں گے۔ اس کے باوجود حضرت صاحب نے آزاد ہونے کے بعد امیر نعمت اللہ سے بھی نامہ و پیام جاری رکھا۔

سردار محمد شفیع صاحب اپنے قاصد بننے کا واقعہ (جو درج ذیل ہو رہا ہے) جسے خود انہوں نے رسالہ "تبصرہ" میں بیان کیا ہے قریباً ۱۹۱۸ء کے اواخر کا ہے جس سے حضرت صاحب کی کارکردگی کا پتہ لگتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

میرے مکان پر ایک روز مولانا فضل الٰہی صاحب کسی ذریعہ سے تشریف لائے۔ دوران گفتگو میں انہوں نے فرمایا کہ جس دن چھٹی ہو۔ میرے پاس وزیر آباد فلاں محلہ میں آنا۔ میرا نام فضل الٰہی ہے ساتھ ہی فرمایا کہ کسی سے میری ملاقات کا اور وزیر آباد آنے کا ہرگز ذکر نہ کرنا۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کو میری انگریز دشمنی کا حال کس نے بتایا؟

انہوں نے فرمایا کہ کچھ تو تمہاری برادری کے لوگوں نے اور کچھ طلباء نے۔

میں جمعہ کی چھٹی میں وزیر آباد گیا۔ سارا دن مولانا کی خدمت میں رہا۔ مجھے چند کتابیں دیں جن میں سید احمدؒ اور اسمٰعیل شہیدؒ کی سوانح عمریاں تھیں۔ انہوں نے مجھے ہدایت فرمائی کہ ہر جمعہ کی چھٹی میں تم یہاں آیا کرو۔

جب مجھے وہاں آتے جاتے کئی ماہ گذر گئے تو ایک دن انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان سے یاغستان میں پیغام لے جانے والے سبھی قاصد پکڑے گئے ہیں۔ انگریز نے ان سب کو عمر قید کی سزا دی ہے۔

میں نے عرض کیا کہ قاصد کے فرائض میں ادا کرنے کو تیار ہوں آپ مجھے وہاں بھیجیں

Marfat.com

وہ بولے مجھے خطرہ ہے کہ تم شاید سختی برداشت نہ کر سکو اور تمام باتیں بتا نہ دو۔ کیونکہ تم امیر خاندان سے ہو اور تم نے ابھی تک کوئی سختی برداشت نہیں کی ہے۔

میں نے ان کو یقین دلایا کہ میں یہ کام اچھی طرح کروں گا۔

تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا کہ اچھا میں تمہارا اعتبار کرتا ہوں۔ خدا تمہیں ثابت قدم رکھے۔ جب تم ایک ہفتہ کی چھٹی کا انتظام کر لو مجھے ایک ہفتہ پہلے اطلاع دینا اور چھٹی شروع ہونے سے ایک رات پہلے یہاں آجانا۔ چنانچہ اگلی ملاقات میں میں نے انہیں تاریخ سے مطلع کر دیا میں مقررہ تاریخ پر ان کے مکان پر پہنچا۔ مولانا نے وہاں ایک آدمی سے میرا تعارف کرایا۔ اور بتایا کہ یہ یاغستان کے تمام راستوں سے واقف ہے۔

غرض ہم روانہ ہوئے اور سی آئی۔ ڈی کی نظروں سے بچتے بچاتے ہم بخیریت ہربند پہنچ گئے۔ وہاں سے کشتی کے ذریعے دریا پار کیا اور آزاد علاقہ میں پہنچ گئے۔ پیدل سفر کرتے ہوئے بہ مشکل ہم شام کے قریب اسمس (جو مجاہدین کا ہیڈ کوارٹر تھا) پہنچے۔ وہاں جاتے ہی امیر جماعت مجاہدین نعمت اللہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر ایک چارپائی پر لیٹ گیا اور ایسی بے ہوشی سے سو یا کہ صبح ہی آنکھ کھلی۔

میں نے امیر المجاہدین کی خدمت میں صبح کپڑے پر لکھے ہوئے خطوط جو میری قمیص کے کفوں اور پشت کی پٹی کے اندر اور اوور کوٹ کے کالر میں سلے ہوئے تھے انہیں ادھیڑ کر نکالے اور پیش کر دیئے دوسرے دن میں نے وہ سب باتیں جو مولانا نے زبانی بتائی تھیں امیر صاحب سے عرض کر دیں۔ یہ تو مجھے علم نہیں کہ ان خطوط میں کیا لکھا ہوا تھا۔ زبانی باتوں میں ایک ایسی تھی جس کا ذکر میں نے اسی طرح کر دیا جس طرح مجھے بتایا گیا تھا۔ اس کے نتیجہ سے میں بے خبر تھا۔ کئی ماہ کے بعد مجھے اس کی حقیقت اور اصلیت معلوم ہوئی۔ تو میں مولانا کی قوت اور تدبر پر حیران رہ گیا۔ زبانی پیغام تو صرف یہ تھا کہ:۔

(۱) ہم نے خاص ذرائع سے جنگ کے شروع میں انگریز کی ہندوستان میں قوت معلوم کی۔ اور امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان کو اس کی اطلاع دی کہ اس وقت سارے ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ دو ہزار گورا فوج ہے۔ ہندوستان پر حملہ کرنے کا اس سے بہتر وقت پھر

کبھی نہیں آئے گا۔ ساتھ ہی امیر حبیب اللہ خاں کو یقین دلایا کہ صرف یاغستان سے ہم کم از کم ایک لاکھ مسلح بڑے بہادر اور جنگجو آدمی تمہاری امداد پر ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے دینے کو تیار ہیں امیر حبیب اللہ اس پر بھی خاموش رہا۔

(۲) جرمن اور ترک جرنیلوں کا جو وفد امیر حبیب اللہ خاں کے پاس آیا اور جس نے بہت بڑی امداد کا یقین دلایا امیر نے وفد کی باتوں کو ٹھکرا دیا۔ جو لوگ اس وفد کو کامیاب بنانے کے لیے کوشاں تھے وہ عتاب میں آئے۔ امیر حبیب اللہ ان کو گرفتار کر کے انگریز کے حوالے کرنا چاہتا تھا اگر چھوٹا شہزادہ امان اللہ ان کی مدد نہ کرتا اور خاص ذرائع سے یاغستان نہ بھیج دیتا تو وہ گرفتار ہو کر انگریز کے حوالے کر دئے جاتے۔

(۳) صرف امان اللہ ہی ایک ایسا شہزادہ تھا جو انگریز کا خاص طور پر دشمن اور مجاہدین کی امداد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا تھا۔

(۴) امان اللہ خاں اور اس کی کوٹھی میں مقیم مجاہدین اور اینٹی انگریز گروپ نے ترک اور جرمن جرنیلوں کو کابل میں ناکامی کے بعد یاغستان میں جانے اور مجاہدین کی معرفت تمام قبائل کے نمائندگان سے معاہدہ کرنے کا مشورہ دیا۔ وہ وفد یاغستان آیا۔ مجاہدین اور قبائل سرداروں سے ایک معاہدہ ہوا کہ تم سب مل کر انگریزی علاقہ پر حملہ کر دو۔ جرمن وفد نے بیس لاکھ پونڈ اور بہت سا سامانِ حرب دینے کا معاہدہ کیا۔ اس قرار داد کے مطابق مجاہدین کی زیر قیادت سارے یاغستان نے مل کر انگریزی علاقہ پر حملہ کر دیا۔ جرمن اور ترک روپیہ اور سامان یاغستان میں محض امیر حبیب اللہ کی بدولت نہ پہنچ سکے۔ لہذا امیر حبیب اللہ کا راج انگریز کا راج اور حبیب اللہ کی مخالفت انگریز کی مخالفت ہے۔ ہر ممکن طریقے سے امیر حبیب اللہ کو ہٹا کر امان اللہ خاں کو امیر بنایا جائے اور اس معاملہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے اگر اس میں ذرا بھی غفلت کی گئی تو مجاہدین چکی کے دو پاٹوں میں ہیں (ادھر انگریز ہے اور یاغستان کی دوسری طرف انگریز نواز امیر حبیب اللہ) پس جائیں گے۔

یہ پیغام دینے کے بعد میں دو تین روز وہاں رہا۔ امیر المجاہدین نے اسی طرح میرے کپڑوں کے اندر خطوط سلوا کر دیئے اور اسی سفیر کے ہمراہ مجھے واپس روانہ کیا گیا جو مجھے ہری پور ہزارہ تک

Marfat.com

چھوڑ گیا۔ اور میں وہاں سے وزیر آباد بخیریت پہنچ گیا۔ مولانا نے مجھے دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا اس کے بعد مجھ سے حالات دریافت کیے۔ میں نے خطوط نکال کر مولانا کو دئیے میں سارا دن مولانا کے مکان پر رہا اور حالات بتاتا رہا۔ رات کی گاڑی سے لاہور پہنچ گیا۔

حسب معمول میں ہر آٹھ دس دن کے بعد وزیر آباد مولانا کی خدمت میں جاتا رہا۔ مولانا مجھ سے پارٹی کا کوئی راز نہ چھپاتے تھے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں وزیر آباد آیا مولانا مکان پر موجود نہ ہوتے دروازہ پر دستک کی آواز ہی سے والدہ صاحبہ (مولانا کی بیوی) پہچان لیتی کہ محمد شفیع آیا ہے۔ میں گھر کا ایک ایسا فرد تھا جیسا کہ ان کے صاحبزادے محمد سلیمان۔

کافی عرصے کے بعد اخبارات میں خبر آئی کہ امیر حبیب اللہ خاں قتل کر دیے گئے ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی نصر اللہ خاں کی جلال آباد میں تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی ہے اور بڑا شہزادہ عنایت اللہ خاں نے اپنے چچا نصر اللہ خاں کے حق میں دستبرداری دے دی۔ پھر اطلاع آئی کہ کابل میں امان اللہ خاں نے جوان دنوں وہاں گورنر تھا اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ خبریں اخبارات میں کئی دن پڑھتا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ مولانا وزیر آباد میں نہیں ہیں۔ میں تعلیم کی مصروفیت کی وجہ سے وزیر آباد نہ جا سکا۔ لیکن جب میں نے ساری اسکیم کی کڑیاں ملائیں تو حیران رہ گیا کہ مولانا وزیر آباد میں بیٹھے ہوئے کس طرح اپنی تجاویز انگریز کے مقابلے میں کس خوبی سے چلاتے ہیں مجھے یقین ہو گیا کہ امیر امان اللہ کو تخت نشین کرانے میں مولانا کا زبردست ہاتھ ہے۔

کچھ عرصے بعد میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دو تین دن وہاں رہا۔ مولانا بہت خوش تھے اور انہوں نے افغانستان اور اپنی تحریک مجاہدین کے متعلق بہت سی راز کی باتیں بتائیں

مولانا عبد القادر صاحب ہزارہ والے فرماتے ہیں کہ ۱۹۰۶ء میں میں اپنے چچا کے ساتھ اسمست چلا گیا اور پورا ایک سال رہا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا صاحب افغانستان یاغستان وغیرہ کے دورے عموماً کرتے رہتے تھے جن کا آغاز ۱۹۰۳ء میں ہوا اور ایک ایک دو دو دن رہ کر واپس آجاتے تھے۔ ۱۹۰۳ء میں سب سے پہلے اس وقت گئے جبکہ حضرت صاحب امیر عبد الکریم صاحب کے ہاتھ پر بیعت جہاد کرنے گئے۔ ایک اور اہم دورہ جس کا ذکر

حضرت صوفی صاحب نے فرمایا تھا جس میں صوفی صاحب بھی اور حضرت صاحب بھی افغانستان کے جرمن وفد کے آنے پر افغانستان گئے تھے۔ جس میں حضرت صاحب ریشمی رومالوں کی چھپیاں صوفی صاحب کے سپرد کر کے مختلف نوابوں اور راجاؤں کو بھجوائی تھیں۔ اور آخری اہم دورہ جس کا ذکر سردار صاحب نے انقلاب واستقلال افغانستان کے موقع پر فرمایا تھا۔

غازی امان اللہ مجاہدین سے بہت محبت کرتا تھا اس نے علاقوں کے علاقے مجاہدین کو دے رکھے تھے اس کے زمانہ میں بقول صوفی عبداللہ صاحب بارہ ہزار روپیہ مجاہدین کے لیے وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔

غازی امان اللہ شروع ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ کی شہادت کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۸ برس تھی کیونکہ اس کی پیدائش ۲ر فروری ۱۸۹۱ء تھی۔ امان اللہ شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ انگریز سفیر کو بلا کر اسے مطلع کیا گیا کہ آج سے افغانستان بالکل آزاد اور خود مختار ہے اس کی داخلی و خارجی حکمت عملی میں کسی حکومت کی نگرانی کو دخل نہیں اور آج سے ہم ہر طرح کے اثر و اقتدار سے آزاد ہیں کسی کو ہمارے کاموں میں دخل دینے کا حق نہیں تم ہمارے اس اعلان سے اپنی حکومت کو مطلع کر دو۔

ہند کے انگریز حکمرانوں کو اس کی بہت تکلیف ہوئی۔ چنانچہ انگریزوں نے سرحد پر فوج کشی کر دی شاہ امان اللہ نے مجاہدین سے مل کر پوری سکیم کے ماتحت چترال سے لے کر چمن تک کے تمام محاذوں پر جنگ چھیڑ دی۔ اور صوبہ سرحد پر ہر طرف سے حملے شروع کر دیئے حتی کہ افغان فوجیں درہ خیبر پر بھی قابض ہوگئیں اور وادی کرم میں ٹل تک آگے آگئے۔ وزیرستان میں بھی ہر محاذ تک کئی کئی میل تک آگے بڑھ گئے۔ بالآخر انگریز نے اسی میں خیر سمجھی کہ مصالحت کرے۔ چنانچہ ۲۴ر جولائی ۱۹۱۹ء کو فریقین کے نمایندے راولپنڈی میں بیٹھے اور ۸ر اگست کو معاہدۂ صلح پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی رو سے افغانستان کو ایک آزاد اور خود مختار حکومت تسلیم کر لیا گیا۔

شاہ امان اللہ غازی کی تخت نشینی کی رسم پر مولانا نعمت اللہ امیر صاحب نے مولانا فضل الٰہی صاحب کو لکھا کہ مبارکبادی کی تیاری کرو۔ چنانچہ مولانا فضل الٰہی صاحب نے تین ہزار

Marfat.com

روپیہ سے تین زیور طلائی تیار کرا کر اسمست بھیجے جو کہ امیر صاحب نے مولانا بشیر صاحب کو دیئے تاکہ افغانستان لے کر جائیں ساتھ ہی انہوں نے لکھا کہ حکومت کو چاہیئے کہ عیالدار مجاہدین کے لیے دو ہزار جریب زمین مرحمت فرمائی جاوے جو کہ مجاہدین کو دے دی گئی۔

غازی امان اللہ شاہ نے قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک افغانستان پوری طرح آزاد ہو کر انگلستان کے اقتدار سے نجات حاصل نہ کرے گا بستر پر نہ سوئے گا اور غذا بھی بالکل سادہ استعمال کریگا۔ اس سے پہلے افغانستان برطانیہ کے زیر اثر تھا خصوصًا خارجہ حکمت عملی صرف برطانیہ کو مرتب کرنے کا حق تھا۔ افغانستان کا کوئی سفیر بھی کسی ملک میں نہ ہوتا تھا۔ سفیر بھی انگریز ہی کی طرف سے مقرر ہوتے اور سرحدی معاملات اور ہمسایہ ملکوں سے تعلقات کا تعین بھی برطانیہ ہی کے اختیار میں تھا۔ لیکن ۱۹۱۹ء کی جنگ کے بعد امیر امان اللہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ جنگ جتنی مختصر تھی اتنی ہی انگریز کے حق میں سخت مہلک تھی۔

نیز مذکورہ بالا سردار محمد شفیع صاحب کے واقعہ سے حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب کے مقام اعلیٰ کا جو تعین ہوتا ہے اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحب کا سیاست ہند اور افغانستان میں کتنا ہاتھ تھا۔ حتیٰ کہ افغانستان جیسی حکومت کا انقلاب بھی مجاہدین کی وجہ سے ہی ہوا۔ اور مولانا فضل الٰہی صاحب ان موقعوں میں پیش پیش رہتے تھے۔

تمام ہندوستانی لیڈروں کے تعلقات یاغستان سے محض مولانا کے ذریعہ سے تھے۔ براہ راست نہ تھے۔ اور افغانستان میں جب انقلاب ہوا تو اس وقت بھی مولانا وزیرآباد سے غیر حاضر تھے یعنی وہیں گئے ہوئے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا ہجرت سے پہلے بھی چھپ چھپا کر یاغستان جاتے رہتے تھے۔

دوبارہ وارنٹ گرفتاری حضرت صوفی محمد عبداللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا بشیر صاحب کا خیال ہوگا کہ اسلحہ بھیج کر ہندوستان میں بغاوت کرادی جائے۔ چنانچہ جب بم وغیرہ لے کر مولانا بشیر صاحب کے قاصد پہنچے تو مولانا فضل الٰہی صاحب نے کہا کہ یہ کیوں لائے ہو تو انہوں نے کہا کہ مولانا بشیر صاحب نے ہمیں بھیجا ہے کہ ان کو دے دو اور جب یہ آدمی تم سے طلب کریں تو حسب ضرورت ان کو دے دینا۔ مولوی فضل الٰہی صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ ابھی اس

کام کا وقت نہیں تھا۔ اگر مولانا عبد الکریم صاحب امیر جماعت چرکند کی مہر نہ ہوتی تو میں کبھی اسلحہ رکھنے کی کوشش نہ کرتا۔ لیکن چونکہ امیر صاحب کا حکم ہے سرتابی نہیں کر سکتا۔

چنانچہ جب اسلحہ وزیر آباد پہنچا تو انہوں نے اسے گوجرانوالہ کے ایک گاؤں کوٹ قاضی میں پہنچا دیا۔ قاضی عبد الرؤف صاحب اس وقت سرگودھا گئے تھے۔ اس لیے قاضی عبید اللہ صاحب نے مہمانوں کی خاطر مدارات کی اور اسلحہ والے صندوق کو قاضی عبد الرؤف صاحب کے مکان میں دفن کر دیا۔ اسلحہ لانے والوں میں سے ایک شخص احمد جو ضلع فیروز پور کا رہنے والا تھا مولانا فضل الٰہی صاحب سے پانچ صد روپیہ لے کر اپنے گھر والوں کو دینے جا رہا تھا ۲۱ جون ۱۹۲۰ء کو علی محمد ایک پولیس کا سپاہی صبح چار بجے کے قریب ملتانی دروازہ کو کھول کر امرتسری دروازہ کھولنے جا رہا تھا۔ قصوری دروازے کے قریب ایک آدمی کو کھیت میں بیٹھے دیکھا آواز دی کون ہے کچھ جواب نہ ملا پھر آواز دی اور اس آدمی کی طرف گیا اس نے اٹھتے ہی اس پر پستول سے فائر کیا لیکن نشانہ خطا گیا۔ دوسرا فائر چل نہ سکا کہ کسی نے پیچھے سے پستول والا ہاتھ پکڑ لیا۔ بہرحال گرفتار ہو گیا اور اس کو بعض ڈکیتی کے مقدموں میں رکھ لیا گیا جب اس پر سختی کی گئی تو اس سے کچھ باتیں مجاہدین کے متعلق آشکارا ہوئیں۔ بہرحال پولیس نے سختی کر کے تمام اصل واقعات اگلوا لیئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو سرگذشت مجاہدین از غلام رسول مہر ص ۶۲۱)

جب سارا مقدمہ سامنے آیا تو جماعت کے کئی ارکان پر مقدمہ دائر ہو گیا۔ کئی لوگوں کو کتنے کتنے سال قید ہو گئی اور کئی بری ہو گئے۔

اس وقت مولانا فضل الٰہی صاحب اپنا سیمپل بکس ساتھ لے کر بمبئی کے پروگرام پہ گئے ہوئے تھے۔ صوفی محمد عبد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ابھی آپ تھانہ ہی پہنچے۔ وہاں ایک خاص خفیہ میٹنگ تھی جس میں چار حضرات شریک تھے۔ مولانا ابو الکلام آزاد۔ مولانا عبد القادر قصوری۔ مولانا عبد الغفور راتلام اور مولانا فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی امیر المجاہدین ہند۔ اس میٹنگ میں طے پایا تھا کہ ہم میں سے کوئی آدمی ملک سے باہر جانا چاہیئے۔ لیکن کون جائے اس کے لیے مولانا فضل الٰہی صاحب نے ایک دوہڑہ پڑھا۔

نسی تاڑی عاباد اندے او اسیں آپے ہی اڈن ہارے آں

Marfat.com

ادھر سی آئی ڈی اور پولیس نے مولانا صاحب کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ وارنٹ جاری ہو گئے۔ گھر کے افراد سے اور کارخانہ کے حصہ داروں سے پوچھا گیا انہوں نے کہا کہ کاروبار کے لیے کہیں باہر گئے ہیں معلوم نہیں کہ کہاں گئے ہیں۔ صوفی صاحب کو ان کا علم تھا لیکن وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں ان کے پیچھے جاتا تو گرفتار ہو جاتا اس لیے میں نے مولوی عبدالماجد صاحب شریک کار حصہ دار کارخانہ کو تیار کیا اور رات کی گاڑی بمبئی ایکسپریس پر انہیں رتلام بھیج دیا کہ انہیں بتا دیں۔ مولانا عبدالماجد جاتے ہی رتلام میں مولانا صاحب کو بتلایا کہ آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے ہیں۔ مولانا فضل الٰہی صاحب نے فرمایا کہ عبدالماجد اب تم آ تو گئے لیکن اب کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرنا ورنہ میری سزا کی پوری تمہیں مل جائے گی۔ چنانچہ چند ہدایات لے کر مولوی عبدالماجد واپس آ گئے۔

پولیس کو معلوم ہوا کہ عبدالماجد تین چار دن سے غیر حاضر ہے اس کی کافی پڑتال کی گئی انہوں نے کہا میں تو جلال پور جٹاں اپنے سسرال گیا ہوا تھا۔ چنانچہ معمولی پڑتال کے بعد ان کی خلاصی ہو گئی۔

ایک سپیشل پولیس کا آدمی مولانا فضل الٰہی کے گھر کے سامنے قصابوں کے گھر میں رہنے لگا جو اس بات پر متعین تھا کہ جب مولوی صاحب آئیں تو اطلاع دی جائے وہ اسی ڈیوٹی پر رہا۔ حتیٰ کہ اخبارات میں آ گیا کہ مولانا سرحد پار کر گئے ہیں۔ تب کہیں ماہ کے بعد اس کی ڈیوٹی ختم کی گئی

واقعۂ ہجرت رتلام میں میٹنگ کے موقعہ پر ہی گرفتاری کے وارنٹ کی اطلاع ملنے پر اسی مجلس میں ہی ہجرت کا پروگرام طے کیا گیا۔ مولوی عبدالغفور صاحب جو کہ احاطہ بمبئی کے امیر المجاہدین تھے انہوں نے دو ہزار روپیہ بھی مجاہدین کے لیے دیا اور ایک ملازم ہزارے کے ضلع کا بھی ساتھ کر دیا۔ مولانا فضل الٰہی صاحب نے دو ہزار کی رقم اس ہزارہ کے ملازم کے ذمہ ہی لگائی کہ اسے اپنے پاس محفوظ کرے۔ موقع پر لے لیا جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر ملازم کا دل بے ایمان بھی ہو جائے تو روپیہ ہی نقصان ہو پکڑا جانے کا خدشہ نہ ہو۔ بالآخر ہوا بھی یہی۔

Marfat.com

مولانا صاحب نظام سے ہی احمد آباد۔ جودھپور۔ حیدر آباد۔ سکھر سے ہوتے ہوئے کوئٹہ پہنچے تاکہ مناسب موقع کی تلاش کے بعد سرحد پار کی جائے تمام جگہوں پر سی۔ آئی۔ ڈی اسٹیشنوں پر متعین تھی۔ چنانچہ ایک جگہ کسی جنکشن پر تمام گاڑی کے آدمیوں کو ایک ایک کرکے پوچھا گیا۔ مولانا فضل الٰہی صاحب اگرچہ حقہ نہیں پیتے تھے لیکن خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے گاڑی سے اترے اور قلیوں کی ایک حقہ نوش جماعت میں بیٹھ کر حقہ پینے لگے ساری گاڑی کی پڑتال ہوگئی۔ مولانا صاحب سے کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ گاڑی چلی تو پھر سوار ہوگئے۔

کوئٹہ میں ابھی مناسب موقع کی تلاش میں ہی تھے۔ چپے چپے پر سی۔ آئی۔ ڈی تھی۔ ایک دن غسل کرنے کے لیے باہر کسی مقام پر گئے۔ جہاں نل کچھ نیچے تھا جب اترنے کے لیے نیچے دیکھا تو وہی سی۔ آئی۔ ڈی کا انسپکٹر جو جالندھر میں ان پر متعین تھا نیچے نہا رہا تھا۔ مولانا پچھلے پاؤں واپس آگئے اور بڑے حیران کہ تمام سرحد کی نگرانی کڑی کردی گئی۔ چنانچہ آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور اپنے ہم سفر کو کہا کہ میری داڑھی تراش کر کچھ چھوٹی کردو (مولانا صاحب کی داڑھی بہت لمبی تھی) اس نے کہا کہ حضور مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہوسکتی چنانچہ خود شیشہ رکھ کر داڑھی کو چھوٹا کیا اور کٹے ہوئے بالوں کو ہاتھ میں لے کر آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا میرے مولا یہ بال اپنے نبی کی سنت سمجھ کر تیری رضا کے لیے رکھے تھے اب تیری ہی رضا کے لیے ان کو کاٹ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر بالوں کو اس درخت کے نیچے ہی دفن کر دیا اور پیدل چل کر کوئٹہ سے پچھلے اسٹیشن سے آکر گاڑی پر بیٹھ کر واپس سکھر کے راستہ شیر شاہ پہنچے (شیر شاہ جنکشن ہے۔ ملتان چھاؤنی سے ایک اسٹیشن پیچھے) اور ملتان نہ گئے صرف اس لیے کہ بڑے اسٹیشنوں پر پولیس اور سی۔ آئی۔ ڈی زیادہ ہوتی ہے)

شیر شاہ سے دوسری گاڑی بدل کر براستہ کندیاں کیمبل پور پہنچے۔ کیمبل پور پہنچ کر ہزارہ والا ہم سفر رخصت ہوگیا۔ دو ہزار روپیہ بھی اسی کے پاس تھا۔ اور ٹکٹ بھی اسی کے پاس تھے۔ خیر آپ توکل بر خدا دوسری طرف سے اسٹیشن سے باہر نکل گئے اور کسی نے ٹکٹ تک نہ پوچھا۔

Marfat.com

وہ ملازم بعد میں کسی دوست مجاہد کو ملا اس نے کہا تم نے اچھا نہ کیا کہ مولانا کا مجاہدین کی امانت کا روپیہ تم لے بھاگے۔ اس نے کہا کہ ان کو شکر کرنا چاہئیے کہ میں نے ان کا پتہ نہ دیا ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی بہتری ہو شاید اگر آپ ملازم کے ساتھ ہوتے روپیہ ساتھ ہوتا تو ٹکٹ لے کر ہری پور کی طرف جاتے تو پکڑے جاتے۔

چونکہ مولانا صاحب کے پاس تو روٹی کھانے کو بھی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ وہاں سے پیدل ہی چل نکلے۔ براستہ حضرو غازی وغیرہ ڈھیری جو کہ ہری پور سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہے جانے کا قصد کیا کیونکہ وہاں مولوی اسمٰعیل صاحب تھے جو کہ مجاہدین کا ایک قسم کا سفری کیمپ تھا۔

راستہ میں بہت مشکلات کا سامنا ہوا بھوک پیاس کی شدت تو انتہا کو پہنچی ہوئی تھی تقریباً دو دن سفر میں ہو گئے تھے ایک دفعہ دوپہر کو ایک بوڑھے زمیندار کے پاس جا کر اس سے پانی طلب کیا اس نے پوچھا تو کون ہے۔ کہاں جائے گا کہہ دیا مسافر ہوں ہری پور جا رہا ہوں اس زمیندار نے مولانا کی آواز سے پہچانا کہ یہ بھوکے بھی ہیں۔ خیر اس نے پوچھا تو مولانا نے بتایا کہ میں دو دن سے بھوکا ہوں اس بوڑھے نے پانی بھی پلایا اور روٹی بھی کھلائی۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے تمام زندگی اس بوڑھے کے احسان کو یاد رکھا۔ اپنی دعاؤں میں اسے کبھی نہ بھولا جب بھی اپنے ماں باپ کے لیے دعا کرتا ساتھ ہی اس بوڑھے کے لیے بھی دعا کیا کرتا تھا۔ حضرت صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ تین چار دن کے متواتر سفر سے میں منزل مقصود پر پہنچا لیکن میرے پاؤں متورم ہو کر پھٹ چکے تھے کچھ دن میں مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس رہا وہ میری مرہم پٹی کرتے رہے اور مناسب موقع کی تلاش میں رہے کہ کسی طرح ان کو سرحد سے پار کر دیا جائے۔ لیکن کوئی موقعہ نہ ملا۔ کیونکہ سرحدی انتظامات بہت سخت کر دیئے گئے تھے۔ جب سرحد پار کرنے کی کوئی صورت نہ بنی تو آپ وہاں سے لارنس پور سے سوار ہو کر لپنیا در پہنچے (لارنس پور ایک چھوٹا سا اسٹیشن ہے جو کہ کیمبل پور کی مشرقی جانب ہے) لپنیادر میں آپ سیدھے خواجہ عبد العزیز صاحب کے ہاں پہنچے وہ ان دنوں اکونٹنٹ جنرل کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے انہیں اپنے مکان میں رکھا دن کو ڈیوٹی پر جاتے تو مکان کو تالا لگا جاتے۔ تاکہ کسی کو شبہ بھی نہ ہو رات کو

Marfat.com

تو انہیں ہر قسم کے اخبارات سے مطلع کرتے نیز ان کے لیے ہر قسم کے حوائج کا انتظام کرتے تھی کہ ان کا پاخانہ بھی رات کے اندھیرے میں خود پھینک کر آتے کیونکہ مکان پہ دن کو تالا لگا رہتا تھا۔

وہاں کئی دن تک رہے بالآخر ان کے ہاں سے نکلنے کا انتظام اس طرح ہوا کہ لیٹیا در سے آپ چھار سدہ سے۔ اور وہاں سے ایک ٹانگہ والے سے جس سے پہلے ہی خواجہ صاحب نے اپنے ایک دوست کی معرفت انتظام کروایا ہوا تھا۔ کپڑے بدل کر کوچوان کے کپڑے خود پہن لیے اور اپنے کپڑے کوچوان کو پہنا دیئے۔ اور ٹانگہ چلا رہے تھے حتیٰ کہ سرحد پار کر گئے۔ جب کوئی پوچھتا تو ٹانگہ والا خود بات کرکے ٹال دیتا۔ اس طرح کسی کو کوئی شبہ نہ ہوا۔ اور آپ سرحد پار کرکے آزاد علاقہ میں پہنچ گئے دوسرے دن اخبارات میں خبر بھجوا دی کہ میرے گھر والے مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ میں انگریزی علاقہ سے نکل کر آزاد یاغستان پہنچ چکا ہوں۔ آپ یکم ذی الحج ۱۳۳۸ھ (۱۷ اگست ۱۹۲۰ء کو چمرکند پہنچ گئے۔

انگریزوں نے بعد میں مقدمہ چلا کر ضبطی جائداد کا آرڈر دے دیا ان کے بھائی محمد آلٰہی صاحب نے مکان کے ساتھ کچھ ملحقہ قطعہ کچا بنایا ہوا تھا وہ پٹواری سے مل ملا کر آبائی مکان لکھوا لیا اور باقی اپنے ذاتی نام پہ کروالیا۔ پھر اس آبائی مکان پہ بھی مقدمہ کر دیا کہ اس میں ہمارے حصے بھی ہیں کیونکہ ہم دو بھائی اور چار بہنیں ہیں اور والدہ صاحبہ بھی زندہ ہیں اس لیے قریباً ۱/۸ حصہ مکان کی صرف نیلامی ہو سکتی ہے۔ قریباً دو سال مقدمہ چلتا رہا۔ خیال ہے کہ مقدمہ ان کے خلاف ہی ہوا ہوگا۔ چنانچہ ۱۹۲۲ء میں نیلامی ہوئی جس کے لیے حکومت نے اشتہار چھپوا کر نیلامی کا اعلان کیا ایک ہفتہ تک برابر نیلامی کرنے والے بازاروں میں پھرتے رہے لیکن کوئی ایک شخص بھی بولی دینے کے لیے نہ آیا۔ بالآخر ان کے بھائی محمد آلٰہی صاحب نے ہی مبلغ پانچ صد روپیہ میں خرید لیا۔

خان محمد آلٰہی صاحب مولانا فضل آلٰہی صاحب کے بچوں سے اسی طرح پیار کرتے رہے جس طرح اپنے بچوں سے کیا جاتا ہے۔ صاحبزادہ سلیمان صاحب بیان فرماتے ہیں ہماری پرورش ہمارے تایا صاحب نے کی۔ اور ہمیں کبھی بھی یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ ہمارا والد ہم سے الگ ہے

Marfat.com

کوئی چیز بھی خرید تے تو تین تین چیزیں خرید تے دو اپنے لڑکوں[۵] عبدالحق اور عبدالرحمن کے لیے اور ایک میرے لیے کبھی بھی کسی قسم کی تفریق روا نہ رکھی۔

یاغستان کے حالات مولانا فضل الٰہی صاحب ۱۷ اگست ۱۹۲۰ء کو ہجرت کر کے یاغستان پہنچ گئے اور اس سفر پر خطر پر تقریباً چھ ماہ لگ گئے اس وقت اسمست میں امیر نعمت اللہ مجاہدین کے امیر تھے۔ امیر نعمت اللہ ۱۲ فروری ۱۹۱۵ء سے ۴ مئی ۱۹۲۱ء تک عہدۂ امارت پر فائض رہے۔ اور مولانا کی ہجرت سے تقریباً چند ماہ بعد ہی امیر صاحب شہید کر دیے گئے۔

امیر نعمت اللہ کی شہادت کا الزام یا مولانا بشیر صاحب پر لگایا گیا یا کچھ مولانا فضل الٰہی صاحب پر شبہ کیا گیا۔ میرے خیال میں یہ دونوں بزرگ، اس سے بری الذمہ تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مولانا فضل الٰہی صاحب کو تو ۱۹۱۷ء میں جالندھر جیل ہی میں امیر نعمت اللہ کی انگریزوں سے مفاہمت کا پتہ چل چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مولانا نے نہ تو ہندوستان میں جماعتی کام میں کوتاہی کی اور نہ ہی بیرونی علاقوں میں کام کرنے سے دستکش ہوئے بلکہ انقلاب افغانستان میں جو کہ ۱۹۱۹ء میں امیر نعمت اللہ کے زمانہ میں ہی ہوا اس وقت بھی آپ پیش پیش تھے۔ یہ تمام واقعات شہادت دیتے ہیں کہ مولانا آخر وقت تک امیر صاحب سے تعاون ہی کرتے رہے ہیں۔

جہاں تک میرا خیال ہے مولانا صاحب نے خود جا کر امیر صاحب سے اس معاملہ کی تسلی کی ہو گی چونکہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ روپیہ اور مجاہد دونوں ہندوستان سے ہی آتے تھے۔ اس لیے امیر صاحب نے مفاہمت کر کے ان کے آنے کا راستہ ہموار کیا ہو گا اور جہاد کا کام کرنے کے لیے دوسرے مرکزوں یعنی چمرکند وغیرہ کو آگے لگانے کی کوشش کی ہو گی۔ کیونکہ امیر نعمت اللہ کے وقت میں مرکز اسمست کی بجائے چمرکند کو بہت شہرت ملی۔ اور زیادہ تر مجاہدین خصوصاً پنجابی مجاہدین اکثر و بیشتر چمرکند میں ہی رہتے تھے۔ بلکہ سابق پنجابی مجاہدین

---

[۵] عبدالحق صاحب اپنے چچا کے مشن کے بہت بڑے حامی تھے۔ دو مرتبہ ہجرت کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے ۱۹۳۱ء میں جبکہ علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے طالب علمی میں ہی فوت ہوئے اور عبدالرحمن صاحب ریلوے کی بہت اونچی پوسٹ میں ملازم ہیں۔

جو سمست میں رہتے تھے امیر صاحب نے انہیں بھی چمرکند بھیج دیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ حالہ
امیر نعمت اللہ نے حالات کے مطابق اچھا کیا یا برا اس سے بہرحال جماعت کے بڑے ارکان کو
رنج پہنچا اور یہ ایک فطری بات تھی کہ جو لوگ محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ
کر بے خانماں پہاڑوں میں صرف جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بسیرا کر رہے ہوں ان کا امیر ہی دشمن
سے ساز باز کرے تو ان فوجیوں کے دل پر کیا گزرے گی۔ اس لیے مجاہدین کو رنج تو ضرور ہوا لیکن
اس طرح کی غلط کاروائی کے حق میں کوئی بھی نہ تھا۔ البتہ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہو گیا جس کی تفصیل
آئندہ صفحات میں آئے گی۔

پس دستور مجاہدین کی دلی رنجیدگی کا تو یہ عالم تھا کہ مولانا عبد الکریم قنوجی جنہوں نے امیر عبد الکریم کے
حکم سے چمرقند کے مرکز کی قیادت سنبھالی تھی جب انہیں معلوم ہوا کہ امیر نعمت اللہ نے انگریز
سے ساز باز کی ہے تو انہوں نے تمام ہندوستانی جماعتوں کو لکھ دیا کہ آئندہ تمام چندہ کی رقوم چمرکند
میں بھیجی جایا کریں۔

مولانا عبد الکریم قنوجی جو کہ ایک معمر شخص تھے اور مرکز چمرقند کی امارت کے عہدہ پر قریباً
۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک رہے۔ جب مولانا بشیر صاحب ہجرت کر کے آئے تو وہ بھی مرکز چمرکند
سے ہی وابستہ ہو گئے۔ جن کے فرائض میں یہ تھا کہ تمام خارجہ پالیسی کی سربراہی (وزارت خارجہ)
یعنی ہمسایہ ملکوں کی سفارت وغیرہ کے فرائض سرانجام دینا اور مولانا عبد الکریم صاحب کی عدم
موجودگی میں امارت چمرکند کا کام بھی سنبھالنا۔ مولانا فضل الٰہی صاحب کے چمرکند پہنچنے کے کچھ
دیر بعد مولانا عبد الکریم صاحب نے ۵/ فروری ۱۹۲۱ء کو امارت کا عہدہ مولانا فضل الٰہی صاحب
کو دے دیا۔

مولوی فضل الٰہی صاحب نے فرمایا کہ مجھے اس آزمائش میں مبتلا نہ فرمائیں میں ویسے ہی جماعت
کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوں گا لیکن مولوی عبد الکریم صاحب نے انہیں زبردستی
چمرکند کے عہدہ امارت کے لیے منتخب کر دیا۔

مولٰنا فضل الٰہی صاحب نے انتظامات کا گہرا مطالعہ فرمایا اور مرکز چمرکند میں جو کچھ
جمود تھا اس کو توڑ کر ترقی کے منصوبے بنائے۔ چنانچہ مجاہدین کے بچوں کے لیے تعلیم

Marfat.com

کا قطعاً کچھ انتظام نہ تھا خصوصاً سرحدی لوگوں کو تو ابھی تک علم سے مس بھی نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ عصبیت کے نام پہ تو جنگ کرتے تھے لیکن اسلام کی روح ابھی تک ان میں بیدار نہیں ہوئی تھی بلکہ اسلام کی روح سے بالکل ناآشنا تھے۔ اور مجاہدین مہاجرین کے بچے بھی اُن ملکی لوگوں کے بچوں کی طرح ہی ہو رہے تھے جو علم سے بالکل بیگانہ تھے۔

چنانچہ چمرکند میں ایک بہت بڑا دینی مدرسہ کا پروگرام بنایا۔ نیز جمعیۃ مجاہدین کا ایک بہت بڑا کتب خانہ بنانے کی تجویز بھی کی جس میں ہر قسم کی دینی کتب ہوں۔

ایک فری ہسپتال بنانے کا منصوبہ بنایا تاکہ مقامی لوگ ہمارے قدردان بھی ہو جائیں اور ہمارے لیے ہر طرح سے قربانی و خیر خواہی کا جذبہ رکھیں۔

ایک اخبار پندرہ روزہ "المجاہد" جاری کرنے کا پروگرام طے کیا اور چھپائی وغیرہ کا سامان کچھ افغانستان اور کچھ ہندوستان سے منگوایا۔

ایک اسلحہ ساز فیکٹری بنانا تجویز کی۔ جس میں نئی ساخت کا جدید اسلحہ تیار کیا جائے اور اپنے سارے علاقہ باجوڑ و مہمند قبائل میں سپلائی کیا جائے تاکہ یہ لوگ ہمیں کچھ وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔

اس کے علاوہ کپڑے وغیرہ کے کارخانے لگا کر جمعیت کے افراد کو خود کفیل بنانے کا پروگرام طے کیا تاکہ روز روز کے چندہ مانگنے سے نجات ہو۔

چمرکند کے بعد اسمست میں بھی اسی طرح کی ترقی کے کام سرانجام دینے اور اس کے بعد پھر وزیرستان کے علاقہ میں تمام ترقی کی سکیمیں جاری کرنے کا بھی پروگرام طے کیا۔

چنانچہ مندرجہ بالا تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آپ نے مختلف کارخانوں کی تاسیس کے لیے تیئیس ہزار روپیہ کا سامان خرید کیا اور مختلف فن کے کئی آدمی منگوا لئے تعلیم کے لیے دن رات لگا کر لیتے تو سیکھ کر خود تعلیم دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ سولہ طالب علم حضرت صاحب کے زیر تعلیم تھے جن میں سے ملا صاحب باڑہ کے دو لڑکے محمد شعیب خان اور میاں گل تھے۔ دو طالب علم مولوی صاحب سے تعلیم حاصل کر کے دہلی کے مدارس میں داخل،

Marfat.com

ہوئے تھے تاکہ وہ بھی فارغ ہو کر تعلیم و تعلم کا کام کرسکیں ایک کوائی اور دوسرا کوٹ کئی کے تھے اس معاملہ میں رئیس نہر سے بھی گفتگو کی تاکہ ان دونوں بستیوں میں مدرسے قائم کیے جائیں

حضرت مولانا صاحب خود اپنی بیاض میں فرماتے ہیں

انہی دنوں ایک اور حادثہ پیش آیا کہ اکبر نامی ایک آدمی روس کی طرف سے آیا۔ اور ہمارے جامعہ اسلامیہ میں پوشیدہ طور پر عقاید کفریہ کی اشاعت کرنے لگا۔ جب وہ چمرکند میں آیا تو اس کے ساتھ عطاء اللہ خاں اور عبدالوحید خاں دو انگریزوں کے جاسوس بھی تھے۔ محمد اکبر چمرکند سے ہندوستان کی سیاحت کے ارادے سے چلا گیا اور اکبر کو پکڑنے کے بہانے سے عطاء اللہ بھی دفعتہً غائب ہو گیا۔ ادھر پشاور سے ہمارے کارخانوں کے سامان مشینری وغیرہ لے کر اونٹوں کا قافلہ آرہا تھا جن کے پاس اٹھارہ ہزار روپیہ نقد بھی تھا۔ چنانچہ ہمارے تمام آدمی عطاء اللہ کی مخبری سے گرفتار ہو گئے۔ اور ایک سال سے لے کر اکیس سال تک سزایاب ہوئے اور مشینری اور نقدی سب ضبط ہو گئی۔

ہمارے آمدورفت کے راستے پہلے جو کافی بے خطر آزاد۔ اور برطانوی حکام کی توجہ کا مرکز نہ تھے اور ہمارے آدمیوں کی آمدورفت بالکل آزاد تھی محمد اکبر کی وجہ سے زیر قانون ناکہ بندی آگئی اور ایک سو آدمی خفیہ پولیس کا ان راستوں پر متعین کر دیا گیا ؎

کتنی پر مصائب ہیں یہ راہیں

امیر نعمت اللہ صاحب کو ان ترقیاتی منصوبوں کا پتہ لگا تو انہوں نے مولوی عبدالکریم صاحب کو لکھا کہ مولوی فضل الٰہی بہت لائق آدمی ہے اس کو میرے پاس بھیجدو تاکہ وہ یہاں آکر جماعت کا کام کریں۔ مولانا عبدالکریم کو اس پیغام میں کوئی اچھی خوشبو نہ آئی اس لیے انہوں نے لکھا کہ فضل الٰہی کو آپ نے کیا کرنا ہے کام تو تمام میں کر رہا ہوں آپ مجھے لکھیں تو میں آجاتا ہوں۔

مولوی عبدالکریم صاحب سمجھے کہ ہوسکتا ہے کہ میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہ ہو اس لیے جاتے ہوئے وہ حفاظتی تدابیر کر گئے۔ چنانچہ تمام ہندی جماعتوں کو لکھ گئے کہ تمام روپیہ چمرکند میں مولوی فضل الٰہی کے پاس بھجوایا کرو اور اسی پر کاربند رہنا اگرچہ بعد میں کوئی میرے دستخط سے

بھی کوئی چھٹی تمہیں پہنچے تو اس پر اعتبار نہ کرنا۔ کیونکہ وہ دباؤ کے ماتحت لکھی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ امیر نعمت اللہ نے مولوی عبدالکریم صاحب سے سب مرکزوں میں امداد کے لیے چھٹیاں لکھوائیں لیکن ان کا اثر کچھ نہ ہوا۔

مولانا عبدالکریم صاحب سے امیر نعمت اللہ نے یہ بھی کہا کہ چمرکند کے مرکز کی اب کوئی ضرورت نہیں تم سب بھائی یہاں آجاؤ۔ یہاں مل جل کر کام کریں (یہ بھی انگریز نے ہی کہا تھا کہ چمرکند کا مرکز توڑ دو۔) مولانا صاحب سے کوئی اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ ایک رات کو بالکل آرام اور صحت سے سوئے۔ صبح کو نماز میں نہ آئے۔ حالانکہ اس سے پہلے عموماً امامت جماعت بھی وہی کرواتے تھے پتہ کیا گیا تو ان کی بیوی نے کہا کہ ابھی تک سو رہے ہیں جب ان کو جگانا چاہا تو وہ اکڑے ہوئے تھے۔

صوفی صاحب کا بیان ہے کہ خدا کو جان دینی ہے مجھے کچھ علم نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ انہیں سازش سے قتل کیا گیا۔ لیکن مجھے اس کا کچھ علم نہیں اور نہ ہی میں نے کوئی تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا عبدالکریم صاحب۔ غالباً ۱۹۲۱ء کے وسط میں اسمست ہی میں انتقال فرما ہوئے[۵۱]

---

۵۱ اگرچہ مرکز اسمست کے ماتحت اب کوئی مجاہدانہ کارروائی نہ ہوتی تھی۔ البتہ مرکز چمرکند کی طرف سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا۔ خصوصاً آزاد قبائل کو انگریز کے خلاف بھڑکانے میں بڑے پیش پیش تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے امیر نعمت اللہ پر دباؤ ڈالا کہ مرکز چمرکند توڑ دیا جائے۔ غالباً یہ ۱۹۲۰ء کی ہی بات ہے ہو سکتا ہے کہ انگریزوں نے کوئی دھمکی بھی دی ہو چنانچہ امیر صاحب نے چمرقند کے مجاہدین کے رؤسا کو بلایا اور گفتگو کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور چمرکند خصوصیت سے ان دنوں کالج کے طلباء اور پنجابی مجاہدین کا مستقر تھا۔ چنانچہ چمرکند والوں کی طرف سے کئی مرتبہ آدمی بصورت وفد اسمست پہنچتے رہے تاکہ امیر صاحب کو کچھ سمجھایا جائے۔

چمرکند کے تمام مجاہد اس پالیسی کو سمجھتے تھے اور انہیں اچھی طرح علم تھا کہ امیر صاحب یہ کارروائی کیوں کر رہے ہیں اسکے باوجود چمرکند والوں کی طرف سے کبھی بھی کوئی جارحانہ کارروائی نہ پہلے ہوئی اور نہ ہی آئندہ پروگرام تھا۔ بلکہ جتنی بھی کوشش ہوتی تھی۔ صرف ناصحانہ تھی۔ لیکن امیر صاحب پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ بعض لوگوں کا خیال تھا۔ کہ امیر صاحب اب دنیاوی جاہ پرستی اور عیش عشرت میں پڑ گئے ہیں واللہ تعالےٰ اعلم۔

Marfat.com

مولوی یوسف صاحب جو کہ امیر نعمت اللہ کے کاتب تھے نے امیر صاحب کو کہا کہ آپ ایسا کام مت کریں جس سے مجاہدین کو نقصان پہنچے۔ مولوی یوسف صاحب دراصل مجاہدین کے خیرخواہ تھے جو مرکز چمرکند کو خبریں بھی دیتے تھے اور امیر نعمت اللہ کو نیک مشوروں سے مجاہدین کو نقصان سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے۔ لیکن جب مولانا عبدالکریم صاحب وفات پا گئے تو انہوں نے اپنے مشورہ میں زوردار الفاظ میں کہا کہ ایسا رویہ دونوں جماعتوں کے لیے نقصان کا باعث ہوگا۔

اس گفتگو کے بعد دونوں ایک دوسرے کو مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

چنانچہ امیر نعمت اللہ نے ایک منصوبہ بنایا اور ایک جماعت کو بھیجا کہ چمرکند کو لوٹ کر ختم کر دو اور ساتھ ہی یوسف کو بھی بھیجا کہ جماعت چمرکند میں جا رہی ہے تم بھی ساتھ چلے جاؤ اور چمرکند کو ختم کرنے کا منصوبہ ان سے اوجھل رکھا گیا۔ بلکہ الٹا جماعتی آدمیوں کو کہا گیا کہ راستہ میں یوسف کو بھی ختم کر دینا۔

مولوی عبدالکریم صاحب پہلے ختم ہو چکے تھے۔ مولوی بشیر صاحب وزیرستان کے مرکز میں رہتے تھے۔ مولوی یوسف صاحب کو راستہ ہی میں ختم کرنے کا منصوبہ تیار ہو چکا تھا۔ صرف مولوی فضل الٰہی صاحب تھے جو چمرکند میں انتظام رکھتے تھے۔ ان کو ختم کرنے کے لیے جماعت جا رہی تھی جس نے وہاں کا سارا خزانہ اسمست لے آنا تھا۔ یہ تمام کاروائی انگریز کے دباؤ کے ماتحت کی جا رہی تھی کیونکہ انگریز نے انھیں کہا تھا کہ چمرکند کا مرکز توڑ دو۔

جماعت میں ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی خیرخواہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بھائی نے مولوی یوسف صاحب کو سفر شروع کرتے ہی کہا کہ بھائی ہم تمہارے قتل پر مقرر ہوئے ہیں اس لیے اپنی حفاظت کا کوئی انتظام کر لو اس کا خیال ہو گا کہ کہیں چھپ چھپا کر بھاگ جائے یوسف صاحب ہمارے ہاتھوں سے مارے بھی نہ جائیں اور ہم سچے بھی رہ جائیں۔ یوسف صاحب کو غصہ بہت آیا لیکن ضبط سے کام لیا۔

چنانچہ جماعتی بھائیوں سے کہا کہ بھائی مجھے تو ایک کام یاد آ گیا جو امیر صاحب کو بتانا تھا اور مجھے یاد نہ رہا وہ بتا کر ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ واپس آ کر اس نے امیر صاحب پر حملہ کر دیا۔ ایک فیر پیچھے کھوپڑی پر کیا۔ انہوں نے مڑ کر دیکھنا چاہا تو دوسرا فیر کیا جو کنپٹی پر لگا۔ متواتر دو تین فیر

کرنے سے وہ تو ختم ہو گئے۔ دوسرے آدمیوں نے یوسف صاحب کو پکڑ لیا اور سزا یہ تجویز ہوئی کہ ان کو جلا دیا جائے۔ بعض نے کہا کہ اس کو پہلے قتل کر دو پھر جلا دیا۔ چنانچہ انھیں کھڑا کر کے ان کی چھاتی میں فیر کر کے انھیں قتل کیا گیا اور لاش کو جلا دیا گیا۔

جب یوسف صاحب کو فیر کرنے کے لیے کھڑا کیا گیا تو انھوں نے یہ الفاظ پڑھے نصر من اللہ و فتح قریب پھر کہا جو ہو گیا سو ہو گیا مجھے بے شک قتل کر دو لیکن بعد میں مل کر کام کرنا اس قسم کی فتنہ بازیوں سے باز رہنے کی کوشش کرنا۔ جماعت کا فائدہ اسی میں ہے۔ یہ بیانات سارے حضرت صوفی عبد اللہ صاحب کے ہیں۔

مولانا عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ امیر نعمت اللہ کا ماموں اسمعیل انگریز کا جاسوس تھا اور ایک امیر نعمت اللہ کا قاصد فیض اللہ تھا یہ دونوں انگریزوں کی جاسوسی کیا کرتے تھے۔ امیر نعمت اللہ کے بعد فیض اللہ اور دیگر اسی جیسے لوگوں کے تعلقات شاہزادہ برکت کے ساتھ تھے۔ جس دن میں گرفتار ہوا اس کے بعد دوسرے ہی دن اسمعیل قتل ہو گیا۔ اگر وہ قتل نہ ہوتا تو میرا بچنا محال تھا۔

امیر عبداللہ صاحب کا چغہ جس پر پیتل کے جڑاؤ پترے لگے ہوئے تھے جو کہ جنگ میں ذرع کے طور پر استعمال ہوا کرتا تھا۔ وہ امیر نعمت اللہ سے فیض اللہ کی معرفت انگریز کو ملا۔ جو کہ آج بھی پشاور کے عجائب خانہ میں پڑا ہے۔ انگریز نے پیغام بھیجا تھا کہ اگر واقعی تم لوگوں نے صلح کی بات جو ہم سے کی ہے صحیح ہے تو چرکند کے مرکز کو کیوں نہیں توڑتے۔ اس وجہ سے امیر نعمت اللہ نے مرکز چرکند کو خرچ دینا بند کر دیا۔ جس کو پھر میں (عبدالقادر) اور میرے چچا مولوی عبداللہ نے باہر باہر سے پوشیدہ طور پر چندہ پہنچانا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ میری گرفتاری ہو گئی اور دوسرے ہی دن اسمعیل قتل ہو گیا۔

انگریز نے قرابینیں اور بندوقیں اور چغہ وغیرہ پشاور کے عجائب گھر میں رکھ دیں تاکہ لوگ دیکھ کر بدظن ہو جائیں اور ان کی امداد کرنا چھوڑ دیں۔

ویسے مولوی محمد علی صاحب قصوری نے اور حافظ عبدالغفور صاحب نظامی نے مجھے پانچ سو روپیہ دیا تھا کہ کسی کو دے کر اسمعیل کو قتل کرا دو۔ لیکن مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا میں نے وہ

Marfat.com

رقم چمرکند کے مرکز میں جمع کرادی۔

اسمست میں امیر نعمت اللہ کی وفات کے بعد انکے برادر عم زاد مولوی رحمت اللہ صاحب عہدۂ امارت پر فائز ہوئے۔ صوفی عبد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ امیر رحمت اللہ کوئی بڑے دلاور آدمی نہ تھے۔ اسی لیے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہ کر پائے۔ دونوں جماعتیں الگ الگ رہیں جو جنگی نہیں ہوئیں وہ سب مرکز چمرقند کے ماتحت ہوئیں۔

صوفی صاحب نے ہی فرمایا کہ غالباً شروع ۱۹۲۲ء میں مولوی بشیر صاحب جو کہ اکثر وزیرستان رہا کرتے تھے سے واپس آئے۔ اور جمعہ کا خطبہ انہوں نے ہی دیا میں بھی وہیں موجود تھا انھوں نے خطبہ میں سورۂ نحل کی شہد کی مکھی کا بیان شروع کیا کہ وہ شہد بناتی ہے اور دوسرے کھاتے ہیں۔ اس بیان کا مفہوم کچھ اس قسم کا تھا جیسا کہ وہ امارت چمرکند کے خواہشمند ہیں۔ چنانچہ جمعہ کے بعد مولانا فضل الٰہی صاحب نے امارت سے استعفیٰ لکھ کر دے دیا اور فرمایا کہ میں مجاہدین کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ امارت کا خواہشمند نہیں ہوں۔ مولانا بشیر صاحب تشریف لے آئے ہیں اس لیے اب امارت ان کو دیدی جائے۔ لیکن دوسرے تمام مجاہدین کی جماعت نے آپ کا استعفیٰ قبول نہ کیا بلکہ الٹا یہ کہا کہ اگر آپ امیر نہ رہیں گے تو ہم واپس ہندوستان چلے جائیں گے اب ہی تو کچھ کام ہونا شروع ہوا ہے۔ اگر آپ الگ ہو گئے تو پھر کام بند ہو جائے گا اور ہم بیکار ہو جائیں گے۔

صوفی صاحب ہی فرماتے ہیں کہ مولانا بشیر صاحب کی بات باڑی ملا صاحب کو بھی پہنچی۔ لیکن ملا صاحب نے فرمایا کہ ایک کام خوش اسلوبی سے چل رہا ہے تو اس میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ اور بڑے پرزور الفاظ میں مولانا فضل الٰہی صاحب کی حمایت کی اور فرمایا کہ سارے علاقہ نے متفقہ طور پر انھیں امیر تسلیم کیا ہوا ہے اس لیے میں اس میں کسی تبدیلی کا خواہشمند نہیں ہوں۔ چنانچہ نظم ونسق اسی طرح پر رہا۔ اس وجہ سے مجاہدین مولوی بشیر صاحب سے بھی کبیدہ خاطر ہوئے۔

کچھ دن یہ کشمکش رہی بالآخر ۲۷ رمضان ۱۳۴۰ھ (مارچ ۱۹۲۲ء) میں مولوی بشیر صاحب مجاہد بھائیوں کی موجودگی جو کہ اس وقت قریباً اسی آدمی تھے۔ قرآن مجید کو سات مرتبہ شفیع اور

Marfat.com

سفارتی بنا کر مولوی فضل الٰہی صاحب کی امارت پر راضی ہو گئے اور آئندہ جمعیت مجاہدین کے ساتھ پوری خیر خواہی کا اقرار کیا۔ چنانچہ جمعیت نے بدستور سابق ان کو منصب سفارت پر رہنے دیا۔ مولوی بشیر صاحب اکثر کابل ہی رہا کرتے تھے۔ بچوں کی تعلیم کا انتظام مولانا فضل الٰہی صاحب کے ذمہ ہی ہوتا تھا اور اخبار "المجاہد" وغیرہ کی ادارت کے انتظامات وغیرہ بھی انہی کے ذمہ ہوتے۔ چنانچہ باقاعدگی سے المجاہد شائع ہوتا رہا۔ ہندوستان اور افغانستان کے عوام میں یہ پرچہ بے حد مقبول تھا۔ بلکہ ہندوستان کے اخبارات اس سے مضمون نقل کر کے شائع کرتے تھے۔ اور اس اخبار پر انھوں نے تبصرے لکھے۔ چنانچہ چمرکند کے نام کو اس پرچہ نے بہت ملکوں تک پہنچا دیا۔

مرکز اسمست سے بائیکاٹ اسمست والوں کی طرف سے اکثر و متواتر کوتاہیوں کی وجہ سے نیز انگریز دوستی کی وجہ سے اور جہاد کے کاموں میں جمود کی وجہ سے جماعت اہلحدیث کے اکابرین نے ان کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے متعلق شرعی فتوے شائع ہوئے چنانچہ وہ فتوے اخبار اہلحدیث امرتسر اور اخبار محمدی دہلی میں بھی شائع ہوئے کہ اسمست کے مرکز سے سلسلہ منقطع کر لینا چاہیئے کیونکہ ان کے اصلاح پذیر ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ اس اصلاحی کام میں بہت مرتبہ مجاہدین چمرکند کی طرف سے بصورت وفد کتنے کتنے ہی آدمی گئے اور کئی مرتبہ گئے لیکن کوئی صورت اصلاح کی نہ نکل سکی۔ چنانچہ مولانا بشیر صاحب نے دوبارہ اسمست والوں سے اتحاد کی کوشش شروع کر دی۔ حالانکہ چمرکند والے بھی اور ہندوستانی بھائی بھی سب خلاف تھے۔ چنانچہ مولوی بشیر صاحب نے بغیر اطلاع کے اسمس والوں کو جلال آباد میں دعوت دی۔ اور ان کے ساتھ صلح کی بات چیت مکمل کر کے حکومت افغانستان کی طرف سے چمرکند میں احکام بھجوا دیئے کہ دونوں مرکزوں کا اتحاد نہایت ضروری ہے۔ اس لیے آپ صلح کر کے متحد ہو جائیں چنانچہ یکم مارچ ۱۹۲۶ء کو دونوں جماعتوں کا اتحاد ہو گیا۔

چونکہ مولانا فضل الٰہی صاحب اس اتحاد کے حق میں نہیں تھے اس لیے وہ احتجاجاً پیچھے ہٹ گئے اور تمام سامان جو مجاہدین کی امانت کا تھا وہ اسمست والوں کے سپرد کر دیا۔

جو سامان آپ نے مرکز اسمست والوں کے نمائندہ کو سپرد کیا وہ مندرجہ ذیل تھا لیکن آپ نے شرط کی کہ تعلیم پر میں ہی مقرر رہوں گا اور بچوں کی تعلیم پر ہمہ تن مصروف ہوگئے۔

۶۵۶ پونڈ طلائی نقد - بارہ ہزار افغانی روپیہ - ۲۳۰ رائفلیں جرمنی - تین مشین گنیں روسی کارتوسوں کے تین صندوق اور ایک لائبریری مالیتی چھ ہزار روپیہ کی - پانچ عدد مشینیں چھپائی کی اور بے انداز سامان چھپوائی کا - کاغذ چھپوائی کا قریباً پانچ سال المجاہد کے جاری ہوسکنے کا چھ عدد خچر اور گھوڑے - ہزارہا روپیہ کا غلہ - بے انداز سامان مشینری جو کارخانوں کے لیے منگوایا ہوا تھا - اور پورا ایک آباد مکانوں کا ڈیرا تھا جو سپرد کیا گیا - چنانچہ امیر رحمت اللہ صاحب نے وہ تمام سامان وغیرہ عارضی طور پر مولانا بشیر صاحب کے سپرد کر کے ان کو عہدۂ صدارت چمرکند دے دیا۔ (مستقل عہدہ امارت تھا جو اسمست میں تھا اور ماتحت عہدۂ صدارت تھا جو چمرکند میں تھا - لیکن مولانا فضل الٰہی صاحب چونکہ ماتحت نہ تھے اس لیے وہ مستقل عہدۂ امارت چمرکنڈ پر تھے) اور مولوی فضل اللہ صاحب جو کچھ پڑھے لکھے تھے ان کو اسمست کی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے افغانستان بھیج دیا - چونکہ مولوی فضل اللہ صاحب وہاں جا کر فوت ہوگئے اور کوئی دوسرا آدمی پڑھا لکھا تھا نہیں اس لیے وہ عہدۂ صدارت پھر مولوی بشیر صاحب کے پاس ہی رہا۔

مولانا عبدالقادر صاحب کرڈالی جو ۱۹۲۲ء میں گرفتار ہوئے تین سال قید اور تین سال نظربندی کے گذارنے کے بعد جب آزاد ہوئے تو فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب کی چٹھی ملی اس میں لکھا تھا کہ

جو آنکھیں مجھے دیکھنے کو ترستی تھیں آج میرے خون کی پیاسی ہیں اس لیے دل بہت اداس ہے اور مجھے آکر ملو - چنانچہ میں وہاں سے چل پڑا موسم گرمیوں کا تھا اور میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا لیکن محبت نے جوش مارا اور میں پیدل چل کر پشاور پہنچا - ایک جگہ میں رات کو سو رہا تھا اور اپنے کپڑے سرہانے رکھے تھے وہ بھی کسی نے اٹھا لیے - صرف ایک کالی کھدر کی پگڑی رہ گئی - پیسہ پہلے ہی پاس کوئی نہ تھا کپڑے بھی گئے - بالآخر میں نے پگڑی کو درمیان سے پھاڑ کر الفی سی بنا کر گلے میں ڈال لی اور چھوٹا سا تہ بند نیچے تھا اور بس - اور ایک قافلہ کے ساتھ جا ملا جو آزاد علاقہ کو جا رہا تھا - راستہ میں بہت جگہ پڑتال ہوتی رہی لوگوں کے سامان تک کی تلاشی ہوتی لیکن

Marfat.com

مجھے کوئی نہ پوچھتا کیونکہ پاس ہی کچھ نہ تھا۔ قافلے والے مجھے فقیر سمجھ کر کھانا بھی دے دیتے۔ اسی طرح ہی مولانا صاحب کے پاس چلا گیا۔ اس وقت حضرت صاحب کا رنگ غم سے سیاہ پڑ چکا تھا کیونکہ اس وقت وہ جماعت سے کٹ چکے تھے۔ میں وہاں تین دن رہا پھر وہاں سے واپس آیا۔ اور حضرت صاحب کے پیغامات جو جو انہوں نے دیئے تھے پہنچا ئے۔ یہ واقعہ قریباً ۱۹۲۸ء کا ہے۔ اس کے بعد میں حضرت صاحب کو پاکستان بننے سے پہلے نہ مل سکا پھر ملاقات اس وقت ہوئی جب حضرت صاحب قائداعظم کے ساتھ لنڈی کوتل کے اجلاس میں تشریف لائے اور تمام قبائل کے جرگے اور رؤسا جمع تھے (میرا خیال ہے کہ جہاد کشمیر کے سلسلے میں وہاں گئے تھے)

بہرحال آپ یکم مارچ ۱۹۲۶ء تک مستقل عہدۂ امارت چمرکند پر رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمام قبائل کو متحد کرنے میں لگے رہتے۔

۲۷ اگست ۱۹۲۶ء کو سنڈاکئی بابا صاحب کی دعوت پر بمقام خال ایک بہت بڑی مجلس مشاورت قائم ہوئی جس میں تمام خوانین ورؤسا کو بلایا گیا تاکہ سرحد آزاد کی آزادی کو برقرار رکھنے کے متعلق سوچ بچار کی جائے۔

چنانچہ اسی اجلاس میں ایک جمعیۃ احرار صوبہ سرحد کی بنیاد رکھی گئی جس کے معتمد خصوصی (سکرٹری) مولانا فضل الٰہی صاحب منتخب ہوئے۔ اس مجلس میں ریاست سوات کی تسخیر کا سوال پیدا ہوا کیونکہ ۲۶ اپریل ۱۹۲۶ء کو والئے سوات نے باقاعدہ طور پر ریاست کا الحاق حکومت برطانوی ہند سے کر لیا تھا۔ اس مجلس میں جو چیزیں طے ہوئیں وہ دوسری جگہ حضرت صاحب کے مکتوبات میں کو الف کے عنوان میں درج ہیں جو کہ ۲۹ اگست کو جمعیت احرار کے اجلاس میں طے ہوئیں۔

اس جمعیت الاحرار کا دوسرا اجلاس ستمبر ۱۹۲۶ء کو بلایا گیا اور جمعیت الاحرار آزاد سرحد کا حکومت افغانستان سے الحاق کیا گیا اور طے پایا کہ آئندہ اس کی رپورٹ باقاعدہ حکومت افغانستان کو دی جایا کرے گی چنانچہ مکتوبات دراصل اکثر رپورٹیں ہی ہیں جو افغان حکومت کو بھیجی گئیں۔

Marfat.com

صاحبزادہ مولانا محمد سلیمان صاحب بن مولانا فضل الٰہی صاحب کا بیان اس طرح ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ

جب والد صاحب ۱۹۱۸ء کی جنگ بندی پر آزاد ہوئے اس وقت میری عمر قریباً چھ سات سال کی تھی اور میں مسجد میں ابھی پہلا سیپارہ پڑھا کرتا تھا والد صاحب نے آتے ہی مجھے سکول میں داخل کر دیا اور خود بھی عربی تعلیم دیتے رہے۔ جب آپ ہجرت کر کے سرحد گئے اس وقت میں تیسری جماعت میں پڑھتا ہی تھا (اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قریبا اپریل ۱۹۲۰ء کو گھر سے نکلے ہوں گے)

ایک سال بعد جب میں چوتھی جماعت میں پہنچا تو اپنے تایا صاحب کی نوشکی سے تبدیلی ہو کر جالندھر میں ریلوے بلیٹیر لگ گئے۔ تو میں بھی جالندھر ہی چلا گیا اور دو سال بعد چھٹی جماعت میں گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو میں اور میرے دونوں چچازاد بھائی عبدالحق اور عبدالرحمن ہم تینوں والد صاحب کی ملاقات کو چمرکند گئے (اس وقت ہماری دادی صاحبہ کو فوت ہوئے ابھی قریباً تین ماہ ہوئے تھے) ہم کو ملاقات کے لیے حافظ محمد صدیق صاحب بمبانوالہ والے لے کر گئے تھے۔ ہمیں شبقدر کی بجائے میخنی کے راستہ (وارسک کے قریب) سے لے جایا گیا۔ پشاور سے ہمیں جو راہنما ملا اس کا نام ملا عبدالرحمن تھا۔ دریا کابل پار کر کے رات ہم میخنی میں رہے وہاں سے صبح چل کر گندھاب پہنچ گئے اور خان گندھاب کے ہم مہمان ہوئے۔ دو دن بعد بقر عید تھی ہم نے بقر عید وہاں ہی گذاری غالباً ہم وہاں چار دن رہے وہاں سے ہم نے اطلاع پہنچا دی تھی چنانچہ والد صاحب نے سواری بھیجی تھی اور دو دن میں ہم چمرکند پہنچ گئے تھے ہم ایک ہفتہ وہاں رہے اس کے بعد واپس آ گئے۔ اس وقت چمرکند میں والد صاحب ہی امیر المجاہدین تھے۔ دوبارہ میں قریباً ۱۹۲۵ء میں مستقل طور پر چمرکند چلا گیا اور تین سال تک وہاں رہا۔ اس وقت تک بھی والد صاحب ہی امیر المجاہدین تھے ۱۹۲۸ء میں تایا صاحب نے مجھے تعلیم کے لیے منگوا بھیجا چنانچہ میں آتے ہی دہلی بھائی عبدالحق کے پاس چلا گیا۔

اس بیان کے مطابق حضرت صاحب ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۲۸ء تک یقینی طور پر چمرکند کے امیر المجاہدین رہے ہو سکتا ہے کہ بوجہ مشہوری لوگ آپ کو امیر صاحب ہی کہتے رہے ہوں۔

Marfat.com

بسنہ ۱۹۲۹ء کا دور مولانا کی زندگی کا مشکل ترین دور تھا کیونکہ ایک طرف تو مولانا کے دست راست صوفی عبداللہ صاحب مدرسہ اوڈانوالہ کی تاسیس کی کوشش فرما رہے تھے۔ اس لیے سرحد میں جانا اتنا ہی کم ہو رہا تھا اگرچہ اس کی کافی تلافی غازی عبدالکریم صاحب سے ہوگئی۔ لیکن پھر بھی غازی صاحب ابھی نوعمر تھے۔ اور ابھی نئے نئے ہی حضرت صاحب سے بیعت ہوئے تھے۔ پھر بھی بہت بہترین کارکن ثابت ہوئے۔

اور دوسری طرف مولانا صاحب اور مولوی بشیر صاحب کا آپس میں کچھ تنازع سا پیدا ہوگیا حالانکہ دونوں مخلص تھے اور جماعتی پالیسی کا ہی تنازع تھا پھر بھی تنازعہ کچھ ایسی شکل اختیار کرگیا جو کہ نہ ہونی چاہئے تھی۔

مولانا محمد سلیمان صاحب نے فرمایا کہ میں وہاں ہی تھا جب بات ہوئی۔ والد صاحب کا خیال تھا کہ ہمیں ہند و افغانستان کا دست نگر نہیں رہنا چاہئے۔ ہم چندہ پر کتنی دیر گذر کر سکیں گے جبکہ انگریز نے ناکہ بندی کر کے بہت سے سفیروں کو گرفتار کر لیا تھا اور افغانستان میں بھی ان دنوں انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں امان اللہ خاں کو افغانستان چھوڑنا پڑا اور اس کی جگہ بچہ سقہ نے لے لی۔ دس ماہ کی مسلسل جنگ کے بعد نادر خاں نے سنہ ۱۹۲۹ء میں دوبارہ افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ اور آئندہ سلسلہ نادر شاہی شروع ہوگیا۔

ان حالات کے ماتحت مولانا فضل الٰہی صاحب کا خیال تھا کہ یہاں کوئی دستکاری شروع کی جائے اور ہم کو خود کفیل ہونا چاہئے۔ چنانچہ انگریزی طرز کی ہینڈ لوم (کھڈی) کی مشینیں بنوائیں۔ جلال پور جٹاں سے کئی آدمی منگوائے جو اس کام کو سمجھتے تھے تاکہ کاروبار شروع کرکے مجاہدین کو ہمیشہ کی تکلیف سے نجات دیدی جائے۔

لیکن مولانا محمد بشیر صاحب اس کام کے سخت مخالف تھے۔ مولانا فضل الٰہی صاحب چونکہ اختلاف بڑھانا نہیں چاہتے تھے اس لیے وہ مستعفی ہوگئے۔

مدرسہ اوڈانوالہ حضرت صوفی صاحب اکثر چمرکند میں ہی رہتے تھے۔ صرف سال میں ایک دو دفعہ آتے اور چندہ اکٹھا کرکے لے جاتے رہے۔ صوفی صاحب کا حلقہ سندھ سے لے کر صوبہ بہار تک تھا۔ البتہ بنگال میں یہ منفرد نہ تھے۔ پنجاب میں چندہ جن کی معرفت لے کر جاتے

ان کے نام پچھلے صفحات میں آچکے ہیں۔ سندھ میں امیر تاج دین صاحب امروٹ شریف والے
(مابین سکھر و شکارپور) تھے جن سے مجاہدین کے لیے چندہ لیتے جے پور اور جودھپور اور بہار
کے چندہ دہندگان کے نام بھی پچھلے صفحات میں کہیں درج ہو چکے ہیں۔

۲۹-۱۹۲۸ء کے قریب صوفی صاحب کی زندگی میں ایک بہت بڑی تبدیلی ہوئی جس کا جماعت
پر بھی کافی اثر پڑا اور وہ تھی مدرسہ اوڈانوالہ کی تاسیس جس کی وجہ سے پھر صوفی صاحب سرحد
پر نہ جا سکے۔ شاید ایک یا دو مرتبہ صرف گئے۔ اور کچھ چندہ دے کر چلے آئے لیکن زیادہ وقت
اپنے اس مدرسہ کی دیکھ بھال میں ہی رہے۔ ملتان، بہاولپور وغیرہ پر اپنا ایک خاص حلقہ بنایا
اور وہیں سے اکثر چندہ لاتے جس سے مدرسہ چلتا۔ اس مصروفیت نے صوفی صاحب کو
مہلت نہ دی۔ جس وجہ سے مولانا فضل الٰہی صاحب کی زندگی پر بھی کافی اثر پڑا۔ کیونکہ مولانا
صاحب کے سب سے بڑے کارکن صوفی صاحب ہی تھے۔

مدرسہ اوڈانوالہ کو شروع کرنے کی وجہ یہ تھی جس کو خود صوفی صاحب نے بایں الفاظ بیان
فرمایا کہ ایک دفعہ ہم آٹھ آدمی بطور سفارت ہندوستان دورہ پر جا رہے تھے۔ رات ہم نے
مختلف مسجدوں میں چلے گئے۔ ہم دو آدمی جس مسجد میں ٹھہرے وہاں کے مولوی صاحب ہم کو کہنے
لگے ہم بہت پریشان تھے کہ کیا کہیں۔ کیونکہ انگریز کی جاسوسی بڑے زوروں پر تھی۔ بالآخر
میں نے کہا کہ ہم درویش ہیں اور علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس نے کہا کہ یہاں کوئی مدرسہ
نہیں تم دیوبند کے مدرسہ میں چلے جاؤ۔ میں نے کہا کہ ہمارے پاس تو اتنے روپے نہیں
کہ ہم وہاں جا سکیں اس نے کہا کہ خرچ ہم دیتے ہیں۔ میں نے کہا ہم آٹھ آدمی ہیں اس
کہا خواہ بیس ہوں ہم خرچ دیں گے میں نے کہا تم اتنا خرچ کہاں سے دو گے اس نے کہا
ہم کو دیوبند کی طرف سے تنخواہ ملتی ہے ہم طلباء کو بھی بھیجتے ہیں اور ان کے اخراجات
کے لیے ہمیں باقاعدہ وظیفہ ملتا ہے۔ خیر ہم نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ان سے روپے
لے لیں چنانچہ انہوں نے ہم کو پچاس روپے دے دیئے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا
کہ یہ مال ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔ مدرسہ کی رقم ہم کیسے لے سکتے ہیں جبکہ ہم نے تحصیل
کے لیے جانا ہی نہیں۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ چونکہ میرا سفر ملتان صوبہ بہار تھا اس لیے میں

Marfat.com

جاتے ہوئے پچاس روپے دیوبند میں بھیج کرادول۔ چنانچہ میں دیوبند گیا تو اس وقت مولانا انور شاہ صاحب ترمذی شریف کا سبق پڑھا رہے تھے اور ایک حدیث جو مسلک اہلحدیث کے موافق تھی اس کی بڑی پرزور تردید فرما رہے تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا تو کہہ ہی دیا کہ حضرت صاحب آپ حدیث پڑھا رہے ہیں یا اس کی تردید کر رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا تو کون ہے میں نے کہا اہلحدیث ہوں۔ میرا یہ کہنا ہی تھا کہ طلباء مجھ کو زدوکوب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انور شاہ صاحب نے انھیں روکا اور مجھے کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ طلباء تمھیں ماریں گے۔ میں نے کہا کہ میں مجاہدین کا آدمی ہوں جہاں جاؤں گا تمھیں بدنام کر دونگا چنانچہ انور شاہ صاحب نے طلباء کو سختی سے روکا کہ انھیں کچھ نہ کہنا ورنہ تمھیں بدنام کر دے گا۔ چنانچہ مجھے ایک طالب علم کے سپرد کیا جس کے متعلق غالباً انور شاہ صاحب جانتے تھے کہ وہ بھی اصل میں اہلحدیث ہے۔ جب وہ طالب علم مجھے اسٹیشن پر چھوڑنے آیا تو اس نے بتایا کہ ہم تین سو اہلحدیث طلباء ہیں جو یہاں پڑھتے ہیں۔ چونکہ ہمارا کوئی اتنا بڑا مدرسہ نہیں ہے جس میں ہم جا سکیں۔ دہلی کا مدرسہ رحمانیہ اور امرتسر کا مدرسہ غزنویہ اتنے چھوٹے ہیں کہ اتنے زیادہ طلباء کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہم مجبوراً یہاں پڑھتے ہیں اور حنفی بن کر پڑھتے ہیں ورنہ ہم کو داخل ہی نہیں کرتے۔

چنانچہ صوفی صاحب جب وہاں سے سوار ہو کر صوبہ بہار میں گئے اور ان کی جماعت کو ترغیب دی کہ تم کوئی تعلیمی ادارہ بناؤ ورنہ حدیث کا نام و نشان اس سرزمین سے مٹ جائے گا۔ میرے ترغیب دلانے پر انھوں نے مدرسہ احمدیہ سرائے لہریہ دربھنگہ میں قائم کیا چونکہ وہ مدرسہ بھی صوبہ بہار کے لیے ہی مفید ہو سکتا تھا اور پنجاب کے طلباء کے لیے ابھی کوئی جگہ کافی نہ تھی۔ چنانچہ صوفی صاحب نے خود مدرسہ بنانے کا فیصلہ کر لیا اور حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب سے مشورہ کیا۔ چنانچہ مدرسہ کے لیے جگہ وہ منتخب کی جو وسائل رسل و رسائل سے کافی دور ہو اور کوئی اہم آبادی قریب نہ ہو۔ وہاں سے مجاہدین بھی بنا کر بھیجے جائیں اور چندہ بھی بھیجا جائے۔ اس طرح مدرسہ کے لیے حسین خاں والا المعروف اوڈانوالہ جو کہ ماموں کانجن ریلوے اسٹیشن سے قریباً چار یا پانچ میل کے فاصلہ پر تھا بنایا

گیا۔ الحمدللہ آج تک وہ مدرسہ چل رہا ہے اور سینکڑوں طلباء ہر سال تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ وہاں کے فیض یاب ہیں۔

لیکن جماعت مجاہدین کو اس سے ایک نقصان بھی پہنچا کہ صوفی صاحب مدرسہ میں مصروف ہو گئے۔ اور فراہمی چندہ میں کوتاہی کی وجہ سے جماعت کافی تنگدستی کا شکار ہو گئی۔ مولانا فضل الٰہی صاحب کے لیے یہ دن جتنے مشکل تھے اتنے ہی ان کو کام کرنے کے مواقع زیادہ میسر آتے گئے۔ چنانچہ تعلیم کا سلسلہ آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ البتہ آپ کے شاگردان رشید کئی جگہوں میں مدرس بن چکے اور سرحدی بستیوں میں کئی چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم کر چکے تھے۔

اس کے علاوہ مولوی صاحب قریبًا تمام سرحد میں دورے کرتے رہے اور آزاد سرحدی لوگوں کو انگریز کی مخالفت پر اکساتے رہے اور آزاد علاقوں میں کتنے ہی چھوٹے چھوٹے مرکز بناتے رہے اور بدستور سابق اس کی اطلاع حکومت افغانستان کو باقاعدہ دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت صاحب کے مکتوبات میں ان کی مجاہدانہ کوششیں کافی سامنے آئیں گی۔

مولانا بشیر صاحب کی شہادت — جب سے حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب پاغستان گئے۔ اس وقت سے ان کی پالیسی یہ ہی تھی کہ ہم چمرقند والوں کو اسمست سے الگ رہ کر کام کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اتنے سخت نہ تھے کیونکہ ابھی تک انھوں نے وہاں کے حالات دیکھے ہی نہ تھے۔ جب تمام حالات سے واقفیت ہوئی کہ وہ غریب الوطن مجاہدین جن کو صرف دین کی محبت نے جان، مال، اہل وعیال سب چیزوں سے بے نیاز کر دیا ہے ان کو قتل کروانے اور انگریز کے ہاتھوں قید کروانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا تو اتنے سخت ہو گئے کہ اسمست والوں سے مکمل بائیکاٹ کرنے کے حق میں تھے۔ لیکن مولانا بشیر صاحب اس حق میں تھے کہ ان کو بھی ہاتھ میں رکھنا چاہیئے خواہ دفع الوقتی کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ بالآخر یہی دفع الوقتی ان کی جان لیوا ثابت ہوئی۔

---

۱ مولانا فضل الٰہی صاحب اور مولانا بشیر صاحب کے اختلافات ہونے کے باوجود کوئی دیانتی رفت ۱۲۵

صوفی عبداللہ صاحب اور غازی عبدالکریم صاحب دونوں اس طرح روایت کرتے ہیں کہ شہادت سے ایک دو ماہ قبل حکومت افغانستان کی طرف سے چٹھی آئی کہ تم دونوں مولوی بشیر صاحب اور مولوی فضل الٰہی صاحب آپس میں صلح کر لو اور مل کر ایک دوسرے کے تعاون سے رہو کیونکہ تم دونوں کی ناچاقی کی وجہ سے انگریز تم دونوں کو قتل کرانے کی سازش کر رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری آویزش سے دشمن فائدہ اٹھائے (آخر میں جرگہ کی کارروائی میں اس کی نقل موجود ہے)

چند دن بعد پھر دوبارہ چٹھی آئی کہ اپنی حفاظت کرو ورنہ تم مارے جاؤ گے۔ چنانچہ مولانا بشیر صاحب نے شہادت سے ایک ماہ قبل چار سپاہی اپنی حفاظت کے لیے مقرر فرمائے جو دن رات ان کے ہمراہ رہتے تھے۔

مولانا بشیر صاحب کو اس بات کا قریباً یقین ہو چکا تھا کہ اب وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ہیں کیونکہ مولانا بشیر صاحب پر اس سے قبل بھی ایک مرتبہ قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا لیکن آپ اس سے بچ گئے تھے۔ اسی طرح مولانا فضل الٰہی پر کئی مرتبہ قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ لیکن اللہ تعالے نے انھیں بھی محفوظ رکھا۔ مولانا بشیر صاحب نے اسی لیے پسماندگان کے لیے وصیتیں بھی لکھ رکھی تھیں۔

مولانا بشیر صاحب افغانستان سے واپس آئے تو ایک شخص عبدالحلیم نامی چند دن سے مسجد میں رہ رہا تھا۔ آپ نے اسے پوچھا تو اس نے بتایا کہ کاروبار سے تنگ آکر در بدر پھر رہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) ایسے نہ تھے کہ دشمنی کی حد تک ہوں۔ بلکہ بعض اوقات ایسے اختلافات ہو ہی جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا کچھ بیان مولانا غلام رسول مہر نے سرگذشت مجاہدین ص۶۵۲ اور ص۵۹ کے حاشیہ پر کیا ہے۔ لیکن یہ اختلافات بالکل اسی نوع کے تھے جیسا کہ اس سے قبل بھی پالیسی کی تبدیلی کی وجہ سے مولانا عنایت علی اور مولانا ولایت علی صاحبان مرحومین میں بھی ہوا تھا۔ جو کہ اسی کتاب کے ص۲۷ میں درج ہے۔ اس لیے اختلاف تو اتنا اہم نہ تھا جتنا اس کا انجام ہولناک ہوا۔ جس سے انگریز فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اگرچہ پوری طرح وہ فائدہ نہ اٹھا سکا۔ کیونکہ اللہ تعالے نے مولانا فضل الٰہی صاحب کو محفوظ رکھا۔ وللہ الحمد ۱۲

Marfat.com

ہوں۔ آپ نے اس سے ہمدردی کی تھی کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے پلاتے رہے لیکن وہ ایسا سپولیا تھا جس پر ان ہمدردیوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بھائی لوگوں (مجاہدین) نے کہا کہ حضرت یہ آدمی مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مولوی بشیر صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس سے قرآن پہ ہاتھ رکھوا کر اس سے جماعت کی خیر خواہی کی قسم لے لی ہے۔ فکر مت کرو۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ مقامی خواتین سے بھی کچھ چپقلش تھی۔ بہرحال ہو سکتی ہے جہاں کوئی رہتا ہو وہاں کوئی نہ کوئی بات تو ہو ہی سکتی ہے۔ یہ کوئی اہم وجہ نہیں ہے۔

چمرکنڈ سے جتنے مخلص کارکن پنجابی اور بنگالی مہاجر تھے وہ قریباً ایک ماہ قبل تک تمام اسمست بلا لیے گئے تھے اور وہاں مقامی اور تنولی وغیرہ بھیج دیئے گئے تھے۔

مولوی عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی بشیر صاحب کے کمرہ کی جنوبی طرف جو کمرہ تھا اور ان کے درمیان صرف صحن کا تھوڑا سا حصہ تھا اس کمرے میں دو تنولی لڑکے ایک کو پہ دشا کہتے تھے رہتے تھے جو کہ صاحبزادہ برکت اللہ صاحب کے گھر کے پروردہ تھے

اسی طرح مودی خانہ میں دو تنولی تھے ایک کا نام فیض علی لالہ اور دوسرا سکندر مقرر تھے۔ ان کو تیتر رکھنے کا بہت شوق تھا اور انہی سے عموماً کھیل میں مشغول رہتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت صاحب جب شہید ہوئے تو تمھیں کچھ پتہ نہ چلا۔ حالانکہ تمہارا کمرہ بالکل متصل تھا اور وہ دونوں مودی خانہ کے جمعدار تھے اور مولوی بشیر صاحب کے کمرے سے ایک سوراخ بھی رکھا تھا تاکہ اندر سے آواز دی جا سکے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں کوئی پتہ نہیں چلا۔ البتہ کچھ شور سا ہوا تھا لیکن چونکہ ان کو لونڈے بازی کی عادت تھی ہم سمجھے کہ کسی لڑکے سے ہاتھا پائی ہو رہی ہوگی۔ (نعوذ باللہ من ذلک) دراصل یہ دونوں تنولی بھی برکت اللہ صاحب جو امیر نعمت اللہ کے لڑکے تھے مقرر کیے تھے اور صرف دو تین ماہ قبل ہی مقرر کیے تھے۔ ان کو حضرت مولانا بشیر صاحب سے نہ ہمدردی تھی نہ جماعت کے خیر خواہ تھے۔ بلکہ جس طرح اسمست کا ڈیرہ انگریزوں سے مل گیا ہوا تھا اسی طرح اسمست کی طرف سے انگریز کی خیر خواہی میں سازشیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ مولوی عبدالعزیز کاتب جو مولانا بشیر صاحب کی شہادت کے صرف تین ماہ بعد وہاں گیا جس کے ذمہ مولانا محمد علی صاحب لکھنوی نے خاص طور پر واقعہ

شہادت کی تحقیق کرنا بھی فرمائی۔ اس کے واقعہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمست والے مکمل طور پر انگریز سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔

مولوی عبدالعزیز کہتے ہیں کہ ۱۹۳۴ء میں بہبرسن دیکل جو صاحب کی ایک انگلش فرم تھی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویریں بھی شائع کیں اور بہت توہین آمیز مضمون بھی شائع کیا جس نے جلتی پہ تیل کا کام کیا کیونکہ انگریز کے خلاف تو جذبہ پہلے ہی تھا میں نے مولوی محمد علی صاحب لکھوی کو رسالہ دکھایا جس میں مضمون تھا اور اس کا بدلہ لینے کی کوئی تجویز پوچھی انھوں نے فرمایا کہ مجاہدین میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے ہم کو شیر محمد گوندلانوالہ والے کے سپرد کر دیا اس قافلہ میں مندرجہ ذیل افراد تھے۔ جو میرے ہم سفر تھے۔ عمر فاروق بن حضرت مولانا داؤد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دو لڑکے پوچھی بھی تھے۔ چنانچہ ہم سب سیدھے اسمست چلے گئے۔ ہم مولوی بشیر صاحب کے شہید ہونے کے تین ماہ بعد وہاں پہنچے۔ کیونکہ مولانا بشیر صاحب یکم رمضان کو شہید ہوئے اور ہم بقرعید کے دن اسمست پہنچے۔ راستہ میں پٹھانوں نے ہمیں پتھر مارے کیونکہ وہ عید کے دن سفر کرنا اچھا نہیں سمجھتے اور ان کو پتھر مارتے ہیں۔

اسمست پہنچ کر معلوم ہوا کہ امیر رحمت اللہ خصوصاً ان کے داماد صاحبزادہ برکت اللہ[1] بن نعمت اللہ امیر صاحب مجاہدین جہاد کرنے کے جہاد سے روکتے ہیں۔ بالآخر ہم چار آدمی شیر محمد۔ محمد دین لکھو کے والے۔ عمر فاروق اور میں ہم چاروں بھاگ کر سیدھے مولوی فضل الٰہی صاحب کے ہاں پہنچے اس وقت مولوی فضل الٰہی صاحب کا مکمل بائیکاٹ ہو چکا تھا اور آپ چمرکند بالا کی بجائے پائیں چمرکند میں رہائش پذیر ہو چکے تھے (حالانکہ قبل از شہادت سے پہلے بائیکاٹ نہ تھا۔ بلکہ چمرکند میں ہی رہتے اور اگلی صفوں کی بجائے پیچھے رہ کر کام کرتے اور باقاعدہ جنگی مہموں میں بھی تشریف لے جاتے) جب ہم چمرکند میں پہنچے اس وقت چمرکند کے امیر میاں سعادت بنگلہ والے تھے۔

---

[1] امیر رحمت اللہ کی صرف ایک لڑکی ہی تھی جس کا نکاح برکت اللہ سے ہوا اور امیر نعمت اللہ کے تین لڑکے تھے برکت اللہ۔ صبغۃ اللہ۔ آیتہ اللہ ۱۲

Marfat.com

ہم بہ مشکل ہفتہ عشرہ اسمست میں اور کوئی اتنے ہی دن چمرکند میں رہے اس کے بعد ہم لوئی آگرہ کے محاذ پر جہاد کے لیے چلے گئے۔ تین چار دن محاذ پہ رہے ہوں گے کہ محرم کا چاند ہو گیا تو انگریزوں سے بعض خوانین نے کچھ لیکر جنگ بند کرادی اور کہا کہ محرم آگیا ہے اس لیے جنگ بند کردو۔

اس وقت محاذ پہ مولوی کاغانی صاحب امیر لشکر تھے۔ لوئی آگرہ انگریزوں کے قبضہ میں ایک بستی تھی۔ دوسری طرف ارنگ برنگ آزاد افغانوں کی بستی تھی۔ درمیان میں صرف دریائے دیر تھا۔ پچیس آدمی جمنیڑ خاں کے اور دس آدمی مجاہدین کے تھے۔

انہیں دنوں ایک رات ہماری ڈیوٹی ایسی جگہ لگائی گئی جہاں سے ہم نے انگریزی فوج پہ شبخون مارنا تھا۔ ہمارے پاس دستی بم تھے۔ ہمارا رہبر بھی انگریزی جاسوس نکلا کیونکہ جب ہم منزل مقصود پہ جا کر بیٹھ گئے تو رہبر کہیں چلا گیا اس کے جانے کے بعد ہم پہ بمباری ہونا شروع ہو گئی۔ چنانچہ ہم چھپتے چھپتے پیچھے ہٹ گئے۔ مجاہدین میں سے تین آدمی شہید ہوئے تھے۔ صبح ہم پھر مورچوں میں چلے گئے اور دن کو ہوائی جہاز سے ہم پہ بمباری ہوتی رہی۔ پٹھان تو سب جا چکے تھے۔ صرف مجاہدین کے آدمی وہاں تھے۔ ان کو بھی مولانا کاغانی نے واپس جانے کے لیے کہہ دیا۔ لیکن میں نے سخت مخالفت کی۔ میں نے کہا کہ وہ سامنے ٹرک سٹرک بنائی جا چکی ہے۔ اگر تم یہاں سے چلے گئے تو انگریز آکر تمام علاقہ لے لیں گے چنانچہ طے پایا کہ میں اور ملا کاغانی صاحب اور سمندر لالہ تنولی چمرکند جاتے ہیں وہاں سے جا کر کچھ مجاہدین کو لے آتے ہیں۔ جب وہ مورچہ سنبھال لیں تب تم چلے جانا۔

میں دو چار دن وہاں رہا پندرہ آدمی تیار کر کے ساتھ لایا ایک رات ہم راستہ میں تو اگئی رہے دوسرے دن قریباً دس بجے کے قریب ہمیں ہمارے مورچے کے باقی مجاہد راستہ میں آتے ہوئے مل گئے۔ معلوم کرنے پہ شبیر محمد صاحب نے بتایا جنکو میں مورچہ پہ چھوڑ گیا تھا کہ پرسوں ہم دن کو مورچہ میں بیٹھے تھے کہ قریباً چالیس پچاس آدمی ہمارے نیچے ندی میں سے گذرے ہم سمجھے کہ ابھی کچھ پٹھان ہوں گے جو جا رہے تھے اور اب واپس آتے ہیں۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد پھر کچھ آدمی آئے لیکن ان کی ایک رفتار اور قدم رکھنے اٹھانے سے فوجی معلوم ہو رہے تھے۔

Marfat.com

قریب ہوئے تو ان میں ایک ٹوپ والا بھی تھا۔ ہم نے مشورہ کے بعد فائرنگ شروع کردی فائرنگ کا حکم دینے والا میں (شیر محمد) تھا۔ پھر وہ انگریز بھی مارا گیا اور بھی بہت مارے گئے اور کافی زخمی ہوئے۔ ہماری گیارہ گولی کی رائفلیں تھیں جب ہم گولیاں بھرنے لگے اور ہماری گولی چلنے کی آواز بند ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے اوپر سے ہم پر گن مشین سے فائرنگ ہو رہی ہے اور چونکہ ہم اوٹ میں تھے اس لیے وہ گولیاں ہم پر برسنے کی بجائے اپنی فوج پر ہی برس رہی تھیں۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ جو پہلے گذرے تھے وہ پٹھان نہیں بلکہ خاصہ دار تھے۔ چنانچہ جب ہم نے دیکھا کہ ہم پوری طرح گھر چکے ہیں تب ہم نے آہستہ آہستہ نکلنے کی کوشش کی۔

تیسرے دن اخبار انقلاب جب ہم کو پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ انگریز لارڈ نسبٹ تھا اور وہ وہ تھا کہ جس نے ۱۹۱۴ء کی جرمنی کی جنگ جیتی تھی۔ انگریزوں کو اس کا بہت غم تھا۔ پرچم سرنگوں رہے اور بہت ماتم منایا گیا۔

ہم نے بھی اخبار دیکھ کر بہت خوشی کی اور میاں معاذ صاحب نے ہمیں ایک دنبہ ذبح کرکے اس خوشی میں ہم کو پلاؤ کھلایا۔

انگریزوں نے اسمست والوں کی معرفت مجھے گرفتار کرنا چاہا کیونکہ اسمست والے اسی ہزار روپیہ سالانہ لے کر مجاہدین کی مجاہدانہ کاروائیوں کو روکتے۔

چنانچہ صدر معاذ صاحب کو امیر صاحب نے پیغام بھیجا کہ مولوی الیاس (عبدالعزیز) کو اسمست بھیج دو۔ کیونکہ یہ فضل الٰہی کا آدمی ہے (فضل الٰہی کا آدمی ہونا سخت جرم تھا۔ کیونکہ مولوی فضل الٰہی اسمست والوں سے عدم تعاون کے قائل تھے اور آزادرہ کر اپنا کام کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مولوی بشیر صاحب نے ۱۹۲۶ء میں ان سے تعاون کر لیا تھا اور یہ ہی بالآخر ان کی نزاع کی وجہ تھی) کبھی لکھا یہ انگریزوں کا جاسوس ہے۔ چنانچہ میں واپس اسمست بلایا گیا۔ لیکن میرے تین ساتھیوں نے عمر فاروق۔ محمد دین اور شیر محمد نے انکار کر دیا کہ ہمیں بے شک جماعت سے نکال دو لیکن ہم اسمست نہیں جائیں گے۔ پہلے ہم چاروں کے لیے میاں معاذ صاحب نے عذر کر دیا۔ لیکن امیر رحمت اللہ نے اسمست سے میاں معاذ صاحب

Marfat.com

کو صدارت سے معزول کر کے ان کی جگہ ماسٹر عبد المجید کو چمرکند کا صدر مقرر کر بھیجا (امیر اسمست کے ڈیرہ میں ہوتا اور چمرکند کے ڈیرہ کے قائد کو صدر کہا جاتا تھا) اس کے حکم سے میں اسمست آیا لیکن میرے دوسرے تین ساتھیوں نے انکار کر دیا۔

جب میں اسمست گیا تو مجھے حکم ملا کہ ملا عبد الجبار صاحب کے پاس جاؤ کیونکہ وہ کوئی مجاہدین کی تاریخ لکھوانا چاہتے ہیں۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ دراصل مجھے عبد الجبار صاحب کی معرفت انگریزوں کے حوالہ کرنا چاہتے تھے اور مجھے لال سید خاں کے ہمراہ بھیجا۔ میں نے عبد الجبار صاحب کے کہنے پر صاف صاف بات کہہ دی کہ اخبار پیرس کی بدزبانی سے متاثر ہو کر میں ادھر آ گیا ہوں۔ چنانچہ وہ بھی بہت متاثر ہوئے اور بجائے مجھے انگریزوں کے حوالے کرنے کے لال کو رقعہ دے کر واپس بھیج دیا اور سفر خرچ کے لیے مجھے دس روپے بھی دیئے اور پراٹھے اور حلوا زادراہ کے لیے دیا۔ راستہ میں میں اور لال سید خاں نے بیٹھ کر کھانا کھایا اور میں نے ان روپوں میں سے پانچ روپے بھی اسے دے دیئے۔ لال سید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا کہ تم جو لوگ یہاں آتے ہو خالص ایمان اور دینی جذبہ سے آتے ہو۔ ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار ہوتے ہو لیکن یہاں تو یہ سب اسمست والے بھیڑیئے ہیں انھوں نے مجھے بھی اسی لیے رکھا ہے کہ میں آدمیوں کو قتل کیا کروں بڑے بڑے مخلص آدمیوں کو میں نے ذبح کر ڈالا ہے۔ سید اکبر شاہ سخانہ والے کو ہم نے نماز کی حالت میں ذبح کیا تھا۔ اس نے کہا کہ تم کو بھی یہ مروا دیں گے اس لیے تم واپس چلے جاؤ بلکہ اس نے کہا کہ کوئی آدمی واپس جانے والا ہوگا تو میں تمہیں واپس بھجوا دوں گا۔

بالآخر ایک آدمی ہزارہ آ رہا تھا اس کے ساتھ مجھے بھیج دیا گیا۔ میں ہری پور سے گاڑی بیٹھ کر سیدھا لاہور آ گیا۔ جب میں واپس آنے لگا تو امیر رحمت اللہ نے کہا کہ اپنا نام و پتہ درست بتا جاؤ۔ کیونکہ ہم ایک آدمی کو کتابت سکھانا چاہتے ہیں میں اسے بھیج دوں گا اور کچھ سامان بھی منگوانا ہے اسے لے دینا۔ میں نے ہمارا پتہ صحیح بتا دیا صرف عبد العزیز کی جگہ عبد المجید کاتب کشمیری بازار لاہور لکھ دیا۔ میرے آنے کے تین ماہ بعد مجھے چینیا نوالی کے پاس ایک دن منشی نور الٰہی ناظر صاحب نے کہا کہ تمھارے پیچھے سی۔ آئی۔ ڈی لگی ہے

ہے۔ کیا بات ہے۔ خیر دوسرے دن واقعی دو آدمی میرے پاس آئے انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ عبدالمجید صاحب کاتب یہاں کوئی ہیں میں نے سوچی سمجھی ہوئی گفتگو کے مطابق انھیں کہا کہ ہاں تھے وہ میرے پاس کتابت کرتے ہیں لیکن عرصہ دو ماہ سے چلے گئے ہیں انھوں نے پوچھا کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں میں نے کہا ضلع گورداسپور کے۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔

اس کے قریباً ایک ماہ بعد میرے پاس ماسٹر عبدالمجید صاحب جو صدر ہو کر چمرکند گئے تھے آگئے میں نے ان کی بڑی خدمت کی ایک رات رہ کر ملتان میں مولوی عبدالتواب صاحب کے پاس گئے آتی دفعہ پھر ایک رات میرے پاس رہے میں نے خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بلکہ ان کو چندہ بھی دیا دلایا (وہ بھی دراصل جاسوس ہی تھا جو کہ پہچان کرنے آیا تھا کہ موجودہ عبدالعزیز ہی عبدالمجید ہے یا وہ کوئی اور ہے سو اس نے جاکر تصدیق کردی تو اس کے جانے کے پندرہ دن بعد دو سپاہی اور ایک حوالدار مجھے کوتوالی لے جانے کے لیے آگئے۔ انھوں نے پوچھا عبدالعزیز کاتب آپ ہی ہیں میں نے کہا ہاں۔ لیکن میں نے جانے سے انکار کردیا۔ کہ بغیر وارنٹ کے نہیں جاؤں گا۔ خیر حوالدار نے دونوں سپاہیوں کو مسجد کے دونوں دروازوں پر بٹھا دیا اور خود کوتوالی گیا۔ میں مولانا داؤد صاحب کی ٹٹی کے راستہ سے نکل کر سیدھا امرتسر گیا اور وہاں ایک مستری چراغدین صاحب تھے جو مجاہدین سے تعلق رکھتے تھے ان سے مل کر کہا کہ چلو چمرکند سیدھے بھاگ جائیں (کیونکہ ہم نے پہلے سے مشورہ کر رکھا تھا) اس نے کہا کہ عنقریب ہی میری بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے اس لیے تم چلے جاؤ اور وہاں سے ایک صد روپیہ بھی بھجوا دینا۔ خیر الوداع کے بعد میں امرتسر اسٹیشن پر آیا اور ارادہ تھا کہ اب سیدھا پشاور چلا جاؤں گا۔ جب میں اسٹیشن پر آیا تو سفید کپڑوں والے سی آئی ڈی میرے گرداگرد چکر لگانے لگے اور کافی تعداد میں تھے۔ چنانچہ جب گاڑی آئی میں اس میں بیٹھ گیا تو وہ سارے اس کے ساتھ ہی اسی ڈبہ میں آگئے۔ پھر ایک خاکی کپڑوں والا ان کا انسپکٹر بھی آگیا اور میرے ساتھ بیگ اور اخبار رکھ کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا میں اس کا اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا تو دوسرا جو میرے سامنے بیٹھا تھا اس نے کہا چھوڑو اور رکھیے پیچھے ایک معزز آدمی

ڈبہ میں اس کی اس گستاخی پر برہم ہوا اتنے میں وہ انسپکٹر (غالباً اس کا نام حق نواز تھا) بھی آگیا اس نے کہا کیا بات ہے، سننے کے بعد اس نے کہا کوئی بات نہیں اخبار دیکھئے۔ اتنے میں گاڑی بھی چل پڑی۔ انسپکٹر نے مجھ سے اخبار لیتے ہوئے کہا کہ چھوڑیے اخبار کوئی اور بات کریں چنانچہ اس نے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ تم کتنا عرصہ مجاہدین میں رہے ہو اور کیا کیا کیا؟ فلاں فلاں کو تم جانتے ہو؟ میں ہر بات کا جواب نفی میں دیتا گیا۔ اس نے کہا کہ بات ہوش کی کرو تم پر تو اس انگریز افسر کے مروانے کا الزام ہے۔ بات صحیح صحیح کرو تم بھی مسلمان ہو میں بھی مسلمان ہوں اور میرا یہ ساتھی بھی مسلمان ہے۔ باقی سب عملہ ہم اسٹیشن پہ اتار آئے ہیں ہم نے لاہور میں جاکر تم کو دوسرے بھیڑیوں کے حوالے کر دینا ہے اس لیے بات کھری کھری کہو تاکہ اگر ہم تمہارا کچھ بچاؤ کر سکیں تو کر دیں۔

میں نے تمام واقعہ کہہ دیا۔ اس نے کہا اب انکار مت کرنا کیونکہ تمہاری ہر طرح سے تصدیق ہو چکی ہے۔ البتہ تم یہ کہنا کہ میں۔ ماسہرے بیچتا ہوں وہاں بھی اسی سلسلہ میں گیا تھا اور چمرکند تک چلا گیا۔

خیر بالآخر وہ مجھے لاہور کوتوالی میں لے گئے اس نے جاکر مجھے خوب سختی سے ڈانٹنا شروع کیا کبھی کچھ کہتا اور کبھی کچھ۔ لیکن میں نے صرف یہ مانا کہ میں کتابیں بیچنے گیا تھا۔ ایک دو دن حوالات میں رہا۔ اس کے بعد مجھے خان عبد الصمد خان صاحب اے۔ ڈی۔ ایم کی عدالت میں چھ دن کے ریمانڈ کے لیے بھیجا گیا۔ اس نے کاغذات دیکھ کر کہا کہ میں ہزار روپیہ کی ضمانت پر اسے رہا کرتا ہوں۔ میرے ساتھ جو سی۔ آئی۔ ڈی کا سکھ آدمی تھا اس نے کہا جناب یہ پولیٹیکل کیس ہے اور چھ ہزار سے کم ضمانت نہیں ہو سکتی۔ صرف چھ دن کا ریمانڈ لینے آئے ہیں۔ اس نے غصہ سے کہا پھر یہاں کیوں لائے ہو خود ہی فیصلہ کر لیا کرو۔ بہرحال اس نے دستخط کر دیئے۔ پھر مجھ سے پوچھ گچھ ہوتی رہی۔ چھ دن کے بعد مجھے پھر اسی عدالت میں لایا گیا۔ اے۔ ڈی۔ ایم خان عبد الصمد صاحب نے (یہ سابق افغان حکمرانوں کے خاندان سے تھا) سب کو کمرۂ عدالت سے باہر نکال دیا۔ صرف میں اکیلا رہ گیا۔ مجھ کو اپنے ساتھ کرسی پہ بٹھایا اور کہا کہ تمہارا کیس بہت بڑا تھا۔ پھانسی یا کالے پانی سے کم کی سزا نہیں ہونی تھی۔

Marfat.com

کیونکہ تم پر انگریز افسر کے مروانے کا الزام ہے۔ بتاؤ اصل بات کیا ہے؟ میں نے ساری بات اس کو کہہ سنائی۔ اس نے کہا مرزا حق نواز صاحب بھی اپنے ہی برخوردار ہیں۔ بہرحال ہم اب صرف اتنی سزا دیں گے کہ دو سال نظربندی ہوگی۔ جب کہیں جانا ہو تو کوتوالی میں اطلاع دے جانا۔ پھر اس نے سٹینو کو آواز دی اور فیصلہ لکھوایا۔ سکھ سی۔ آئی۔ ڈی کہنے لگا جناب یہ کیس ایسا ایسا ہے۔ انھوں نے ڈانٹ کر کہا چپ رہو۔ ٹھیک ہے جو فیصلہ ہم نے کیا ہے درست ہے۔

بالآخر دو سال کی نظربندی کے بعد میں آزاد ہوگیا۔ لیکن کارِ خاص کے آدمی پھر بھی میرے ساتھ لگے رہے۔ جو آدمی میرے پاس کام کرنے آتا اس سے پوچھ گچھ کرتے رہتے۔ ایک ایک دو دو دن ان کو کوتوالی میں لے جا کر بٹھا رکھتے۔ میرا کاروبار بالکل تباہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ مولوی عبدالمجید صاحب ہزاروی آرہے تھے میں گوجرانوالہ سے سوار ہوا تو وہ بھی اسی کمرہ میں آرہے تھے۔ ان کے ساتھ بیوی بچے تھے اور سامان بھی تھا۔ انھوں نے کہا کہ لاہور سے مجھے امرتسر جانے والی گاڑی پہ بٹھا دینا۔ میں ان کے سامان اور بچوں کے پاس کھڑا رہا اور وہ ٹکٹ لینے گئے۔ . . . . ان سے پوچھ گچھ شروع ہوگئی۔ ایک گھنٹہ بعد آئے۔ میں نے کہا حضرت کیا ہوا؟ گاڑی بھی چلی گئی انھوں نے کہا بھائی سب تمہاری ہی مہربانیاں ہیں۔

بالآخر میں کاروبار سے تنگ آکر دہلی چلا گیا وہاں کاروبار شروع کردیا۔ گوجرانوالہ کا کارِ خاص کا آدمی قاضی صاحب مجھ پہ مقرر ہوا۔ قاضی صاحب نے مجھ سے کہا کہ میری یہ ڈیوٹی ہے اس لیے اگر آپ مجھ پہ یہ مہربانی کریں اور مجھے یہ چیزیں بتا دیا کریں کہ جب کبھی تھیں جانا ہو تو جگہ اور ٹکٹ وغیرہ کا نمبر بتا دیا کرو میری بھی ترقی ہو جائے گی اور آپ کی نگرانی بھی امید ہے کہ ہٹ جائے گی۔ چنانچہ وہ بھی مجھے مفت کا نوکر ملا ہوا تھا اور میں بھی اس کی چائے پانی کا پورا خیال رکھتا۔ بالآخر اس بیچارے نے کوشش کر کے چھ ماہ بعد نگرانی اٹھوا دی۔ کیونکہ میں نے مولانا محمد جوناگڈھی کی بیوہ سالی سے نکاح کرلیا تھا اس نے لکھا کہ اب وہ پوری طرح دنیاوی کاروبار میں پھنس گیا ہے۔

Marfat.com

نقشہ چمرکند مرکز مجاہدین ہند

(یہ نقشہ مولوی عبدالعزیز صاحب کے بتائے ہوئے نقشہ کے مطابق ہے۔ میں نے خود جاکر نہیں دیکھا۔ (خالد)

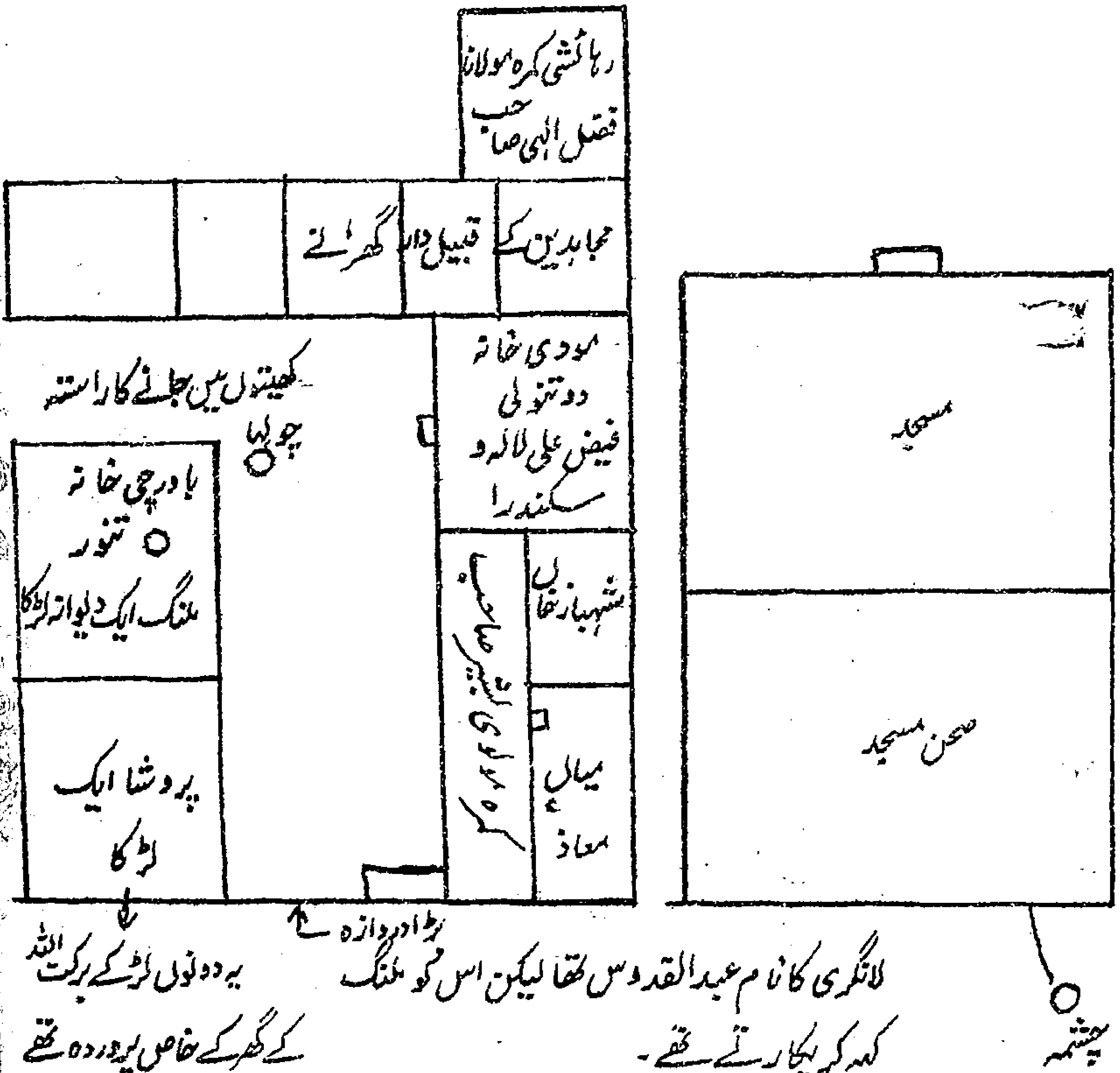

یہ دونوں لڑکے برکت اللہ کے گھر کے خاص پروردہ تھے

لانگری کا نام عبدالقدوس تھا لیکن اس کو ملنگ کہہ کر پکارتے تھے۔

یہ سارا واقعہ بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انگریز نے سی۔آئی۔ڈی کا ایک پورا جال بچھا رکھا تھا اور اسمست والے سوا پندہ کھانے کے اور کچھ کام نہ کرتے تھے۔ بلکہ الٹا انگریز کو مخبری کرتے تھے اور کئی مرتبہ انگریز کے کہنے پر مرکز چمرکند کو توڑنے کی کوشش کی۔ لیکن چند مخلص لوگوں کی وجہ سے نہ توڑ نہ سکے۔ ان میں سے حضرت مولانا فضل الٰہی اور مولانا محمد بشیر صاحب بھی تھے۔

چنانچہ ۱۹۳۴ء میں رمضان المبارک آیا تو اس سے تین دن پہلے مولانا فضل الٰہی صاحب

قرآن سنانے کے لیے (کیونکہ مولانا صاحب حافظ قرآن تھے) گلی صاحب المعروف ملا صاحب باباڑہ کے صاحبزادوں کے کہنے پر علاقہ چار منگ موضع سید اشاہ میں تشریف لے گئے۔

غازی عبد الکریم کہتے ہیں کہ مجھے دوسرے دن ہی واپس چمرکند آنا پڑا کیونکہ دو آدمی بجارا سے معصوم بیگ کے بھیجے ہوئے آئے تھے جن کو میں پشاور پہنچانے کے لیے جا رہا تھا۔ اس کے تیسرے دن بعد رمضان المبارک کی یکم کو واقعۂ شہادت پیش آیا اور ہوا بھی اس وقت جبکہ اکثر لوگ جاگ رہے تھے۔ دو آدمی ملنگ خاں اور اس کے ساتھ ایک مجذوب سا لڑکا سحری کے لیے کھانا پکا رہے تھے۔ کیونکہ رمضان میں وہاں یہ دستور تھا کہ عشاء کے فوراً بعد ہی ایک بکری ذبح کی جاتی اس کا گوشت بنا کر پکایا جاتا اور روٹیاں تیار کرنے کے لیے تنور وغیرہ بھی گرم کیا جاتا۔ اس وقت چمرکند میں تیس مجاہد تھے اس لیے لانگری اور سودی خانہ کے جمعدار نیفی علی لالہ اور سکندر رایہ سب آدمی کھانا تیار کرنے کے لیے اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

صوفی عبد اللہ صاحب نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے کہ مولوی بشیر صاحب کے قتل میں اسمست والوں کا پورا پورا ہاتھ تھا اور ان کے اشارہ سے ہی ہوا۔

مولوی عبد العزیز صاحب سے جو واقعہ مجھے معلوم ہوا وہ فرماتے ہیں کہ مولوی بشیر صاحب کو انگریز نے شہید کروایا تھا اور شہزادہ برکت اللہ کی معرفت کروایا تھا۔ کیونکہ شہادت سے ایک ماہ قبل برکت اللہ چمرکند میں گیا اور کافی تبدیلی کر آیا تھا تمام پنجابی و بنگالی پرانے مخلص کارکن اسمست لے آیا تھا اور اپنے خاص آدمی تنولی وغیرہ چمرکند میں مقرر کر دیئے۔

عبد الحلیم جو اب پہرہ دار لگ چکا تھا وہ بھی انگریزی پڑھا لکھا تھا اس نے مولانا صاحب کے کتے کو اتنا سدھا لیا تھا کہ اسے کچھ نہ کہتا۔ بلکہ کتے کو باندھنا کھولنا بھی اس نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ عبد القدوس عرف ملنگ جو لانگری تھا وہ بھی انگریز کا آدمی تھا۔ اگرچہ مولانا بشیر صاحب کا اس پر بہت اعتماد تھا۔ کیونکہ جب مجھ کو مولوی فضل الٰہی کا آدمی اور جاسوس کہہ کر چمرکند سے اسمست منگوایا گیا تھا تو میرے ساتھ وہ ملنگ لانگری بھی گیا۔ چونکہ وہ بھی انگریزی جاسوس تھا اور مجھ پر بھی جاسوسی کا الزام لگایا گیا تھا اس لیے ملنگ نے مجھے کہا کہ مجھے تو تنخواہ

مل گئی ہے تجھے ابھی نہیں ملی ؟ اور اپنے بازو پہ جو بازو بند باندھ رکھا تھا اس پہ ہاتھ مار کر کہا کیونکہ بازو پہ واسکٹ کی طرح کا بازو بند باندھ رکھا تھا جس میں نوٹ تھے۔

مولانا بشیر صاحب کو قتل کرنے کے لیے چار آدمی عبد الحلیم کی مدد کو آئے ایک جمینی خان مفرور ڈاکو تھا وہ قتل کر کے انگریزی علاقہ سے آزاد علاقہ میں آ گیا تھا اس کو انگریز نے یہ لالچ دیا تھا کہ تجھ کو انگریزی علاقہ میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی بشرطیکہ تم مولوی بشیر صاحب کو قتل کردو۔ دوسرا افغانی ملا جو دراصل ایک انگریز تھا جو چمرکند سے آٹھ میل کے فاصلہ پر رہتا تھا۔ دو شیخ بابا کے آدمی تھے ان کے نام نہیں مل سکے۔ قاتل کھیتوں والے دروازہ کے راستے سے آئے لنگری کھانا تیار کر رہا تھا انھوں نے مجاہدین کے دروازوں کی باہر سے کنڈیاں لگائیں اور عبد الحلیم نے لنگری کو باندھ دیا پھر پانچوں آدمیوں نے مولانا کے کمرے میں داخل ہو کر چھرے سے ذبح کر ڈالا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صبح صبح افغانی ملا مجاہدین کا خیر خواہ بن کر مودی خانہ کے دروازہ کے آگے چارپائی کر اگر اس پہ بیٹھ گیا تا کہ مودی خانہ میں لوٹ مار نہ ہو۔ حالانکہ وہ افغانی ملا چمرکند سے آٹھ میل کے فاصلہ پہ "شیخ بابا" (جگہ کا نام) میں رہتا تھا اور صبح صبح آ بھی نہیں آ سکتا تھا درحقیقت وہ رات ہی کا آیا ہوا تھا۔ مولوی عبد العزیز کہتے ہیں کہ میں شیخ بابا افغانی ملا کے پاس بھی گیا تھا اس کے پاس بہترین مصری کتابوں کے انبار اور بہترین انگلش ڈی سیٹ تھے نہ تو وہ پوری طرح پشتو جانتا تھا اور نہ افغانی۔ اس کا رنگ سفید اور آنکھیں نیلیاں تھیں بالکل انگریز معلوم ہوتا تھا اپنے آپ کو افغانستان سے آیا ہوا کہتا تھا۔

رات جب عبد الحلیم کے ساتھ مل کر مولانا کو شہید کیا گیا تو عبد العزیز کے بیان کے مطابق باہر جا کر عبد الحلیم کے ساتھیوں نے عبد الحلیم کو بھی قتل کر کے کسی کھڈ میں پھینک دیا تا کہ راز افشا نہ ہو کیونکہ عبد الحلیم پنجابی تھا باقی سب شیخ بابا کے باشندے تھے۔

حضرت حافظ محمد یوسف صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ ۱۹۴۸ء میں مجھے حضرت صاحب سے علیحدگی میں ملنے کا اتفاق ہوا میں نے پوچھا حضرت صاحب یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ مولانا البشیر صاحب کے قتل میں آپ کا بھی ہاتھ تھا اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو آپ نے خدا کو گواہ کیا اور

Marfat.com

قسم اٹھا کر کہنے لگے یہ دست ہیں اس گناہ سے بری ہوں۔ درحقیقت انگریز ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا ایک کو قتل کر کے دوسرے پر قتل کا الزام لگوا کر اسے بھی قتل کروانا چاہتا تھا۔

دوسرے دن مولانا بشیر صاحب کو دفنا دیا گیا اور تمام جگہوں میں واقعۂ شہادت کی خبر بھیج دی گئی۔ چنانچہ تیسرے دن ہی مولانا فضل الٰہی صاحب وہاں پہنچ گئے اور ایک دو دن کے بعد واپس آ گئے۔

علاقہ چمرکنڈ کے لیڈروں میں سے بادشاہ گل یہ چاہتا تھا کہ الزام مولوی فضل الٰہی پر لگایا جائے اور انھیں یہاں سے نکال دیا جائے اور چمرکنڈ پر میں قابض ہو جاؤں۔ چنانچہ وہ جرگہ لے کر وہاں گیا۔ مولوی صاحب کو بلایا گیا اور کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ آپ پر شبہ کیا جا رہا ہے اور کچھ مجاہدین دشمست کی پارٹی بھی آپ کے خلاف ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہاں سے کیوں نکالا جاتا ہے مجھ پر کوئی گواہ لاؤ اور ثابت کرو میں فوراً اپنے کو قتل کروا دوں گا۔ فرمایا کہ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ایک ہمارا بھائی لوگ شہید کر دیا گیا دوسرا اب تم مجھ کو چمرکنڈ سے بھی نکال رہے ہو۔ لیکن قتل کا ثبوت کہیں سے بہم نہ ہو سکا۔

ملا صاحب باڑی اور ملا عبدالحمید صاحب بھی وہاں موجود تھے انھوں نے فرمایا کہ شریعت میں بغیر جرم کے قتل نہیں ہو سکتا جب مولانا فضل الٰہی پر جرم ثابت نہیں ہو سکتا تو تمھیں نکالنے کا کیا حق ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر اس کے خلاف بغیر ثبوت جرم کے کارروائی کی گئی تو سب سے پہلے میں اور میری قوم تمہارے خلاف ہو کر لڑے گی۔ چنانچہ شہادت کے ساڑھے تین ماہ بعد علماء سرحد آزاد نے ایک اور جرگہ موضع کوز چناری میں بلایا اور پوری بحث اور چھان بین کرنے کے بعد مولانا کو بالکل بری کر دیا۔

مخالفت کی وجہ سے مولانا نچلے چمرکنڈ (پائیں چمرکنڈ) جا کر رہنا پڑا جو چمرکنڈ بالا سے قریباً تین چار میل پر ہے۔ آپ وہاں رہ کر حالات کا انتظار کرنے لگے۔

آپ کو بہت صدمہ تھا کہ انگریز کا داؤ کامیاب رہا تھا ایک تو مرکز خود بخود ختم ہو گیا تھا دوسرا بہترین کارکن شہید ہو گیا تھا۔ مولانا محمد بشیر صاحب کی شہادت کے متعلق جرگے کی کارروائی

آخر میں درج ہے۔

مولوی صاحب اب یا ئیں چمر کند میں رہ کر بھی پوری طرح جنگی کاموں میں حصہ لیتے رہے۔ چنانچہ غازی عبدالکریم[1] بیان کرتے ہیں کہ ان تین برس کی رہائش کے دوران جنگ "سلی پٹی" شروع ہوگئی۔ جو کہ سلی پٹی، اگراہ۔ کوٹ علاقہ برنگ جو ملاکنڈ کے قریب ہے۔ یہ جنگ لبسر کردگی فقیر صاحب علی نگار کے ہوئی۔

---

[1] غازی عبدالکریم صاحب نے قریباً ۱۹۲۸ء میں حضرت مولانا فضل الٰہی کے ہاتھ پر بیعت کی انکا گاؤں کوہاٹی بیس میل کے فاصلہ پر چمرکند سے دور ہے۔ وہاں مولوی عبدالخالق کی شاگردی میں دینیات پڑھی ۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۳۴ء تک جن جنگوں میں شریک ہوئے وہ مندرجہ ذیل تھیں۔

(۱) لکنڈی کھریہ کی جنگ اس وقت تحریک سرخ پوش زوروں پر تھی۔ "صاحب گل شہید" کے مقام مجاہدین کے ڈیرے لگائے وہاں سے انگریزی سرحد صرف دو میل پر تھی۔ پانی کی بہت قلت تھی تین ماہ تک جنگ رہی۔ وہاں پانی پیتے ہوئے ان کے گلے میں جونک چلی گئی جس کی وجہ سے بیمار ہو کر واپس چلے آئے وہاں ایک دن مقام سے زخمیوں کے لیے دوائی لینے گئے۔ ایک ہوائی جہاز نے ان کو دیکھ لیا اور سارا دن ان پر بمباری کرتا رہا۔ اس جنگ میں حاجی ترنگ زئی۔ فقیر علی نگار۔ ملک مسل خان اور مجاہد شامل تھے۔

(۲) دوسری جنگ خیبر کے آفریدیوں سے ہوئی اس کو کھجوری کی جنگ کہتے ہیں تین ماہ میں وہاں رہا اس جنگ میں ہم مولوی عبدالخالق۔ مولانا عبدالقدوس ملک خوشحال خان کے جرگہ لانے کی وجہ سے گئے

(۳) ناکی کنڈھاب کی جنگ اس جنگ میں ایک دن میں انگریز کی تین ہزار فوج برباد ہوئی۔

(۴) کھڑیریں ایک شبخون مارا نیس چالیس آدمی انگریز کے مارے گئے۔ ہمارے دو آدمی شہید ہوئے تین لاپتہ اور تین زخمی ہوئے یہ میری زندگی کی سب سے سخت لڑائی تھی۔

(۵) جنگ پانچ کنڈو اس جنگ میں تین ہزار انگریزی سپاہی مارے گئے اور دو افسروں کے سر کاٹ لائے گئے۔ ان پانچ بڑی بڑی جنگوں میں حضرت صاحب (مولانا فضل الٰہی صاحب) بھی شامل تھے اور ان کے ساتھ تھا۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں کتنی ہی ہوتی رہتی تھیں (یہ واقعات غازی عبد صاحب کے خود بیان کردہ ہیں) ان جنگوں کی تاریخیں نہیں بتا سکے) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی لئیق مولانا فضل الٰہی صاحب چیقلش کے باوجود روڑا نہیں اٹکاتے تھے بلکہ باقاعدہ جنگوں میں شریک ہوتے

حضرت صاحب (مولانا فضل الٰہی صاحب) نے مجھے بھی اپنے ساتھیوں کی سرکردگی دے کر مع سازوسامان فقیر صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اس وقت میری عمر قریباً بیس بائیس سال کی ہوگی فقیر صاحب علی نگار حضرت صاحب کا پروانہ اور مجاہدین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ وہاں قریباً ہم تین چار ماہ رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب بالا چمرکند میں نہ رہنے کے باوجود بھی جنگی کاروائیوں میں بدستور حصہ لیتے رہے۔

حضرت صوفی عبداللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مولانا بشیر صاحب کی شہادت کے بعد حضرت صاحب کو ملنے کے لیے چمرکند گیا۔ حضرت صاحب اس وقت فقیر صاحب علی نگار کی طرف گئے ہوئے تھے وہاں شہزادہ برکت اللہ نے ایک تنولی کو بھیجا کہ حضرت صاحب کو قتل کر دے۔ حضرت صاحب ذکر اذکار میں بہت مشغول رہتے تھے خصوصاً صبح کی نماز پڑھنے کے بعد بہت دیر تک وظیفہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت صاحب وہاں مسجد میں وظیفہ کرتے کرتے وہیں لیٹ گئے۔ چنانچہ وہ تنولی کلہاڑی لے کر دو تین دفعہ گیا۔ بالآخر اس نے کلہاڑی اٹھائی تاکہ حضرت صاحب کو سوتے میں مار دے کہ کسی چیز نے اسے اٹھایا اور دور مسجد سے باہر کسی ڈھلوان جگہ پر پھینک دیا۔ تنولی نے چوٹوں کی تاب نہ لاکر واویلا مچانا شروع کر دیا۔ حضرت صاحب جاگ اٹھے اور فرمایا تجھے کیا ہوا ہے تو وہ معافی مانگنے لگا اور سارا واقعہ بیان کیا۔

حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب پر ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء کا دور بہت پرخطر دور تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے جذبہ دینی کے ماتحت کام کرنے میں سستی نہیں کی۔ زیادہ وقت آپ کا قبائل کو متحد کرنے گذرتا کبھی کسی قبیلہ کے پاس جاتے کبھی کسی قبیلہ کے پاس جاتے کیونکہ انگریز ان کی آپس میں لڑائی اور رقابت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔ بلکہ ان کو آپس میں لڑا کر فائدہ اٹھاتا حضرت صاحب قبائل کے اتحاد میں حکومت افغانستان سے بھی تعاون حاصل کرتے۔ چنانچہ اسی اتحاد کے سلسلہ میں ہی ۱۹۲۶ء۔ ۲۷ اگست کو ایک مجلس مشاورت بمقام خال سنڈا کئی بابا صاحب نے بلائی تھی جس میں حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب بھی گئے تھے اور اسی سلسلہ میں ۱۹۳۲ء میں ایک دفعہ ایک وفد کی صورت میں حضرت صاحب افغانستان پہنچے۔ صدر اعظم حکومت افغانستان سے ملاقات ہوئی وہ آپ کے اخلاص سے بے حد متاثر ہوا۔ چنانچہ نادر شاہ نے

Marfat.com

حضرت صاحب کو کہا کہ حکومت برطانیہ خواہشمند ہے کہ آپ واپس چلے جائیں آپ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ جاکر امن و آسائش کی زندگی بسر کریں اگر خیال ہو تو آپ کو بھجوا دیا جائے۔ لیکن حضرت صاحب نے فرمایا کہ میں نے وطن کو دنیا کی خاطر نہیں چھوڑا بلکہ فقط دین کی خاطر اور انگریز کی دشمنی کے لیے ہجرت کی ہے اور اسی لیے تمام تکالیف برداشت کر رہا ہوں۔ انکار کرنے پر نادر خان بادشاہ نے ستر جریب زمین گذارہ کے لیے اور تین صد روپیہ ماہوار کی پیشکش کی کہ آپ کابل میں رہیں لیکن آپ نے کابل میں رہنا بھی پسند نہ کیا۔ چنانچہ شاہ افغانستان نے سو روپیہ ماہوار ان کا وظیفہ مقرر کر دیا جو کہ آخر وقت تک رہا۔

آپ قبائل میں اتحاد پیدا کرنے میں دن رات لگے رہتے اور تمام حالات کی رپورٹ باقاعدہ حکومت افغانستان کو دیتے رہے۔ کیونکہ ۱۹۲۶ء میں ۲۷ راگست کی مجلس میں جمعیۃ احرار صوبہ سرحد کی بنیاد رکھی گئی جس کے سیکرٹری حضرت صاحب منتخب ہوئے تھے۔

۱۹۳۴ء میں مولانا محمد بشیر صاحب شہید ہو گئے تو آپ کو کافی پریشان ہونا پڑا لیکن جلد ہی جرگہ نے آپ کو بری کر دیا اور بدستور سابق آپ قبائل میں کام کرنے لگے۔

یکم شوال ۱۳۵۴ھ دسمبر ۱۹۳۶ء کو جمعیت الاحرار سرحد آزاد کا قیام فرمایا۔

اسکی صدارت کا صحیح علم نہیں ہو سکا البتہ ۱۳ر شعبان ۱۳۵۵ھ راگست ۱۹۳۶ء میں ایک اجلاس ہوا جو زیر صدارت حاجی عبد الحمید صاحب ہوا لیکن اس جمعیت کے سیکرٹری (معتمد خصوصی) حضرت صاحب ہی تھے۔

قریباً ۱۹۳۶ء میں بھی حضرت صاحب وزیرستان کے محاذ پر فقیر ایپی کی دعوت پر تشریف لے گئے وہاں بھی حکومت افغانستان سے خط و کتابت جاری رکھی ایک مکتوب مجریہ ۱۰ر صفر ۱۳۵۶ھ (۱۹۳۸ء) ملا ہے۔ نیز ۱۹۳۸ء میں ہی حضرت صاحب نے ایک تحریک شروع کی جس کا مقصد اسلامی ممالک کا اتحاد تھا "تحریک دول اسلامی کا اتحاد"۔ چنانچہ ایک بہت مفصل مضمون میں تمام سرحدات کی حالت واضح کرنے کے بعد مسلم ممالک کے اتحاد پر زور دیا۔ حکومت افغانستان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ جلد از جلد مسلم ممالک کو متحد ہونے کی دعوت دینی چاہیئے۔ ان چھوٹے چھوٹے علاقوں (جیسا سرحد آزاد ہے) کا لقب بھی

Marfat.com

ہو سکتا ہے جبکہ تمام مسلم ممالک کی آواز ایک ہو ورنہ بڑی بڑی عیسائی حکومتیں سب چھوٹے ممالک کو ہڑپ کر جائیں گے۔ یہ مضامین حضرت صاحب کے مکتوبات میں آ رہے ہیں۔

ایک دفعہ پہلے بھی جب میں حضرت صاحب کے پاس رہا کرتا تھا اور ہم کہہ کتی میں عبدالحمید صاحب کو ملنے گئے۔ وہاں ہمارے قتل کی ایک سازش کی گئی لیکن وہ ناکام ہو گئی کیونکہ قاتل رقم کی تقسیم پر جھگڑنے لگے اور موقع ضائع ہو گیا۔

غازی عبدالکریم صاحب نے ایک واقعہ جنگ اور بھی بیان کیا ہے فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ اس کے بعد فقیر صاحب علی نگار نے ملک مہتر علاقہ بہ نگ کی سرکردگی میں مقام اگرہ پر شبخون مارنے کو بھیجا میں بھی ان کے ساتھ تھا ہم قریباً تیس آدمیوں نے انگریزی کیمپ پر شبخون مارا اس میں ایک پولیٹیکل ایجنٹ بھی مارا گیا تھا۔ قریباً ہم رات بارہ بجے واپس ہے ایک میل آئے تھے کہ انگریزوں کی توپوں کی فائرنگ شروع ہو گئی۔

دریائے سوات کے کنارے پر پہنچے تو ایک گولے سے صرف میں ہی اکیلا زخمی ہوا باقی سب خیریت رہی۔ دن چڑھے مجھے فقیر علی نگار کے کیمپ میں پہنچا دیا گیا اس نے مجھے ملک ڈدر کے ہاں برائے علاج بھیج دیا اور میرے آدمیوں کو اس نے چمنی خاں کی کمان میں دے دیا۔ میری خدمت پر دو ساتھی مامور ہوئے میں پندرہ دن وہاں رہا اتنے عرصہ میں میرے علاقہ باجوڑ کے آدمی پہنچ گئے وہ فقیر صاحب سے اجازت لے کر مجھے اپنے وطن گھر لے گئے۔

میرے بعد لڑائی اور تیز تر ہو گئی اس وقت حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب خود بھی لڑائی میں پہنچ گئے اور اپنے آدمیوں کی کمان خود سنبھال لی۔ یہ لڑائی بمقام "پری" ہوئی۔ اس لڑائی میں مجاہدین کا کافی نقصان ہوا۔ اور قریب تھا کہ حضرت صاحب وہاں زندہ گرفتار ہو جاتے۔

قریباً دو ماہ بعد مولانا خود کوہاٹی میری بیمار پرسی کے لیے آئے۔ اس وقت تک میرا زخم بھی اچھا ہو چکا تھا۔

لیکن تھوڑا بہت چلنے سے پھر میری ٹانگ سوج گئی۔ کیونکہ لوہے کے ٹکڑے ابھی

Marfat.com

میرے زخم ہیں تھے۔ چنانچہ ایک چارپائیوں کے جراح مسمّی گل آزاد کو بلایا گیا اس کے پاس کوئی نشتر نہ تھا۔ نائی سے استرا منگایا جس کا منہ بلا مبالغہ رنبہ کے برابر موٹا تھا کیونکہ اس کو بالکل نہ کاٹتا تھا۔ چنانچہ اس نے پورے زور سے انگوٹھے سے دبا کر اس کو کاٹا جب استرا لوہا پر جا لگا تو انگلی سے اس نے لوہے کے بم کے ٹکڑے نکالنے چاہے لیکن چونکہ وہ اندر کافی پھیلا ہوا تھا اس لیے اس نے لوہار سے زنبور منگوا کر اس سے کھینچ کر نکالا۔ قریباً دو ماہ میں اور صاحب فراش رہا۔ تین چار ماہ بعد میں حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں چمرکند پہنچ گیا۔

وزیرستان میں آمد جب میں وہاں پہنچا تو اس وقت فقیر آئی پی کے ساتھ انگریزوں کی جنگ وزیرستان شروع ہو چکی تھی۔ فقیر آئی پی نے مولانا صاحب کو بدست شائستہ خان تحریری ایک خط بھیجا کہ مہربانی کر کے آپ ہمارے جہاد میں شامل ہو جاؤ اور جلدی پہنچ جاؤ ورنہ اگر ہم ناکام ہوئے تو اس کا وبال آپ پر ہوگا (وزیرستان جانے کے متعلق آپ کا ایک بیان آخر میں درج ہے)

چنانچہ مولانا صاحب نے اس جہاد کی تیاری شروع کر دی اور مجھے ہندوستان کی جماعتوں کی طرف بھیجا تاکہ ان سے مشورہ اور امداد حاصل کروں۔ میں راولپنڈی حافظ فضل کریم صاحب کے پاس آیا۔ پھر عثمان والا سردار محمد شفیع کے پاس گیا پھر شیخ عبدالرحمن امرتسری کے پاس گیا۔ پھر صوفی عبداللہ صاحب اوڈانوالہ کے پاس گیا اور وہاں تین ماہ رہا۔ کیونکہ وہ مدرسہ کے انتظامات میں مصروف تھے پھر وہ مجھے لے کر بہار میں زین العابدین کے پاس پہنچے۔ انھوں نے مجھے مولانا عبدالسبحان صاحب کے پاس بمقام جھنگروہ ترائی نیپال میں پہنچا دیا اس نے مجھے بہت جگہوں میں پھرایا اور عبدالعزیز رحیم آبادی کے خاندان کے پاس بھی پہنچایا اور ہماری امداد بھی کی انھوں نے واپسی میں حافظ عبدالکریم صاحب سے سونے کے میڈل جو کہ مولانا صاحب کو حکومت افغانستان کی طرف سے ملے تھے وہ بھی دیدیئے۔ جب میں واپسی میں شبقدر کے قریب پہنچا تو وہاں کسی نے میری مخبری کر دی اس وقت میرے پاس قریباً پانچ ہزار نقد روپئے اور پانچ چھ صد کا مال تھا۔

وہاں میں نے مال و اسباب ایک نمک فروش کی دوکان پہ ایک کارواں والوں کی سپرداری میں دیدیا۔ اب صرف میرے پاس تمغے، نقدی اور مال کے بیجک تھے۔

شام کو ایک آدمی نے مجھے کہا کہ تمہیں خانصاحب بلا رہے ہیں میں نے کہا کہ کون خان صاحب؟ میرے ساتھ کسی کو کیا کام؟ میں مسافر آدمی ہوں میں نہیں جاتا کیونکہ میرے ساتھ کسی کو کوئی کام نہیں۔

دوکاندار نے کہا کہ یہ سی۔ آئی۔ ڈی کا سپاہی ہے تم کو ان کے ساتھ جانا ہی پڑے گا۔ میں مجبوراً اس کے ساتھ ہو لیا۔

وہاں میری تلاشی لی گئی اور میرے بیجک لے کے وہ مال بھی کارروانوں سے واپس منگا لیا گیا۔

مجھے کہا کہ سچ سچ بولو کہ روپیہ کس سے لائے ہو اگر سچ سچ بتا دیا تو تمھیں خوش کر دیں گے ورنہ تمھیں سات سال قید ہو جائے گی۔ میں نے کہا آیا تو میں واقعی حضرت صاحب کے پاس سے ہوں۔ انھوں نے مجھے رقم دی تھی مال خریدنے کے لیے۔ مال مہنگا ہے اس لیے رقم واپس لے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا سوچ سمجھ کر بولو یہ آپ کی رہائی کا وقت ہے ورنہ روپیہ بھی ضبط ہو جائے گا اور تم بھی قید ہو جاؤ گے۔

انھوں نے کہا کہ تمغے کس سے لائے ہو؟ میں نے کہا کہ یہ راز میں کسی سے نہیں بتا سکتا۔ چنانچہ انھوں نے مجھ سے ناامید ہو کر میری مار پیٹ شروع کر دی۔ میں نے کہا جتنا بھی مار دو گے میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا پہلے کچھ بتا بھی دیتا وہ بھی اب نہیں بتاؤں گا۔ اس پر انھوں نے اور زیادہ مارا اور قریباً تین چار دن اسی طرح گذر گئے جس نے مخبری کی تھی وہ ہمارا واقف تھا اس نے کہا کوئی مدد کی ضرورت ہے؟ میں نے اسے بتلایا بھی نہیں کہ تم نے مخبری کی ہے اس نے مجھے بہت پھسلانے کی کوشش کی۔

بالآخر ایک بات میری سمجھ میں آئی میں نے کہا کہ قرآن کی قسم اٹھاؤ کہ کسی کو نہ بتاؤ گے نہیں تب بتا دوں گا۔ جب اس نے قسمیں اٹھائیں تو میں نے کہا کہ دراصل یہ میں نے حضرت صاحب سے چوری کئے تھے۔ چونکہ کسی پر اعتبار نہ تھا اس لیے میں اپنے ہی پاس رکھتا تھا۔

Marfat.com

اس نے جب اپنے افسر کو بتایا وہ بہت خوش ہوا اور مجھے کافی یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم کسی کو نہیں بتائیں گے۔ البتہ اس کے بعد انھوں نے میری عزت کرنا شروع کردی اور کچھ کھانے پینے کو بھی دینے لگے۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے علیحدگی میں لے جاکر کہا کہ ایک ہمارا کام ہے اگر کرو گے تو تمھیں چھوڑ دیں گے ورنہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے کہا کہ اگر مجھ سے ہو سکا تو کروں گا اور اگر میرے بس کا روگ نہ ہوا تو میں کیسے کرسکوں گا پہلے کام بتاؤ اگر ہو سکا تو ضرور کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے مجھ سے بھی قسمیں لیں۔ تب انھوں نے کہا۔ مولانا کے ساتھ دو آدمی ہیں ان کا پتہ دو کہ وہ کون ہیں؟ نیز ہمیں ان کی خط و کتابت لادیا کرو۔ میں نے کہا یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا کیونکہ یہ مخبری ہے اور ہماری قوم میں مخبری کرنا بہت بڑا عیب ہے جس کی سزا میں ہمارا گھر جلا دیں گے اور مال مویشی ذبح کردیں گے۔

کافی ردّ و کدّ کے بعد ساتویں دن میں نے قبول کرلیا کہ میں کام کروں گا بشرطیکہ میرا راز نہ نکلے۔ انھوں نے قسمیں دیں کہ تمہارا راز آؤٹ نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہیں یہاں آنا بھی نہیں پڑے گا۔ وہاں ہمارا آدمی جایا کرے گا۔ تنخواہ دے آیا کرے گا اور خط وغیرہ لے آیا کرے گا۔

چنانچہ انھوں نے مجھے کپڑوں کا جوڑا۔ پچاس روپے نقد پیشگی ایک ماہ کی تنخواہ اور مال بھی سارا واپس دے دیا اور کارواں والوں سے بات چیت کرکے کرایہ بھی انہیں ادا کردیا۔

حضرت صاحب کو کارواں والوں سے میری گرفتاری کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ وہ اسی دن سے روتے ہی رہتے تھے کہ شاید اب کتنے خاندان اور تباہ ہو جائیں۔

جب میں دوسرے روز چمرکند پہنچ گیا اور راہ میں بچوں نے کہہ دیا کہ لالی آگیا (لالی بچپن کا نام تھا) وہ بہت خوش بھی تھے اور ساتھ ہی رو بھی رہے تھے۔ سب سے پہلی بات جو انہوں نے پوچھی وہ یہ تھی کہ کتنے گھروں کو جلا دیا۔ میں نے کہا کہ تسلی رکھو کسی کو نہیں جلایا جب میں نے سارا واقعہ بیان کیا تو اٹھ کر انھوں نے مجھ کو بوسہ دیا اور میرے حق میں بہت

Marfat.com

دعائیں کیں۔ میں آج تک ان کی دعاؤں کا اثر دیکھ رہا ہوں مجھے آج تک کوئی تکلیف نہیں آئی

جب میں ہندوستان آیا ہوا تھا میری غیر حاضری میں حضرت صاحب پر ایک مرتبہ بم پھینکا گیا۔ ایک درخت جڑ سے اکھڑ گیا۔ ایک مکان گر گیا۔ لیکن حضرت صاحب مع اہل و عیال سب بچ گئے۔

اس کے علاوہ بھی حضرت صاحب پر حملے ہوتے رہے۔ ایک مرتبہ آپ سبق پڑھا رہے تھے کہ رائفل کی گولی آپ کے بالکل آگے سے گذر کر کواڑ کو جا لگی۔ قریباً تین مرتبہ مولوی لشبیر صاحب کے بعد کے حملوں کا مجھے علم ہے اور ایک دو حملوں کا جو پہلے ہوئے تھے علم ہے۔ ویسے قریباً آٹھ دس مرتبہ حضرت صاحب پر حملہ کیا گیا لیکن حضرت صاحب صاف بچ نکلتے لیکن اس کے باوجود کوئی باڈی گارڈ نہ رکھا۔

اس کے چند ماہ بعد آپ ایک دو آدمیوں کو چھوڑ کر باقی کو ساتھ لے کر وزیرستان جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان ہی دنوں نواب تو آگئی اور نواب باجوڑ میں خانہ جنگی ہوگئی جس میں حضرت صاحب کنارہ کش رہے۔

آپ ان مقامی حضرات سے مدد کے وعدے لے کر وزیرستان چلے گئے والدہ صاحبہ کو (اپنی اہلیہ محترمہ کو) پشاور بھیج دیا۔

جنگی سامان ساتھ لے لیا اور باقی سامان حاجی عبدالحلیم کے سپرد کر کے چلے گئے۔

انہی دنوں سی۔ آئی۔ ڈی والوں کا آدمی بھی آیا۔ دو ماہ تنخواہ بھی دیتا رہا۔ میں نے چاہا کہ اس کو مروا دوں لیکن حضرت صاحب نے کہا اس کو ابھی کچھ نہ کہو۔

ہمارے جانے سے تین دن پہلے جاسوس آیا میں نے اس کو کہہ دیا ایک ماہ بعد آنا۔ تم کو سب کچھ بتا دوں گا۔ کیونکہ کچھ بنگالی یہاں سے جانے والے ہیں ان کے ساتھ آؤں گا۔ وہ بہت خوش ہوا۔

دوسرے دن ہم وزیرستان روانہ ہوگئے۔ ہم اس سفر میں صرف پانچ چھ آدمی تھے۔ پہلی رات اخونزادہ قاضی عبدالحمید رئیس مہمند موسیٰ خیل کے پاس رہے۔ وہ مولانا صاحب کی جدائی پر بہت رویا۔ کیونکہ مخلص دوستوں سے تھا نواب باجوڑ بھی اہمیت دیتا تھا۔ کہتا تھا

Marfat.com

یہاں سے نہ جاؤ۔ شاید پھر ملاقات ہو یا نہ ہو) قاضی صاحب نے علاقہ کی راہنمائی کے لیے ملا شیرین کو ہمارے ساتھ کر دیا۔

دوسری رات ہم بمقام سید متی رہے۔ تیسرے دن ہم عثمان خیلیوں میں پہنچ گئے اس کے بعد ملا گوری میں ہم پہنچے جو کہ دریائے کابل کے کنارے پر ہے وہاں چوتھی رات رہے وہاں ہم چھوٹی کشتیوں کے ذریعہ دریا کو عبور کر کے علاقہ افغانستان ذا نغان جو کی ہے شلمان چھوڑا سے راہنما لے کر بڑے شلمان میں چلے گئے وہاں سے دوپہر کے بعد روانہ ہو کر علاقہ شنواری (خیبر) میں پہنچ گئے۔ حضرت صاحب کے ایک دوست پیر صاحب کے پاس رات گذاری۔ ہمارا راہنما وہاں ہمیں ایک ملک کی سپرداری میں چھوڑ آیا۔

شیرین ملا نے انہیں بتا دیا کہ یہ لوگ انگریزی مجرم ہیں اس لیے انھیں ابھی سرحد پار کرا دیں اس نے چائے پلا کر فوراً اپنے لڑکے کے ہمراہ بھیج دیا اور انگریزی علاقہ پار کر کے آفریدی علاقہ میں لے گیا وہاں بھی ہم تھوڑا ہی رہے کیونکہ ملک کے لڑکے نے ان کو بھی بتا دیا کہ یہ مجاہد لوگ ہیں وہاں انھوں نے بھی ہمیں فوراً بازار میں پہنچا دیا (بازار علاقہ تیراہ میں ایک جگہ کا نام ہے) وہاں ہم نے رات گذاری وہاں ہماری مہمانی صرف دو روٹی سے کی گئی اور ہم بارہ آدمی تھے۔ لیکن ہم بارہ آدمیوں سے دو روٹیاں ختم نہ ہو سکیں۔

پھر انہوں نے ہمیں راہنما دے کر علاقہ باڑہ میں پہنچا دیا۔ وہاں رات گذار کر آگے نواب محمد زمان خان کے پاس دوسری رات جا گذاری اس نے خاطر مدارات کی اور نیک سمجھ کر کچھ روپیہ سے خدمت بھی کی۔ اس کو ہم نے کہا کہ ہم سوات کے علاقہ سے آئے ہیں اور اخوند اورگ نزئی کے پاس جا رہے ہیں اور گرمی کا موسم گذارنے کو آئے ہیں اور اسے راز نہ بتایا جائے مولوی صاحب اس سے پہلے خط و کتابت بھی کرتے رہتے تھے اور قلمی تعارف پہلے ہی تھا۔ لیکن اس کو کچھ بھی نہیں بتایا بلکہ ہم نے کہا کہ ہم ان کے طالب علم ہیں۔ وہاں سے ہمارے ساتھ راہنما بھی کوئی نہ تھا۔

دوپہر کو ہم ایک میدانی علاقہ میں پہنچے اور روٹی خرید کر کھائی۔ کھانا کھا کر ہم باغ میں سے ہوتے ہوئے (باغ تیراہ کا مرکز ہے اس علاقہ کو میدان کہتے ہیں) رات ملک خوشحال خان کے

Marfat.com

پاس پہنچ گئے۔ وہ اچھا خاصا دوست تھا وہاں پانچ چھ دن رہے (یہ وہی ہے جس کو حضرت صاحب نے جنگ سرخ پوش کی تحریک میں بندوق وغیرہ کا تحفہ دیا تھا) اس لئے اپنے علاقہ کے رؤسا سے تعارف و تعلقات قائم کر لئے۔

اس نے اپنا راہنما دے کر محمود اخوندزادہ کے پاس پہنچا دیا وہ ساری قوم اورکزائی کا پیر اور نواب بھی تھا۔ بہت بردبار اور سخی آدمی تھا۔ ہم دوپہر کو پہنچے روٹی کے وقت اس نے تمام مسافروں کو بلایا اس وقت قریباً چالیس کے قریب مہمان تھے۔ نوکر کھانا کھلا رہے تھے اور اخوندزادہ دیکھ رہا تھا۔ اخوندزادہ نے ہم نو واردوں کو دیکھ کر نوکروں کو حکم دیا کہ ان کے آگے سے کھانا اٹھا لو اور ہمیں کہا کہ یہاں بیٹھیے۔ ایک گھنٹہ بعد ایک بھنا ہوا دنبہ منگوایا جو کہ صرف ہمارے لیے ہی بنوایا گیا اس سے ہماری مہمانی کی۔

دوپہر مسجد میں گذاری پھر چائے کے لیے بلایا گیا۔

چائے میں مولانا صاحب کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور مجھے بلایا کہ یہ کون صاحب ہیں ان کا تعارف کرا دو۔ حضرت صاحب کا اس سے صرف قلمی تعارف تھا۔ لیکن حضرت صاحب نے سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ بتانا نہیں۔ میں نے کہا ہم علاقہ دیر سے آرہے ہیں اور علاقہ کرم میں جا رہے ہیں یہ ہمارے استاد ہیں ہم ان کے طالب علم ہیں اس نے بار بار پوچھا لیکن ہم سب نے یہی کہا اس نے اپنا راہنما دے کر کہا کہ ان کو علاقہ کرم میں چھوڑ آؤ اس راہنما کا نام ملک لال خاں تھا اور تاکید کی کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اس نے ہم سے رات رہنے کے متعلق بہت اصرار کیا لیکن ہم عصر کو چل دئے۔ دو میل کے فاصلہ پر ہم نے رات گذاری دوسرے دن دشوار گذار راستوں سے گذر کر ہم مرغانوں کے درے میں پہنچ گئے وہاں فقیر ایپی کا ایک نمائندہ مولانا عبدالرحمن برائے ترغیب جہاد موجود تھا۔ شالستہ شال جو کہ فقیر ایپی کا سفیر تھا جو کہ حضرت صاحب کو بلانے آیا تھا وہ بھی ہمارے ساتھ تھا اس نے مولانا عبدالرحمن کو کہا کہ ہمیں علاقہ کرم سے پار کرنے کا انتظام کر دے۔ انہوں نے اسی لال خاں کے سپرد کر دیا کیونکہ اس کا گھر کرم کے قریب ہی تھا۔ لال خاں ہم کو اپنے گھر لے گیا کیونکہ عبدالرحمن صاحب نے کہا تھا کہ ان کا کسی کو پتہ نہ لگے ہم شام کے وقت لال خاں کے گاؤں پہنچے

Marfat.com

اور آدھی رات کو وہ بھی ایک آدمی ساتھ لے کر کرم کی طرف روانہ ہوا وہاں ایک پہاڑ اتنا دشوار گذار تھا کہ ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھے وہاں سے پار ہو کر پہاڑ کے دامن میں ایک گاؤں میں لال خاں کا دوست تھا وہاں رہے شام کے بعد چلے اور شام کو ہم دریائے کرم کے کنارے پہنچ گئے۔ ہم پندرہ سولہ آدمی تھے جب ہم دریا میں پہنچے تو سامنے سے کچھ آدمی دس بارہ رائفلوں کو تانے سامنے کھڑے تھے ہم بھی ڈرے وہ بھی ڈر گئے۔ لال خاں نے پوچھا تو انھوں نے کہا ہم ماہی گیر ہیں ہم نے کہا کہ ہم مسافر ہیں فلاں پیر خانہ پر جا رہے ہیں دھوپ کی وجہ سے اس وقت عبور کر رہے ہیں وہ ڈرے کہ فوج نہ ہو ہم ڈرے کہ ملیشیا نہ ہو بہرحال پار ہو گئے۔ چونکہ وہاں انگریزی چوکی تھی اس لیے ہم وہاں سے قریبًا چار میل آگے نکل گئے اور ایک کس (پہاڑی ندی) میں آرام کیا۔ جب ہم بیدار ہوئے تو سورج نکل چکا تھا نماز پڑھ کر ہم چل نکلے علاقہ خوسٹ بمقام لنڈر میں پہنچ گئے (یہ افغانستان کا علاقہ ہے) وہاں ہم کو بھوک بہت لگی ہوئی تھی۔ روٹی کے لیے آٹا خریدنا چاہا لیکن ہمیں ایک حکیم صاحب جو کہ حکیم اجمل خاں کے شاگرد تھے مل گئے انہوں نے ہماری سب آدمیوں کی دعوت کی بعد دوپہر ہم چائے پی کر چلے اس نے کہا کہ بمقام کوٹکی میں ایک فقیر ان کے مخلص دوست ہیں جس کا نام نیازک ہے وہ آپ کو آگے پہنچانے کا انتظام کر دے گا شام کو ہم کوٹکی پہنچ گئے۔ وہاں مسجد میں رات رہے کیونکہ وہ گھر پر نہیں تھا۔ وہاں حضرت صاحب کو سخت بخار آگیا کیونکہ دریائے کرم پار کرتے ہوئے پھسل کر پاؤں کا انگوٹھا ٹوٹ گیا تھا۔ دوسرے دن وہ آدمی آگیا اور چپکے سے اس نے ہمیں اپنے پاس رکھا کیونکہ وہ بھی حکومت افغانستان سے ڈرتا تھا۔ چوتھے دن اس نے گھوڑے کا انتظام کر کے ہم کو رخصت کیا اور خود بھی ہمارے ساتھ ہو لیا۔

قریبا ظہر کو ہم علاقہ موسیٰ نزیل میں پہنچے وہاں مجاہدین کے پہرے لگے ہوئے تھے وہ سمجھے کہ کوئی افغان جرگہ ہمیں نکالنے آیا ہے اس لیے انہوں نے ہمیں وہیں کھڑے رہنے کو کہا ہم میں سے نیازک آگے ہو کر سنتریوں کو آواز دینے لگا کہ میں نیازک ہوں اور آپ کے یہاں آئے ہیں اس لیے ایک آدمی آکر بات چیت کرے جب انھوں نے نیازک کو پہچان لیا۔ تو

ملک گاگوہ کا ایک بھائی آیا اس نے نیازک کو بھی پہچان لیا اور شائستہ خاں کو بھی پہچان لیا۔ شائستہ خاں نے کہا مجھے فقیر صاحب نے انھیں بلانے کے لیے بھیجا تھا۔ جب ہمیں اجازت ملی اور ہم موسیٰ تریل کے مرکز میں پہنچ گئے اس حلقہ کا سپہ سالار خلیفہ غازی علی مرجان تھا اور فقیر ایپی کا جرنیل ملک جنت میر اور ملک گاگوہ اور ملک گلہ جان اور مولانا طاہر شاہ وہاں قیام رکھتے تھے۔ ملک جنت میر زخمی تھا اور دونوں پاؤں اس کے قریب قریب بیکار تھے۔ کیونکہ انگریزوں کی لڑائی میں اس کو سخت زخم آئے تھے۔ وہ بہت دلیر اور جوانمرد غازی تھا۔ ہماری پہلی مہمانی اسی نے کی۔ اسی طرح ہر ایک نے باری باری ہماری دعوت کی ہم قریباً ایک ماہ وہاں رہے۔ اسی اثنا میں شائستہ خاں نے فقیر ایپی کو پیغام بھیجا جو کہ تین دن کے سفر پر رہتا تھا۔ اس نے واپسی میں خلیفہ علی مرجان کو پیغام بھیجا کہ اس مہمان کو نہایت عزت سے اپنے پاس رکھو تاخبر ثانی وہیں رہیں ایک ماہ بعد پیغام آیا کہ علی مرجان۔ ملک گلا جان۔ طاہر شاہ تینوں میرے مہمانوں کو لے کر میرے پاس پہنچا دو۔ وہاں سے ہم چل کر ایک بہت بلند ٹھنڈے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ ہم نے رات گذاری۔ وہاں سے آگے فقیر ایپی نے ہمارے استقبال کے لیے اپنے سسر اور علاقہ کے سفید پوشوں کو جمع کیا ہوا تھا۔ سب معروف ملک حوالدار وزیری اور ملک سیل زوران تھے۔

یہ جگہ بہت ٹھنڈی تھی۔ اس کے سسر نے ہمیں کہا کہ یہیں رہو پہلے میں وہاں سے اجازت لے آؤں وہاں جا کر اس نے فقیر صاحب کو کہا کہ یہ تو جادوگر ہے تمہارے جہاد کو خراب کر دیگا یعنی مولانا صاحب کے خلاف ورغلایا۔

فقیر صاحب نے پیغام بھیجا کہ انھیں پندرہ دن وہاں ٹھہراؤ۔ میں کچھ بیمار ہوں تندرست ہونے پر خود لینے آجاؤں گا اور اس اثنا میں ہم پر تجسس کرنے کے لیے آدمی مقرر کر دیئے کہ اس کی چال ڈھال دیکھو اور ہمارے راہنماؤں کو بھی کہہ دیا کہ تم بھی پڑتال کرو لیکن ہمیں کچھ علم نہ تھا جتنے آدمی بھیجے سب نے یہی کہا کہ یہ آدمی بہت ٹھیک، حافظ قرآن اور پاکباز ہے۔ اور جس نے اس کے خلاف پروپیگنڈا کیا ہے غلط ہے۔ جب ان کو تسلی ہو گئی تو انھوں نے ان کو ملک خان محمد کے ہاں جو مزدک سے ایک دن کے فاصلے پر علاقہ خوست میں بلالیا۔ وہاں ان کو فقیر

Marfat.com

صاحب سے ملاقات ہوئی اور ایک دو دن رہ کر آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ان کو واپس موسٰی تبیل میں غازی علی مرجان کے پاس بھیج دیا اور کہا کہ یہ جگہ محفوظ ہے اور آپس میں صلاح و مشورہ سے کام کرتے رہیں گے۔

مولانا صاحب موسٰی تبیل میں تین سال رہے اور جنگی تجاویز فرماتے رہے۔

فقیر صاحب کا سسر چونکہ کانگرسی ذہن کا آدمی تھا اور سرحد میں حکومت بھی کانگرس ہی کی تھی وہ ان کے خلاف بہت زہریلا پراپیگنڈا کرتا رہا۔ لیکن فقیر علی مرجان نے فقیر صاحب کو کہا کہ خدا نے ہمیں ایک لعل بے بہا بھیج دیا ہے اسکی قدر کرو اور اس کے خلاف کسی کی بات مت سنو۔

انگریزوں نے ایک شخص حاجی روئید ادخاں کو بھیجا کہ فقیر صاحب سے ہماری صلح کی بات چیت کراؤ کیونکہ اس وقت جرمن سے جنگ چھڑ چکی ہے۔

مولانا صاحب نے ایسے مطالبات پیش کیے جو کہ انگریز کے لیے نہایت ذلت آمیز تھے جس کی تحریر مولانا نے لکھ کر دی۔

انگریز نے بر تحریر پہچان لی۔ کہ یہ تحریر مولانا صاحب کی ہے انھیں اور بھی تشویش ہوئی چنانچہ انھوں نے حکومت افغانستان کو کہا کہ انھیں اپنے پاس بلا لو اور جس قسم کا لالچ یہ مانگیں ہم دے دیں گے چنانچہ حکومت افغانستان کی طرف سے وزیر خارجہ اور وزیر اعظم محمد ہاشم خاں نے اپنے علاقہ خوست کے حکمران کی معرفت دو دفعہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس آجائیں آپ کو ہمارے پاس ہر طرح کی سہولت میسر ہو گی اور اپنی باقی ماندہ زندگی آرام سے گذاریں کیونکہ آپ کی عمر کا تقاضا یہی ہے آپ آرام فرمائیں۔

مولانا صاحب نے جواب دیا کہ ہم وطن سے آرام کی خاطر نہیں آئے ہیں کیونکہ آرام وطن میں بہت مل سکتا تھا۔ ہم تو وطن کو غیروں سے آزاد کرانے کے لیے آئے ہیں خدا آپ کو خوش رکھے اگر ہمیں کبھی فرصت ہوئی تو حاضر ہو جائیں گے۔ مولانا صاحب نے کہا کہ آپ نے تو اپنے ملک کو آزاد کرا لیا دریچہ سقہ سے، ہم بھی کوشش کر رہے ہیں اگر کامیاب ہو گئے تو بھی ہمارا مقصد ہے اور اگر شہید ہو گئے تو بھی ہمارا مقصد ہے۔

مولانا کے ساتھی تو جہاد میں جاتے رہتے۔ لیکن مولانا صاحب سکیموں کے بنانے میں مشغول رہتے۔ چنانچہ ان میں سے ایک تجویز یہ تھی کہ ہمیں کسی باہر کی حکومت سے تعلقات قائم کرنے چاہیئیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے سب خلیفوں نے مولانا کو منتخب کیا کیونکہ انگریزی بھی جانتے تھے۔ عالم بھی تھے اور کہا کہ ہم سب یہ خدمت آپ ہی کے سپرد کرتے ہیں۔ مولانا صاحب نے تین ماہ کی مہلت مانگی۔ اور کہا کہ غیر ملکی حکومتوں سے سفارتی وغیرہ معاہدات وکاغذات وغیرہ لے آؤ۔ میں اور ظاہر شاہ کا بھائی اور ایک اور آدمی تھا ہم واپس جا رہے تھے کہ درہ آفریدیوں کے علاقہ میں ہم پہ ڈاکو آپڑے ہم سے پوچھ گچھ کی۔ وہاں ظاہر شاہ کا بھائی زخمی بھی ہوا انھوں نے ہم سے زادِ سفر بھی چھین لیا۔ بالآخر ہم رات کو درہ آخور میں پہنچ گئے وہاں شاہ صاحب نے حالات سے آگاہ کیا۔ چنانچہ فقیر صاحب نے کہا کہ اتنی رائفلیں ہمارے لیے علاقہ دوڑ میں پہنچا دو۔[1]

شاہ صاحب وہیں رہ گئے اور میں وہاں سے اکیلا براستہ پشاور چیر کند چلا گیا وہاں سے جو کاغذات مولانا صاحب نے طلب کیے تھے لیکر اور گل ضمیر کو بھی جو کہ مولانا صاحب کے خاص شاگردوں میں سے تھا ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ حضرت صاحب نے کہا تھا کہ کاغذوں کو بہت محفوظ کرکے لانا ہے۔ چنانچہ ہم براستہ کوہاٹ رانچی پہنچے وہاں سے بذریعہ بس ہم بنوں پہنچے وہاں ہم حکیم مولانا عبدالرحیم صاحب کے پاس پہنچے انھوں نے ہماری مہمانی کی۔ انہوں نے بس والوں کو کہہ دیا کہ یہ فقیر صاحب کے آدمی ہیں فلاں فلاں جگہ پہنچا دو۔ بس والے بھی فقیر کے آدمیوں سے دفاع کرتے تھے۔ رستے میں ہم کو اس نے شائستہ خاں کے مقام پہ موضع عالی سوڑی علاقہ دوڑ میں پہنچا دیا۔ وہاں دو رات رہے اور پھر شائستہ خاں کے ساتھ ہو کر موسی تربل پہنچ گئے۔ سارے سفر میں ہمیں تقریباً بیس دن لگے۔ حالانکہ پہلے سفر میں ہمارا ایک ماہ قریباً صرف جانے جانے میں لگ گیا تھا۔

جب ہم پہنچے اسوقت لشیبن دم قلعہ پہ لڑائی کی تیاری کر رہے تھے یہ جگہ ٹل اور میر علی کیمپ کے درمیان ہے۔ اس میں خود مولانا صاحب بھی اور خلیفہ علی مرجان بھی گئے۔ اور میں بھی گیا۔ یہ لڑائی قریباً پندرہ دن تک رہی اس لڑائی میں میر علی اور لشیبن دم کے

[1] فقیر ایپی کا علاقہ دوڑ تھا ۱۲

Marfat.com

درمیان کی تمام انگریزی چوکیاں جلادی گئیں اور پشین دم کے پل کو اڑا دیا گیا۔ اس کی وجہ سے ان کی کمک آنا بند ہوگئی۔ طرفین میں توپوں سے گولہ باری ہوتی رہی اور فریقین کا کافی نقصان ہوا۔

اس جنگ میں میرے متعلق یہ بھی مشہور ہوا کہ میں شہید ہوگیا ہوں لیکن ہم بخیر وخوبی موسٹی تربل واپس پہنچ گئے۔

اس جنگ سے ایک ہفتہ بعد ایک شبخون خاص بنوں پر مارنے کی سکیم تیار کی چنانچہ بنوں اور پشین دم کے درمیان جس جگہ ہمارا قیام تھا چاروں طرف انگریزوں کی فوج تھی لیکن ہمارا رہبر نہ آیا جس کی وجہ سے ایک ہفتہ یہیں رکنا پڑا۔ ہمارا راشن ختم ہوگیا ہم ایک قسم کے گھیرے میں آگئے دشمن کو معلوم ہو چکا تھا اس لیے اس نے تمام راستوں پر فوج متعین کردی چنانچہ ایک ہفتہ بعد بوجہ شبخون کی ناکامیابی ہم واپس آگئے۔

واپسی میں ہم قریباً دس بارہ آدمی اپنے بریگیڈیر "عبداسن" کے ساتھ ہولیے تاکہ میران شاہ پر کسی کانوائی پر حملہ آور ہوں۔ چنانچہ دن کے آٹھ بجے ہم نے ایک کانوائی کی موٹروں پر حملہ کر دیا۔ کئی ایک آدمی ان کے زخمی بھی ہوگئے لیکن ہم پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے۔ چنانچہ ہم بخیر وخوبی واپس چلے گئے۔

جب حسب پروگرام دوسرے ملکوں کی سیاحت پر جانا طے ہوگیا تو مولانا صاحب نے یہ مشہور کرایا کہ مولانا صاحب سخت بیمار ہیں اور ڈاکٹر نے ہر طرح کی ملاقات سے روک دیا ہے ایک ماہ تک کسی سے ملاقات نہ کی ایک ماہ بعد مقام "ڈنڈ وغیر" میں نمودار ہوئے۔ یہ جگہ گوہان سے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ہے اور علاقہ اورک زائی میں ہے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا وہاں سے آپ نے مجھے ہندوستان بھیج دیا۔ وہاں حسب پروگرام جو پیغام آپ نے دیئے تھے پہنچا کر واپس آیا تو جاتی دفعہ بھائی سلیمان کو بھی ساتھ لے گیا۔ ہم دوآبہ اسٹیشن پر اترے اور کربوغا کی خانقاہ میں چلے گئے وہاں اخوندزادہ عبدالحق کو ساتھ لے کر ہنگو سے ہوتے ہوئے تورہ وڑی میں ایک آدمی کی سپرداری میں ہم ڈنڈ وغیر میں پہنچ گئے۔ بھائی صاحب اپنے باپ سے ملاقات کرکے ایک دو دن بعد واپس آگئے۔ اس اثنا میں مولانا صاحب خوشحال خان کے پاس

Marfat.com

گئے اور وہاں امان اللہ خاں کے بھانجے موجود تھے۔ وہاں جا کر پھر آپ نے اپنے آپ کو ایک ماہ تک روپوش رکھا۔

اس کے بعد آپ نے بہت کوشش کی کہ سرحد یا رکہ کے انگریزی علاقہ میں داخل ہوں لیکن ناکام رہے۔ بالآخر آپ کو بخار آنا شروع ہوگیا۔ قریباً ایک ماہ بیمار رہے اور بہت کمزور ہوگئے۔ پہچانے بھی نہ جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کو چارپائی پہ ڈال کر لائے اور بغرض علاج کے ذریعہ سے لائے۔ آپ سب سے پہلے ایبٹ آباد پہنچے۔ اس کے بعد آپ حج کی تیاری کرنے لگے۔ اور اسی سال مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

حضرت صاحب نے مکہ معظمہ میں یا اس کے باہر کن اصحاب سے ملاقاتیں کیں اس کا کچھ علم نہیں ہوسکا۔ البتہ آپ عبدالرزاق کابلی کے نام پہ براستہ بمبئی حج کو گئے اور غالباً ۱۹۳۹ء میں آپ حج پہ گئے

واپسی پہ آپ نے ہندوستان کے چیدہ چیدہ تمام لیڈروں سے ملاقاتیں کیں اور مرشد آباد میں قریباً ایک سال رہے پھر کافی عرصہ مونگیر میں رہے۔

مولوی صاحب کا سیاسی موقف مولانا صاحب بھی اور اس کے علاوہ قریباً تمام انقلابی آدمی پہلے اسی ذہن کے آدمی تھے کہ ہندو مسلم دونوں مل کر پہلے آزادی لے لیں۔ لیکن مولانا صاحب اس کے ساتھ ایک آزاد علاقہ (احرارستان) یعنی سرحد آزاد کا علاقہ الگ رکھنا چاہتے تھے کیونکہ مولانا ہندو ذہنیت کو سمجھتے تھے۔

جب ۱۹۳۵ء میں کانگرسی حکومت صوبوں میں بنی تو اس نے تو اسلام دشمنی کی انتہا کردی۔ چنانچہ مولانا صاحب نے جو رسالہ ۳۵ء ایکٹ کے جواب میں لکھا اس میں بظاہر کانگرس کی حمایت لیکن درحقیقت پرزور تردید کی ہے۔ اگرچہ کانگرس کو اتنا برا بھلا نہیں کہا کیونکہ سرحد میں بھی کانگرس وزارت ہی تھی۔

جب آپ حج سے واپس ہندوستان پہنچے تو ہندوستانی لیڈروں سے ملاقاتیں کیں اس وقت یہاں کا ماحول کام کرنے کے لیے بہت موزوں بلکہ لازمی تھا کہ کچھ دیر یہاں رہیں۔ چنانچہ مولانا صاحب کی ملاقاتیں حقیقی قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کے لیے مفید ثابت ہوئیں اور کسی کے

Marfat.com

لیے نہ ہوئیں۔ کیونکہ ابھی تک مسلم لیگ کے سامنے کوئی مثبت پہلو نہیں تھا کہ کیا کریں۔ چنانچہ مولانا صاحب کی ملاقاتوں کی وجہ سے جناح صاحب نے ایک الگ اسلامی حکومت (یا پاکستان) لینے کا منصوبہ بنایا۔ مولانا صاحب نے اسے کہا کہ اگرچہ بہت ہی تھوڑی سی جگہ لو لیکن الگ جگہ لو۔ ہندو ہم سے تعاون نہیں کر سکتا۔ اور سرحدوں پہ ہم (مجاہدین) کو آباد کر دینا پھر ہم جانیں اور ہندو جانیں۔

پاکستان بننے کے اسباب اور ہندو ذہنیت درحقیقت ہندو نے آج تک مسلمانوں کے ساتھ تعاون کیا ہی نہ تھا۔ البتہ گاندھی جی نے خلافت کمیٹی کی حمایت کی لیکن اس کا فائدہ بھی ہندو ہی کو پہنچا۔ کیونکہ گاندھی نے رولٹ ایکٹ کے خلاف خلافت کمیٹی کو بطور ہراول دستہ استعمال کرنے کے لیے ساتھ دیا تھا تاکہ اگر دوبارہ مارشل لا کی بھی سختی ہو تو مسلمان ہی کام آئیں۔ کانگرس کو ایک فائدہ اور بھی پہنچا کہ گاندھی کی حمایت سے خلافت کمیٹی اور کانگرس قریباً ایک ہوگئی۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں گاندھی جی نے عدم تعاون کی تحریک شروع کرادی جس کے نتیجہ میں فسادات بھی ہوئے جس کی وجہ سے کانگرس اور خلافت کمیٹی کے لیڈروں کی گرفتاریاں بھی ہوئیں۔ اچانک ہی فروری ۱۹۲۲ء میں گاندھی جی نے تحریک عدم تعاون بالکل واپس لے لی اگرچہ تحریک کا واپس لینا انھیں گرفتاری سے تو نہ بچا سکا البتہ خلافت کمیٹی کی سرپرستی جو نکہ جمعیۃ علمائے ہند کر رہی تھی گاندھی جی کی تحریک معطل کرنے کے بعد ان کے لیے بہت الجھن بن گئی۔ کیونکہ جس خلافت کے لیے انھوں نے فتوؤں سے اسے مذہبی فریضہ قرار دیا تھا اب اگر تحریک عدم تعاون میں حصہ نہ لیں تو مذہبی فریضہ ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر حصہ لیں تو گاندھی کی مخالفت ہوتی ہے۔ بہرحال اسی گومگو کے عالم میں خلافت کمیٹی کانگرس سے چمٹی رہی حتیٰ کہ ۱۹۲۳ء میں ترکوں نے انقلاب بپا کر کے سلطان کو معزول کر کے خلافت کا ظاہری نشان ختم کر دیا تو ہندوستان کی خلافت کمیٹی کی جان چھوٹی اور خلافت کمیٹی آہستہ آہستہ خود بخود ختم ہوگئی۔

دراصل ہندو ذہنیت نے ہی خلافت کو ختم کر دیا تھا۔ ہندوؤں میں سے صرف گاندھی نے ہی حمایت کی تھی لیکن پھر بری طرح اس کا ستیاناس بھی کر دیا یہ تھا سب سے پہلا وار ہندو کا

Marfat.com

مسلمان پر۔ لیکن پھر بھی جمعیۃ العلماء قائم رہی جو عملاً کانگرس کا ایک شعبہ بن گئی۔

۱۹۱۶ء میں اگرچہ مسلم لیگ اور کانگرس میں تناسب کے لحاظ سے صرف آزادی حاصل کرنے پر سمجھوتہ ہو چکا تھا لیکن جب ۲۳-۱۹۲۲ء میں فرقہ دارانہ فسادات ہوئے تو اس نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں جس کے نتیجہ میں ۱۹۲۴ء میں ۲۴ رمئی کو لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلم راج اور باقی پورے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے درمیان سیاسی توازن کے مطالبات پیش کرنے کا منصوبہ طے ہوا لیکن مسلمان کا ہندو سے سمجھوتہ ہونے کی بجائے مئی ۱۹۲۴ء میں ہندو فرقہ پرستی بالکل کھل کر سامنے آگئی اور وہی شردہانند جو کبھی کانگرس کے اسٹیج پر آتا تھا پوری قوت سے مسلمان کو شدھ کرنے کا نعرہ لگا رہا تھا۔ شدھی کی تحریک جاری کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تمام ان مسلمانوں کو جو ہندوستانی قبائل سے تعلق رکھتے ہیں ان کو ہندو بنایا جائے اور تحریک کا آغاز ضلع آگرہ سے کیا گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے جو جوابی کاروائی ہوئی اس کے نتیجہ میں ۱۹۲۴ء کے آخر میں سخت فسادات علاقہ کوہاٹ میں پھیل گئے اور ہندوؤں کا بہت نقصان ہوا تو پھر گاندھی جی کو تکلیف ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اس کے انسداد کے لیے اکیس دن کا برت رکھا اور شدھی تحریک کا بانی سوامی شردھانند بھی ۲۳ ردسمبر ۱۹۲۶ء کو ایک مسلمان عبدالرشید نامی کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا یہ تھا ہندو ذہنیت کا مکمل ظہور جو سامنے کھل کر آگیا۔

چنانچہ ان فرقہ دارانہ فسادات کے انسداد کے لیے اور ہندو مسلم سمجھوتہ کے لیے فوری طور پر ایک "اتحاد کانفرنس" عمل میں لائی گئی جس میں عیسائی بھی شامل ہوئے لیکن اکثریت ہندو ہی تھی۔ چنانچہ ۲۳ رجون ۱۹۲۵ء کو اتحاد کانفرنس کا اجلاس شروع ہوا جو چھ ہفتہ کی طویل کاروائی کے بعد اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے ختم ہو گیا۔

اتحاد کانفرنس کا دوسرا اجلاس تین سال بعد فروری ۱۹۲۸ء میں شروع ہوا اور کئی مہینوں کی کاروائی کے بعد پہلے اجلاس سے زیادہ ناکام ہوا۔ ناکامیوں کا ایک اثر یہ ہوا کہ پہلی کانفرنس کے بعد ہی ہندو مسلم دو متضاد موقف کھل کر سامنے آگئے۔

۱۹۲۶ء میں جب مسلمانوں نے صوبہ سرحد کو ہند کے دوسرے صوبوں کے برابر درجہ دینے

Marfat.com

کا مطالبہ کیا اس وقت بھی ہندو ذہنیت سامنے آئی اور اس مطالبہ کی حمایت کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ صرف اس لیے کہ وہاں اکثریت مسلمان تھی جس کا ہندو کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا تھا صرف مسلمانوں کو اس کا فائدہ پہنچتا تھا۔

تقسیم ہند کی تجویز سب سے پہلے ڈیرہ اسمعیل خاں کی انجمن اسلامیہ کے صدر سردار محمد گل خاں نے ۱۹۲۳ء میں پیش کی تھی انھوں نے کہا تھا کہ راس کماری سے آگرہ تک ہندوؤں کو دے دیا جائے اور آگرہ سے پشاور تک مسلمانوں کو دیدیا جائے۔ لیکن پاکستان کا نام چوہدری رحمت علی صاحب کے ایک پمفلٹ کی وجہ سے سامنے آیا جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی فراخ دلی دیکھئے کہ یہ پھر بھی ہندو مسلم سمجھوتہ کی کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ فروری ۱۹۲۷ء میں مسٹر جناح نے مخلوط انتخابات کو تسلیم کر لیا جس کی وجہ سے مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی ایک تو جناح لیگ تھی جو ہندوؤں کے ساتھ تعاون کی خواہشمند تھی اس میں مسٹر جناح صاحب کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر انصاری، سر علی امام اور راجہ محمود آباد تھے۔ اور دوسری شفیع لیگ جو صرف جداگانہ انتخابات کی حامی تھی۔ اس میں سر محمد شفیع صاحب کے ساتھ، سر فضل حسین، علامہ اقبال اور بنگال کے سر عبدالرحیم تھے۔

کانگرس نے اگرچہ جناح صاحب کی تجاویز کا خیر مقدم کیا لیکن عملاً انھیں ٹھکرا دیا کیونکہ کانگرس نے نہرو رپورٹ کی شکل میں جس طرح مسلمانوں کو کچلنے کی کوشش کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ جناح صاحب نے اس میں کچھ ترامیم پیش کیں جو منظور کی گئیں بالآخر جناح صاحب دو سال بعد فروری ۱۹۳۰ء کے مسلم لیگ کے اجلاس میں پھر واپس سابقہ موقف پر آگئے۔ چنانچہ مسلم لیگ بھی پھر دوبارہ ایک ہو گئی۔ مولانا محمد علی جوہر صاحب دسمبر ۱۹۲۸ء میں کانگرس کو خیرباد کہہ کر مسلم لیگ میں آگئے تھے اور جناح صاحب بھی تین ماہ بعد کانگرس سے مستعفی ہو گئے تھے یہ تھی ہندوؤں کی منظم کوشش کہ کسی طرح مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے بل بوتے پر مکمل طور پر محکوم رکھا جائے جیسا کہ آج بھی ہندوستان میں ہو رہا ہے کہ نام کو تو لادینی حکومت ہے لیکن فرقہ وارانہ فسادات میں نقصان مسلمانوں

Marfat.com

کا ہی ہوتا ہے۔

۹ راپریل ۱۹۲۹ء کو غازی علم دین کے ہاتھوں ایک ہندو مصنف راجپال جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور مسلمانوں کی دل آزاری کے لیے ایک کتاب رنگیلا رسول لکھی تھی جہنم واصل ہوا جس کی وجہ سے غازی علم دین پر تین سال مقدمہ چلنے کے بعد اسے پھانسی دیا گیا یہ بھی ہندو ذہنیت کا ہی کرشمہ تھا۔

سب سے پہلے علامہ اقبال نے دسمبر ۱۹۳۰ء کے مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد میں پاکستان کا تصور پیش کیا کہ مسلم اکثریتی علاقوں کا الگ یونٹ قائم کر دیا جائے حالانکہ اس سے پہلے مسلم لیگ کے لیڈروں کو سب سے زیادہ یہی الجھن تھی کہ مسلمانوں کو مرکز میں آزادی کیسے ہو سکتی ہے جبکہ مرکز بھی ہندو اکثریت کا ہو۔

مسلم لیگ کی زندگی کا پہلا دور ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۹ء تک تھا جس میں صرف مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی جدوجہد جاری تھی۔ اس کے بعد خلافت کمیٹی کے سامنے اس کا وجود اور کام معطل ہو کر رہ گیا۔ دوسرا دور مئی ۱۹۲۴ء سے دسمبر ۱۹۳۰ء تک ہے جس میں ہندو سے سمجھوتہ کی پوری کوشش کی گئی لیکن ناکام رہے۔ تیسرا دور اپریل ۱۹۳۶ء سے شروع ہوا۔ کیونکہ جناح صاحب ۱۹۳۰ء میں انگلینڈ چلے گئے۔ بالآخر ۱۹۳۴ء کے شروع میں ملک کے مقتدر حضرات کے کہنے پر واپس تشریف لے آئے اور مسلم لیگ جو کہ درحقیقت پراگندہ ہو چکی تھی اس کی دوبارہ تشکیل کی۔

نئے آئین ۱۹۳۵ء ایکٹ کے تحت صوبائی انتخابات ۱۹۳۷ء تک کا یہ پروگرام طے ہوا کہ مسلم لیگ کانگرس کے ساتھ مل کر جنگ آزادی کا نیا مورچہ قائم کرے۔ لیکن مسلم لیگ کو اصل میں انگریز کی بجائے کانگرس سے جنگ کرنا پڑی بالآخر سب سے پہلے مسٹر جناح صاحب نے کانگرس کی مخالفت دانشگاف الفاظ میں دسمبر ۱۹۳۸ء کے اجلاس پٹنہ میں کی لیکن اس کا مثبت بدل ابھی تک ان کے پاس کوئی نہ تھا (بقول راجہ غضنفر علی از خود نوشت سوانح غیر مطبوعہ)

کیونکہ اس سے پہلے مسلم لیگ کانگرس سے اتحاد کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی کہ پندرہ

Marfat.com

ماہ بعد ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان کی صورت میں مسلمانوں کے لیے الگ خطہ کی تجویز سامنے آئی۔

یہ ہی مولانا فضل الٰہی صاحب کا موقف تھا۔ ۱۹۳۹ء میں جب حج سے واپس پہنچے تو مختلف لیڈروں کو ملتے رہے اور مسلمانوں کے لیے الگ خطہ کی تجویز بتائی جس کے نتیجہ میں قرارداد پاکستان سامنے آئی۔ قریباً ان تمام اجلاسوں میں مولانا صاحب تشریف لاتے رہے اگرچہ پنڈال میں نہ آتے۔

مولانا صاحب نے جناح صاحب کو کہا تھا کہ اپنا الگ خطہ لو اگرچہ ایک چارپائی کے برابر ہو۔ ہم کو سرحدوں پہ چھوڑ دینا۔ کھڑا ہونے کی جگہ لے لو بیٹھنے کے لیے جگہ ہم خود بنا لیں گے۔

مولانا حافظ محمد یوسف صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء میں میں مولانا صاحب سے ملا تو انہوں نے پرزور مسلم لیگ کی حمایت کی اور پہلے فرمایا کہ جناح کو صرف ڈاڑھی منڈا نہ دیکھو اس کے پہلو میں اللہ تعالے نے سماجی دل رکھا ہے جس میں بے انداز تڑپ اور مسلمانوں کی ہمدردی ہے اور حکم دیا کہ مسلم لیگ کو ہر قیمت پہ کامیاب کرواؤ۔

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے آخر تک کانگرسی وزارتیں مستعفی ہو گئیں تو مسلم لیگ نے ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو یوم نجات منایا۔ کیونکہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ظلم سے نجات ملی تھی۔ درحقیقت کانگرس کی وزارتوں نے ہی مسلمانوں کو پوری طرح بیدار کیا تھا۔

دسمبر ۱۹۴۱ء میں جاپان نے امریکی بیڑہ پہ حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دی۔ دوسرے دن شنگھائی پر حملہ کر دیا۔ چوبیس گھنٹوں میں جاپانی فوجیں سیام اور برطانوی ملایا تک پہنچ چکی تھیں۔ پندرہ فروری ۱۹۴۲ء کو سنگھاپور پہ قبضہ ہو گیا۔ ۸ مارچ کو جاپانی فوجیں رنگون میں داخل ہو گئیں اور ساتھ ہی جزائر انڈیمان پہ قبضہ کر لیا۔

جنوری ۱۹۴۱ء میں سبھاش چندر بوس جو قید میں تھا اور بھوک ہڑتال کی وجہ سے ضمانت پہ رہا کر دیا گیا تھا جیل سے نکلتے ہی روپوش ہو کر جاپان پہنچ گیا اور ہندی قیدیوں کی ایک آزاد

Marfat.com

فوج بنا کر جاپانی فوج کے ساتھ شامل ہو گیا۔

ادھر کانگریس نے اس آڑے وقت میں جبکہ بظاہر برطانیہ ہند میں چند دنوں کا مہمان نظر آتا تھا برطانیہ کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی اور مطالبہ کیا کہ انھیں فوراً حکومت دے دی جائے۔ اس سول نافرمانی سے بھی صرف مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہی مقصد تھا کہ حکومت صرف کانگریس کو ملے ورنہ انگریز تو بار بار کہتا تھا کہ ہندو مسلم آپس میں کوئی سمجھوتہ کر کے کسی فارمولا پر متفق ہو جاؤ۔ ہم تمھیں اختیارات منتقل کر دیں۔ لیکن ہندو مسلمانوں سے کسی مقصد پر متفق ہونے کی بجائے صرف کانگریس کو اختیارات منتقل کرانا چاہتا تھا۔

چنانچہ انگریز نے سب کانگریسی لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ کانگریسی ہندو اس امید میں تھے کہ جلد ہی جاپان آ کر انھیں آزاد کر اکر مکمل اختیارات ہمیں دے دیگا۔ لیکن جاپان شکست کھا گیا اور مسلمان ہندو کے آنے والے ظلم سے بچ گئے۔ جو کہ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء تک کانگریس وزارت کی شکل میں دیکھ چکے تھے۔

غازی عبدالغنی[1] صاحب بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۴۱ء کے شروع ہی میں میں کلکتہ میں ایک بیگ بنانے والے کارخانہ میں کام کرتا تھا اور اہلحدیث ہونے کی وجہ سے کسی اہلحدیث مسجد کی تلاش میں رہتا تھا۔ چنانچہ محلہ کولوٹولہ میں ایک مسجد جس کے خطیب مولانا محمد یوسف صاحب تھے ملاقات کہ کافی مراسم ہو گئے۔ ایک دفعہ مولانا محمد یوسف صاحب نے کہا کہ آؤ تمھیں ایک بزرگ آدمی سے ملائیں۔ چنانچہ وہ مجھے ایک جگہ لے گئے۔ وہاں ایک آدمی لمبے بالوں والا ڈاڑھی

[1] غازی عبدالغنی صاحب کہتے ہیں کہ مولانا فضل الٰہی صاحب سے میں پہلے غائبانہ متعارف تھا کیونکہ مولانا عبدالغفار صاحب قصوری سے بھی واقعات سنا کرتے تھے نیز اٹلی کے ریڈیو اسٹیشن سے اردو پروگرام جو اقبال شیدائی صاحب سیالکوٹی نشر کرتے تھے سے بھی پتہ لگتا رہتا تھا۔ نیز اس سے ایک سال قبل دہلی میں مولانا آزاد نے دہلی کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریز حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب سے تمام پابندیاں ختم کر دے۔ تاکہ وہ واپس اپنے وطن آ سکیں۔ ان تمام چیزوں کے سلسلے میں میں حضرت مولانا صاحب سے متعارف تھا ۱۲

Marfat.com

بڑی مونچھوں والا ملنگ شکل میں ملا۔ میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ ہم اجمیر شریف کی درگاہ کے ملنگ ہیں۔ مجھ سے انہوں نے پوچھا میں نے کہا کہ قصور کا رہنے والا ہوں اپنے خاندان کے افراد وغیرہ کے کوائف بتائے۔

مولوی محمد یوسف صاحب نے کہا کہ اس بزرگ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کر۔ میں نے کہا کہ ہم اہلحدیث لوگ ایسے مشرک ملنگوں کی بیعت نہیں کرتے جو قبروں کے مجاور ہوں۔ لیکن چند دن کے بعد اس شرط پر میں نے بیعت کر لی کہ اگر مولانا فضل الٰہی صاحب امیر المجاہدین سرحد سے آ جائیں تو میں ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کر لوں گا۔

بیعت کرنے کے بعد میں نے حضرت فقیر صاحب سے کوئی وظیفہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا خواہ تجھ پر کتنی ہی مصیبت کیوں نہ آ جائے اور نماز کی پابندی کرنا اور سب سے بڑا وظیفہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں کم از کم ایک انگریز کو ضرور قتل کر دے۔ میں حیران تھا کہ ملنگ ہوتا، اور شرک سے بیزاری کی تبلیغ کرتا اور انگریز کی دشمنی اس حد تک۔ کچھ سمجھ سے اوپر باتیں تھیں۔ بالآخر میں نے اقرار کر لیا۔ انہی دنوں چند دن بعد جاپان نے کلکتہ پر بمبارمنٹ کی اس افراتفری کے عالم میں سب لوگ بھاگ رہے تھے۔ میں بھی وہاں سے نکلا سامنے ایک کوٹھی میں انگریز مع اہل وعیال رہتا تھا اس کوٹھی میں داخل ہو کر انگریز کو جو بمباری سے ڈر کر ایک میز کے نیچے چھپا بیٹھا تھا اس کے بچے بھی کونے میں دبکے بیٹھے تھے دیوار پر اس کا پستول لٹک رہا تھا۔ میں نے جاتے ہی پستول پکڑ لیا اور انگریز کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد میں فقیر صاحب کے پاس گیا وہ پستول بھی ان کو دے دیا اور کہا کہ حضرت میں آپ کا وظیفہ پورا کر کے آیا ہوں۔ فقیر صاحب سجدہ میں گر گئے۔ میرے لیے بہت دعائیں کیں۔ چونکہ اس افراتفری میں کلکتہ قریباً خالی ہو رہا تھا۔ میں بھی قصور واپس آ گیا۔ مولانا عبدالقادر صاحب سے ملا ان کو تمام واقعہ بتایا تو انھوں نے فرمایا کہ وہی حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب تھے بچنانچہ اس کے بعد میں اور میرے بڑے بھائی مولوی عبدالحکیم صاحب دونوں کلکتہ گئے اور حضرت صاحب کے حکم سے لوگوں کو مسلم لیگ اور اس کی قرارداد پاکستان کی حمایت کے لیے بطور مبلغ مقرر ہوئے۔ مولانا راغب احسن صاحب سابقہ امیر جماعت مجاہدین شمالی ہند ۴۸-۱۹۴۰ء و موجودہ

Marfat.com

امیر المجاہدین مشرقی پاکستان۔ ایک تعارفی چٹھی میں لکھتے ہیں ۔

"ابوسلیمان حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعت مجاہدین سلسلہ سید احمد شہید بریلوی مرکز چمرکنڈ کا داخلہ تحریک خلافت ۱۹۱۹ء سے ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ نے ممنوع کر رکھا تھا۔ جب ۱۹۴۰ء میں بمقام لاہور قرارداد پاکستان پاس ہوئی اور حضرت امیر المجاہدین چمرکنڈ، یاغستان و سرحد آزاد سے خفیہ وزیر زمین وارد ہو چکے تھے۔ خادم و راقم کے پاس کلکتہ آئے۔ راقم نے حضرت صاحب کی اکابر مسلم لیگ اور قائد اعظم سے کئی کئی ملاقاتیں کروائیں۔ بنگال۔ بہار، چھوٹا ناگپور اور دکن میں جماعت مجاہدین کی از سر نو تنظیم کی اور شاخیں قائم کیں۔ قائد اعظم کے ساتھ مجاہدین کا میثاق استوار کیا۔ قائد دکن نواب بہادر یار جنگ صدر مجلس اتحاد المسلمین حیدر آباد دکن اس خادم کی تحریک پر باضابطہ طور پر حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب امیر المجاہدین کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل جماعت ہوئے اور علاقہ دکن کے امیر مقرر کیے گئے۔ بنگال، بہار، سی پی اور یو۔ پی کے اکابر بھی داخل جماعت ہوئے اور کلکتہ میں تنظیم مجاہدین کا مرکز قائم ہوا۔

بہر حال جماعت مجاہدین پوری طرح در پردہ مسلم لیگ کی قرارداد پاکستان کی حمایت کے لیے میدان ہموار کرتی رہی اور کانگرس برٹش حکومت سے سول نافرمانی کی تحریک جاری کر رہی تھی۔ صرف اس خیال سے کہ انگریز چند دنوں کے مہمان ہیں جاپان آنے والا ہے اور وہ حکومت ہم کو دے دیگا۔ لیکن مسلم لیگ ان ہنگاموں سے کنارہ کش رہی اور صرف اسی کوشش میں رہی کہ قانون کے اندر رہ کر زیادہ سے زیادہ حقوق محفوظ کر لیے جائیں۔

جنگ عالمگیر بند ہوئی تو پھر کانگرس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئیں مسلم لیگ صرف پاکستان آزاد حکومت کا مطالبہ پیش کرتی تھی جس کو کانگرس کسی بھی قیمت پر تسلیم نہ کرتی تھی۔ بالآخر اسی مطالبہ پر ریفرنڈم ہوا جس کے لیے کانگرس نے کافی کام لیا۔ حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب مرحوم نے بھی اپنے آدمی مقرر کیے۔ خصوصاً بنگال میں حسین شہید سہروردی وزیر اعظم تھے جو کہ مسلم لیگ کے زبردست حامی تھے۔ چنانچہ سہروردی نے اپنے ساتھ رکھنے کے لیے بطور معاون و محافظ حضرت مولانا صاحب سے ایک آدمی مانگا۔ تو

Marfat.com

آپ نے غازی عبدالغنی صاحب کو ان کے ساتھ کر دیا۔ جن کی وجہ سے انھوں نے بنگال میں کافی کام کیا۔ بلکہ سلہٹ کے ریفرنڈم میں بہت جوانمردی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا جس کی وجہ سے قریباً ڈیڑھ لاکھ ووٹ مسلم لیگ کو زیادہ ملے (اس کی تفصیل نوائے وقت ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۴ء کوہستان ۲۹ مارچ ۱۹۶۵ء میں دیکھی جاسکتی ہے۔)

ایک دفعہ اجمیر میں سردار عبدالرب نشتر کے ساتھ فقیرانہ لباس میں مسلم لیگ کے سٹیج پر غازی عبدالغنی نے تقریر کی جس میں مسلم لیگ کی حمایت میں زبردست تقریر کی (کوہستان ۱۴ فروری ۱۹۶۵ء)

بہرحال ۱۹۴۵ء سے مسلم لیگ کی حمایت میں قریباً تمام مجاہدین کو پاکستان بنانے کے لیے میدان ہموار کرنے میں لگا دیا۔ نہرو اور مسلم لیگ کے تمام بڑے بڑے لیڈروں کو حضرت مولانا صاحب کے ہند میں آنے کا علم تھا اور باقاعدہ صلاح ومشورے ہوتے تھے۔

بالآخر دسمبر ۱۹۴۵ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخاب کے نتائج کا جب اعلان ہوا تو مسلم لیگ کو حیرت انگیز کامیابی ہوئی یعنی قریباً سو فی صد نتائج مسلم لیگ کے حق میں تھے۔ یعنی مرکزی اسمبلی کی تمام نشستیں مسلم لیگ کے ممبروں کو ملیں حالانکہ کانگرس نے اپنے مسلمان ممبر بھی کھڑے کیے تھے۔ جس کی خوشی میں قائداعظم مسٹر محمد علی جناح صاحب نے یوم فتح منایا۔

اس شاندار کامیابی کے بعد قائداعظم نے پاکستان کے مطالبہ سے کم شئے پر کسی قسم کی گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ مسلم لیگ کی قراردادوں میں کچھ نئے الفاظ کا اضافہ ہوگیا "بشرط ضرورت طاقت کا استعمال"۔ "بغاوت" "ڈائرکٹ ایکشن" وغیرہ الفاظ ۱۹۴۶ء سے پہلے کبھی نہ استعمال کیے تھے لیکن اب مجبور ہوگئے تھے کیونکہ انگریز پاکستان نام کی حکومت کے بغیر کچھ اختیارات دینا چاہتا تھا اور کانگرس جو ہند کی بڑی جماعت تھی اس کا منشا ہی یہی تھا اس لیے انگریز اس کا پاس زیادہ کرتا تھا۔

حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب پاکستان کے مشوروں میں برابر شریک رہے اور بقول "قومی دلیر" (مجریہ ۱۲ اگست ۱۹۶۲ء) جب دہلی میں تقسیم ہند پر بحث ہو رہی تھی اس وقت آپ دہلی میں تھے اور جب شملہ مشن سے گفتگو ہو رہی تھی اس وقت شملہ میں موجود تھے۔

حضرت صاحب بھی اور دیگر تمام مسلمان بھی پہلے یہی ذہن رکھتے تھے کہ اگر ہندوسے تعاون کرنے سے انگریز چلا جائے تو پہلے اسے نکال لینا چاہئے لیکن نہرو رپورٹ اور کانگریسی وزارتوں نے اکثر مسلمانوں کو ہندو سے متنفر کر دیا تھا جس کا نتیجہ پاکستان کی شکل میں نکلا جس میں حضرت صاحب کا بہت زیادہ ہاتھ تھا۔ چنانچہ پاکستان بن جانے کے بعد ممدوٹ وزارت میں جب مولانا صاحب ظاہر ہو چکے تھے اور مرکز کے سابقہ کاغذات کی بناء پر گرفتار کر لیے گئے۔ تو نواب ممدوٹ نے فوراً مداخلت کر کے رہا کر دیا۔ اور مولانا صاحب سے معذرت کی اور تمام لاہور میں ان کا جلوس نکالا گیا۔ نواب ممدوٹ نے کہا یہ لوگ ہی تو اصل میں پاکستان کے بانی و معمار ہیں جن کو تم نے گرفتار کیا ہے۔

حضرت حافظ محمد یوسف گکھڑی[1] فرماتے ہیں کہ

غالباً ۱۹۴۶ء کے اواخر میں جبکہ تحریک مسلم لیگ زوروں پر تھی ایک دن میں کھانا کھانے گیا تو حافظ فضل کریم صاحب نے ایک خط دکھایا جس کے نیچے دستخط کوئی نہ تھے بحیثیت ایک فتوی اور مسئلہ کے تھا جس میں لکھا تھا "جو شخص مسلم لیگ کے ساتھ تعاون نہیں کرتا وہ بڑا مجرم ہے۔ مسلم لیگ کی مخالفت اتنا بڑا گناہ ہے کہ شفاعت پیغمبر کی شفاعت سے بھی معاف نہ ہو۔"

میں نے خط دیکھتے ہی بے ساختہ کہہ دیا کہ یہ خط مولانا فضل الٰہی صاحب کا تو نہیں ہے؟ میرا یہ کہنا تھا کہ حافظ فضل کریم صاحب اور ان کے لڑکے سب کے رنگ فق ہو گئے شاید وہ یہ سمجھے کہ اس شخص نے جو پہچان لیا ہے ضرور اسے کوئی نشانی یا ہینڈ رائٹنگ وغیرہ کی پہچان کرائی گئی ہے جو فوراً پہچان گیا اور انگریزی دور میں تو مولانا فضل الٰہی صاحب ایک مفرور باغی گردانے گئے تھے جن کی گرفتاری پر انعام بھی مقرر تھا اور ان کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔

میں نے محسوس کر لیا اور حافظ فضل کریم صاحب کو یقین دہانی کرائی کہ میں کوئی مشکوک آدمی نہیں ہوں بلکہ میں ان سے غائبانہ محبت رکھتا ہوں اور ان کے مشن کو درست سمجھتا ہوں اس پر میں نے پوری طرح یقین دلایا کہ مجھے جو ان سے والہانہ دلی لگاؤ ہے اس کی

[1] حافظ محمد یوسف صاحب ان دنوں لاہور میں رہتے تھے اور صدر میں کاروبار کرتے تھے اور حافظ فضل کریم صاحب کے

وجہ سے میں نے خط ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ ورنہ میرے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے آپ مجھ سے بالکل بے خوف رہیں۔ دراصل حافظ صاحب کو اپنے استاد مولانا سلطان احمد صاحب ننت والوں سے حضرت مولانا کے حالات کا کافی علم ہو چکا تھا اور ان سے غائبانہ محبت تھی۔

سنہ ۱۹۴۷ء کے اوائل میں ایک دن گھر پہ روٹی کھانے گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک سفید ریش بزرگ سیرت پیر مرد گھر پہ بیٹھے ہیں۔ میں دیکھتے ہی کہہ اٹھا کہ کیا یہ مولانا فضل الٰہی صاحب تو نہیں ہیں؟ حافظ صاحب کو حیرانگی تو ہوئی لیکن پہلے جتنی نہ ہوئی۔ یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔

دوران گفتگو میں نے ان سے مسلم لیگ کے متعلق چند ایک سوالات بھی کیے۔ یہ بھی پوچھا کہ اگر ہندو قوم سے تعاون کیا جائے تو شاید آزادی جلد مل سکے۔ مولانا صاحب نے جواب میں سورہ ممتحنہ کی آیت پڑھی۔ ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء وودوا لو تکفرون۔ اور فرمایا کفر ہر حالت میں تمہارا دشمن ہے اور کبھی بھی وہ دشمنی سے باز نہیں آسکتا اور مسلمان خواہ کیسا ہی ہو وہ ضرور ہمدردی کرے گا مگر یہ کہ منافق ہو۔

کچھ دیر ملاقات ہوتی رہی جب اٹھنے لگے تو میں نے مؤدبانہ گزارش کی کہ میں آپ کے ہاتھ پہ جہاد کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مولانا صاحب نے باقی دوسرے افراد کو بھی بلا کر دوبارہ بٹھا لیا اور جہاد کے موضوع پہ مختصر سی تقریر فرمائی اور سب سے جہاد فی سبیل اللہ پہ بیعت لی اس کے بعد ان کے چلے جانے کا مجھے علم نہ ہوا کہ کب چلے گئے اور پھر پاکستان بن جانے کے بعد ملاقات ہوئی۔

سنہ ۱۹۴۸ء کے شروع میں حضرت مولانا صاحب سے ملاقات ہوئی اور آزادانہ ہوئی کیونکہ

لہ غالباً اس وقت کلکتہ سے محمد علی جناح صاحب کی ملاقات کر کے واپس آ رہے تھے کیونکہ تحریک مسلم لیگ میں انھوں نے بہت ملاقاتیں کی تھیں لیکن بہت رازداری سے کیونکہ انگریز کی سی۔ آئی۔ ڈی ہمیشہ ان کے پیچھے رہتی تھی ۱۲

پاکستان بن جانے کے بعد ان سے پابندی خود بخود ختم ہو گئی۔ ملاقات ان کے بھتیجے عبدالرحمن آزر صاحب کی کوٹھی پر ہوئی۔ آپ نے کئی مرتبہ فرمایا "یوسف! خدا تمھیں جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت نصیب فرمائے۔ اگرچہ میں بیعت تو پاکستان بننے سے پہلے ہی کر چکا تھا لیکن پھر بھی مجھے حکماً نہیں کہا بلکہ ترغیباً فرمایا اور کئی مرتبہ فرمایا۔ خدا تمھیں جہاد کی سعادت نصیب فرمائے"۔

ایک دن ایک موقع مجھے ایسا ملا کہ صرف میں اور حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب دونوں ہی کمرہ میں رہ گئے۔ چنانچہ میں نے بڑی بے باکی سے پوچھا کہ حضرت آپ اس وقت اکیلے ہیں خدا کو گواہ کر کے آپ مجھے بتائیں کہ کیا مولانا محمد بشیر صاحب امیر المجاہدین چمرقند کے قتل میں آپ کا ہاتھ بھی تھا؟ آپ نے سرد آہ کھینچ فرمایا یوسف انشاء اللہ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں اور اس احکم الحاکمین کو، جو انسان کے دل کے مالک کو گواہ کر کے کہتا ہوں جس کے سامنے تمام لوگوں نے پیش ہونا ہے۔ میرا اس قتل میں کوئی حصہ نہیں بلکہ خدا کی قسم مجھے تو علم بھی نہیں کہ انھیں کس نے قتل کیا کیونکہ میں ان دنوں کہیں دوسری جگہ گیا ہوا تھا اور واقعہ قتل کے تین چار دن بعد آیا تھا۔ جہاں تک اصل حقیقت میں سمجھا ہوں انہیں انگریز نے قتل کروایا تھا اور میرے سر تھوپ دیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک تیر سے دو شکار کرے۔ کیونکہ وہاں اسلامی قانون کے مطابق جرگہ فیصلہ کر کے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ قتل کر دیا جائے۔ انگریز اسمست کے رؤسا سے قریباً بے خوف ہو چکا تھا۔ لیکن چمرکند کے مجاہدین سے ابھی تک بے خوف نہ تھا۔ وہاں صرف دو ہی آدمی تھے جن کے ہاتھ میں مجاہدین کی باگ ڈور تھی۔ مولانا محمد بشیر صاحب اور میں (مولانا فضل الٰہی صاحب) ایک کو انگریز نے قتل کروا دیا اور دوسرے کو اس طرح مروا دینا چاہا۔ تاکہ مجاہدین کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے وہ تو جرگہ کے فیصلہ کرنے والوں کو میرے قاتل ہونے کی کوئی دلیل نہ مل سکی جس کی وجہ سے میں بری ہو گیا۔ حالانکہ اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے جرگہ متواتر چار دن تک فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھا رہا۔

الحمد للہ میری اس بیان سے پوری تسلی ہو گئی کیونکہ میں نے سنا ہوا تھا کہ مولانا بشیر صاحب کے

قتل کروانے والے مولانا فضل الٰہی صاحب ہیں۔ بلکہ ہندوستانی اخباروں میں موٹی سرخی کے ساتھ یہ خبر چھپی تھی کہ مولانا محمد بشیر صاحب قتل کر دیے گئے اور خیال ہے کہ مولوی فضل الٰہی صاحب نے یہ کام کروایا ہے۔ بہر حال انگریز نے جو خبر دی تھی اخباروں نے وہی خبر چھاپی تھی۔

اس گفتگو کے بعد حضرت مولانا صاحب سے رخصت ہوا۔ اپنی دوکان پر گیا۔ اور دوکان کے شریک کار اختر حسین صاحب صدیقی سے مشورہ کیا کہ میں کشمیر کے جہاد کی مہم پر جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اختر صاحب نے اجازت دے دی ان دنوں میں چار ہزار کی مالیت کا مال دوکان میں تھا کیونکہ ایک سو روپیہ زکوٰۃ ابھی تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ ادا کی تھی۔

میں کشمیر کے جہاد کی مہم پر جانے کا عزم کر کے حضرت مولانا صاحب کو اطلاع دی۔ چنانچہ حضرت مولانا صاحب نے مجھے بھی اور اپنے اکلوتے بیٹے محمد سلیمان کو بھی تیار کیا اور اپریل ۱۹۴۸ء میں ہمیں الوداع کہنے گئے اور مجھے اپنی ذاتی رائفل جو نشہ کی حکومت کا اسلحہ تھا اور جرمنی کی بنی ہوئی تھی دو ہزار گز تک مار کرتی تھی دی اور سردار عبدالقیوم صاحب کے ہاتھ سے دلوائی کیونکہ اس نے بھی حضرت مولانا صاحب کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی ہوئی تھی۔ مولانا فضل الٰہی صاحب کے بھائی محمد الٰہی صاحب کی زوجہ محترمہ نور بیگم صاحبہ نے مجھے بیٹوں کی طرح الوداع کیا اور راولپنڈی تک میرے ساتھ گئیں کیونکہ ان سے اولاد کوئی نہ تھی اور بعد میں میرے گھر پر بھی خبر گیری کے لیے آتی رہیں۔

اس مہم سے ہم چار ماہ بعد واپس آئے عید اپنے گھر میں کی اور پھر دوبارہ محاذ پر چلے گئے۔ جہاد کشمیر میں حصہ لینے والوں میں عمر فاروق صاحب مولانا داؤد صاحب غزنوی کے صاحبزادے نے نمایاں کام سر انجام دیئے۔ جب میں دوسری مرتبہ محاذ کشمیر پر گیا تو اختر صاحب میرے کاروباری ساتھی بھی دوکان اونے پونے داموں دے کر کشمیر کے جہاد کی مہم پر چلے گئے گویا دوکان ساری کشمیر کے جہاد کی نذر ہو گئی۔

دوسری مرتبہ میں تھوڑا عرصہ ہی محاذ پر رہا کہ میں بیمار ہو جانے کی وجہ سے اجازت لے کر

Marfat.com

واپس آگیا اور گکھڑ کی مسجد کے لیے جو مکان والد صاحب نے وقف کیا تھا اسے گرا کر مسجد بنوانا شروع کر دی۔ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ آنریبل لیاقت علی خاں نے کشمیر کے محاذ پر سیس فائر کا آرڈر دے دیا جس کا مولانا فضل الٰہی صاحب کو اتنا صدمہ ہوا کہ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ مولانا صاحب کا خیال تھا کہ کشمیر کو رہنے دیں انشاء اللہ چند دنوں میں ہم چھین لے دیں گے لیکن چونکہ جنگ بندی کا اعلان ہو چکا تھا مجبوراً محاذ سے واپس آگئے اور مولانا صاحب اس صدمہ میں کافی دیر صاحب فراش رہے جب کوئی شخص کشمیر کے متعلق بات کرتا تو مولانا صاحب فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتے ورنہ بستر پہ لیٹے ہی رہتے بالآخر اسی صدمہ سے مورخہ ۵ رمئی ۱۹۵۱ء کو جہلم میں عالم فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

"امت محمدیہ کا سب سے بڑا خیر خواہ مجاہد جو رات بھر سجدوں میں روتا تھا"۔

"ولی را ولی مے شناسد"۔ حضرت امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی کا جس دن وصال ہوا۔ اللہ کے ایک بڑے ولی کامل۔ صاحب کشف و کرامت بزرگ حضرت باباجی ٹوفران حاجی عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جو قطب وقت۔ سراپا مجاہدات وسر چشمۂ فیوض و برکات تھے۔ بے حد پریشان تھے اور اپنی بے چینی طرح طرح سے فرما رہے تھے۔ حضرت باباجی نے زراعتی فارم راولپنڈی کے سامنے اپنے فقیرانہ خیمہ میں حسب معمول نماز مغرب کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

"آج دنیا سے امت محمدیہ کا سب سے بڑا خیر خواہ مجاہد اٹھ رہا ہے جو رات رات بھر امت کے لیے سجدوں میں روتا تھا اب امت پر اس طرح رونے والا کون ہو گا؟ اس وقت دنیا میں اس مجاہد کی مثال نہیں ہے"۔

تھوڑی دیر بعد ریڈیو پاکستان نے اعلان کیا کہ "جماعت مجاہدین سلسلہ سید احمد شہید کے امیر مولانا ابو سلیمان فضل الٰہی کا جہلم میں انتقال ہو گیا اور ان کی تدفین کل مشہد بالاکوٹ میں حضرت سید احمد شہید بریلوی و حضرت شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کے مزارات کے جوار میں ہو گی"۔

Marfat.com

ان کا چہرہ دیکھنا بھی ثواب ہے ۔ حضرت باباجی ڈفران کے خلف الصدق حضرت کاکاجی مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المجاہدین مولانا ابوسلیمان فضل الٰہی جہاد کاشمیر کے دوران ، غازی عبدالغنی قصوری کے ساتھ باباجی کے خیمہ زراعتی فارم راولپنڈی کے سامنے تشریف لائے ۔ جب کبھی امیر المجاہدین آتے تھے تو حضرت باباجی باغ و بہار ہو جاتے تھے ۔ مولانا کو دیکھ کر نہایت درجہ خوش ہوتے تھے ۔ بعد تعظیم و تکریم فرماتے تھے اور ایسی خاطر تواضع کرتے تھے کہ لوگ حیران ہو جاتے تھے ۔ کچھ لوگوں نے حضرت باباجی ڈفران سے کہا کہ یہ مولانا صاحب تو "وہابی" ہیں ۔ حضرت باباجی نے جواب دیا "ایسی بات مت کہو ۔ ان کو برا مت کہو یہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے اپنا تن من دھن سب قربان کرنے کی نیت سے گھر سے نکل کر دربدر پھر رہے ہیں ۔ یہ تو وہ بزرگ ہیں کہ ان کا چہرہ دیکھنا بھی کار ثواب ہے ۔ جو مولانا فضل الٰہی کا چہرہ دیکھتا رہتا ہے ثواب دارین حاصل کرتا ہے"۔

حضرت باباجی ڈفران نے پھر فرمایا "ہمارے پاس جتنے مال مویشی گائے ، بیل ، بھینس اور بچھڑے ہیں سب امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی کو نذر کر دو ۔ مجاہدین کاشمیر کے کھانے کے لیے دیدو"۔

چنانچہ حضرت باباجی نے اپنے سارے مال مویشی مجاہد اسلام غازی عبدالغنی کے حوالے کیے اور غازی صاحب نے کاشمیر جہاد فرنٹ پر ان کو ذبح کر کے مجاہدوں کو کھلا دیے جن پر اکثر فقر و فاقہ گذرتے تھے ۔

مولانا صاحب نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے بالاکوٹ میں لیجا کر دفن کرنا ۔ چنانچہ بذریعہ ٹرک میت کو بالاکوٹ لے جا کر لب سڑک اس قبرستان میں دفنا دیا گیا جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ سید احمد بریلوی کا مزار ہے ۔ اور ان کی یادگار میں وہاں ایک درس قائم کیا گیا جس کی نگرانی قاضی محمد یونس صاحب بالاکوٹ کے سپرد کی گئی ۔ قاضی محمد یونس صاحب ۲۰ ر دسمبر ۱۹۶۳ء میں فوت ہوئے ان کے بعد ان کے لڑکے قاضی خلیل صاحب جہنم ہیں ۔ چنانچہ صاحبزادہ محمد سلیمان صاحب ۴ ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو جب گئے تو انہوں نے باقاعدہ مدرسہ کا معائنہ کیا

Marfat.com

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ

حضرت صاحب کی زندگی کے بعض چیدہ واقعات

مندرجہ ذیل واقعات از قسم کرامات ہیں جن کا اکثر تعلق حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب کی زندگی سے ہے یا پھر کچھ دوسرے واقعات جن کا تعلق تحریک مجاہدین سے ہے۔ وہ واقعات جس جس بزرگ نے بتائے اسی کے حوالے سے درج ہیں۔

صوفی عبد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

بمبئی کے ایک پیر ہدایت اللہ صاحب تھے جو حضرت صاحب کے شاگرد تھے۔ انھوں نے بمبئی کے کسی سیٹھ کی بیوی کا علاج کیا اسکو اٹھرا کی بیماری تھی یعنی اولاد نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ پیر صاحب کے علاج سے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا۔ چنانچہ سیٹھ نے اس خوشی میں بہت بڑی دعوت کی جس میں پیر شاہ صاحب بھی گئے تھے۔ اور فرمانے لگے کہ کاش آج حضرت صاحب بھی ہوتے تو اس دعوت میں شریک ہوتے۔ اس پیر صاحب کے ماتحت جن تھے۔ اس نے جنوں کو کہا کہ جاؤ۔ حضرت صاحب کو اٹھا کر لے آؤ۔ چنانچہ حضرت اس وقت اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے کندھوں پر بوجھ پڑ گیا۔ حضرت صاحب نے ان کو ڈانٹا تو دونوں جن جو لینے آئے تھے دونوں طرف لیٹ گئے۔ حضرت صاحب نے پوچھا کیا بات ہے۔ تو انہوں نے ساری بات عرض کر دی۔ حضرت صاحب نے ان جنوں کو کہا کہ جاؤ شاہ صاحب

Marfat.com

کو لے آؤ۔ چنانچہ وہ شاہ صاحب کو لے آئے تو حضرت صاحب فرمانے لگے کہ کرامتیں جنوں کی معرفت حاصل نہیں ہوتیں - کرامت تو یہ ہے کہ جن ماتحت تو تمہارے ہوں اور کہا میرا ماتیں کیونکہ حضرت صاحب نے پیر صاحب کو منگوالیا تھا۔

صوفی صاحب نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ ہم (صوفی صاحب) اور حضرت صاحب جودھپور گئے۔ سورتی دروازہ کے اندر اہلحدیث کی مسجد میں ہم بیٹھے تھے کہ ایک سیٹھ آیا اور ہم کو اپنے گھر لے گیا - ایک الماری کھولی جو روپوں کی بھری ہوئی تھی - پھر دوسری الماری دکھائی جو پونڈوں کی بھری ہوئی تھی - تیسری نوٹوں کی بھری ہوئی تھی اس نے کہا کہ اس میں سے جتنا مال چاہتے ہو لے لو۔ ہم نے کہا جتنا تم چاہتے ہو دے دو۔ اس نے کہا نہیں تم جتنا چاہتے ہو لے لو۔ چنانچہ ہم نے کپڑوں میں کافی روپے باندھ لیے۔ جب روپے باندھ لیے تو اس نے کہا کہ اب خوش ہو ہم نے کہا ہاں بہت خوش ہیں اس نے کہا اب مجھے بھی خوش کرو کیونکہ میری اولاد کوئی نہیں جو میری وارث بنے دعا کرو کہ اللہ تعالےٰ مجھے لڑکا عنایت فرمائے۔ ہم نے کہا پھر روپے واپس لے لو ہم لالچ میں آکر دعا نہیں کرتے - ویسے ہی دعا کریں گے۔ سیٹھ نے کہا کہ نہیں یہ تم لے جاؤ اور اگر نہ لوگے تو میں پولیس کو اطلاع دوں گا اور تم کو چور کہہ کر پکڑا دوں گا - رات کو مولانا صاحب نے دعا فرمائی - صبح کو حضرت صاحب نے سیٹھ کو بتایا کہ اللہ تعالےٰ تجھے دو توام (جڑواں) اکٹھے لڑکے دے گا ایک کا نام عبدالحمید اور دوسرے کا عبدالحفیظ رکھنا۔ صبح کو سیٹھ نے کہا کہ میں تم کو اب چھوڑ آتا ہوں کیونکہ اتنا روپیہ اٹھانا تمہیں مشکل بھی ہے اور خطرہ بھی کہ کہیں پکڑے نہ جاؤ - چنانچہ وہ ہمیں لاہور تک چھوڑنے آیا - دوسرے سال ہم گئے۔ میں نے حضرت صاحب کو کہا کہ نہ جانا چاہیئے کہیں بدنامی نہ ہو - حضرت صاحب نے فرمایا نہیں ضرور جائیں گے - انشاءاللہ میری دعا قبول ہو چکی ہے - خیر ہم مسجد میں گئے اور حضرت صاحب نے مسجد میں اعلان کیا کہ فقیر آگئے ہیں (عوام میں مجاہدین فقیر لوگ مشہور تھے) اور سیٹھ کو اطلاع دی وہ ننگے پاؤں چل کر آیا اور حضرت صاحب کو گھر لے گیا - ہزار

Marfat.com

روپیہ حضرت صاحب کو دیا اور پانچ صد مجھے دیا اور آئندہ ہر سال پانچ صد روپیہ دیتے رہنے کا وعدہ کیا اور حضرت صاحب کو مبارک بھی دی کہ اللہ تعالے نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ واقعی اس کے ہاں دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام اس نے عبدالحمید رکھا اور دوسرے کا عبدالحفیظ۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ صوفی صاحب نے بیان کیا جو کہ ان کے سامنے شیخ عبدالرحمن صاحب امرتسری شیشہ والوں نے بیان کیا تھا کہ ایک سیٹھ بے اولاد تھا اس نے شیخ صاحب کی معرفت حضرت صاحب سے دعا کی سفارش کی۔ چنانچہ اس کے حق میں دعا فرمائی۔ تو رات خواب میں ایک لوٹا دیکھا۔ لیکن اس کی ٹونٹی کوئی نہ تھی۔ صبح کو آپ نے یہ خواب شیخ صاحب کو بتایا کہ سیٹھ تو بے ٹوٹی والا لوٹا ہے۔ جب تصدیق کی گئی تو واقعی درست نکلا۔

صوفی صاحب نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ دہلی میں رات کو مجھے شہوت نے بہت تنگ کیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میں یہاں مسافری میں ہوں اگر میں کسی سے بے حیائی بھی کر لوں تو مجھے کون پہچانتا ہے چنانچہ اس کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا جیسا کہ حضرت صاحب تشریف لے آئے ہیں اور حضرت صاحب نے مجھے ڈنڈے سے بہت مارا۔ کچھ دنوں کے بعد جب میں وزیرآباد حضرت صاحب کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیج کر تمہیں برائی سے روکا تھا ورنہ میں تو نہیں تھا۔

اسی طرح صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ڈھاکہ (صوبہ بہار میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے) سے مولانا پیر زین العابدین صاحب سے پانچ ہزار روپیہ لے کر آ رہا تھا اور لیتے وقت ان کا ایک ملازم دیکھ رہا تھا وہاں سے اسٹیشن قریباً پانچ چھ میل پہ تھا۔ راستہ میں دو آدمی جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں میری طرف آئے ابھی قریب نہیں آئے تھے

Marfat.com

کہ بالکل ایسا معلوم ہوا کہ حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب تشریف لے آئے ہیں ان کے ہاتھ میں بھی لاٹھی ہے اور ان دونوں کو خوب پیٹنے لگے اور مجھے فرمایا کہ اسٹیشن کو بھاگ جاؤ۔

صوفی صاحب ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مالی اسٹیشن پر میں بخار سے بیتاب پڑا تھا اور سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ اٹھنے کی سکت نہ تھی۔ کوئی پانی پلانے والا بھی قریب نہ تھا۔ تو میں نے دل میں کچھ گلہ سا کیا کہ خدایا نہ میری ماں نہ باپ، اکیلا تو پہلے ہی ہوں کوئی پرسان حال نہیں ہے تو اب مجھے اس سفر میں بیمار کر دیا ہے۔ اتنے میں آواز آئی کہ ماں باپ کو ملنا ہے اور اتنے میں واقعی میرے ماں باپ آگئے۔ میں نے کہا تم تو فوت ہو چکے ہو تم کہاں سے آگئے؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں خدا تعالےٰ نے تمہاری بیماری پرسی اور تسلی کے لیے بھیجا ہے پھر انہوں نے کہا کہ تجھے پیاس لگی ہے یہ لو پانی پی لو تمھیں آرام آجائے گا۔ چنانچہ میں نے پانی پیا تو واقعی فوراً میں چنگا بھلا ہو گیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اب ہم جاتے ہیں میں نے کہا کہاں جاؤ گے؟ کہا جہاں سے آئے ہیں وہیں جائیں گے۔ میں نے کہا اب میں نہیں جانے دوں گا اور اٹھ کر ان کو پکڑ لیا۔ تب انھوں نے کہا میاں ہم تو فرشتے ہیں اللہ تعالےٰ نے تمہاری تسلی کے لیے ہمیں بھیجا تھا۔ اب ہم جاتے ہیں۔

مولوی عبدالقادر صاحب کڑالی فرماتے ہیں کہ علاقہ گلیات (ہزارہ) میں کچھ بقیۃ السیف مجاہدین جو بالاکوٹ سے بچ گئے تھے ہمارے علاقہ میں آگئے چونکہ ہمارا علاقہ کافی اونچا دشوار گذار پہاڑی علاقہ ہے اس لیے وہ بالکل محفوظ رہے۔ وہاں مجاہدین نے جو پانی پینے اور جانوروں کو پلانے کے لیے حوض بنائے تھے اس میں اوپر کے چشموں سے پانی لایا گیا تھا۔ اب بھی وہاں ان حوضوں کے نشان موجود ہیں چنانچہ ہمارے علاقہ میں ایک عبداللہ شاہ بہت بزرگ آدمی ہوئے ہیں انھوں نے جب دیکھا کہ مجاہدین کو کھانے کی تنگی ہے تو انہوں نے اپنی بیوی سے سارا زیور مانگ کر انھیں دیدیا اور روزانہ اپنے

علاقہ کے پہاڑی دیہات میں سے گھر گھر سے بچے کھچے ٹکڑے مانگ کر ٹوکرا بھر لیتے اور وہاں مجاہدین کو پہنچا دیتے ہیں نے انھیں بہت ہی مخلص پایا ہے۔

مولانا عبد القادر صاحب نے ہی فرمایا کہ

حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب فرمایا کرتے تھے دو شخصوں کی وفات کا مجھے اتنا صدمہ پہنچا کہ اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہا۔ ایک تو مولوی عبد العزیز رحیم آبادی تھے جنہوں نے نعمت اللہ کو روپیہ بھیجنا بند کر دیا بلکہ ان کے قتل کا فتویٰ بھی دیدیا۔ دوسرے مولوی عین الہدیٰ صاحب لکھنوی تھے۔ بہت بڑے بزرگ آدمی تھے اولیائے کرام سے تھے اور مولوی فضل الٰہی صاحب کو بہت روپیہ وغیرہ سے امداد کرتے تھے حالانکہ چندہ وغیرہ بھی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے ان کی مخبری کی کہ یہ ٹکسال بناتے ہیں۔ چنانچہ انگریز افسر نے چھاپہ مار کر پوچھا کہ آپ کا اپنا مدرسہ حفظ القرآن بھی ہے اور مجاہدین کی بھی امداد کرتے ہو۔ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ فرمایا کہ میرے پاس ٹکسال یعنی جعل سازی نہیں ہے۔ بلکہ میرے شاگرد جنات لاتے ہیں (انسانوں کے مرد میرے کوئی سفیر نہیں ہیں) چنانچہ انھوں نے ایک صندوق کو تالا لگا کر چابی انگریز افسر کو دے دی اور (دعا) یا استارہ وغیرہ کیا تو صندوق میں پونڈ گرنے شروع ہو گئے۔ حتیٰ کہ صندوق بھر گیا۔ جب انگریز نے کھولا تو واقعی صندوق پونڈوں کا بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ انگریز افسر چھوڑ کر چلا گیا اور کہتے لگا۔ کہ آپ پر کوئی جرم نہیں ہے۔

حضرت حافظ محمد یوسف صاحب گکھڑوی فرماتے ہیں کہ

ایک دفعہ حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ عوام کو قتل کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ کہ کفر کے اماموں کو قتل کرو۔ گاندھی کو قتل کرو۔ نہرو کو قتل کرو۔ پٹیل کو قتل کرو۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میں نے (رائل فیملی) شاہی خاندان انگریز کے کتنے ہی بڑے بڑے آدمی مروائے تھے۔

Marfat.com

ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا کہ میں ایک دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا قرآن کو غور سے پڑھو۔ سورہ مائدہ کی پہلی آیتیں دیکھو جہاں یہ فرمایا ہے اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ، وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ، وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ الآیہ کہ آج کے دن تمہارے لیے اہل کتاب کا کھانا، اور مومنہ عورتوں سے نکاح اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنا حلال کر دیا ہے۔ اس سے پہلے جو فرمایا ہے اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ الآیہ کہ آج کے دن جو اجازت دی گئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ اسلام کا غلبہ ہو چکا ہے تمہیں کفار سے کسی قسم کا خطرہ نہیں رہا۔ اسلامی حکومت کے قیام کا انعام مکمل ہو چکا ہے۔ اب اگر تم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرو گے تو تم ان سے متاثر نہیں ہو سکو گے بلکہ وہ ہی تم سے متاثر ہوں گی۔ اب اگر ایک سے زائد مومنہ عورتوں سے بھی نکاح کرو گے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اب اسلام کو اتنی زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں رہی جتنی کہ پہلے تھی۔ چنانچہ فرمایا کہ اب تم خود سوچو کہ ان موجودہ حالات میں زیادہ نکاح کر کے دین کی خدمت کے لیے وقت دے سکو گے؟ چنانچہ میں نے نکاح ثانی کا ارادہ ترک کر دیا۔

صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ پاکستان بن جانے کے بعد بھی ایک دفعہ افغانستان نے ہمیں پیغام بھیجا کہ اب بھی چمرکنڈ کا ڈیرہ آباد کر لو تو ہم تمھیں تمہارا وظیفہ دینا شروع کر دیں گے (کیونکہ افغانستان سے چمرکنڈ کو بارہ ہزار روپیہ سالانہ ملا کرتا تھا) لیکن حضرت صاحب نے انکار کر دیا کہ اب ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہیں ہماری جنگ انگریز سے تھی وہ چلا گیا ہے ہمارا مقصد ہی اسلامی حکومت قائم کرنا تھا سو وہ ظہور میں آگئی ہے۔

مولانا عبدالقادر صاحب کڑالی نے فرمایا کہ جب ۱۹۴۷ء میں کشمیر میں جنگ شروع ہوئی تو حضرت صاحب نے مجاہدین کو حکم دیا کہ فوراً کشمیر پہنچ جائیں (اس کوشش میں ایک کتاب

Marfat.com

"مسئلہ جہاد کشمیر" بھی مرتب کر کے شائع فرمائی ہو کہ تحریک مجاہدین پر کافی روشنی ڈالتی ہے) چنانچہ غازی عبدالغنی کو ہمارے علاقہ نرداہ میں بھیجا تاکہ قوم کڑال جو کہ ہمیشہ سے مجاہدین کی معاون رہی ہے وہ بھی اپنے مجاہدین کو کشمیر میں بھیج دے جب انہوں نے آکر ہمارے علاقہ میں اعلان فرمایا تو لوگوں نے سمجھا شہزادہ صاحب (برکت اللہ) خود تشریف لے آئے ہیں چنانچہ لوگوں نے مجھے پوچھا کہ یہ شہزادہ صاحب ہیں میں نے کہا ہاں چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام قوم کڑال کے ڈیڑھ لاکھ افراد جہاد میں جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ابھی صرف پہلا قافلہ دو صد کا ہی روانہ ہوا تھا اور کوہالہ پہنچ گیا تو انہیں آگے جانے سے روک دیا گیا اور کشمیر کی ڈھونڈ قوم نے عبدالقیوم کو کہہ کر واپس کروا دیا۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ اگر یہ قوم پہنچ گئی تو ہمارا حصہ کچھ نہ بچے گا۔

امیر رحمت اللہ جو مرکز اسمست میں تھے ان کے آدمی بھی جہاد میں کشمیر آئے تھے (غالباً امیر رحمت اللہ ۱۹۵۷ء میں فوت ہوئے ان کی دو لڑکیاں تھیں ایک برکت اللہ کے گھر اور دوسری اس کے بھائی صبغۃ اللہ کے گھر) (امیر نعمت اللہ کے تین بیویوں سے تین لڑکے تھے برکت اللہ۔ صبغۃ اللہ۔ آیۃ اللہ) شہزادہ برکت اللہ پاکستان بننے کے بعد گرفتار ہو گیا تھا۔

مولوی عبدالعزیز کاتب صاحب نے برکت اللہ کی گرفتاری کی وجہ یہ بتائی کہ ایک تو اس نے کشمیر کے جہاد میں عورتوں وغیرہ کی بردہ فروشی کی تھی اور کچھ غبن بھی کیا تھا۔ اور جعلی نوٹ بھی بنانے کا الزام تھا۔ کچھ چرس وافیون کی سمگل کا بھی الزام تھا۔ اس کے علاوہ پولیٹیکل معاملات میں افغانستان کے لیے پاکستان سے غداری کا بھی الزام تھا۔

برکت اللہ ابھی گرفتار ہی تھا کہ امیر رحمت اللہ فوت ہو گئے اور اسمست کی جائداد پر صبغۃ اللہ قابض ہو گیا۔ برکت اللہ ڈاکٹر خان کی وزارت بننے پر رہا ہوا کیونکہ اس نے تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے تھے۔ حالانکہ اس پر اخلاقی جرم کے بھی کئی ایک مقدمے تھے

Marfat.com

لیکن برکت اللہ رہا ہوتے ہی سرحد پار کر کے آزاد علاقہ میں چلا گیا۔ لیکن صبغۃ اللہ نے اسے اسمست میں داخل ہونے سے روک دیا اور کہا اگر اس طرف منہ کیا تو اڑا دوں گا۔ چنانچہ برکت اللہ ایک سال مرغنی میں رہا کیونکہ وہاں بھی اسمست کی طرح مجاہدین کے لیے کچھ جاگیر وقف تھی۔ سال بعد پانچ صد آدمی لے کر صلح کے لیے اسمست گیا صلح تو ہوئی لیکن رات کو صبغۃ اللہ نے فائرنگ شروع کر دی کچھ زخمی بھی ہوئے۔ برکت اللہ کے آدمیوں نے بھی جوابی کارروائی کی جس سے ایک آدمی مارا گیا اور صبغۃ اللہ بھاگ کر راولپنڈی آ گیا۔ اس وقت سے برکت اللہ اسمست کی جاگیر پر قابض ہے اور اپنی غلط کارروائیوں کی وجہ سے اس کا داخلہ پاکستان میں ممنوع ہے۔

صبغۃ اللہ نے راولپنڈی میں ایک کوٹھی بنائی ہے اور پیرس بازار میں "پیراہن" کے نام سے بزازی کی دوکان کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کوٹھی اور کاروبار سب مجاہدین کے روپیہ سے ہی بنے ہیں۔

آیۃ اللہ مرغنی کی جاگیر پر قابض ہے۔

Marfat.com

ضمیمہ

(کانگرسی ہندو کی مسلم کش پالیسی)

ایک مکتوب جو ہندی جماعتوں کی طرف سے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔ اسی مکتوب میں سے حضرت صاحب کی طرف سے پیش لفظ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کا باقی حصہ یہ ہے اس کے مطالعہ سے پہلے ایک مرتبہ پیش لفظ کو پھر پڑھ لینا چاہیے۔ یہ مضمون سنہ ۱۹۳۸ء کا لکھا ہوا ہے

المرتب

خالد گھرجاکھی

Marfat.com

اہل ہند کی طرف سے قانون جدید کے متعلق ایک اہم سوال

اور اس کا جواب

سوال :- ایک زمانے سے مجھ دور افتادہ خادم وطن کے پاس مختلف مکتوب اطراف ہند سے اور متعدد خطوط ایسے شخصوں کی طرف سے جن کو جانتا پہچانتا نہیں۔ اس قسم کے پہنچ رہے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے اندر مجھے پر زور سفارش کی جاتی ہے کہ میں اپنا نقطۂ نظر موجودہ دستور اساسی کے زیر اثر ہندوستان میں متشددانہ تحریکات اور عملیات کی نسبت بصورت فوری اور ضروری واضح کر دوں اور بعض خطوں میں اہالی سرحد آزاد کے سمجھ دار طبقہ کی رائے بتلانے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ میں اب یہ نہ سمجھ سکا کہ ایسی سیاسی باتوں کے اتنے الحاح اور اصرار کے ساتھ حتیٰ کہ خدا اور رسول کا واسطہ دے کر پوچھنے میں کیا غرض اور مطلب ہے۔ جتنی دماغ سوزی کی اتنا ہی ناکام رہا۔ آخر میں نے ان تمام خطوں کو سرحد آزاد کے بعض اصحاب ذی رائے اور رفیقان تجربہ کار پر پیش کیا اور ان سے مشورہ کیا ان سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس کا جواب لکھنے میں تامل نہ کرنا چاہئے اور یہ کہ اس کے ساتھ ہی اہل سرحد کا نقطۂ نظر بھی ضرور اس کے اور سیاسی تحریکات ہند کے متعلق جملہ آزادی خواہان ہند پر مشرح پیش کر دینا چاہئے۔

معذرت :- میرے سکوت اور سرحدی دوستوں سے مشورہ کرنے کی وجہ سے ناآشنا سائلین کو جواب کے انتظار کی جو زحمت اٹھانا پڑی اس کی میں ان سے معذرت چاہتا ہوں چونکہ ان تمام خطوں کا فرداً فرداً جواب دینا مشکل ہے اس لیے میں مادر وطن کے تمام بہی خواہ مدیران جرائد سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس جواب کو اپنے اپنے اخبار حقیقت نگار میں جگہ دے کر مجھے اور سرحد کے محبان وطن کو اپنی ممنونیت اور اپنے تئیں ہماری نیک تمناؤں

دعاؤں کا محل بنا دیں۔

Marfat.com

ایک اہم سوال کا جواب

موجودہ دستور اساسی کے زیر اثر ہندوستان میں متشددانہ تحریکات اور عملیات کی نسبت مجھ سے بعض آشنا حضرات نے جو میری رائے پوچھی ہے اس کا جواب میری طرف سے بقرار ذیل ہے۔

ہر خاص و عام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام کا یگانہ مقصد مخلوق الٰہی کو سلامتی اور امن کا پیغام پہنچانا اور بنی نوع کی مشکلات سیاسی ہوں یا اقتصادی۔ اجتماعی ہوں یا انفرادی بدوں لحاظ مذہب و ملت کے دور کرنا ان کے واسطے رفاہیت اور آسودگی بہم پہنچانا ہے۔ بدیں لحاظ ہر فرزند اسلام ہر اس تحریک کو اور ہر اس شخص کے تعاون کو مبارک سمجھے گا جو اس کام میں اس کا رفیق اور معید ہو وہ اس کی زحمتوں اور تکلیفوں کو بہ نظر استحسان دیکھے گا اور ہر اس شخص کو جو اس نیک مقصد میں اس کی مخالفت کریگا ضرور وہ اسے اپنا دشمن جان کر اس کے اعمال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا اور اس کی پیدا کردہ مشکلات کو اپنے مقصد کی راہ سے بحسن تدبیر یا بزور بازو و جان پر کھیل کر جس طرح بن پڑے دور کرنے کی کوشش کرے گا وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو یا نہ ہو یہ الگ بات ہے مگر اس شخص کی کوشش ارباب ذکر اور عقل کے نزدیک پسندیدہ اور مقتضائے فطرت کے عین موافق سمجھی جائے گی اور اسے مستحق ملامت تصور نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اس کے اعمال کو بری نظر سے دیکھے تو یہ محض اس کی سینہ زوری ہوگی۔ یہی حال ہمارا اور حکومت ہند کا رہا۔ ہمارا مقصد حکومت کے تجویز کردہ ان قانونی زنجیروں کو بہ ہر تدبیر توڑنا تھا جنہوں نے تمام اہل وطن کو سیاسی اور اقتصادی عذاب کے شکنجے میں کھینچ کر بے دست و پا بنا رکھا تھا۔

پس بہ حیثیت ایک مسلمان اور خادم بنی نوع ہونے کے جس کا یگانہ مقصد حیات جیسا کہ اوپر بیان ہوا صرف دوسروں کی سلامتی اور رفاہیت اور امن چاہتا ہے۔ موجودہ دستور

اساسی پر جو ہندوستان میں مروج ہو اپنے نظر ڈالنی چاہیئے۔

جو انڈ ہندی جو جذباتِ عامہ کے ترجمان ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تمام آزادی خواہ پارٹیوں نے خواہ ان کا مسلک سیاسی کچھ ہی تھا اس دستورِ جدید کے مختلف پہلوؤں پر سخت تنقیدات کرنے کے بعد سب نے بالاتفاق اسے اپنی بہت سی سیاسی اور اقتصادی مشکلات اور شکایات کا حل کنندہ یا بقیٰ کا امید دہندہ کامل آزادی کی منزل تک پہنچنے کا آئینی رہنما جان کر قبول کر لیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ پارٹی بھی جس کے نزدیک آزادی وطن کی یگانہ تدبیر جان دہی اور جان گیری کے سوا کچھ نہ تھا اور جو شخص ان کے مسلک کے مخالف تھا وہ اسے رجعت پسندی اور حکومت پرستی کا خطاب دینے سے نہ چوکتے تھے۔ اگرچہ اس کے دل میں حب وطن کا بے پناہ جذبہ ہو اور وہ مادرِ وطن کی خدمت میں بہت سی قربانیاں دے چکا ہو۔

اس پارٹی نے بھی اس دستور کو اپنی سیاسی حاجات کا کفیل اور اقتصادی مشکلات کا وکیل سمجھ کر تشدد کی برہنہ تلوار کو مصلحت کی نیام میں ڈالنے اور کامل آزادی کے لیے قانونی تسہیلات سے فائدہ اٹھانے کو افضل سمجھا ہے اور جملہ تشددانہ عملیات اور تحریکات سے دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے۔

پس مجھ جیسے شخص کو جسے ہندوستانی محبانِ وطن کے سامنے طفلِ مکتب کا درجہ بھی حاصل نہیں اور اس کی قربانیوں کو ان کی عظیم الشان قربانیوں کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہیں جو پانی کے ایک قطرے کو بحرِ ناپیداکنار سے ہے بلکہ میری کسی قربانی کو ان کی قربانیوں کے سامنے لانا حقیقت میں قربانی کے معانی سے تخول کرنا ہے۔ ہندوستان کی رائے عامہ کا احترام نہ کرنے کی کیسے جرأت ہو سکتی ہے اگر میں ہندوستان میں ہوتا تو متفقہ فیصلے کے مطابق مادرِ وطن کی مکمل آزادی کے حصول میں البتہ قانونی تسہیلات سے فائدہ اٹھانے میں دریغ نہ کرتا کیونکہ میں یا میرے رفقائے کار جس قدر اینٹی برٹش تحریکات اور عملیات میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرتے تھے ان سے مقصد ہندوستان کی داخلی تحریکات کی حمایت اور تائید مشکلات سیاسی اور اقتصادی کا دور کرنا اور عوام کے واسطے رفاہیت اور آسودگی کا حاصل کرنا تھا۔

لیکن حب مادرِ وطن کے سیاسی لیڈروں، انتہا پسندوں، مذہبی راہنماؤں خصوصاً جمعیۃ العلمائے

ہند کے مقدس اراکین نے اس قانون کو قبول کر لیا تو مجھے جس کو مبلغ علم اور سیاسی تدبر کے لحاظ سے ان حضرات کے سامنے کچھ نسبت نہیں ۔ بصورت قیام ہندوستان اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

فیڈریشن کی سکیم میرے ناقص خیال میں اگر حکومت ہند نے مزید کشادہ دلی سے کام لیا اور فیڈریشن کی سکیم کے نافذ کرتے وقت ہندوستانی رائے عامہ اور جذبات ملیّہ کا لحاظ کیا تو وہ ہندوستان میں سو فیصدی امن قائم رکھنے میں کامیاب ہوگی جس کا اثر سرحد آزاد کی امنیت عامہ پر بھی پڑیگا۔

ہدیہ تشکرات میں اپنی طرف سے اور تمام اہل سرحد کی طرف سے بالعموم اور ان سرحدی رفیقوں سے بالخصوص جنکو میرے ساتھ سرحد آزاد کے اصلاحی پروگرام اور ہندوستان کی آزادی طلب تحریکات کی پیش رفت میں بہت سی محنت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور پڑتا رہتا ہے ان تمام برادران اور خواہران ہندی کی خدمت میں بصد تعظیمات ہدیہ تشکرات و تبرکات و تحسینات پیش کرتا ہوں جنھوں نے مادر وطن کو ترقی کے موجودہ درجے تک پہنچانے میں اپنا آرام اپنا وقت اور اپنا سرمایہ صرف کیا اور بہتوں نے جیل کی ناقابل برداشت مصیبتیں جھیلیں مسبب الاسباب کی جناب میں ہم سب بالاتفاق دعا کرتے ہیں کہ وہ اہل ہند کو آزادی کامل کی نعمت سے بدوں زحمت کشی کے جلد سے جلد بہرہ ور ہونے کا موقع بہم پہنچاتے تاکہ سرحد آزاد اور تمام اقوام مشرق اہل مغرب کی غلامی اور استبدادیت سے آزاد ہو جائیں کیونکہ ہندوستان کی غلامی ہی حقیقت میں تمام اقوام ضعیف خصوصاً براعظم ایشیا اور افریقہ کی غلامی اور جملہ سیاسی اور اقتصادی مصیبتوں کا یگانہ سبب ہے۔

موجودہ دستور اساسی اور ہندوستان کی سیاسی تحریکات کے متعلق سرحد آزاد کے بہترین اہل فکر اور ذی اثر اصحاب کی رائے۔

ضروری عرضداشت موجودہ دستور اساسی اور ہندوستان کی سیاسی تحریکات کے متعلق قبائل آزاد کی رائے مجھ سے پوچھی گئی ہے

Marfat.com

اس کا جواب بقرار ذیل ہے۔ بیشتر اس کے کہ میں قبائل سرحد کا نقطۂ نظر بیان کروں چند باتوں کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) اول یہ کہ میری اور میرے چند ہندوستانی واجب الاحترام بھائیوں کی کوشش مجھو یا ہوائے زمانہ کی تاثیر کہ سرحد آزاد کے کیا مرد، کیا عورت، کیا عالم کیا جاہل کیا امیر کیا غریب کیا خاص اور کیا عام، وزیرستان سے لے کر کوہ سیاہ تک تمام لوگ من حیث القوم ہندوستان کی آزادی کے مسئلے میں کانگرس کے نقطۂ نگاہ کے تہ دل سے حامی اور ہوا خواہ تھے۔ بلکہ اکثر اوقات ہمارے ہندوستان کی سوشلسٹ پارٹی کی طرح کانگرس کی محتاط روش اور مدبرانہ سہل نا فرمانی کی پالیسی کو نامردی۔ جبُن اور بے غیرتی سے تعبیر کرتے اور اس کے کارکنوں کو کوستے تھے مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ان کو مجھ سے اختلاف ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ان دنوں ان میں سے شاذ ہی کسی کو کانگرس کی پالیسی سے اتفاق اور ہمدردی ہو۔ آجکل کانگرس کی ہمدردی کا من حیث القوم و من حیث الوطن ان کے دلوں میں ٹٹولنا ایسا ہی ہے جیسے ببول کے درخت سے عنبر کی خوشبوئی کا۔ وہ کانگرسی پالیسی اور رفتار کو جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا نہ صرف سرحد آزاد اور ہندوستان کے حق میں بلکہ سارے براعظم ایشیا اور افریقہ کی مظلوم قوموں کے حق میں مہلک قرار دیتے ہیں اس لیے ان کے نقطۂ نظر بیان کرنے میں میرے یا میرے کسی ہندوستانی رفیق کار کی نسبت یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم کو ان کے ہر ہر لفظ سے اتفاق ہے اور کہیں ایسا ہوا بھی تو میں وہاں اشارہ کر دوں گا۔ میرا فرض صرف اتنا ہی ہے کہ برادران کے استفسار پر میں ان کے نقطۂ نظر کو من و عن بیان کرنے میں پوری دیانت اور صداقت سے کام لوں اور اپنی طرف سے کچھ بھی نہ ملاؤں

(۲) میں سرحد آزاد کے انہی راہنماؤں کا نقطۂ نظر بیان کروں گا جن پر قبائل کو اس وقت از روئے حب وطن و آزادی خواہی ملک پورا اعتماد ہے اور وہ جو اکثریت میں ہیں اور جن پر کسی دولت یا سلطنت کے وظیفہ خوار ہونے اور اس کے زیر پروگرام چلنے کا مطلق شائبہ نہیں ہو سکتا۔ نہ کہ ان چند ہستیوں کا جو یا تو میری طرح کانگرس کی بے جا حمایت اور طرفداری کے الزام سے متہم ہیں۔ نہ ان کا جو کسی کے وظیفہ خوار ہیں۔

Marfat.com

(۳) میں یہاں ان غیر جانبدار محبانِ وطن سرحدی لیڈروں کے نام سے ملت ہندیہ کو معرفی کرادینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ بشرطِ ضرورت وہ خود بھی براہ راست ان کے عندیہ اور مافی الضمیر کو معلوم کرسکیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جن سے ہیں ہر ایک کو سرحد آزاد کی نسبت ہندوستان کی آزادی سے اس لیے زیادہ ہمدردی ہے کہ وہ اس کی آزادی کو تمام دنیا کی آزادی سمجھتے ہیں اور ان کا کیریکٹر ہر طرح محفوظ ہے اور ان کی دیانت اور امانت پر ملک اور ملت کو پورا اعتماد ہے اور ان کی رائے کو ملت کی رائے سمجھا جاتا ہے۔ ان کا حال مندرجہ ذیل جدول میں ملاحظہ فرمائیں

نمبر شمار — اسمائے گرامی لیڈران سیاسی سرحد آزاد مع ضروری کوائف

۱ زبدۃ السالکین، رئیس المجاہدین، قائد اعظم جملہ قبائل وزیرستان (درویش خیل مسعود بٹنی) حضرت حاجی الحرمین مولانا و مخدومنا جناب حاجی **میرزا علی خاں** صاحب مدفیوضہ المعروف بہ فقیر صاحب **آف آئی-پی** اس وقت سارے امارستان (یاغستان) کوہ سیاہ سے لے کر بلوچستان تک سب قبائل سرحد کے مسلمہ سیاسی اور مذہبی راہنما ہیں۔ وہ اصل میں باشندہ موضع آئی-پی تحصیل میر علی میران شاہ پولٹیکل ایجنسی شمالی وزیرستان۔ از قبیلہ مادی خیل قوم توری خیل اتمان زئی وزیر ہیں۔ ان کو علوم دینی فارسی، اردو اور طب میں خدائے پاک نے کافی حصہ دیا ہے۔ وہ کسی دولت کے وظیفہ خوار نہیں۔ آزادی وطن کی خاطر کئی سال سے حکومت برطانیہ کی فوجی طاقت سے ان کو نبرد آزما ہونا پڑا ہے اور وہ اس وقت ایک بین الاقوامی شہرت کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔

۲ یمین الغزات جناب **شیر علی خاں** رئیس جملہ شاہمائے علی زائی و بہلول زئی قوم مسعود اس شخص کو قوم نے بربنائے شجاعت فوق العادت رستم وزیرستان کا خطاب دیا ہے وہ تمام ملی خدمات میں حاجی صاحب موصوف کے دائیں بازو سمجھے جاتے ہیں۔

۳ **جنت میر خاں** یہ شخص ہر میدان جنگ میں غازیوں کی طرف سے مقدمۃ الجیش

کے فرائض ادا کرتا ہے گذشتہ سال سردیوں میں جنگ خیبور کے اندر توپ کے گولے سے زخمی ہو گیا۔

۴ ازل میر خاں :- یہ شخص جمعیت الاحرار میں بمنزلہ اعضائے رئیسہ کے ہے اور آجکل آزادی وطن کی تحفظی جنگوں میں جنت میر خاں کی جگہ کام کرتا ہے

۵ فضائل ہمراہ شہزادہ فضل الدین خاں صاحب پسر شہیر ملا پائندہ صاحب مرحوم قوم مسعود صدر جمعیۃ العلماء وزیرستان

۶ فضائل ہمراہ طریقت پناہ صاحبزادہ عبد الحق خاں سرہندی ساکن قریہ خاہ علاقہ ستوری خیل علی زائی صدر جمعیۃ العلماء اورکزائی

۷ فخر ملت افغان خوشحال خاں ساکن قریہ شمشی قوم ملک دین خیل۔ صدر جمعیت الاحرار سرحد آزاد آفریدستان۔ یہ شخص انگریزی فوج میں صوبیدار درجہ اول کے عہدے پر فائز تھا۔ جنگ استقلال افغانستان مارچ ۱۹۱۹ء میں بیچی فورٹ ضلع پشاور سے معہ اپنی کمپنی اور اسلحہ اور جبہ خانہ کے افغانی غازیوں سے مل گیا۔ اور جنگ استقلال افغانستان کو کامیاب بنانے میں سب سرحدی افغانوں سے زیادہ حصہ لیا۔ جنگ کجوری ۱۹۳۰ / ۱۹۳۱ء میں قبائل آفریدستان کی زمام اس کے ہاتھ میں تھی کانگریس کی حمایت میں اس نے وہ شجاعت اور بہادری دکھائی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے اگر یوں کہیں کہ اسی شخص کی یگانہ قوت نے کانگرس کو دوبارہ زندہ کیا اور گاندھی جی اور خاں صاحب عبد الغفار خاں کے نام کو مشہور آفاق اور عالم سیاست کے آسمان کا آفتاب بنایا۔ تو کچھ مبالغہ نہ ہو گا۔ اس نے پشاور پر قبضہ کر لیا تھا انگریزی فوجیں رسالپور کو اور انگریزوں کے بال بچے کیمبل پور کو چلے گئے تھے ریل گاڑی کی آمد و رفت بند ہو گئی تھی۔ وہ اپنی فتوحات کا سلسلہ بڑھاتا۔ مگر اس کے ایک ہمعصر نے از راہ رقابت اس کو بروقت موعود امداد نہ پہنچائی جس سے جنگ کی صورت بدل گئی اور ملک کو صلح پر مجبور ہونا پڑا۔ ۱۹۳۳ء میں جب انگریزی حکومت نے آفریدستان میں سڑکوں کی تعمیر کا حق اپنے مواجب خواروں کی مدد سے حاصل

کرلیا تھا تو اسی شخص کی حسن تدبیر اور جانفشانی سے حکومت کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور وطن میں حکومت کا سیاسی اقتدار نفوذ نہ پا سکا۔

۸ صوبیدار زمند خاں قوم ملک دین خیل رکن جمعیۃ الاحرار آفریدستان۔ اس شخص نے خوشحال خان موصوف کی طرح جنگ استقلال افغانستان کے دوران میں وآنو پولٹیکل ایجنسی وزیرستان سے اسلحہ اور نفری لے کر سردار شاہ ولی خان مشہور فاتح کابل کے ساتھ مل کر جنگ مذکور کے کامیاب بنانے میں ایک قابل یادگار حصہ لیا۔

۹ عالی جاہ سید اکبر خاں کوکی خیل رکن جمعیت الاحرار

۱۰ عالی جاہ محمد اسلم خاں کمبر خیل " " " "

۱۱ عالی جاہ حضرت گل خاں کمر خیل " " " "

۱۲ عالی جاہ ملک زمان خاں زکاخیل " " " "

۱۳ عالی جاہ ملک میرا خان آدم خیل " " " "

۱۴ فضائل ہمراہ ملا تور گل سپائے " " " "

۱۵ شرافت پناہ فضائل ہمراہ اخوندزادہ عبد الباقی خاں پسر ملا صاحب لوہان صدر جمعیت العلماء آفریدستان

۱۶ شرافت پناہ فضائل ہمراہ نذیر باد خاں پسر ملا صاحب اکاخیل رکن جمعیۃ العلماء آفریدستان۔

۱۷ شجاعت ہمراہ فضائل پناہ ملا سلطان خاں ساکن ہڑوبی درہ قوم مہمند علیمی خیل رکن جمعیۃ العلماء مہمندستان۔

۱۸ شرافت ہمراہ فضائل پناہ اخوندزادہ قاضی عبد الحمید قوم موسیٰ خیل ساکن غنم شاہ صدر جمعیۃ العلماء مہمندستان

۱۹ سیادت پناہ فضل ہمراہ سید میر شاہ محدث فاضل غور غشت کیمبل پور ساکن درہ مٹی رکن جمعیۃ العلماء مہمندستان

Marfat.com

۲۰ فضائل ہمراہ مولوی محمد راضی خان فاضل مدرسہ اجمیر شریف صدر جمعیۃ العلماء شنواری۔

۲۱ سیادت پناہ ادیب لبیب آغا فتح علی شاہ صاحب قندھاری قائم مقام مجاہد شہیر زاہد بے نظیر فقیر صاحب علی نگر مدفونہ۔ یہ شخص عہد امانی میں معین معارف یعنی اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف سکولز افغانستان تھا۔ فارسی زبان کا مشہور شاعر ہے۔

۲۲ شجاعت ہمراہ عالی جاہ دلاور خان صاحب المعروف بہ خان صاحب کوٹکی رئیس چارمنگ رکن جمعیۃ الاحرار باجوڑ۔ یہ شخص اور اس کا خاندان تمام علاقہ باجوڑ میں وطن پروری۔ انگریز دشمنی۔ مہمان نوازی کی روایات میں اپنا مثیل نہیں رکھتا۔ مسافر نوازی کے ذیل میں اس کے علاقے پر ۲۹ جولائی سے ۵ اگست ۱۹۳۳ء تک برابر سات روز رات دن تین ہوائی جہاز بمباری کرتے رہے جس پر تمام ملت ہندوستان نے بھی صدائے احتجاج بلند کی اور حکومت کے اس فعل کو ظالمانہ قرار دیا۔

۲۳ عبد المتین پسر غازی شہیر عمرا خان مرحوم جندول۔ اس شخص کے باپ عمرا خان نے سوات۔ دیر۔ چترال سے ۱۸۹۵ء میں انگریزی اثر کو محو کرنے کے لیے تمام قوم یوسف زائی کی راہنمائی کی تھی اور میجر جنرل سرآر لو اور کرنل کیلے بریگیڈ جنرل کین لاک اور واٹر فیلڈ کی فوجوں کو شکست پر شکست دی اگر شیر افضل نامی اس کے ساتھ غداری نہ کرتا تو انگریز کبھی چترال پر قابض نہ رہ سکتے عبد المتین خاں بمشورہ فون ہنٹنگ برگ رحیلب شہرائیز سرکردگان جرمن ٹرکو مشن کابل دوران جنگ عمومی میں خلافت ترکی کی حمایت کے لیے قوم یوسف زائی کو حکومت ہند سے لڑانے پر کابل سے بھیجا گیا تھا۔

۲۴ مرزا غلام محمد خان۔ قوم سالار زائی۔ یہ شخص استاد عبد الرحمن خان مہاجر پشاوری کا شاگرد رشید ہے اور عبد السبحان نامی رکن وفد جرمن ٹرکو حال مقیم ہاربن

باجوڑ یا چین کے ساتھ سیاحت۔ روس میں ان کا سیاسی رفیق اور مشیر تھا۔ اس کو تمام اکابر اولیائے دولت روسیہ سے ملنے اور تحریکات عالم سے وقوف حاصل کرنے کا کافی موقع ملا۔ کئی سال سے ریاست باجوڑ میں تحصیلداری کے معزز عہدے پر فائز تھا۔ مگر آخرکار آزادی وطن کی تحریکات کی حمایت میں اسے ریاست باجوڑ اور حکومت برطانیہ کے زیر عتاب آ کر ملازمت سے مستعفی ہونا پڑا۔ یہ شخص تہ دل سے مزدوروں اور دہقانوں کا حامی اور آزادی ہندوستان کے بڑے خیر خواہوں میں سے ہے اس کی زبان کی فصاحت اور قلم کی پروازی بہت معروف ہے اس کو علامۂ روزگار حضرت مولانا منصور صاحب مہاجر ہندی کی شاگردی کا فخر بھی حاصل ہے۔

۲۵ فضائل ہمراہ عبدالرحمن خان المعروف بہ استاد صاحب جرمنی مہاجر پشاوری۔ اصل باشندہ تحصیل صوابی۔ یہ شخص تقریباً تمام خوانین باجوڑ کا استاد اور معلم سمجھا جاتا ہے۔ بہت مدت تحصیل صوابی میں کسی ورنیکولر مدرسہ میں معلم تھا۔ نوکری چھوڑ کر فلپائن میں آیا۔ وہاں سے جاپان چین میں چند ایک سال گذار کر ممالک متحدہ امریکہ میں پہنچا۔ ہر ملک کی سیاسی تحریکات سے واقفیت حاصل کی اس کا کاروبار وہاں بہت رونق پر تھا۔ جرمن سفیر مقیم واشنگٹن نے اس کو اور اس کے بھائی عبدالسبحان خان مذکور کو جنگ عمومی کے دوران میں امریکہ سے براہ ہالینڈ جرمن بھیجا تاکہ وہ دونوں اس مشن میں جو فون ہنٹنگ برگ کا جیک شراٹد کا ظم پاشا حضرت مولانا برکت اللہ صاحب مرحوم راجہ مہندر پرتاپ کی سرکردگی میں دول متوسط یورپ (جرمنی۔ آسٹریا۔ ٹرکی) کی طرف سے کابل کے لیے مقرر ہوا تھا۔ سرحدی امور میں مشیر مختار کی حیثیت سے خدمت بجا لاویں یہ دونوں بھائی وفد مذکور کی طرف سے ہندوستان۔ باجوڑ۔ یوسف زائی قبائل کی تنظیم اور تحریک جہاد کی تاسیس کے واسطے بھیجے گئے تھے۔ خاتمہ جنگ پر اس کا بھائی عبدالسبحان خان اس کے مشورے سے روس میں پہنچا۔ وہاں سے جرمن۔ جرمن سے

میقوریا پہنچا۔ ہاربن میں ریشم کا کاروبار جاری کیا

۲۶ مرزا گل محمد خان المعروف بہ مرزا گلاب خان صاحب فاضل دہلی نائب معلم مدرسہ کوٹ کئی۔ یہ شخص عبد الرحمان مذکور کا شاگرد۔ اردو، فارسی اور پشتو زبان کا شاعر ہے۔

۲۷ یگانۂ زماں فضائل ہمراہ مولانا عبد الخالق صاحب فاضل دہلی مقیم کوٹ کئی۔ صدر جمعیت العلماء باجوڑ معلم مدرسہ خالقیہ یہ شخص تمام علمائے باجوڑ، جھمند وغیرہ میں عربی علوم ادب کے اندر خصوصاً تفسیر و حدیث میں سب کا استاد مانا گیا ہے اور ضاد بصورت ظا سب سے پہلے اسی شخص نے اس ملک میں اور افغانستان میں جاری کیا ہے۔

۲۸ مولوی محمد ایوب خان۔ فاضل دیوبند۔ رکن جمعیۃ العلمائے باجوڑ

۲۹ مولوی غلام نبی خان فاضل دیوبند صدر معلم مدرسہ محمدیہ باجوڑ

۳۰ فضائل ہمراہ مولوی احمد علیم خان فاضل دیوبند و ڈابھیل صدر معلم حدیث و تفسیر مدرسہ کوٹ کئی و رکن جمعیۃ العلمائے باجوڑ۔

۳۱ ماسٹر شہباز خان صدر معلم انگریزی و اردو مدرسہ محمدیہ باجوڑ

۳۲ فضائل ہمراہ مولوی نور احمد خان فاضل غورغشت کیمبل پور صدر معلم مدرسہ شہید بالاکوٹ رکن جمعیۃ العلمائے باجوڑ۔

۳۳ فضائل ہمراہ ماسٹر عبد الواحد خان صدر معلم اسلامیہ مدرسہ یعقوبی۔ ریاست باجوڑ۔

۳۴ فضائل ہمراہ مولوی عبد الحفیظ خان نادری قوم صافی مبلغ اسلام و مع... بدعات و رسومات احرار شان۔

۳۵ فضائل ہمراہ حافظ حفیظ اللہ خان مقیم چنگئی صدر جمعیۃ العلمائے اتمان خیل۔

۳۶ حکیم عبد الستار خان فاضل بھوپال مقیم چنگئی نائب صدر جمعیۃ العلماء

Marfat.com

قوم اتمان خیل

۳۷ قاضی محمد ھارون خان۔ قوم بوٹ خیل۔ رکن جمعیۃ العلمائے قوم اتمان خیل

۳۸ قاضی گل امین خان قوم علی زائی رکن جمعیۃ العلمائے قوم اتمان خیل

۳۹ سید امین خان قوم شموزائی رکن جمعیۃ العلمائے قوم اتمان خیل

۴۰ شیر علی خان۔ قوم اصیل۔ رکن جمعیۃ العلمائے قوم اتمان خیل۔

ان مذکورہ بالا نامی گرامی محبان وطن و حامیان تحریک آزادی ہندوستان کے علاوہ ریاست جندول، دیر، سوات، بونیر، جیلہ۔ امازئی، مبارک خیل، گدون، مداخیل، پودن چلیسر، کانہ، غزبند، کوہستان اباسین ڈکندیا، پٹن، پالش، سوئے۔ دوبیر قلعلیا، بن کٹ تانگڑ، نادرمل، چارکوٹ، کوٹلے، اقوام کوہ سیاہ دالائی، تاکوٹ، نندی ہاڑ۔ دسے شان ٹیکری، جعفر زائی، اکرزئی، حسن زائی میں بہت سے قبائل کی قابل ذکر ہستیاں ہیں جن کے علم اور فضل اور حب وطن پر فداکاروں کو رشک اور غبطہ ہوتا ہے۔ ان کی تفصیلات بیان کرنے سے چونکہ ان کے تیئں والیان ریاست کی طرف سے جو عموماً دولت برطانیہ کے ہوا خواہ سمجھے جاتے ہیں۔ ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس لیے میں ان کی معرفی سے معذرت چاہتا ہوں

ان میں اکثر لوگ اخبار بین اور اپ ٹو ڈیٹ جملہ ملل اور دول کی تحریکات سیاسی سے باخبر ہیں اور سرحد آزاد اور ہندوستان کی آزادی میں عملی ہمدردی اور دلچسپی میں ہندوستان کے اکثر محبان وطن سے اگر زیادہ نہ ہوں گے تو کم بھی نہ ہوں گے۔ طبقۂ علماء میں سے اکثر لوگوں کو حضرت مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد اور مولانا کفایت اللہ، مولانا بخاری، مولانا حبیب الرحمن اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہم سے اور شروع سے لے کر بہت مدت تک ان کے مسلک سے سب کو ہمدردی رہی۔ مگر جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ ان لوگوں میں سے سوائے ایک آدھ کے اب شاید ہی کسی کو کانگرس کے مسلک اور اس کے لیڈروں کے متعلق مجھ سے اور دوسرے ہندوستانی لیڈروں سے اتفاق رہا ہو۔ اختلاف کی رفتار روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور جتنا زیادہ ہم نے ان کی اصلاح عقاید کی کوشش کی اور کانگرس کی

Marfat.com

حمایت اور لیڈروں کی صفائی میں دلائل بیان کیے اتنے ہی ان کی زیادہ نفرت بڑھی۔ اس کے وجوہات ہم آگے چل کر بیان کرینگے۔

ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت بہ نقطۂ نظر لیڈران سرحد آزاد

ان لوگوں کے نزدیک دنیا میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری ہندوستان کی آزادی ہے۔ یہ اس لیے کہ ان کے خیال میں ہندوستان کی غلامی تمام دنیا کی غلامی کی علت العلل ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر ہندوستان آزاد ہو جائے تو تمام مشرقی قومیں اور ان کے ساتھ ہی قبائل سرحد بھی خود بخود آزاد ہو جائیں گے اور جبتک ہندوستان پر اجنبی حکومت کا اثر ہے۔ قبائل آزاد۔ اور دوسری قومیں کبھی آرام کا سانس نہیں لے سکتیں۔ اس لیے وہ ملت ہندیہ سے آزردہ خاطر ہونے پر بھی ہندوستان کی آزادی کی تحریکات میں حتی الامکان حصہ لینے سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہندو مسلمان کا اتحاد ہندوستان کی آزادی کے واسطے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ انسانی زندگی کو برقرار رکھنے کے واسطے ہوا، پانی اور غذا وہ اس اتحاد کے سب سے زیادہ حامی ہیں اور اس اتحاد میں تفریق ڈالنے والے کو نہ صرف اپنے وطن اور ہندوستان کا بلکہ انسانیت عظمیٰ کا سب سے بڑا دشمن اور خدا کی ابدی لعنت کا مستحق قرار دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس بارے میں کسی بڑے سے بڑے مذہبی پیشوا کے تقدس اور مرتبت کا بھی لحاظ نہیں کرتے

لیڈران کانگریس کے متعلق سرحدی رہنماؤں کے عقائد میں تغیر و تبدل کے اسباب

ہندو مسلم اتحاد کی حمایت میں قبائل آزاد کی پہلی آواز

دوران جنگ عمومی میں جو تحریک بمقام لکھنؤ میں علی برادران اور گاندھی جی کے ہاتھ سے ڈالی گئی۔ اس پر انہوں نے بیحد خوشی کا اظہار کیا اور ہندوستان کی آزادی کو قریب تر لانے کے لیے حکومت ہند سے انہوں نے تمام نقاط

سرحدی پر جنگ چھیڑ دی۔ مگر ان کو معلوم ہوا کہ گواہ چست اور مدعی سست والا معاملہ تھا کیونکہ ملت ہندیہ نے ان کے نقطۂ نظر سے اس قیمتی موقع سے اپنے وطن کی آزادی میں کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ الٹا جان و مال سے حکومت کی بے دریغ امداد کر کے اپنی اور ساری دنیا کی غلامی کو زیادہ پائیدار اور عمر دراز کا مالک بنا دیا۔

تحریک اتحاد ہندو مسلم کے ساتھ ہندو لیڈروں کا رویہ اہل سرحد کی نظر میں

وہ کہتے ہیں کہ ہم اس لازوال حقیقت کے شروع روز سے جب سے انگریزوں نے پنجاب اور صوبہ سرحد پر قبضہ کیا۔ دل سے عقیدت مند ہیں کہ جب تک ہندو مسلم کی باہمی منافرت دور نہ ہو گی اجنبی حکومت کے چنگال سے ہمارا یا اہل ہند کا آزاد ہونا ناممکن ہے اور ہماری سب کوششیں بے کار ہیں۔ اس لیے ہم ہر قیمت پر اس اتحاد کو خریدنے پر ہمیشہ سے تیار تھے اور تیار ہیں۔ مگر ہمارے دل میں یہ بیٹھ چکا ہے کہ ہندو برادری اس اتحاد کی اسی وقت تک حامی ہے جب تک کہ عالم اسلام کا انحطاط روبترقی ہو اور وہ مشکلات میں گرفتار رہے یا اس کی اپنی کوئی اجتماعی غرض اس سے وابستہ ہو ان کا اب یہ خیال ہو گیا ہے کہ لکھنؤ والا اتحاد مارچ ۱۹۱۹ء میں شاہ امان اللہ خاں کے برسر اقتدار آتے ہی ٹوٹ جاتا مگر تا گاہ ادھر ہندوستان میں رولٹ کمیٹی کی اشاعت سے ملک کے طول و عرض میں ایک عمومی ہیجان انگریزوں کے برخلاف پیدا ہو گیا جس کو دبانے کے لیے ماہ اپریل ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ۔ قصور، گوجرانوالہ، وزیر آباد کے ہوشربا واقعات پیش آئے اور فرزندان ہند کے خون سے زمین جا بجا لالہ زار بن گئی اور پنجاب میں مارشل لا جاری ہو گیا۔

ہندو مسلم اتحاد کی حمایت میں قبائل آزاد کی دوسری آواز

گاندھی جی جو ہندؤں میں چوٹی کے لیڈر رہتے مع کئی لیڈروں کے قید کر دیے گئے۔ ہندؤں کو مسلمانوں کے اتحاد کی پہلے سے زیادہ ضرورت پیش آئی۔ اس لیے اس موقع پر ان کا مافی الضمیر نہ کھل سکا اس موقع

Marfat.com

پر بھی ۱۹۱۵ء ۱۹۱۶ء کی طرح سرحد آزاد نے ملت ہندیہ کی مظلومیت سے بدون تمیز ہندو مسلم کے متاثر ہو کر ہمدردی کا حق ادا کرنے میں مال و جان کی بازی لگادی اور وزیرستان کے اس سرے سے لیکر کوہ اباسین تک تمام سرحدی قبائل انگریزوں کے برخلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور گاندھی جی کی آزادی اور مارشل لا کی تنسیخ کا مطالبہ پورے زور سے پیش کیا۔ چنانچہ گاندھی جی آزاد ہو گئے اور مارشل لاء بھی موقوف ہو گیا۔ مگر وزیرستان کے قبائل کو جنہوں نے ہندو مسلمان کے اتحاد کی مضبوطی اور ہندوستان کی خیر خواہی میں بہ نسبت دوسری قوموں کے زیادہ سرگرمی کا اظہار کیا تھا اب تک اس ہمدردی کی سزا بھگتنے سے اسے نجات نہ ملی۔ یوسف زائی قبائل جنہوں نے اس موقعہ پر وزیرستان سے کچھ کم حصہ نہ لیا تھا اور جن کو سزا دینا آسان کام نہ تھا۔ ان کو میاں گل والیے سوات کے حوالہ کیا گیا۔ بہر حال سرحدی قبائل کی جانفشانی اور فداکاری نے ہندوستان کو انگلستان سے ہوم رول کا حق تسلیم کرانے میں بے حد قیمتی مدد ملی۔ چنانچہ اپریل ۱۹۲۰ء کو حکومت انگلستان نے بواسطہ لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند اس کا اعلان کر دیا۔ ہو یہ دستور اہل ہند کی سیاسی اور اقتصادی ضروریات کی کفالت کرنے سے سابقہ دستور سے بھی زیادہ عاجز سمجھا گیا۔ ملت ہندیہ نے بالاتفاق عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی۔ اور مسلمانان ہند نے بمشورہ گاندھی جی اور دوسرے ہندو لیڈروں کے انگریزی مکاتب اور انگریزی ملازمت وغیرہ سے مقاطعہ کیا اور ماہ جون، جولائی، اگست ۱۹۲۰ء میں اسی فیصلے کے زیر اثر افغانستان اور سرحد آزاد کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اہل سرحد نے مہاجرین کی مسافر نوازی اور ہمدردی کا اس موقعہ پر بھی پورا ثبوت دیا۔

عالم اسلام کے نشاۃ ثانیہ سے ہندو کانگرسی لیڈروں کا متاثر ہو کر ہندو مسلم اتحاد کی گرفت سے آزاد ہونا اور افتراق انگیز تحریکات کا موسس کرنا

وہ افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد اسی وقت تک

برقرار رہا جب تک کہ عالم اسلام کی مشکلات کا سلسلہ جاری رہا۔ اور جونہی برطانیہ کے حلیف یونان کو ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء میں ایک تاریخی شکست ہوئی اور دنیا کو ترکوں کے سرسبز ہونے کی امید لگ گئی اور ادھر عراق عرب کی حالت بھی سنبھلنے لگی تو ہندو کانگرسی لیڈر جو پہلے ہی سے افغانستان کے استقلال کو بہ نظر استحسان نہ دیکھتے تھے ہندو مسلم اتحاد سے دستکش ہونے شروع ہو گئے۔ ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور عراق کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس کی رو سے عراق عرب کو داخلی آزادی مل گئی اور اسے جمعیت الاقوام کا ممبر تسلیم کر لیا گیا۔ ادھر سنہ ۱۹۲۲ء ۸ نومبر میں بمقام لوزان مجلس صلح کا منعقد ہونا تھا کہ کانگرسی ہندو لیڈروں کا مافی الضمیر کھلنے لگ گیا وہی کانگرسی ہندو لیڈر جو کل ہندو مسلم اتحاد کا گیت گاتے تھے اب انھوں نے اس کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ اس درمیان میں ۱۹ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء کو برطانیہ کی خارجہ حکمبرداری کا پٹہ عراق عرب پر سے ۲۴ سال کی بجائے چار سال تک ٹھہرایا گیا۔ عالم اسلام کا یہ عروج ہندوستان کے ہندو کانگرسی لیڈروں کے لیے بہت ہی صبر آزما ثابت ہوا۔ بجائے اس کے کہ وہ ایشیائی ہونے کی حیثیت سے ترکوں اور عربوں کی نجات کو اپنے لیے اور براعظم ایشیا کے دوسرے ممالک کے لیے یورپ کی غلامی سے نجات حاصل کرنے پر ایک نیک فال سمجھتے۔ انھوں نے اس کو نہایت ہی برا منایا۔ چنانچہ ادھر بتاریخ ۲۳ جون سنہ ۱۹۲۳ء کو معاہدۂ لوزان کے رو سے ترکوں کے استقلال کے تسلیم ہونے کی دیر تھی کہ ادھر اسی دن یعنی بتاریخ ۲۳ ماہ جون سنہ ۱۹۲۳ء کو پنڈت مالوی اور لالہ لاجپت رائے جو اس وقت کانگرس کے ذمہ دار رہنما تھے ان کی اور ڈاکٹر مونجے اور دیگر اکابر ہندوؤں کی سرکردگی میں دیوان شردھانند نے شدھی کی تحریک ہندوستان کے طول و عرض میں موسس کرنے کا اعلان کر دیا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں جو مسلمان باہر سے آئے ہیں ان کو وطن سے نکال دیا جائے۔ اور باقی تمام کو جن کے باپ دادا ہندو تھے ان کو ہندو مذہب میں واپس لیا جائے۔ اذان، نماز، قرآن مجید کی تلاوت سب چیزوں کو چھڑوا کر انہیں ہندی زبان، ہندوانی لباس، ہندوانی رسم و رواج، مراسم عبادت نکاح، سوگ وغیرہ کے اختیار کرنے پر مجبور کیا جاوے اور پنجاب، راشٹر کے ہندوؤں اور سکھوں کی فوجی طاقت سے سرحد آزاد اور افغانستان کو فتح کر کے ہندوستان میں شامل اور

Marfat.com

ویدک تہذیب سے آشنا کیا جائے اور ہندوستان کے حدود کو راجہ اشوک ۲۷۲ سنہ قبل ۲۳۱ کے نشان تک وسیع کر کے چین اور دریائے آموں سے اس کے حدود ملائے جائیں۔ پنجاب میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی لاکھوں مسلمانوں کو جو ہندو سرمایہ داروں کے مقروض پشت بہ پشت غلام تھے ان کو طرح طرح کے حیلے دے کر ہندو مذہب میں تبدیل کیا۔ کے ساتھ ہی ساتھ سنگھٹن کی بنیاد ڈالی گئی۔ رنگیلا رسول جیسے صدہا دل آزار رسالوں کی گئی۔ ملاپ، پرتاپ، تیج، ویبل اور ایسے ذمہ دار ہندو جرائد نے افتراق کی آگ بر چھڑکنا شروع کیا کہ ہندو مسلمان سے اور مسلمان ہندو سے ہر جگہ گتھم گتھا ہو گئے۔ کو پشاور، بنارس، گیا، اجودھیا، آگرہ، پلول، مرزا پور میں ہندو مسلم کے خون کی ندیاں اور جو واقعات ہندوستان کے دوسرے اضلاع میں اس تحریک کے ذیل میں اکا ہونے لگے اور اب ہو رہے ہیں ان کا کوئی حساب ہی نہیں۔ حتیٰ کہ شردھانند بھی ۱۹ سنہ ۱۹۲۷ کو ہندو راج کی تمام حسرتیں دل میں لے کر عبدالرشید نامی ایک مہاجر ہندی آباد کے ہاتھ سے مارا گیا اور شدھی کا دفتر گاؤ خورد ہو کر رہ گیا۔ تعجب کی کوئی انتہا جبکہ ہم اسے شدھی کی تحریک کی تاسیس سے چند روز پہلے دہلی کی شاہی مسجد میں جس کو مسلمانان ہند کی اجتماعی مرکز سمجھا جاتا ہے منبر پر چڑھے ہوئے ہندو مسلم اتحاد کا و ہوئے سنتے ہیں۔ اسی وقت تک جبتک کہ عالم اسلام رو بہ تنزل رہا۔ مگر جونہی قدم ہوا دیکھا گیا ہندو مسلم اتحاد کو خیر باد کہہ دیا۔

کانگریسی ہندو لیڈروں کی طرف سے مسلمانان ہند کی قوۃ الظہر آزاد اور افغانستان) کی بیخ کنی کی خفیہ اور علانیہ سازش

اب کیا تھا۔ ہندوستان میں رام راج کا اعلانیہ پروپیگنڈا شروع ہو گیا۔ مگر تدبیریں ان کے نزدیک بیکار تھیں۔ جب تک کہ مسلمانان ہند کی قوۃ الظہر یعنی اور سرحد آزاد بحالت استقلال موجود ہوں۔ خصوصاً سرحد آزاد کے متعلق ان کا یہ کہ وہ اس سے کسی وقت امداد پا کر ہندوؤں سے استقلال حاصل کر سکتے ہیں۔ اس

Marfat.com

[آزا]دی کا محور تھا ان کے نزدیک سب سے مقدم امر تھا اس مقصد کے لیے لالہ لاجپت رائے [نے] جو ہندوؤں کے سب سے بڑے نمائندہ اور کانگریس کے ذمہ وار لیڈر تھے۔ عین انہی [دنو]ں میں جبکہ ارتداد (شدھی) سنگھٹن کی تحریک پورے زور پر تھی بتاریخ ۱۶ ماہ جون سنہ ۱۹۲۵ [ا]مبلی میں سرحد آزاد کی تسخیر کے متعلق ایک مسودہ پیش کیا جس کی ہندو کانگریسی اور مہاسبھائی [مم]بروں نے تائید کی۔ سر ڈینس برے وزیر خارجہ سے ہندوستان میں اور سر آرمن ڈیوسے [انگ]لستان کے دارالامراء میں اس تجویز کی تائید کروائی گئی حتیٰ کہ لارڈ رالنسن سپہ سالار افواج [ہن]د اور لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند سے بھی جب وہ دونوں انگلستان بلائے گئے اس کی [تائ]ید کروائی گئی اور ۵۷ کروڑ روپیہ (۵۷۰۰۰۰۰۰۰) ہندوستان کے بالیہ میں خاص اس مقصد [کو] پورا کرنے کے لیے اضافہ کیا گیا۔ عبدالودود خاں المعروف بہ میاں گل صاحب سوات کی حیثیت [قب]ائل یوسف زائی کی سرکوبی اور تسخیر پر اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ کیونکہ انہوں نے مارشل لا کے [دنو]ں میں ہندو مسلم اتحاد کی تائید کے لیے حکومت ہند سے جنگ کی تھی بتاریخ ۲۹ اپریل سنہ ۱۹۲۶ [کو] سر جارج کیپن چیف کمشنر صوبہ سرحد کے ہاتھ سے دستار بندی کرائی گئی اور اسے تمام ملک [یو]سف زائی کا رہنما والی تسلیم کرکے کوہ سیاہ اور اباسین کوہستان کی تسخیر کی اجازت دی گئی۔ اس [در]میان میں وزیرستان پر جنہوں نے نجات ہند اور ہندو مسلم اتحاد کو کامیاب بنانے میں سب سے [ز]یادہ حصہ لیا تھا۔ بڑی حد تک انگریزی اقتدار قائم ہو گیا۔ کوہ شوال پر رزمک چھاؤنی کی تعمیر کا کام ختم ہو گیا جس کے ملاحظہ کے لیے چیف کمشنر مذکور جنوری سنہ ۱۹۲۹ کی سخت برفباری کے اندر گیا اور بقیہ وزیرستان کی تسخیر کے لیے ۷ کروڑ ساٹھ لاکھ روپیہ منظور کروایا گیا۔

سرحد آزاد کی تسخیر اور خدا کی غائبانہ تائید

اب حکومت کے سامنے کل سرحد آزاد کے اندر مہمند ستان، باجوڑ اور اتمان خیل کا مسئلہ باقی رہا۔ اس مسئلہ کے حل کرنے کے لیے پہلے تو ان قوموں پر روپے کا سیلاب بہایا گیا اور ان کے اندر پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ مگر حسب مطلب حکومت کا فائدہ برنہ آیا آخری مئی سنہ ۱۹۲۷ میں اس ملک پر ہر طرف سے باقاعدہ چڑھائی کی گئی۔ ہندوستان کی تمام فوجیں کھینچ کھینچا کر مہمند۔ اتمان خیل کے محاذ پر جمع کر دی گئی۔ جہاں دیکھو پلٹن، رسالے، توپ خانے

Marfat.com

پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ ہوائی جہاز چیلوں اور گدھوں کی طرح گھومنے شروع ہو گئے یکم جون ۱۹۲۷ء کو غازی لوگ مدافعت کے لیے فقیر صاحب علی نگہ کی سرکردگی میں محاذ پر پہنچے ہوئے مدافعت کی تدابیر کر ہی رہے تھے کہ ناگاہ خدا کی تائید غیبی چینی احرار کی صورت میں نمودار ہوئی۔ اور حکومت کو اپنی تمام فوجیں واپس بلانی پڑیں۔ ورنہ ہندو لیڈروں کی خواہش کے مطابق یہی سال سرحد آزاد کا نام و نشان مٹ جاتا۔ چینی احرار نے بولشویکوں کی مدد سے برطانوی سیاست کے لیے موت و حیات کا سوال پیدا کر دیا۔ پینتیس کروڑ نقد سرمایہ (...... جنگی جہاز بیمار کر کے مع انگریزی بال بچوں کے جاپان بھیجا گیا اور جنرل ڈیکن کو انگلستان سے بھیجا گیا تاکہ وہ انگریزی اور ہندوستانی فوجوں کے ساتھ ساتھ یانچوریا کی طرف جا کر فوراً روسی سیلاب کو روک سکے اور تین کروڑ نو لاکھ پونڈ (۳۰۹۰۰۰۰۰) مصارف جنگ منظور کیے گئے۔ خطرات نے اس حد تک طول کھینچا کہ روزن گلٹز نامی وزیر مختار روس مقیم لندن کو اسی ماہ جون ۱۹۲۷ء میں وہاں سے نکال دیا گیا اور ۷ جون ۱۹۲۷ء کو وائی کوف سفیر روس مقیم پولینڈ کو قتل کروا دیا گیا۔ تاکہ روس کی توجہ چین سے ہٹ کر پولینڈ، بحیرہ بالٹک اور بحیرہ اسود کی طرف سے پھر جائے۔ وزیر جنگ اور وزیر پرواز انگلستان کو ہندوستان بھیجا گیا کہ سرحد آزاد کے نقاط کا مطالعہ کرے اور تبت کے پہاڑوں پر شمال مغربی سرحد کی طرح ایک شمال مشرقی سرحد قائم کرنے کی تجویز پر غور کرے۔ مگر یہ سب تدبیریں بیکار تھیں یہاں تک کہ بواسطہ مسٹر ادملے وزیر مختار برطانوی مقیم شنگھائی چینی احرار کے مطالبے منظور کر کے سیاست برطانوی کو روسیوں کے ہاتھ سے بچایا گیا اور ۱۴ جنوری ۱۹۲۸ء کو سپہ سالار ڈیکن واپس لندن رخصت ہوا۔

غرض یہ واقعات تھے جن کے ماتحت حکومت ہند کو سرحد آزاد کی طرف سے فوجیں ہٹا کر چین کھینچنی پڑیں اور قبائل آزاد کو اس ناگہانی بلا سے نجات حاصل ہوئی ہندو جاتی کی ان سازشوں کے پیش نظر اہل سرحد اب بھی جب ان کو موقع یاد آتا ہے اپنے حسب حال اکثر یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

قتل ایں خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نہ بود   ورنہ از دل بے رحم تو تقصیر نہ بود

Marfat.com

شاہ سابق اور ہندو مسلم اتحاد

گاندھی جی جو اس آگ کو بجھا سکتے تھے کانگریس سے مستعفی ہو کر مسلمانان ہند اور سرحد کی بربادی کا تماشہ دیکھنے کے لیے خانہ نشین ہو گئے۔ شاہ امان اللہ خاں کی خارجہ پالیسی یہ تھی کہ سرحد آزاد کو ایک مستقل ریاست کی حیثیت دلائی جائے جس کے لیے اس نے ۱۵ جولائی ۱۹۲۷ء میں مہمند اور آفریدیوں کا ایک جرگہ کابل میں منگایا اور ان کو ضروری ہدایتیں دے کر رخصت کیا اور یہ کہ ہندوستان جلد سے جلد انگریزی اثر سے پاک ہو۔ اور ہندوستان اور افغانستان کے درمیان نہایت برادرانہ اور مخلصانہ روابط قائم ہوں۔ اس ہندو مسلم کی باہمی آویزش اور بے اتفاقی سے بے حد متاثر ہو کر اور بجائے اس کے کہ وہ یورپ کی سیاحت کے لیے ہندو مسلم لیڈروں سے مل کر اپنے سابقہ پروگرام کے مطابق روس کا راستہ اختیار کرتا ہندوستان کا راستہ پکڑا۔ تاکہ اگر ہو سکے تو افتراق کی اس خلیج کو پاٹ دے۔ ۷ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو دارالسلطنت کابل سے بعزم ہندوستان رخصت ہوا اور ہندوستان میں پہنچ کر جن لوگوں کو وہ گھر پہنچ کر ملا وہ مسلمان نہ تھے۔ بلکہ گاندھی جی اور موتی لال نہرو تھے۔

مسلمانانِ ہند کی قوۃ الظہر (افغانستان) کی بیخ کنی میں ہندو لیڈروں کا اشتراکِ عمل اور انتہائی جدوجہد

شاہ موصوف کی غیر حاضری میں انقلابی تحریکات کی تاسیس کرنے میں جہاں دوسرے لوگوں نے حصہ لیا۔ وہاں ہندوستان کے وہ مہاجرین بھی تھے جو امریکہ سے آ کر کابل میں نہایت با فراغ زندگی بسر کر رہے تھے اور جن میں سے بعض کو خاندان نادری کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی اپنے اعمال کی پاداش میں افغانستان چھوڑنا پڑا اور بعض جو بچ رہے تھے وہ سال ۱۹۳۲ء (۱۹۳۳) کی انقلابی تحریکات کو ہوا دینے کے جرم میں ایپی فقیر کی امداد کرتے ہوئے پکڑے گئے۔ اور اگرچہ ان کے جرم کی کمترین سزا یہ تھی کہ وہ توپ کے ساتھ اڑا دئیے جاتے مگر خاندان نادری نے محض مسافر نوازی اور ہندوستانی پروری اور ہمسائیگی کے حقوق

Marfat.com

کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو باعزت افغانستان سے رخصت ہو جانے کی اجازت دیدی
مگر ان بد باطن ناشکر گذاروں نے حکومت کے اس خسروانہ درگذر کا کچھ لحاظ نہ کیا اور روس
جاکر پھر وہاں سے افغانستان میں انقلابی تحریکات کی تائید اور مدد کے لیے گھسے دوبارہ پکڑے
گئے پھر بھی حکومت نے ہندوستان کی ہندو جاتی پر اسلامی کشادہ دلی اور افغانی ہمسایہ
نوازی کا ثبوت دینے کے لیے ان ناقابل عفو مجرموں کو چھوڑ دیا۔ سنا گیا کہ ان میں سے
ایک گذشتہ سال ہندوستان میں کہیں ہوائی ڈاک خانہ میں خط پوسٹ کرتے ہوئے پکڑا
گیا۔ غرض ہندو جاتی نے مسلمانان ہند کی اس قوۃ الظہر (افغانستان۔ آزاد سرحد) کو نیست
و نابود کرنے میں جب کبھی کوئی موقع ملا کوئی دقیقہ ہمت فروگذاشت نہ کیا۔ اسی درمیان میں
سیفٹی بل اسمبلی میں پیش ہوا۔ کانگرس کے لیڈر گرفتار کیے گئے۔ کانگرس کی مشینری کا پرزہ
پرزہ توڑ کر رکھ دیا گیا اور اس کی حیات ثانیہ کا کسی کو یقین نہ رہا۔ ۱۹۲۸ء کے شروع میں
سائمن کمیشن مقرر ہوا۔ ۲۵ اگست ۱۹۲۸ء کو نہرو رپورٹ کا اعلان ہوا جس سے ہندو
اکثریت نے مسلمانوں کی بدگمانی کو اور بھی زیادہ کر دیا۔ نومبر ۱۹۲۸ء کو انقلابی تحریکیں جن کی
شاہ امان اللہ خاں کی غیر حاضری میں بنیاد ڈالی گئی تھی۔ جا بجا بغاوت عمومی کی صورت میں پھوٹ
پڑیں۔ ۲۳ مئی ۱۹۲۹ء کو شاہ مذکور حالات پر قابو پانے سے مایوس ہو کر ترک وطن پر مجبور ہوا۔
افغانستان کا شیرازہ بالکل درہم برہم ہو گیا جس کے دوبارہ مجتمع ہونے کی بظاہر کوئی صورت نہ
تھی۔ اب جبکہ افغانی ہوا جو کابوس بن کر ہندو جاتی پر رات کی نیند اور دن کا آرام حرام رکھتا تھا
جاتا رہا اور مسلمانان ہند کی پشت پناہی کا سامان محو ہو گیا اور ہندوؤں کو یقین ہو گیا کہ اب
مسلمانان ہند کو اپنے تئیں بغیر ہمارے رحم و کرم پر چھوڑنے کے کوئی چارہ نہ رہا اور وہ بالکل
بے دست و پا ہو گئے ہیں تو انھوں نے مردہ کانگرس کو پھر زندہ کرنا چاہا۔ مگر زندہ کرے تو کون؟
مسلمانان ہند تو پے در پے صدمے اٹھانے سے ہندو جاتی کی بدنیتی اور تنگدلی سے واقف
ہو گئے تھے اور وہ اس حد سے گذر چکے تھے کہ ہندو لیڈروں کے دم دلاسوں اور جھانسوں میں
با آسانی آسکتے۔ اس لیے انہوں نے صوبہ سرحد کے سادہ دل۔ بھولے بھالے۔ خود بھی سچے اور
دوسروں پر بھی سچ کا گمان کرنے والے۔ شجاع اور جہان لوانہ افغان کی طرف رخ کیا اور ان کے لیڈروں

Marfat.com

کی منت اور سماجت اور ان کو مسلمانان ہند کے حقوق کی حمایت میں یہاں تک یقین دلایا گیا کہ سفید کاغذ لاؤ اور مسلمانوں کے واسطے جو مراعات چاہتے ہو وہ ہم سے لکھوا لو۔

ہندو مسلم اتحاد کی حمایت میں قبائل سرحد کا تیسری مرتبہ آواز بلند کرنا اور گاندھی اور کانگرس کا بین الاقوامی شہرت کا مالک بننا

افغانوں کے نزدیک کسی گھر آئے شخص کا سوال رد کرنا غیرت افغانی کے خلاف موت سے زیادہ بدتر سمجھا جاتا ہے۔ سرخپوش اور دوسرے سرحدی لیڈر اٹھے اور کانگرس کی حمایت میں آواز بلند کیا اور پشاور اور کوہاٹ اور بہت سی دوسری جگہوں میں بزیل مخالفت قانون سرکاری افغانی مسلمانوں نے خون کی ندیاں بہا دیں۔ پنجاب اور ہندوستان کے مسلمان اگرچہ ہندوؤں کے ہاتھ سے بے حد صدمے اٹھا چکے تھے انہوں نے بھی اس وقت حالات سے متاثر ہو کر ہندوؤں کی چیرہ دستیوں اور افتراق انگیزیوں کی کچھ پرواہ نہ کی اور من حیث القوم کانگرس کے زندہ کرنے میں ہندوؤں سے بڑھ کر حصہ لیا ادھر اس کی تائید میں قبائل سرحد نے آواز اٹھایا اور بلوچستان سے لے کر کوہ سیاہ تک بارہ سومیل کے طویل سلسلۂ پہاڑ کے اندر ایک ایک پتھر سے گاندھی جی زندہ باد! کانگرس زندہ باد! عبد الغفار خاں زندہ باد! کے نعرے بلند ہونے شروع ہو گئے۔ اتنے لمبے چوڑے محاذ پر کوئی جگہ ایسی نہ رہی جہاں قبائل آزاد اپنے انجام سے آنکھ بند کر کے اندھا دھند حکومت کے عسکری دیو سے دست و گریباں نہ ہو گئے۔ صوبہ سرحد میں سرکاری سیاست کے لیے موت وحیات کا سوال پیدا ہو گیا۔ نزاکت حال کا اندازہ کرنے اور حالات پر قابو پانے کیلئے نائب وزیر ہند سر سیموئل ہور بذریعہ ہوائی جہاز لندن سے سیدھا پشاور پہنچا۔ چیف کمشنر صوبہ سرحد اور بہت سے ذمہ دار حکام کو اس بنا پر کہ انہوں نے سرکار انگریزی کی سیاست کو بے وقار کیا ہے ملازمت سے سبکدوش کر دیا۔ اس تحریک کی تائید میں صدہا نفوس قبائل آزاد کے میدان جنگ میں اور صدہا عورتیں اور بچے گھروں کے اندر ہوائی جہازوں کی بمباری

کے نیچے کچلے گئے۔ بہت سی آباد بستیوں کے نام و نشان مٹ گئے وہ پہاڑ جو بمنزلہ قدرتی قلعوں کے ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے ان میں سے کئی ایک دشمن کے قبضے میں چلے گئے۔

قبائلی سرحد کی آزادی محو کرنے میں ہندو کانگرسی لیڈروں کی نئی سازشیں

مگر بجائے اس کے کہ گاندھی جی اور کانگرسی لیڈر ہماری ان قربانیوں کو بنظر استحسان دیکھتے اور ہمت افزائی کا پیغام پہنچاتے انھوں نے ہمیں جولائی ۱۹۳۱ء میں وہ پیغام بھیجا کہ اس کا ایک ایک لفظ ہمت شکن اور غلامی آموز تھا۔

"آفریدیوں سے کہہ دیجئے کہ حکومت جو علاقہ ان سے لینا چاہتی ہے وہ انگریزوں کو دیدیں جب ہم کو سوراج مل جائے گا تو ہم انہیں واپس دے دیں گے"

وہ شخص جو کہ دنیا میں آزادی کا پیغامبر کہلاتا تھا اور اپنی ہزارہا سالہ قوم کو آزادی کا سبق پڑھاتا تھا۔ وہ آفریدیوں جیسی ہمارے غیور بھائیوں کو غلامی کا سبق پڑھاتا تھا۔ حالانکہ اس کو خوب معلوم ہے کہ سر لاک ہارٹ جو پنشن پاکر ولایت چلا گیا تھا۔ جب کرنل کیلے میجر ریڈ میجر میکلے میجر ایلس۔ میجر ریڈ میجر ٹیمن کی فوجوں کو ان کے مقابلے میں ۱۸۹۷ء سے لے کر ۱۸۹۸ء تک کی جنگوں میں پے در پے شکستیں پہنچیں۔ لارڈ ایلجن وائسرائے ہند کو مدد کے لیے بلانا پڑا۔ ہندوستان چھوڑ انگلستان کے خزانے بھی خالی ہو گئے۔ اس پہ ملکہ وکٹوریہ نے ہند کو بہر صورت آفریدیوں کے تئیں رضامند کرلینے کی تاکید کی۔ ہمارے آفریدی بھائیوں نے بذریعہ رجسٹری گاندھی جی کو اس کا جواب دیا تھا مگر انھوں نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ گاندھی کی تائید میں کانگرس کے ایک ذمہ دار رکن نے مجلس عاملہ میں یہ تجویز پیش کی کہ سرحد آزاد کو برطانوی ہند میں شامل کرلیا جائے اس کے بعد ایک مشہور وکیل کانگرسی جو ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی

Marfat.com

کانگرس کمیٹی کا صدر تھا ہیگ کمیٹی کے روبرو شہادت دیتے ہوئے آزاد علاقہ کو برطانوی علاقہ میں شامل کرنے کی تجویز پیش کرتا ہے۔ ۹ رجون ۱۹۳۱ء روزنامہ انقلاب میں یہ تمام تصریحات موجود ہیں سے

از طرف من طرح وفاداری بود — از لبِ تو آئینہ جفا کاری چلیست

۱۹۳۰ء کی سرحدی جنگوں میں سب سے عجیب بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ بڑے بڑے انگریزی تعلیمیافتہ ہندو لیڈر اسلام کا مقدس چولا پہن اور قرآن مجید کو گلے میں ڈال کر سرحد کے مختلف نقاط میں پھرتے اور طرح طرح کا پروپیگنڈا کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ وہ کابل میں بھی پہنچے۔ ان کا یہ راز اس وقت تک نہ کھلا جب تک کہ ان میں سے سرآوردہ لیڈر سرحد عبور کرتے ہوئے شب قدر میں پولیس کے ہاتھ گرفتار نہ ہوا۔ یہاں اس کا عبدالقادر نام تھا مگر پولیس نے کشن چند المعروف عبدالقادر باشندہ ضلع راولپنڈی کی گرفتاری کا اخباروں میں اعلان کیا۔

احصائیہ نقصانات صوبہ سرحد پشاور و قبائل آزاد

جریدہ زمیندار جو اس زمانے میں کانگرس کے زبردست حامیوں میں سے تھا اور مالوی کو مولوی اور برہمن کو شیخ پر ترجیحی نظمیں لکھتا تھا اور گاندھی جی کی پیروی میں اسلام اور وطن کی نجات کا سبق مسلمانانِ ہند کو پڑھاتا تھا۔ اور غیر کانگرسی مسلمانوں کو رجعت پسند، حکومت پرست کے خطاب سے یاد کرتا تھا۔ اپنی اشاعت مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۱ء میں صوبہ سرحد پشاور کی قربانیوں کا احصائیہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

افغانی شہید	(۵۰۰)
افغانی مجروح	(نامعلوم)
افغانی اسیر ہندوستان کی کل تعداد ساٹھ ہزار کے مقابلے میں	(۱۲۰۰۰)
افغانی شہریکان کارِ جنہوں نے کانگرس کی حمایت میں حصہ لیا تھا	(۲۰۰۰۰)

جب صوبہ سرحد پشاور میں چند دقیقوں کی تفنگ بازی کا یہ نتیجہ نکلا تو اسی پر قیاس ہو

Marfat.com

سکتا ہے کہ سرحد آزاد میں جہاں ہر قوم اور ہر قبیلہ نے کانگریس کی حمایت میں کئی مہینے اور کئی سال حصہ لیا اور رات دن ہوائی جہازوں کی تاخت کے نیچے - توپ، تفنگ ٹینک کی زد میں رہتے تھے مال وجان کا کیا کچھ نقصان نہ ہوا ہوگا۔ اگرچہ ہم سرحدیوں کو تھوڑا بہت مدافعت کا سامان حاصل تھا مگر اس کی نسبت وہی ہے جو کاہ کو کوہ یا شیشے کو پتھر کے ساتھ۔ پتھر کو شیشے پر ماریں یا شیشے کو پتھر پر دونوں صورتوں میں شیشے کا ٹوٹنا یقینی ہے۔ ہمارے نقصان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ البتہ حکومت ہند کے چند تصریحات ہمارے نقصان کا تھوڑا بہت اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

بہ تقریر تصریحات مسٹر ہاٹیگو وزیر ہند مطبوعہ پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۷ جولائی سنہ ۱۹۲۲ء

وزیرستان کے ابتدائی دو سال کا نقصان مال وجان کا

انگریزی مقتول	۵۱۸۶
انگریزی مجروح	۳۲۷۴
انگریزی مفقود	۳۹۹
مصارف جنگ	۷۶۰۰۰۰۰۰ روپے
مصارف جنگ از سنہ ۱۹۱۵ء تا سنہ ۱۹۲۵ء	۹۸۰۰۰۰۰۰ ؍

بقرار بیان مسٹر براؤن

اسمبلی کے اجلاس مورخہ ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء میں (بقرار بیان مسٹر براؤن مدینہ ۵ فروری سنہ ۱۹۲۶ء)

وزیرستان نقیر آف آئی۔ پی کے جنگ کا خرچ ۳۰ اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء تک بقرار بیان لارڈ سٹینلے جو اس نے دار الامراء لندن میں ۳۰ نومبر سنہ ۱۹۳۷ء کو دیا بارہ لاکھ پونڈ ہے یعنی دو کروڑ ۷۶ لاکھ روپے ہے۔ احسان ۳ دسمبر سنہ ۱۹۳۷ء ایک کروڑ ۷۶ لاکھ روپے ۱۹۳۸ء کے لیے منظور ہوا ہے۔

جنگ آفریدستان از سنہ ۱۹۳۰ء تا مارچ سنہ ۱۹۳۱ء

ہوائی تاخت	۵۰۰۰

مصارف جنگ (ایک کروڑ سینتالیس لاکھ) ۱۴۷۰۰۰۰۰

بقرار بیان سپہ سالار ہند مطبوعہ جریدہ ملت بجنور ماخوذ از جریدہ اصلاح کابل مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۳۲ء

جنگ مہمندستان۔ اتمان خیل۔ پایندہ خیل سلطان خیل کوہستان صوات، کوہ سیاہ

۱۹۳۰ء کی جنگ میں جو حصہ کانگریس کی حمایت میں واقع ہوئی۔ ان میں حکومت کو مال و جان کا جو نقصان ہوا اس کی نسبت کوئی سرکاری اعلان ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ ہمارے ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو جنگیں جنگ عمومی ۱۹۱۴ء سے پیشتر ۱۸۴۹ء تک ۶۵ سال کے عرصے میں ستر مرتبہ سرحدی نقاط پہ پیش آئیں۔ اگرچہ وہ بھی زیادہ تر ہندوستان کی ہمدردی کے ذیل میں تھیں۔ مگر اس میں کانگریس کے پروگرام کی کوئی خاص تائید نہ تھی۔ کیونکہ اس وقت تک کانگرس کو ہندوستان میں جاننے والا کوئی نہ تھا۔ تو سرحد آزاد کا کیا کہنا ان جنگوں میں بقرار تصریحات کرنل ایچ۔ سی۔ ولی اپنی فرام دی بلیک مونٹین ٹو وزیرستان میں صفحہ ۴۸۵ سے ۴۸۸ تک درج کی ہیں جو مال و جان کا نقصان حکومت ہند کو عاید ہوا۔ اس کی شرح یہ ہے۔

از ۱۸۴۹ء تا ۱۹۱۴ء عرصہ ۶۵ سال کی ستر مرتبہ جنگ میں

مقتول	۱۵۵۴
مجروح	۳۸۸۵

ہیں۔ پس ان سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ کانگرس کی حمایت میں سرحد آزاد کے اندر جو جو تحریک اٹھی اس کے بدلے میں سرکار کو کتنا عظیم الشان نقصان پہنچا۔

وزیرستان وزیرستان میں قوم مسعود کو یہ فخر تھا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی بادشاہ کو ہمت نہ ہوئی کہ اس کو ہمارے حدود تک پہنچنے کی جرأت ہوتی۔ مگر حکومت انگلشیہ نے بہ سبب ہوائی جہاز بنانے کے ۱۹۱۹ء سے لے کر اس وقت تک

Marfat.com

کوئی سال کوئی مہینہ کوئی ہفتہ بلکہ کوئی دن ایسا نہ گزرا جو ان پر یا کسی نہ کسی وزیری قبیلہ پر ہوائی جہازوں کی بمباری سے خالی رہا ہو۔ علاقہ آزاد میں وزیریوں سے بڑھ کر کسی کے پاس بلکہ دنیا میں کسی کے پاس ذرائع معاش کی اتنی قلت نہ ہوگی۔ ان کو تو مہینے کا سامان خوراک باہر سے لانا پڑتا ہے۔ سالہا سال کی بمباری سے وہ ہمیشہ قحط سالی کی حالت میں رہے اور رہتے ہیں۔ دن رات کی بمباری کے ساتھ ساتھ برف و باران کی شدت کی سردی اور بھوک و ننگ کی مسلسل تکالیف کا اندازہ کرنے سے انسانی روح تڑپ اٹھتی ہے۔ درہ بدر۔ درہ خیسور۔ درہ بکین۔ میدان۔ دواتوے۔ اندرکو، کوہ بابڑ۔ درۂ زنگوڑا۔ درہ شہیر۔ درہ شکتاؤ، درہ کرشٹا تو ان سب دروں میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جس کا ایک ایک پتھر بمباری سے نہ اڑایا گیا ہو۔ ۲۳ر جنوری ۱۹۲۳ء سے لے کر اب تک کئی کئی مرتبہ چار چار ٹن کے وزنی بم یعنی ۱۲۲۸ اسیر انگریزی کے وزنی بم گولوں کا استعمال جاری ہے۔ کوہ شوال پر انگریزی چھاؤنی اور ہوائی مستقر بمقام رزمک بن جانے سے وزیرستان کے قبائل آزاد (درویش خیل اور مسعود) کی شاہ رگ حکومت کے ہاتھ میں آگئی۔

جب انگریزوں کے کئی ہزار آدمی مارے گئے تو ان غریبوں کے تلفات جان کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ تہذیب کا یہ سلسلہ ہمیشہ رو بترقی رہا۔ ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۳ء میں لیوانے فقیر کے پردے میں وزیرستان۔ افغانستان دونوں کو نابود کرنے کی کوشش کی گئی۔ اب دو تین سال سے درہ خیسورہ پر قبضہ کرنے کی خاطر بمباری رات دن جاری ہے

آفریدستان

۱۹۳۰ء، ۱۹۳۱ء میں آفریدیوں نے کانگرس کی حمایت میں جو حصہ لیا اس کی پاداش میں ان کے ہر قبیلہ ذکو خیل۔ ملک دین خیل۔ کمبر خیل زکا خیل۔ اکاخیل کے گاؤں گاؤں بلکہ گھر گھر پر برابر پندرہ مہینے رات دن ہوائی جہازوں سے گولہ باری ہوتی رہی قلت ذرائع معاش کے لحاظ سے آفریدستان کا درجہ اگر وزیرستان سے بڑھا ہوا نہیں تو کم بھی نہیں۔ بہ مشکل تین ماہ کا غلہ وطن میں پیدا ہوتا ہے۔ باقی نو کا پشاور سے خرید کرتے ہیں۔ ناکہ بندی۔ بھوک اور سردی کی وجہ سے ان کو اور ان کے عیال کو جو تکلیف پہنچی اگر وہ حصہ رسدی زمین کے تمام باشندوں پر تقسیم کی جاوے تو

Marfat.com

ایک اس کا متحمل مشکل سے ہو گا۔ کوہ کجوری جوان کا موسم سردی کا جائے پناہ تھا۔ انگریزوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس جنگ میں جو شہید اور مجروح ہوئے ان کا اندازہ اس سے زیادہ مشکل ہے وہ اس کے علاوہ اور ابدی نقصان ہے۔

مہمندستان و باجوڑ سب سے پہلے جس قوم نے سرحد آزاد میں ۱۹۳۰ء میں کانگرس کی حمایت میں آواز اٹھایا وہ مہمند اور باجوڑ تھا ان پر برابر کئی ماہ گولہ باری ہوتی رہی۔ مال وجان کا نقصان اندازہ سے زائد ہوا۔

اتمان خیل اتمان خیل آفریدیوں کا سب سے چھوٹا بھائی ہے اس لئے اس نے اس تحریک کی تائید میں مہمندوں سے زیادہ حصہ لیا۔ ان کی سب آبادو زرخیز بستیاں چن چن کر بمباری سے تباہ کی گئیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ درہ ارنگ۔ درہ بونگ۔ ککڑ بینہ۔ ٹراٹگ۔ غزلوچی۔ اصغر۔ بلائی۔ نارنجی۔ باغ بونڈے۔ چوڑائی۔ پنجگرام وغیرہا۔ صدہا جوان مرد، عورتیں اور شیر خوار بچے کوٹھوں کے ملبہ کے نیچے زندہ درگور ہو گئے اور وہ جو میدان جنگ میں مارے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔

کوہ سیاہ کوہ سیاہ کے اقدام میں دریائے اباسین کے اس پار کی اقوام چغرزئی۔ امازائی حسن زائی نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ ان قوموں کو براہ راست سزا دینا نہایت مشکل تھا۔ جنگ انبیلہ میں ۱۸۶۳ء میں سرکار انگریزی کو معلوم ہو چکا تھا جس میں سرکار کے ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ یہاں تک کہ سپہ سالار افواج ہند بھی بری طرح زخمی ہوا۔ لارڈ ایلجن وائسرائے ہند چھنبہ کی پہاڑیوں میں بحالت مردہ پایا گیا اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ لارڈ موصوف نے اس شرم اور ندامت سے بچنے کے لیے جو اسے سرکاری فوجوں کی بطریق فوق العادت تباہ اور کروڑ ہا روپیہ مصارف جنگ میں اٹھ جانے کے باوجود مقصد اصلی میں سراسر ناکام رہنے سے دامنگیر ضمیر ہوئی تھی اس سے بچنے کے لیے خودکشی کر لی۔ چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر ہماری اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔

میاں گل والیے سوات کو اجازت دی گئی کہ جس طرح بھی ہو ان پر قبضہ کر لے چنانچہ اس نے۔

قوم عسن زئی سے :-

بیو - بانگڑی - کروڑ - نادری - ناسک - دسلے - مادبٹہ - کرڈاک - ڈوگا - ارنالہ - پیرزادہ - گڑھی نواں کلی - میدان - پلو سے - ترخے -

اور قوم جیجر زئی اور امازئی سے :-

بوگرے - بنگاخ - مشاکے - رابا - غالو - بینگ مارا - دیدل - کماچ یہ سب زرخیز علاقے بتدریج چھین کر اپنی ریاست میں شامل کر لیے -

ہندو مسلم اتحاد سے کانگرسی ہندو لیڈروں کی دوبارہ بے اعتنائی - اور افتراق انگیز تحریکات کی تاسیس

(فیض پور کانگرس جنوری ۱۹۳۷ء کے ایک دروازہ کا نام سیواجی رکھنا)

اب جبکہ افغانی اور اسلامی امداد سے کانگرس دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لائق ہو گئی تو پھر سننے میں آیا کہ کانگرس کے ہندو اراکین نے مسلمانوں کی شمولیت کو ملی تحریکات میں غیر ضروری قرار دینا شروع کیا اور ۱۹۳۱ء میں ہندوؤں نے اپنی توقعات گول میز کانفرنس سے وابستہ کر لیں - سرچمن لال سنیلواد جو ہندوؤں کی طرف سے گول میز کانفرنس میں شریک ہوا تھا - اتحاد کے تمام امکانات کو پس پشت ڈال کر ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء کے قلیت کمیٹی کے اجلاس میں اقوام ہند کے حقوق کے فیصلے کے لیے وزیر اعظم کو ثالث تسلیم کرنے پر زور دیا - کیونکہ ان کو امید تھی کہ وہ فیصلہ ہندوؤں کے حق میں دے گا - مالویہ - مونجے - جیکر - ایس کے دت وغیرہ نے ایک تحریری درخواست بھی دی - مگر مسلمانوں نے اس کا انکار کر دیا -

۱۹۳۳ء میں گاندھی جی نے اچھوت ادھار کی تحریک کی اور ساتھ ہی ساتھ اردو ہندی کا مسئلہ پیش کر کے ہندو مسلم اتحاد کی دھجیاں اڑانے کی اس طرح کوشش کی کہ وہ رفو کے لائق نہ رہے - ہم اہل سرحد کو گاندھی جی ایسے ذمہ دار اور جلیل القدر راہنما کی طرف سے ایسے چھچھورے پن کی باتیں دیکھ کر یقین ہو گیا کہ وہ اور تمام کانگرسی لیڈر شردھانند ، لاجپت رائے - مالوی - مونجے - پرمانند - پروفیسر دیوان چند شرما - لیفٹیننٹ امرناتھ کی طرح ہندو نواز اور مسلم کش

پالیسی کی حمایت اور تائید میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں اور یہ کہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان کا چیخنا چلانا محض اس لیے ہے کہ اس شور و غوغا کے اندر ان کی اتحاد کش سازشوں پر پردہ پڑا رہے۔

اور یہ کہ مسلمانان ہند اور سرحد آزاد کو محض آلہ کار بنا کر ہندوستان کا داخلی اختیار انگریزوں سے لیا جاوے۔

اور یہ کہ مسلمانوں کے واسطے جس طرح انگریزی عملداری میں باشرف زندگی گذارنے کا کوئی ذریعہ نہیں چھوڑا گیا۔ ویسے ہی ہندو رام راج کے اندر رہے اور جس طرح وہ انگریزی راج میں انگریزوں کے سیاسی اور ہندو سرمایہ داروں کے اقتصادی غلام پشت در پشت سے چلے آتے ہیں اسی طرح آیندہ کو بھی رہیں۔ بلکہ انگریزوں کی ہندو جانشینی کے بعد وہ ان کے سیاسی غلام بھی بنے رہیں اور بتدریج شودر اور دوسری اچھوت قوموں کی طرح اپنے آبائی مذہب سے دستبردار کیے جائیں اور ہندو تہذیب میں جذب ہو جائیں۔

اور یہ کہ ہندو کانگرسی ہو یا غیر کانگرسی۔ اس کا دعویٰ آزادی ہندوستان کا اور مظلوموں کی غمخواری اور اقلیتوں کی با انصاف سرپرستی کا سراسر باطل اور بے دلیل ہے اور یورپین پروپیگنڈے کے اصول پر مبنی ہے۔

کانگرسی لیڈروں کی صفائی میں ہم ہندی مہاجرین مقیم سرحد کی بے بسی

جن لوگوں کو سرحد آزاد کے قبائل سے براہ راست واسطہ پڑا ہے ان سب کو میری اس بات سے اتفاق کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کے ان قانون دانوں کو جو بال کی کھال نکالنے میں معروف ہیں مجلس میں بات کرنے اور معقول حاضر جوابی کا اتنا ملکہ نہ ہوگا جتنا کہ ان لوگوں کے ایک عامی جاہل کو۔ ان کے سفید ریشوں اور بڑوں کا تو کیا کہنا ہے۔ میں یا دوسرا کوئی لائق سے لائق رفیق کار ہندوستانی مہاجر کانگرسی لیڈروں کی صفائی میں ہزار دلائل پیش کریں اور ان کی جرح اور تعدیل کے سامنے کسی کی پیش نہیں جا سکتی وہ کہیں گے کہ تم کانگرس کا پیسہ کھاتے ہو۔ اس وطن میں نہ تمہاری زمین ہے نہ کوئی ذریعہ تجارت نہ افغانستان

سے تمہاری امداد ہے اور نہ انگریزوں سے۔ تم ہو نہ ہو بالضرور کانگرس کے تنخواہ خوار ہو ورنہ سرحد آزاد اور مسلمانانِ ہند کی بے لوث قربانیوں کو اور ان کے مقابلے میں ہر بار کانگرسی اور غیر کانگرسی سربرآوردہ ہندو لیڈروں کی تنگ دلی۔ تعصب۔ بدنیتی کی مثالیں مذکورہ فوق دیکھتے ہوئے اور پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین اور اسلامی شعائر کی بے حرمتی کے ہر روز قصے سنتے ہوئے تم کو یہ کیسے جرأت ہو سکتی ہے کہ ان کی حمایت میں کچھ بولو۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر ملت افغانیہ کو روز ازل سے یہ نسبت یہاں کی دوسری قوموں کے مہمان نوازی، مسافر پروری، پناہ دہی کا ایک فوق العادت حصہ نہ ملا ہوتا تو وہ کبھی کے ہم ہندی مہاجرین کو اسلام کا دشمن اور وطن کا بدخواہ قرار دے کر یا جان سے مار ڈالتے اور یا پھر وطن سے نکال دیتے اور آئندہ کسی ہندوستانی ہندو یا سکھ یا مسلم مہاجر کو اس ملک میں پناہ کی جگہ نہ ملتی۔

قدامت پرست خوانین اور رؤسائے سرحد کا زاویہ نظر

ہندوستان کی طرح سرحد آزاد میں بھی بہت سے ایسے عیش دوست، آرام پسند خوانین اور رؤسا ہیں جو اپنی انفرادی سربلندیوں اور اقتدار کی بقا کے لیے انگریزی راج کو اپنے لیے خدا کی رحمت سمجھتے ہیں اور ہندوستان کے نوابوں اور راجاؤں کی طرح حکومت برطانیہ کی بقا کے خواہاں ہیں۔ میں اہل وطن سے سرحد آزاد کی صحیح ترجمانی کا پورا حق ادا کرنے میں قاصر رہوں گا اگر میں اس موقع پر اس کے خوانین کے خیالات کی ترجمانی نہ کروں۔ وہ جب کبھی اپنے ہم وطن مذکورہ بالا میں سیاسی لیڈروں کو ایسی افتراق انگیز ہندوانی تحریکات کا ذکر کرتے ہوئے سنتے ہیں یا خود ہندوستانی اخبارات کے اندر ایسے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔

مسلمانانِ ہند قدامت پرست خوانین سرحد آزاد کی نظر میں

دولت برطانیہ کم عقل ہے جو ایسے ہندوؤں کو ابھارنے اور مسلمانوں کو گرانے میں شیر شاہ سوری اور مغلیہ خاندان کی پالیسی اختیار کی اس کو یہ معلوم نہیں کہ ہندوستانی مسلمان دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ قدرت نے اپنے قانون۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ وَمَا لَہُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّالٍ۔

کے ماتحت ہوا ان کے ہاتھ سے سلطنت چھینی تھی تو عین اس وقت جبکہ وہ اپنے اندر سے ملک داری اور جہانبانی کے تمام بلند اخلاق قوم بنی اسرائیل کی طرح کالأ کھو چکے تھے ان کا دوبارہ زندہ ہونا ایسا ہی منشائے قدرت کے خلاف ہے جیسے راکھ کے اندر روشنی اور شعلہ کا پیدا ہونا۔ راکھ میں ہزار تیل ڈالا جائے اس کے اندر بھڑک پیدا نہیں ہو سکتی اگر ہوگی بھی تو عارضی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ بفحوائے آیت

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ٥

قدرت کی طرف سے صدہا ٹھوکریں کھانے پر بھی ان کے اندر قومی احساس، وطنی غیرت مستقل کا غم کچھ بھی پیدا نہ ہوا بلکہ جس قدر عبرت افزا حوادث ان پر پیش ہوتے ان کی بے حسی اور غفلت میں اتنا ہی اضافہ ہوا۔ اگر ان کے کتنوں قلب میں غیرت اور حمیت کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو ضرور اس وقت تک بیدار ہو چکا ہوتا جو انہیں ان کی انفرادی قوتوں کی شیرازہ بندی کی طرف راہنمائی کرتا اس سے ایسا معلوم پڑتا ہے کہ غلامی ان کی فطرت ثانیہ ہو گئی ہے۔ ان کے رگ و ریشہ میں غلامی رچ چکی ہے۔ غلامی میں ان کو مزہ ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ بہ امتثال آیت وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ہندوستانی مسلمانوں کو ہند میں دیکھو یا ہند کے باہر وہ ہر جگہ یا تو انگریزوں کے آلہ کار ہیں یا ہندوؤں کے غلام۔ جو حال ان کا ہندوستان میں ہے وہی امریکہ، جاپان، روس۔ فرانس یہاں تک کہ خود افغانستان میں بھی جو ایک خالص اسلامی سلطنت ہے۔ صدارت کی کرسی پر بیٹھنے والے سب جگہ ہندو ہی ہندو ہیں۔ نامی گرامی علماء مولوی اور مولانا، سید و میر بادشاہ جن کے علم اور فضل کے سامنے وہ طفل مکتب بھی نہیں اپنے ہندو پریذیڈنٹ کی رضامندی اور عنایت جوئی کے میدان میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہوئے دیکھے گئے اور دیکھے جاتے ہیں۔ ان کی رضامندی حاصل کرنا کیا ہے فقط اسلام اور ضروریات اسلام کا دل کھول کر مذاق اڑانا اور مذہب اور اہل مذہب کو تمام سیاسی اور اقتصادی مصیبتوں کا سرچشمہ قرار دینا اور صبح سے شام تک نماز کے اوقات کو دیدہ دانستہ

Marfat.com

ضائع کرنا، شطرنج بازی، تاش بازی وغیرہ میں ان کے ساتھ مشغول رہنا اور گاہ بگاہ ہندوستان کی آزادی کے متعلق اخباروں میں کوئی مضمون نکال دینا۔ ان کے اعمال ان کے حال پر اور ان کا حال ان کے علم پر رو رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

مسلمانان ہند کی مثال قدامت پرست خوانین سرحد آزاد کی نظر میں

بہرحال مدبرین دولت برطانیہ کا مسلمانان ہند ایسی غلامی زدہ قوم کو اپنا رقیب خیال کرنا اور ہندوؤں کو ساتھ ملا کر ان کی بیخکنی میں اپنا قیمتی وقت اور بے حساب سرمایہ خرچ کرنا بالکل فضول تھا اور ہے یہ خطرہ محض ایک خیالی خطرہ ہے جس کی بنیاد اور اصل ترقی اور یہ وہم ایسا ہی تھا کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے روح قبض شدہ جسد مبارک سے بیت المقدس کی تعمیر کے دوران میں معماروں اور مزدوروں کو ہوا تھا۔ وہ بے روح جسم تھا جو ایک لاٹھی کے سہارے پر کھڑا تھا۔ معمار اور مزدور اس جسم کو زندہ تصور کر کے اپنے اوپر رات کی نیند اور دن کا آرام حرام کیے ہوئے تھے کام کرتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ اس لاٹھی کو نیچے سے دیمک نے اس کا مغز کھاتے کھاتے کھوکھلا کر دیا اور وہ دھم سے یعہ جسم کے گر پڑی تب کام کرنے والوں نے اپنی غلط فہمی اور ناحق کی سردردی اور زحمت کشی پر افسوس کیا۔ قرآن مجید میں یہ قصہ بدیں الفاظ آیا ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ (سورۃ السبا پارہ ۲۲ رکوع ۲)

مسلمانان ہند کی پامالی انگریزی حکومت کے ہاتھ سے

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ

مسلمانان ہند کے مقابلے میں انگریزوں نے جو ہندو قوم کو باقی ترقی پر چڑھایا اور فلک زدہ مسلمانوں کو حق کی اخلاقی پستی کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اپنے اور ہندوؤں کے ہاتھ سے

لے یہ اشارہ مولانا عبید اللہ سندھی کی طرف ہے (بقول صوفی عبداللہ صاحب)

پائمال کیا تھا یہ اس کی ان اہم سیاسی غلطیوں میں سے ہے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے جیسے تحریک انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد غدر کے جھوٹے اور فرضی الزامات پر ان کے نوّے فیصدی رؤسا کو پھانسی پر چڑھا گیا۔ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوایا گیا ان کی جائیدادوں اور نقد سرمایہ کو ضبط کیا گیا اور باقی ۱/۲ حصہ سرمایہ کو ضبط کر دیا گیا اور ان کو نسلاً بعد نسلٍ اپنا اور ہندوؤں کو غلام بنائے رکھنے کے لیے ہندو سرمایہ داروں پر سے سود در سود کی تمام بندشیں ہٹا دی گئیں سرکاری دفتروں اور محکموں میں باشرف زندگی گذارنے کے جتنے دروازے تھے وہ ان پر بالکل بند کر دیئے گئے یہاں تک کہ کسی دفتر کی معمولی سی چپڑاسی گردی کا ملنا بھی ان کے لیے مشکل ہو گیا۔ تجارت اور صنعت اور حرفت کے تمام معاشی ذرائع سے فائدہ اٹھانے کا ان کو بالکل موقع نہ دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانانِ ہند کی سو فیصدی جائیدادیں سے ۹۹۱/۲ حصہ سرکار اور ہندو کے ہاتھ میں چلا گیا اور باقی ماندہ امروز فردا کا مہمان ہے۔ مسلمانانِ ہند انگریزوں کی سیاسی غلامی اور ہندو کی اقتصادی غلامی میں ایسے جکڑ بند کیے گئے کہ ان کا اور ان کی آئندہ نسلوں کا قیامت تک آزاد ہونا ناممکن ہو گیا۔ مگر:۔

دولت برطانیہ کی اہم سیاسی غلطی یہ مدبرین برطانیہ کی ویسی ہی غلطی ہے جو انیسویں صدی کے آخر میں روسی سیلاب کے روکنے کے لیے جو انہوں نے عالم اسلام سے دوستی کرنے کے بجائے جاپان کی تربیت کرنے میں کی ہے اور اس لائق ہے کہ اسے ان غلطیوں کی فہرست میں درج کیا جائے جو دنیا کی بے نظیر اور بے مثل غلطیاں تسلیم کی گئی ہیں اور دنیا کے تمام فلسفیوں اور ماہرین سیاست میں سے کسی نے ان کے بے مثل ہونے پر انکار نہیں کیا بلکہ پوری تصدیق کی جیسے:۔

دنیا کی عدیم المثال سیاسی غلطیاں (۱) بنی اسرائیل کا اپنے چچازاد بھائی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاق نہ کرنا اور ان کے دشمنوں کے ساتھ اتحاد پیدا کرنا۔ بنی اسرائیل کے لیے صدیوں کے انتظا

کے بعد قدرت نے یہ موقع بہم پہنچایا تھا کہ وہ اپنے چچازاد بھائی صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر اپنی گذشتہ شوکت اور سیاسی عظمت کو بحال کرتے اور دنیا میں ہاشمی خاندان کی وہ با جبروت سلطنت قائم کرتے جس کی نظیر نہ دنیا کی گذشتہ اور آئندہ تاریخ میں پائی جاسکتی۔ براعظم ایشیا۔ یورپ، افریقہ اور امریکہ کے تمام با جبروت بادشاہ ان کے دربار کے غلام ہوتے اور وہ سلطنت غالباً اس وقت تک قائم اور دائم رہتی جبتک کہ کرۂ ارض اپنے محور پر چکر لگاتا رہتا۔

(۲) اٹھارہویں صدی کے آخر میں ملت ہندیہ کے لیے آزادی وطن کا ایک نادر موقع پیدا کیا گیا تھا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی یورپ میں ایسی جنگ چھڑ چکی تھی کہ ان کو بیرونی مقبوضات کا ہاتھ میں رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ حضرت سلطان ٹیپو علیہ الرحمۃ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی۔ ہندوستان میں آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے یقیناً کسی فرنگی کا نام و نشان نہ رہتا۔ مگر مرہٹوں اور نظام حیدر آباد کی اتحاد ثلثہ سے علیحدگی نے اس زریں موقع کو ضائع کر دیا۔ اس غلطی کا یہ نتیجہ ہوا کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ممالک براعظم ایشیا اور افریقہ کے یورپین دولتوں کے ہاتھ میں چلے گئے۔

(۳) افغانستان کو ۱۸۲۴ء سے لے کر ۱۸۳۱ء تک قدرت نے ایک ایسا موقع بہم پہنچایا تھا کہ وہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور مولانا اسمٰعیل صاحب دہلوی ایسی اولوالعزم ہستیوں کے ساتھ مل کر اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات کو واپس لیتے اور اپنی گذشتہ رفعت کو چار چاند لگا کر ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالتے جس کی نظیر ایشیا اور یورپ میں نہ ہوتی۔ مگر پشاور کے حکام نے سکھوں کے ساتھ جو اس وقت دولت برطانیہ کے حلیف اور یار غار تھے اور دونوں (انگریز۔ سکھ) مل کر افغانستان کو پارہ پارہ کر رہے تھے۔ اتحاد پیدا کر کے اس ہندوستانی طاقت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اس کو پائمال اور محو کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذار نہ کیا۔ اس وقت بھی پنجاب اور ہندوستان مغربی غلامی سے نجات پا سکتا تھا۔

(۴) ۱۸۵۷ء میں افغانستان کو پھر قدرت نے پہلے سے بھی زیادہ قیمتی موقع بہم پہنچایا

کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور مقبوضات کو نہ صرف واپس لیتا بلکہ ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کو برطانیہ کے ہاتھ سے چھڑا کر جملہ ملل جہان پر بالعموم اور ملت ہندیہ پر بالخصوص وہ احسان کرتا جس کے بار سے انسانیت عظمیٰ کا کوئی فرد قیامت تک سبکدوش نہ ہو سکتا۔ ایک انگریز مورخ میکملنس میگزین فروری ۱۸۹۱ء ص ۲۹۷ پر تحریک انقلاب ۱۸۵۷ء کے حال قلم بند کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کہ اگر امیر افغانستان ایک مرتبہ علم اسلام بلند کرتا تو یقیناً انگریز اپنی جہازوں کی طرف بھاگ جاتے گو یہ دوسری بات ہے کہ کتنے وہاں تک سلامت اور زندہ پہنچنے میں کامیاب ہوتے"۔ اگر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہتا تو اس وقت تک کون جان سکتا ہے اس وقت جب افغانستان ملت کے نمائندوں کو ہندوستان میں انگریزی سیاست کی کمزوری کا حال معلوم ہوا تو وہ غیرت سے بھرے ہوئے دربار کابل میں پہنچے اور اپنی پگڑیاں امیر کے پاؤں میں پھینک کر کہنے لگے۔ دیکھو فرنگی کن مشکلات میں مبتلا ہے ہمیں کیوں نیچے جا کر پشاور نہیں لینے دیتا۔ مصنف مذکور ان حالات کو بیان کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ اگر امیر حرکت کرتا تو پشاور ضرور لے لیتے بلکہ پنجاب بھی انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جاتا اور اگر پنجاب نکل جاتا تو بنگال بھی باقی نہ رہتا۔ یہ خود لارڈ لارنس جو ان دنوں سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب و صوبہ سرحد تھا کا قول ہے۔

جب دہلی میں انگریزوں کو کامیابی ہوئی اور لاہور میں اس کی خبر پہنچی تو ایک بہت بڑے سکھ سردار کو انگریزوں نے بڑی تعریف کے ساتھ بتلایا کہ دہلی فتح ہو گئی ہے لیکن اس نے کچھ پرواہ نہ کی بلکہ بے صبری سے دریافت کیا کہ پشاور کی کیا خبر ہے جواب ملا کہ بالکل خیریت اور امن ہے اور جب سکھ سردار سے پوچھا گیا کہ تم پشاور کی نسبت ہمیشہ کیوں اس قدر اضطراب سے خیر پوچھا کرتے ہو تو اس نے تھوڑے سے تامل کے بعد اپنا رومال لے کر ایک سرے سے لپیٹنا شروع کیا اور کہا دیکھو اگر پشاور چلا جائے تو تمام پنجاب اس طرح لپیٹ لیا جاوے گا۔ مگر پشاور کو امیر دوست محمد خاں نے لیا۔ اور انگریزوں کے شکر گزار بنانے کے لیے بہت بڑا سبب چھوڑ گیا (ماخوذ از تذکرہ امیر عبدالرحمٰن خاں مصنفہ محبوب عالم لاہور

۲۵ رمئی ۱۸۱۸ء)

(۵) دوران جنگ عمومی ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء میں افغانستان اور ملت ہندوستان کو نجات حاصل کرنے کا ایک قیمتی موقع صدیوں کے انتظار کے بعد ہم پہنچایا تھا۔ مگر گردش قسمت کا کیا کہیے کہ کسی نے بھی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ہندوستان میں سوائے پولیس کے فوج کا نام ونشان نہ رہا تھا اور جنگ کے شروع ہی میں جرمن وفد دارالسلطنت کابل میں پہنچ چکا تھا جس نے تمام ملت افغانستان اور قبائل آزاد کو مسلح کرنے اور مصارف جنگ کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔

(۶) برطانیہ نے دوران جنگ میں جرمن حکومت کے ساتھ صلح نہ کرنے کی غلطی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اشتراکیت نے دنیا میں جنم لیا اور سالہا سال کی سلطنتوں کو تہ و بالا اور کروڑہا مخلوق کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب یہی تحریک دنیا کی تمام دولتوں کو اور پرانی تہذیب کو موت کا پیغام دیا اگر وہ دنیا کے مذاہب اور انفرادی آزادی کے ساتھ مزاحم نہ ہوتی تو بے شک اس کا وجود موجودہ اقتصادی مشکلات کے حل کرنے کا دنیا بھر کے لیے یگانہ کفیل ثابت ہوتا۔ یہ سب مذکورہ بالا غلطیاں اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا نظیر نہیں رکھتیں۔

دولت برطانیہ نے جاپان کو عالم اسلام کی بجائے روسی سیلاب کو روکنے کے لیے جو ہاتھ میں لیا تو یہ غلطی بھی دنیا کی بے نظیر غلطیوں میں سے شمار کیے جانے کی مستحق ہے چنانچہ آج اس کا نتیجہ اس پر ظاہر ہو رہا ہے۔

کس چیز نے بالشویک جیسی دشمن سرمایہ دار حکومت کے سامنے اس کو ناک رگڑنے پر مجبور کیا؟

باوجود اس کے کہ اس کو فرانس اور امریکہ ایسی زبردست طاقتوں کی ہمدردی اسے حاصل ہے مگر پھر بھی اس کا سیاسی توازن برابر نہیں نظر آ رہا ہے۔ کس چیز نے اس کے توازن کو ہلکا کیا؟

بحر الکاہل، بحیرۂ روم، بحیرۂ قلزم میں اس کے بھاری اقتدار کو کس چیز نے موت کا پیغام پہنچایا؟

Marfat.com

کس چیز نے اس کو اٹلی کے سامنے جھکایا اور اس کے غاصبانہ قبضے کو حبشہ پر تسلیم کرنے پر مجبور کیا؟

اب کونسی چیز نے اس کو فلسطینی اور حضرموت کے بے گناہ عربوں پر بمباری کرنے پر آمادہ کر رکھا ہے؟

ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ اس کے ساختہ پرداختہ شاگرد رشید جاپان نے اگر وہ ازراہ عقلمندی جاپان کی جگہ ایران اور افغانستان کی دوستی کو روسی سیلاب کے روکنے کے لیے ہاتھ میں لیتا تو آج اسے اپنے ناخلف شاگرد کے ہاتھ سے یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور نہ ہی اسے اپنے دوست چین پر بمباری کے واقعات دیکھنے پڑتے نہ ہی لارڈ لینس ڈون کی پالیسی کے ماتحت ۱۸۹۳ء میں ڈیوان کا معاہدہ کرنا پڑتا اور نہ ہی جنگ چترال کی ضرورت پیش آتی۔ نہ ہی لارڈ کرزن کی حکمت عملی کے ماتحت صوبہ سرحد میں پولیٹیکل ایجنسیاں قائم کرنی پڑتیں اور نہ ہی کروڑہا کروڑ روپے ہر سال سرحدی جنگوں پر خرچ کرنے اور اہل ہندوستان پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگانے اور مالیہ بڑھانے اور ان کو زیادہ سے غریب اور کنگال بنانے کی ضرورت پیش آتی ۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۲۵ء تک کے سرحدی جنگوں کا خرچ حکومت کے اعلان کے مطابق ۹۸ کروڑ روپے ہے۔

مسلمانان ہند ایک زوال خوردہ قوم تھی جس کے اندر سے بنی اسرائیل کی طرح اجتماعی مصالح سوچنے کی ساری استعدادیں اور تمام قومی اخلاق اور جہانبانی اور صدر نشینی کے تمام اوصاف چھین لیے گئے تھے کہ ان کا از سر نو ان کے اندر پیدا ہونا ناممکنات سے تھا اور ہندو قوم ان کے مقابلے میں اپنے تنزل کا دور خاندان مغلیہ کے آخری عہد میں ختم کر چکی تھی۔ ان کے تئیں اس وقت قومی احساس اور غیرت اس درجہ پیدا ہو چکی تھی کہ وہ اپنی بیداری اور قومی روح کے نشے میں مخمور ہو کر اپنی اس بات کا آوازِ بلند اعلان کرنے لگے تھے کہ

"ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے"

یہ جوہر نفیس ان کے دلوں میں زندہ اور بیدار قوم کی طرح برابر ترقی کرتا چلا گیا۔ یہاں تک

کہ وہ ہمارے اس زمانے میں ہندوستان میں انگریز دل الیسی زبردست حکومت سے اختیار چھیننے اور اس کا جانشین بننے کی پوری امید رکھتے ہیں اور اپنی تنظیم سرمایہ داری اور مرکزی قوت کے بھروسے پر ایک ایسے رام راج کی بنیاد ڈالنے کا خواب دیکھ رہے ہیں جس کے حدود راجہ اشوک کے نشان پر ہوں اور تمام سرحد آزاد اور افغانستان سے اسلام کو محو کر کے ہندو مذہب میں جذب کر کے دریائے آمو اور چین تک تمام وطن اس کے اندر شامل ہو اور ان کے اندر یہ چیز ویسے ہی ممکن الوقوع ہے جیسے کہ ان کے اسلاف میں زمانہ گذشتہ میں بدھ مذہب اور بدھ سلطنت کو ہندو مذہب اور ہندو شہنشاہیت میں فنا کر لیا تھا جیسے کہ سپین کے اندر سولہویں صدی میں اسلام اور اسلامی سلطنت عیسائیت میں اور عہد حاضرہ میں بخارا، خیوہ، فرغانہ کے اندر بالشوزم میں جذب کر لیے گئے۔

ہندوؤں کے ذہنی انقلاب اور بیداری کی تدریجی ترقی کے متعلق وہ مندرجہ ذیل شہادت پیش کرتے ہیں جو سٹینلے لین پول نے اپنی تصنیف میڈی ویل انڈیا کے سولھویں باب ص۴۱۹ میں اور سر ایس۔ اے۔ ٹی رولٹ قاضی القضات لندن نے اپنی تحقیقی رپورٹ بابت ۱۹۱۸ء کے باب اول میں درج کی ہے۔

دولت برطانوی کی ہندو نواز اور اسلام کش پالیسی کا انجام بہ نقطۂ نظر خوانین قدامت پرست سرحد آزاد

خوانین اور رؤسائے سرحد زیر بحث ہندوؤں کی قومی بیداری اور دماغی ارتقا کی شہادتوں کا حوالہ دیتے ہوئے مزید کہتے ہیں کہ:-

برطانیہ جیسے دنیا میں ایک عدیم المثال شہنشاہیت مانی گئی ہے ویسے ہی اس کی غلطیاں بھی دنیا کی سب غلطیوں کی شہنشاہ ہونی چاہئیں۔ وہ جو ہندوستان میں مسلمانوں کو پائمال اور ہندوؤں کو بام ترقی پر چڑھا رہی ہیں وہ فی الحقیقت دوسرے معنوں میں ہندوستان کے اندر اپنے لیے ایک دوسرا جاپان تیار کر رہی اور وہ قدرت کی طرف سے مجبور ہے کہ جس طرح اسے اپنے ہاتھ کے ساختہ پرداختہ شاگرد رشید جاپان کے ہاتھ

سے ہر موقع اور ہر میدان میں پامال ہونا پڑا ویسے ہی بلکہ اس سے زیادہ اپنے پروردہ و نواختہ ہندوستانی جاپان یعنی ہندوؤں کے ہاتھ سے پامال ہونا پڑے اور وہ وقت ہمیں بہت قریب نظر آرہا ہے اس وقت لسے اپنی مسلم کش ہندو نواز پالیسی پر دست حسرت مل مل کر یہ مرثیہ کہنا پڑے گا ۔

آتش بدو دست خویش در دامن خویش | من خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش | اے وائے من دست من و دامن خویش

مگر یہ افسوس اس کا اس وقت کوئی فائدہ نہ دے گا اور بامتثال اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ۵ اس کا اپنے کیے کا وبال بھگتنا ایک لابدی امر ہے وہ چاہے یا نہ چاہے قدرت کے عذاب سے کوئی اس کو بچا نہ سکے گا اور کیا عجب ہے کہ اس کا خاتمہ بھی اسی ہندی جاپان کے ہاتھ سے ہو اور اس کی بربادی کا تماشہ دیکھ کر ہندی مسلم کی زبان پر سعدی شیرازی کا یہ شعر جاری ہو ۔

دوران بقا چوں باد صحرا بگذشت | تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت
پنداشت ستم گر کہ جفا بر ما کرد | بر گردن او بماند و بر ما بگذشت

یہ ہے خلاصہ افکار و خیالات قدامت پرست خوانین اور رؤسائے سرحد کا بہ نسبت مسلمانان ہند ۔ قوم ہنود اور دولت برطانیہ جو اوپر بیان ہوا ۔ العیاذ باللہ خدا تعالے سے دعا ہے کہ ان سرحدی خوانین اور رؤسا کے عقاید اور مسلمانان ہند کی زبوں حالی کی جلد سے جلد اصلاح کرے ۔

موجودہ دستور اساسی کے متعلق سرحد آزاد کے محبان وطن اور بہترین اہل فکر کی رائے

اب میں ان لوگوں کے افکار کا خلاصہ بیان کرتا ہوں جن کے اسمائے گرامی سے میں ملت ہندیہ کو پہلے معرفی کرا چکا ہوں ۔ وہ کہتے ہیں :-

Marfat.com

تماشائے قدرت قدرت کے ان عجیب وغریب واقعات میں سے جو ہماری اس دنیا میں کبھی کبھی بطریق تصادف پیش آتے اور عالم ملکوت اور جبروت کے مفکرین کے لیے جاذب توجہ بنتے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ہمارے اس زمانے میں افغانستان کے خاندان نادری جیسے باتدبیر۔ عاقبت شناس۔ تجربہ کار حکیم ملت ماہر سیاسیات عالم کے ہاتھ میں آئے اور ہندوستان میں جدید دستور اساسی کے پہلو بہ پہلو نافذ ہونے کی صورت میں پیش آیا جس سے ہم خیال کرتے ہیں کہ اب آج کے بعد افغانستان انجاب ستان، ہندوستان ان تینوں ہمسایہ ملکوں میں قدرت کا تماشا یہ ہے کہ امنیت عامہ کا دور دورہ ہو اور تمام تشدد آمیز عملیات کا خاتمہ ہو کر ہر ملک اور قوم اپنے اپنے دائرے کے اندر دلی فراغت کے ساتھ اپنی اپنی تعمیر اور تلافی مافات کی تدابیر میں مشغول ہو جائے یہ اس لیے کہ:۔

قبائلی سرحد کی پالیسی جب دونوں مستقل حکومتوں کے تعلقات دوستانہ اور امن پسندانہ اصول پر قائم ہوں تو سرحد آزاد کو بھی امن پسندانہ پالیسی پر چلنا پڑتا ہے۔ کیونکہ قبائل آزاد کو ان ہر دو ممالک سے جغرافیائی تعلق ہے اور ان ہر دو ہمسایہ ممالک کی تحریکات سے ان کا اثر پذیر ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ قبائل آزاد کا جہاں تک مجھ خادم بنی نوع اور آزادی خواہ ہند کو اس بیس سالہ قیام سرحد سے تجربہ ہوا ہے بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ قبائل آزاد کی بذات خود کوئی مستقل سیاسی پالیسی نہیں ہے اگر کوئی ہے بھی تو وہ صرف مرنجاں مرنج کی سی ہے یعنی نہ ان کو کوئی چھیڑے اور نہ وہ کسی کو چھیڑیں ان کو مطلق اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے وہ صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ہم اپنے معاملات میں آزاد رہیں، دہقانی کریں اور پہاڑ پر بکریاں چرائیں اور بانسری کی سریلی آواز سے فضا کو بھر پور اور اپنے آپ کو مسرور اور اپنے جانوروں کو مسحور رکھیں نہ کوئی ہمارے ملک میں آوے اور نہ ہم کسی کے ملک میں جاویں۔

قبائل آزاد کو کونسی چیز دولت برطانیہ سے دست و گریبان رکھتی ہے؟

اگر کوئی چیز ان کو دولت برطانیہ الیسی کو دشکن طاقت سے جہانگیری اور جہانداری پر کبھی کبھی آمادہ اور باعث ہوتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ:۔

(۱) یا تو حکومت انگریزی دولت افغانستان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرے اس وقت کچھ بھی ہو قبائل آزاد کا صبر برداشت کر جاتا ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ حکومت افغانستان کے ساتھ خواہ روس ہو یا انگریز یا چین ہو یا ایران کوئی کشمکش کرے۔ یہ اس لیے کہ ان کو اس سے جغرافیائی تعلقات کے علاوہ ہم مذہب، ہم قوم اور ہم لسان ہونے کے ایسے قدرتی روابط ہیں جن کا منقطع ہونا خلاف منشائے فطرت ہے۔ کیونکہ وہ دونوں حقیقی چچازاد بھائی ایک ہی جد امجد کی اولاد ہیں۔ شاہی خاندان شرف الدین کی اور قبائل سرحد خیر الدین کی اولاد ہیں جو حقیقی بھائی ہیں۔ جو سٹربن عبدالرشید قیس جد امجد کل افغانان کے بیٹے ہیں۔

(۲) یا حکومت ہند جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اپنی غریب اور ان پڑھ رعایا پر کسی سیاسی مقصد کے ذیل میں ان کی طبع کے خلاف کوئی کالا قانون جاری کرے جس کے برخلاف ان کی صدائے احتجاج دنیا کے کانوں تک پہنچے اور انسانیت کبریٰ کا فرد اس سے متاثر ہو۔

(۳) یا حکومت ہند ہندوستان میں کوئی ایسا قانون جاری کرے جس کو مداخلت فی الدین سے تعبیر کیا جا سکے۔

(۴) یا حکومت ہند اپنی کسی سیاسی غرض کی بنا پر کسی ایسے شخص کے جرم یا سزا سے چشم پوشی کرے جو کسی روحانی پیشوائے اسلام یا مذہبی معابد کی بے حرمتی کا مرتکب ہو کر عالم اسلام کے ملی اور مذہبی جذبات کو ٹھیس لگائے۔

(۵) پس اگر حکومت ہند از راہ عقلمندی حکومت افغانستان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرے اور اس کے ساتھ ایک امن پسند پالیسی کی پابند رہے اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان میں عوام کی خواہش کے مطابق نظام حکومت میں ضروری ترمیمات کر کے ان کی گلہ گزاری کا دروازہ بند

Marfat.com

کر دے۔ یا یوں کہو کہ حکومت کے ان مذکورہ بالا چاروں علتوں کو دور کر دے۔ جو قبائل آزاد کے ملی اور مذہبی جذبات کو مشتعل کرتے اور ان کو اس کے ساتھ دست و گریباں ہونے پر آمادہ کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سرحد ارستان میں امن قائم کر دے۔

پٹرول سے آگ بجھانا

بہر حال قانون جدید کا تعلق ہندوستان کے داخلی نظم و نسق کے ساتھ ہے اس کو بشرط منظوری اہل ہند کی بمنزلہ تریاق ایک قابل تعریف آئین قرار دیتے ہیں مگر جہاں تک اس کا تعلق قبائل آزاد کے ساتھ ہے وہ اس کو سراسر ہلاک اور پیام مرگ سمجھتے ہیں۔ وہ اسے نہایت مایوس کن اور ایسا دہشت انگیز اور تشدد کا حامی بتاتے ہیں کہ جس کے سامنے چنگیز اور ہلاکو کے مظالم اور سخت گیریاں خدائے پاک کی صد ہزار رحمت معلوم ہوتی ہیں اور وہ اس قانون کو پٹرول سے آگ بجھانے کے ہم معنی قرار دیتے ہیں اور وہ اس اجمال کی شرح یوں بیان کرتے ہیں۔

قانون جدید میں ایک گیارھویں دفعہ[1] ہے جس میں یہ تحریک لارڈ لٹن دارالامراء لندن کے ایوان میں بتاریخ ۲ر جولائی ۱۹۲۵ء مطابق ربیع الاول ۱۳۵۴ھ انگلستان کی مرکزی حکومت کی طرف سے وائسرائے ہند کو قبائل آزاد کے مسائل میں مطلق العنان بنایا گیا کہ وہ جس طرح چاہے اور جب چاہے اسے کامل اختیار ہے کہ بلا مشورہ اسمبلی کے سرحد آزاد کو برطانوی ہند میں داخل کرنے کے لیے ہر قسم کے فوجی اقدامات اور ہوائی تاخت کر سکتا ہے

قانون جدید وائسرائے ہند کے اختیارات کو سرحد آزاد کے اوپر تمام مسئولیتوں سے مبرا اور اس کے فوجی اقدامات اور ہوائی بمباری کے جواز کو پہلے سے زیادہ سنگین بناتا ہے اب اس کے بعد قبائلی علاقہ میں انفیت برقرار رہے تو کیونکر رہے۔ قبائل کی سختیوں میں پہلے کونسی کمی باقی رہ گئی تھی۔ جس کے پورا کرنے کے لیے قانون جدید میں اس گیارھویں دفعہ کا اضافہ کیا گیا۔

---

[1] ماخوذ از جریدہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۰ر جولائی ۱۹۳۵ء)

Marfat.com

بمباری کی تنسیخ عالمگیر اور سرحد میں اس کے جواز کا فتویٰ

یہ تحریک مسٹر میکڈ انلڈ دنیا کی تمام دول کے مشورے سے بمقام پیرس بتاریخ ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء تخفیف اسلحہ کانفرنس کے موقعہ پر ایک معاہدہ بنام "برانڈ کوج پیکٹ" کے نام سے تصدیق ہوا تھا۔ جس کو فقرۂ چہارم کی رو سے ہوائی جہازوں کی بمباری کو آبادیوں پر بربریت اور وحشت کا بدترین مظاہرہ اور اس کو ہمیشہ کے واسطے منسوخ قرار دیا گیا تھا۔ (ماخوذ از مدینہ بجنور یکم جون ۱۹۳۳ء مطابق ۷ صفر ۱۳۵۲ھ)

حال ہی میں وزیر اعظم مسٹر نیول چیمبرلین ۲۲ جون ۱۹۳۸ء دار العوام کے ایوان میں جاپان کی بمباری کو چین پر زمانہ حال کی نہایت تہذیب سوز اور درندگی اور وحشت کا فعل قرار دیا ہے اور اس پر نہایت نفرت کا اظہار کیا ہے (مدینہ ۲۸ جون ۱۹۳۸ء)

مگر اہل سرحد کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی جبکہ دولت برطانیہ خود ہی اس بربریت کی مرتکب ہو کر اپنے بنائے ہوئے قانون کی بے حرمتی کرتی ہے اور جن افعال پر وہ جاپان اور سپین کے ڈکٹیٹر جنرل فرانکو کو ملامت کرتی اور اپنے تئیں تہذیب اور انسانیت کا نمونہ قرار دیتی ہے۔ سرحد کے مجبور اور بے لبس باشندوں پر کئی سال سے دن رات مشق کر رہی ہے مگر اس کا تہذیب نواز ضمیر اس کو ملامت نہیں کرتا۔ ہمارے خیال میں چین اور سپین کے اندر بلکہ دنیا میں کسی خطے پر اب تک چار چار ٹن وزنی بم گولوں کا استعمال نہ ہوا ہوگا جو حکومت برطانیہ ایسی معلم اخلاق اور تہذیب پرور حکومت کئی سال سے اہل سرحد پر کر رہی ہے اور اسے اپنی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ سمجھنے کی بجائے طغرائے امتیاز انسانیت سمجھتی ہے۔ سر راشیلف گریفتھ حیثیت کمشنر صوبہ سرحد اسی بمباری کو جسے وزیر اعظم برطانیہ کی تحریک پر تمام دنیا نے منسوخ کروا دیا تھا اس کے جواز کا فتویٰ حاصل کرنے کے لیے ماہ جولائی ۱۹۳۳ء کو وائسریگل لاج شملہ میں پہنچتا ہے اور بلوچستان سے کوہ سیاہ تک تمام سرحدی قبائل پر ہوائی تاخت کو جائز قرار دیا جاتا ہے اور وزیر خارجہ اسمبلی میں قبائلی علاقے کو بین الاقوامی قانون کی رو سے برطانوی ہند کا جزو اور اس پر ایر فورس کی کمانڈ کے واسطے سفارش کرتا ہے (مدینہ مورخہ

۹ر جولائی ۱۹۳۳ء)

آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر مسٹر گلبرٹ مرے نے ایک مضمون مانچسٹر گارڈین میں شائع کرایا اور حکومت برطانوی کی سرحدی بمباری کو صریح ظلم قرار دیتے ہوئے اہل سرحد کے ساتھ صلح صفائی کے ساتھ رہنے کی تاکید کی ہے (زمیندار لاہور۔ مورخہ ۵ر فروری ۱۹۳۷ء)

لندن۔ ۴ مئی ۱۹۳۷ء دار العوام میں مسٹر ریپرٹ نے سرحدی قبائل پر بمباری کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ قبائل کو غلام بنانے کی پالیسی پر نظر ثانی کی جاوے اور بمباری کو ترک کر دینا چاہیے۔ (مدینہ بجنور ۹ر مئی ۱۹۳۷ء)

دولت برطانیہ کا سرحد آزاد کے متعلق واضح ترین پروگرام

شاہ امان اللہ خان کی لندن میں موجودگی کے ایام میں ۱۵ر مارچ ۱۹۲۸ء کو ایسٹ انڈین ایسوسی ایشن لندن کے جلسہ میں لارڈ رانلڈ شے نے اپنے خطبۂ صدارت میں افغانستان اور سرحد کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان کیا ہے۔

افغانستان کی فلاح اور بہبود تمام تر ہندوستان کی موافقت پر موقوف ہے یہ ہے کہ افغانستان، روس اور ہندوستان کے درمیان بمنزلہ ایک بفر سٹیٹ یعنی حد فاصل ہے اور اگر حکومت برطانیہ کے نزدیک اقدام کی پالیسی صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو ہم اس ضرورت کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتے کہ وہ علاقہ جو افغانستان اور ہندوستان کے درمیان واقع ہے، اور کسی قسم کا نظام حکومت نہیں رکھتا بہت جلد فتح کر کے برطانوی ہند میں شامل کیا جانا چاہیے اور برطانوی ہند کی حدود کو وسیع کر کے بالضرور افغانستان کی سرحد کے ساتھ پیوست کرنا چاہیے ہم ازراہ تہذیب اخلاق اس درمیانی خطے کے فتح کرنے پر مجبور ہیں۔

نوٹ:۔ اس جلسے کی خصوصیت یہ تھی کہ جتنے بڑے بڑے چیف کمشنر اور پولیٹیکل افسر سرحد سے پنشن پا کر انگلستان میں موجود تھے وہ اس جلسہ میں خصوصیت سے بلائے گئے منجملہ ان کے سر جارج میک ماہن۔ سر لوئیس ڈین۔ سر ہملٹن گرانٹ۔ چیف کمشنران علاقہ سرحد پشاور تھے (انقلاب لاہور ۵ر اپریل ۱۹۲۸ء)

Marfat.com

پس مذکورہ بالا پروگرام کی موجودگی میں دستور جدید کا اجرا جو سراسر دہشت افزا اور حامی تشدد ہے۔ سرحد آزاد کے اندر امن کا کیسے کفیل ہو سکتا ہے ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

اس کے بعد اہل عقل اور انصاف کے نزدیک سرحد آزاد میں تمام بد امنیوں کا ذمہ دار فقط یہی قانون قرار دیا جا سکتا ہے اور اہل سرحد کے برخلاف جو آواز کبھی اٹھائی جائے اس کو محض پروپوگنڈا کے اصول پر مبنی سمجھنا چاہیئے۔ مگر حکومت ہے کہ اپنے انسانیت سوز افعال پر پردہ ڈالنے کے لیے بہانے اور حیلے تراش سکتی ہے اس کی زبان اور قلم کو کون روک سکتا ہے اس کے پاس پریس، ڈاک خانہ، ریل، ہوائی جہاز، ریڈیو، براڈ کاسٹ غرض صدہا سامان پراپوگنڈا اور خبر رسانی کے موجود ہیں ہم اہل سرحد ان تمام اسباب سے قطعاً محروم ہیں ہو نہیں سکتا کہ ہماری مظلومیت اور بے کسی کی آواز دنیا کے کانوں تک پہنچے اور حکومت ہند کی دہشت، بربریت، درندہ سیرتی اور صورتی کے برخلاف دنیا کے انسانیت پرورانہ احساسات اور ہمدردانہ جذبات کو ہم اپنی طرف مائل کر سکیں۔ انسانی آنکھ نے فرانس، بلجیم، مراکو، سپین فلسطین، حبش اور چین وغیرہ ممالک میں بمباری کے وہ درد افزا مناظر دیکھے ہوئے جو وہ سرحد آزاد میں کئی سال سے برطانوی بمباری کے طفیل دیکھ رہی ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ ہندوستان اور خصوصاً کانگرس جس کے ہم اہل سرحد شروع روز سے غم شریک اور رفیق طریق رہے ہیں اس کے سرآوردہ ہندو لیڈر الٹا ہم ہی کو مجرم قرار دیتے ہیں اور حکومت کو ہماری آزادی کے محو کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور ہم اپنی وطنیت اور ہم جواریت کے حقوق کے ادا کرنے کا راز مضمر سمجھتے ہیں ؎

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر پائیں!

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں

کانگرس کی احسان فراموشانہ روش

کانگرس کی احسان فراموشانہ روش پر رہ رہ کر افسوس آتا ہے کہ اس نے اپنے تئیں خود پیدا کرد

Marfat.com

افتراق انگیز تحریکات سے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے بالکل بیکار اور جسد بے روح بنا لیا تھا اس کی زندگی سے تمام مدبرین اور حکمائے زمان حتیٰ کہ گاندھی جی جیسے مسیح الملک طبیب اس کی صحت یابی سے ناامید ہو کر خانہ نشین ہو چکے تھے۔ اس کا گور و کفن سب تیار ہو چکا تھا۔ سیفٹی بل نے اہل ہند پر دائرۂ حیات تنگ کر دیا۔ کہ ملک کے در و دیوار سے الغیاث الغیاث کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اس کی دستگیری کو ایسے نازک وقت میں کون تھا کہ پہنچتا۔ مگر آخر

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

اس وقت ہم سرحدی افغان جن کو آج ہندو جاتی وحشی اور درندہ اور ہندو دیویوں کا اغوا کنندہ کہنے سے دریغ نہیں کرتے۔ کفن سر پہ باندھ اور جان ہتھیلی پر رکھ اپنے مستقبل سے آنکھ بند کر کے بے تحاشا مظلومین ہند اور کانگرس کی فریاد کو پہنچے اور اپنے افغانی ہاتھوں سے، افغانی پچکاری سے افغانی روح بخش اور غیرت آفرین خون کانگرس کی مردہ رگوں میں ڈالا اور اس کو اس لائق بنایا کہ وہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور باوقار ہو کر برطانوی فرعونیت کے سامنے موسوی روح کے ساتھ خم ٹھونک کر کھڑی ہو جاوے اور اپنے جائز حقوق کا اپنے قوت بازو کے ساتھ مطالبہ کرے۔ حکومت ہند اس سے مرعوب ہو گئی۔ سیفٹی بل منسوخ قرار دیا گیا۔ گاندھی ارون پیکٹ کی منظوری ہوئی اور گول میز کانفرنس کا اعلان ہوا۔ اور ادھر لندن سے شریک ہونے کے دعوتی خطوط اور زبانی پیغام پہنچنے شروع ہوئے۔

بہرحال کانگرس نے اپنے تئیں اہل سرحد کی امداد سے قانون جدید کے حاصل کرنے اور اپنی اقتصادی اور سیاسی مشکلات کے دور کرنے میں تو اپنے تئیں ایک حد تک کامیاب بنا لیا۔ مگر اس نے ہندو جاتی کے قدیم فلسفۂ اخلاق کے ماتحت اپنے فداکار اور جاں نثار دوست یعنی قبائل سرحد آزاد کو قانون جدید کی گیارھویں دفعہ کی رو سے دشمن کے رحم و کرم پر تنہا چھوڑ دیا ہے

من در اندیشہ کہ چوں بہ سر او سایہ کنم
او دراں غم کہ چساں بر کنَدم از بنیاد

ہندی مہاجرین کی طرف سے کانگرس کی حمایت

میں اور میرے دوسرے ہندوستانی مہاجر بھائی قبائل کے ان ذمہ دار لیڈروں کی خدمت میں ملت ہندیہ کی طرف سے بالعموم اور کانگرس کی طرف سے بالخصوص یہ عذر پیش کرتے ہوئے ان کے خیالات کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں کہ:-

قانون جدید کے ترتیب دینے میں حکومت انگلستان نے اہل ہند میں سے کسی ہندو یا مسلم لیڈر سے مشورہ نہیں کیا اور یہ قانون ہندوستان کی بجائے انگلستان میں انگریزی سیاست دانوں اور مدبرین دولت کے ہاتھ سے انگریزی مفاد کے ماتحت تیار ہوا ہے اور اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو رائے عامہ کے برخلاف ہندوستانی پبلک پر تھوپی گئی ہیں اس لیے اہل ہند یا کانگرس کو ملامت کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ ان کی مثال تو مردہ بدست زندہ کی سی ہے۔ حکومت انگریزی نے اپنے خیالات کے ماتحت جتنی مراعات مناسب جانیں ان کو دیدیں اور باقی کے واسطے امید دلادی۔

ہندوستان کی کسی پارٹی نے قانون جدید میں گیارہویں دفعہ کا جو وائسرائے ہند کو سرحد آزاد کے متعلق چنگیزی سخت گیری اور تشدد کا اختیار دلاتی ہے۔ اضافہ نہیں کروایا۔ بلکہ ہر پارٹی کانگرس ہو یا مسلم لیگ اپنے ہر سالانہ اور ماہانہ جلسوں میں حکومت کی فارورڈ پالیسی اور بمباری کی مذمت کرتی رہتی ہے اور حکومت کے اس فعل کو ناجائز اور ظلم قرار دے کر قبائل کی مظلومیت کی آواز دنیا کی تمام مہذب ملل اور دول کے کانوں تک پہنچاتی ہے۔ پس ایسی حالت میں اہل سرحد کا ملت ہندیہ کو اور خاص کر کانگرس کو ملامت کا ہدف بنانا درست نہیں ہو سکتا۔

اہل سرحد کے نزدیک کانگرس کے قول اور فعل کا تضاد

سرحد کے لیڈر ہمارے اس عذر کی معقولیت کو مانتے ہوئے بھی کانگرس اور اس کے لیڈروں کی نیک نیتی پر شبہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم پہاڑی لوگ موٹی عقل کے آدمی عمل کو دیکھتے ہیں قول کو نہیں سنتے۔ قبائل کے

Marfat.com

حق میں ہمدردی کا اظہار کر دینا اور حکومت کے برخلاف ملامت کی قرارداد پاس کر دینا اور اس کو اخباروں میں چھاپنا یہ اور بات ہے اور اسمبلی میں بیٹھ کر دا الشرا ئے کے روبرو تسخیر سرحد کے مسودے پیش کرنا اور اس کی تائید کرنا اور کروانا۔ سرحدی جنگوں میں بھرتی سے امداد دلانا اور جنگی خرچوں کا منظور کرنا اور ان بھاری اخراجات کی کمی کو پورا کرنے کے لیے غریب دہقانوں اور کاشتکاروں پر (۷۔ ۵۷) کروڑ مالیہ میں اضافہ کروانا اور ملت ہند کو فاقوں کے عذاب میں مبتلا کر کے حکومت کے لیے سرحدی جنگوں کو کامیاب بنانا۔ گاندھی جی جیسے ذمہ وار راہنمائے ہند کا ہمارے غیور آفریدی بھائیوں کو انگریزوں کا محکوم بننے اور اس کو اپنا وطن سپرد کر دینے کا غلامی آموز پیغام بھیجنا۔ تحقیقی کمیشن کے سامنے الحاق سرحد کی تجویز پیش کرنا (اس سے مراد ہیگ کمیشن ہے) کانگرس اور اس کے ہندو لیڈروں کے ایسے اعمال ہیں جن کے سامنے ان کی زبانی ہمدردیاں اور اشتہاری باتیں کچھ بھی معنے اور وزن نہیں رکھتیں۔

اہل سرحد کے نزدیک قانون جدید کے ادھوری صورت میں دیے جانے کی ذمہ واری بھی صرف کانگرس ہے

قبائل آزاد کے یہ محبان وطن راہنما کہتے ہیں کہ:۔

یہ بات بربنائے مشاہدات و تجربہ ہمارے دلوں میں نقش کالحجر ہو چکی ہے کہ ہندو مہاسبھا اور کانگرس کا پروگرام بلیشک مختلف ہوگا۔ لیکن سرحد کے بارے میں ہمارے نزدیک یہ دونوں جماعتیں ایک ہی ہیں ان دونوں کے پروگرام میں سرحد آزاد اور مسلمانان ہند کا محو کرنا یکساں داخل ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا دامن اس داغ سے خالی نہیں ہے قانون جدید کے بصورت ناقص دئے جانے کی ذمہ واری بھی بلیشتر کانگرس پر عائد ہوتی ہے اس لیے کہ کانگرسی ہندو لیڈر شدھی، سنگھٹن، اچھوت، اردو، ہندی ایسی افتراق انگیز تحریکات آزادی وطن کے مقدس جہاد کے دوران میں اگر ایجاد نہ کرتے۔ روحانی بزرگوں کی شان میں دریدہ دہنی اور مذہبی معابد کی بے حرمتی جیسے اشتعال انگیز اعمال کے مرتکب

نہ ہوتے تو نہ ہندو مسلم اتحاد ٹوٹتا اور نہ قانون جدید ایسی ناقص حالت میں ملتا۔ نہ صرف ہندوستان کی بلکہ دنیا بھر کی سیاسی اور اقتصادی مشکلات کا حل صرف ہندوستان کی آزادی پر موقوف تھا اور ہندوستان کی آزادی کی کوئی چیز اگر یگانہ کفیل ہو سکتی ہے تو وہ صرف ہندو مسلم اتحاد ہے۔ اگر ہندو لیڈروں کی افتراق انگیز تحریکیں اس شیرازے کو درہم برہم نہ کرتیں تو آج سے بہت مدت پہلے افغانستان اور ایران کی طرح ہندوستانی بھی کامل آزادی اور استقلال کی نعمت سے سرفراز ہو چکا ہوتا اور اس کے ساتھ ہی سرحدی لوگ اور برِ اعظم ایشیا اور افریقہ کی تمام قومیں یورپ کی غلامی سے نجات پا چکی ہوتیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آزادیٔ ہند کی منزل کو کس چیز نے دقت طلب اور دشوار گذار بنا دیا؟۔

ہندوستانی اور دیگر اقوام شرق پر انگریزی حکومت کی عمر کو کس نے دراز اور پائیدار بنا دیا؟۔

ہم غریب سرحدیوں پر پہلے سے زیادہ بلا وجہ جبر و تعدی کرنے کے اختیارات کس چیز نے اس کو دلائے؟

ان سب باتوں کا جواب فقط ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ان تمام برائیوں کا تخم ہندو مسلم کی بے اتفاقی نے بویا۔

ہندو مسلم اتحاد کو کس چیز نے توڑا؟ ایک غیر جانبدار تحقیقی کمیشن کا تقرر

ہندو مسلم اتحاد کو جس چیز نے توڑا اس کا بارہا ذکر ہم کر چکے ہیں مگر پھر بھی ہم اہل سرحد کی رائے کو اگر اس بنا پر وزن نہ دیا جائے کہ ہم لوگ اہل ہند کے نزدیک وحشی، جاہل، غیر مہذب اور دنیا کے نشیب و فراز سے بےخبر سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ بفضل خدا ہم ویسے نہیں جیسے کہ ہم کو دشمن کی عینک لگا کر دیکھا جاتا ہے۔ تاہم ہم اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے ملت ہندیہ کے جملہ عمائد ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی، عیسائی، یہودی، بدھ سب کو یہ منت

التجا کرتے ہیں کہ ایک غیر جانبدار کمیشن اس تحقیق کے لیے مقرر کیا جائے کہ ہندو مسلم اتحاد کو بے اتفاقی کا مرض کہاں سے لگا اور وحدت ملت کا وہ شیرازہ جو اپریل ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں قائم ہوا تھا۔ کس ہاتھ سے برباد ہوا۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ وفد ہمارے مذکورہ فوق وجوہات سے اتفاق کرتے ہوئے تمام باتوں کا الزام کانگریس کے ہندو لیڈروں پر عائد کرے گا اور ساتھ ہی مسلمانان ہند اور ہم وحشی سرحدیوں سے یہ سفارش کرے گا کہ یہ سب باتیں چونکہ ہندو قوم کی ہزارہا سالہ غلامانہ ذہنیت، اچھوتے عقائد مذہبی تعصب کے پیداوار ہیں جن کا ایک دم بدل جانا خلاف منشائے قدرت ہے اس لیے وہ سب درگذر اور عفو کے مستحق ہیں۔ تم کو معاف کر دینا چاہیئے اور اسلام کی کشادہ دلی کی روایات کے پیش نظر ہندو قوم کے ہر غم اور دکھ میں مال و جان سے شریک رہنا چاہیئے۔ کیونکہ تمہارے قرآن مجید میں یہ فرمان لکھا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔

اب یہ دوسری بات ہے کہ ہندو قوم اپنے نفوس کی اکثریت، سرمایہ کی فراوانی کے بل بوتے پر تحقیقی کمیشن کی رپورٹ کے ساتھ اتفاق کرے یا نہ کرے مگر اس کا پروپیگنڈا اور شور و فغاں ان تاریخی واقعات اور حقائق سابقہ کو نہ بدل سکتا ہے نہ ان پر پردہ ڈال سکتا ہے۔ اقلیتوں کی تالیف قلب، حوصلہ افزائی اور سینے کے ساتھ لگانا فقط اکثریت کے طرز عمل پر موقوف ہے۔ افسوس ہندو قوم ایک **سعد زاغلول مصری** کا مثیل نہ پیدا کر سکی جو اکثریت کی طرف سے اقلیتوں کو مطمئن کرتے اور آزادی وطن کی راہ سے مواانعات دور کرنے میں کامیاب ہوتا۔ گاندھی جی جو سب سے بڑے راہنمائے ہند اور ہندو مسلم کے مشترکہ سیاسی پیشوا سمجھے جاتے تھے۔ جب ان کا یہ حال ہے کہ آزادی وطن کے مقدس جہاد کے دوران میں وہ اردو اور ہندی اور اچھوت جیسی لڑکپن کی باتوں کے کرنے پر اتر آئے اور ہندو مسلم اتحاد کے شجر طوبےٰ کی جڑ پر کلہاڑی مارنے لگ گئے تو اوروں کا کیا کہنا۔

ایک ناقابل انکار شہادت

بہرحال اگر کانگرس اپنے دعوی میں سچی ہوتی تو ایک ایسے لیڈر کی زبان سے جس کی بین الملی شہرت

اور ہندوستان کی بہی خواہی گاندھی جی اور جواہر لال سے بیرونی دنیا میں بدرجہا زیادہ ہے۔ یعنی ایم۔ این رائے کو اجلاس لکھنو جنوری ۱۹۳۸ء میں کانگرس کو خطاب کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے۔

"اگر مجھ کو کانگرس کی مشینری پر کنٹرول ہوتا تو مسلمانوں کو جو کچھ وہ چاہتے دے کر رضا مند کر لیتا۔"

(ماخوذ از زمیندار لاہور بابت یکم فروری ۱۹۳۸ء)

بہار ڈہین سرونٹس آف پیپل سوسائٹی کے اجلاس منعقدہ مارچ ۱۹۳۵ء میں مسٹر امرناتھ نے اپنے ہم مذہب ہندوؤں کو ہدایت کی کہ۔

"مسلمانان ہند صرف تحفظات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ میری رائے میں اس میں کچھ نقصان نہیں۔ اگر ان کو آبادی کے تناسب اور ان کے مطالبات سے زیادہ مراعات دے دی جاویں۔ ہمیں اس بات کو محسوس کرنا چاہئے کہ ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اقلیتوں کو یہ یقین دلادیں کہ ان کا مفاد قطعاً محفوظ ہے۔ ان کی تہذیب اور تمدن کی حفاظت کی جائے گی۔ درحقیقت کسی حکومت کو جمہوری حکومت اسی وقت قرار دیا جائے گا۔ جب کہ اس کی اقلیتیں یہ یقین کرنے لگ جائیں کہ ان کا مفاد اکثریت کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔" (مدینہ ۹ر مارچ ۱۹۳۵ء)

مسلمانان ہند اور ان کی سیاسی تحریکات کی نسبت قبائل آزاد کے محبان وطن لیڈروں کی رائے

مسلمانان ہند کی اخلاقی پستی مسلمانان ہند کی اخلاقی پستی کے متعلق قبائل کے آزادی خواہ محبان وطن لیڈروں کی بھی وہی رائے ہے جو برطانوی حکومت کے حامیوں اور قدامت پرست لیڈروں کی ہے۔ وہ اس میں چند باتوں کا اضافہ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ:۔

(۱) مسلمانان ہند کی مثال ایک صفر کی سی ہے جو بذات خود کچھ حقیقت اور مقدار

نہیں رکھتا۔ مگر جس عدد کے ساتھ مل جاتا ہے اس کی طاقت کو دس گنا بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ جب وہ انگریزوں کے ساتھ ملے تو اس کے اقتدار کو تمام عالم اسلام پر قائم کر دیا۔ اس کی طاقت کو دنیا کی دس گنا طاقتوں کا ہم پلہ بنا دیا اور اگر وہ ہندو جاتی سے ملے۔ تو کانگرس اور گاندھی جن کے نام سے خود ہندوستانی لوگ بھی آشنا نہ تھے۔ چہ جائیکہ بیرونی دنیا ان کو پہچان سکتی ان کو آفتاب کی طرح چار دانگ عالم میں چمکا دیا۔ دنیا کے نقار خانے میں آج کسی کا اتنا طوطی نہیں بولتا جتنا کہ گاندھی کا۔ مگر یہ برکت کس شخص کی کوشش سے ملی۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ محض علی برادران۔ ابو الکلام۔ حکیم اجمل خاں۔ ڈاکٹر انصاری ظفر علی خاں ایسے برگزیدہ مسلم لیڈروں کی مخصوص مواقع پر رفاقت کی برکت سے اس کو اور کانگرس کو یہ مرتبہ حاصل ہوا۔

مسلمانان ہند کا جذبۂ ایثار

(۲) مسلمانان ہند کے عوام میں قربانی کا وہ بے پناہ مادہ ہے جو دنیا کی کسی قوم میں نہیں پایا جاتا۔ مگر نہ اپنے واسطے بلکہ سب دوسروں کے واسطے یہ کیوں؟ اس لیے کہ ان کا اپنا کوئی اجتماعی مرکز ایسا نہیں جس کے ساتھ وہ وابستہ ہوں۔

مسلمانان ہند کے اندر صحیح راہنماؤں کا قحط

(۳) مسلمانان ہند کا کیوں اب تک اجتماعی مرکز ایسا نہ بن سکا جس کے ساتھ ان سب کی انفرادی یا جماعتی طاقتیں وابستہ ہوتیں؟ یہ اس لیے کہ مسلمانان ہند کے اندر صحیح راہنماؤں کا سخت قحط ہے۔ مدت ہوئی کہ ان کے اندر ایسے رجال کی پیدائش بند ہو گئی۔ جن کو دنیا کے قائدین اعظم کے اخلاق سے شاید ہی کچھ حصہ ملا ہو۔ زمانہ حاضرہ کے اندر جو ان کے راہنما کہلاتے ہیں ان میں سے اکثر کی سوانح حیات کا تجزیہ کیا جاوے تو آرام طلبی، عیش کوشی، جاہ طلبی، حکومت پرستی ایسے چند کمزور اخلاق کے سوا کوئی بلند پایہ وصف ان کے اندر نہیں پایا جاتا ہے۔ وہ بلند اخلاق جو سیاسی راہنماؤں کا مخصوص حصہ ہوتا ہے اور جو قوموں کی قسمتوں کو حسب پسند سانچوں میں ڈھال سکتا ہے ان کا کھوج ان کی سوانح حیات میں نہیں ملتا۔ موجودہ لیڈروں کی جدوجہد کی انتہا صرف ظاہری باتوں لمبی

Marfat.com

چوڑی تقریروں اور تجویز سازی تک ہے۔ جہاں عمل کی سختی سے دوچار ہونا پڑے۔ ان کے احوال اور اعمال کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ جفاکشی۔ جاں نثاری، فدا شعاری، سنگ خوردی وغیرہ وغیرہ ایسے بلند اخلاق کے کوچے ہیں شائد ہی ان میں سے کسی کا گذر ہوا ہو۔ لیکن جن لوگوں نے قید وبند کی عمر بھر تکلیف نہ دیکھی ہو اور نازونعم اور جاہ وحشم ان کو ورثہ میں ملی ہو ان سے مادر وطن کو اور اس کے غریب بھوکے ننگے فرزندوں کو کس خیر کی توقع ہوسکتی ہے۔ ع

قدر زحمت زمانہ داند ہر کہ او بیمار نیست

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہمدردی جو تمام شخصی غموں کو ملت کے یگانہ غم میں کھپا سکے۔ وہ جذبۂ خیرخواہی جو دل کو ماہئ بے آب کی طرح بیقرار بنا سکے وہ روح جو تمام خوفوں سے بے خوف بنا کر فراعین زمانہ کے سامنے موسوی رنگ میں کھڑا کر سکے اور قومی آزادی کا کلمۂ حق اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ بے تحاشہ منہ سے نکلوا سکے وہ تڑپ اور بے قراری جو دلوں میں بحر ذخار کی طرح عمل کی موجوں کا طوفان برپا کر سکے۔ اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ بھی ان کے اندر نہیں پایا جاتا تو ایسے حالات میں مسلمانان ہند کے لیے سیاسی مشکلات سے نجات پانا اور آزادی وطن کی منزل تک پہنچنا کیسے ہوسکتا ہے۔ زمانۂ حاضرہ کے تیار کردہ میدان تنازع للبقاء کے اندر ہمعصر اقوام سے مسابقت کرنا اور بازی جیتنا کیسے متصور ہوسکتا ہے۔ ع

ایں خیال ست ومحال ست وجنوں

۵ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

موجودہ روحانی پیشوایان ہند کی تعلیم

غرض وہ اوصاف عالیہ اور اخلاق فاضلہ جو قوموں کی قسمت کو ابھاریں اور ان کی بگڑی کو بنائیں ملت مسلم ہند کے اندر سے ۱۸۵۷ء غایت ۱۸۶۴ء کی جنگ انبیلہ کے بعد ایسے محو ہوئے کہ پھر آج تک ان کا نام ونشان نہ سنا گیا۔ اس کے بعد ان کے اندر آج تک کوئی طالوتی دماغ والا اور داؤدی شجاعت والا راہنما اور ہادی نہ پیدا ہوا۔ جو ان کی گردن کو جالوت حاضرہ کے طوق غلامی سے چھڑا سکتا اور سلیمان کے نقش قدم پر چل کر ان کو بحر وبر کا شہنشاہ بنا سکتا۔ اگر بعد مشکل کوئی پیدا ہوا بھی تو اس نے مثیل مسیح بن کر ملت مظلومہ کو غلامی

Marfat.com

پر زیادہ سے زیادہ صابر اور شاکر رہنے کا سبق پڑھایا اور حکومت حاضرہ کو اُولی الامر منکم کا مصداق بتا کر اس کی بے چون وچرا اطاعت کو خدا اور رسول کی خوشنودی کا سب سے بڑا وسیلہ قرار دیا اور مسیح کی مماثرت کے دعوی کو مدلل کرنے کے لیے مسلمانان ہند کو یہ درس دیا گیا کہ اگر حاکم وقت تمہارے دائیں رخسار پر طمانچہ مارے تو بایاں بھی اس کے سامنے کر دو اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ۔ حتی کہ تمہارے روئیں روئیں سے حکومت کے ہر فرد کے کان میں یہ آواز پہنچے ؎

بندگی چیست بگو بندہ جاناں بودن   دل بدست دگرے دادن حیراں بودن

ایسے راہنماؤں کا منتہائے مقصد حیات یہی رہا کہ شہنشاہ معظم کا سایہ ہفت اقلیم پر پھیلے اور ہمیشہ پھیلا رہے۔ غلاموں کی صف میں ان کے مریدوں کا مرتبہ سب سے بلند ہو۔ ان سے کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جو غلامی کے دامن پر حکومت کی نظر میں ایک بدنما داغ دکھائی دے ان روحانی بزرگوں اور مذہبی پیشواؤں نے آزادی سکھانے والے قرآن مجید کی تمام ایسی آیات بینات جو انسان کے اندر غیرت اور آزادی کی روح پیدا کرے ان کو منسوخ قرار دیا اور مسلمانان ہند کے اندر ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا جس پر حکومت وقت کو اپنے سیاسی اغراض کی تکمیل اور پیشرفت میں نصرانی ملت سے بھی زیادہ اعتماد ہو چنانچہ صوبہ سرحد پشاور کی سول آسامیاں اور پولٹیکل ایجنسیوں کی تمام ذمہ دار خدمتیں اسی قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں دیکھی جاتی ہیں۔

مسلمانان ہند کا انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ

انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ جو دنیا کے سیاسیات سے باخبر اور ایک با احساس گروہ ہے ان میں سے اکثر وہ ہیں جو علوم دینی سے بے بہرہ اور فلسفۂ اسلام سے ناآشنا کارل مارکس اور لینن کی تعلیمات کی روشنی میں تمام دنیا کی سیاسی اور اقتصادی مشکلات حل کرنے کا راز تلاش کرتے ہیں جس طرح ۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۴ء کی سیاسی اور انقلابی تحریکات کے فیل ہو جانے کے بعد مسلمانان ہند پر باوقار زندگی کے وسائل روک دیے گئے۔ اسی طرح اور ان کی جاگیریں، جائیدادوں اور نقد سرمایہ کو ہندو سودخواروں اور مہاجنوں کی لوٹ گھسوٹ پر آزاد چھوڑ دیا گیا اور ان کی سو فیصدی جائیداد ان کے قبضے میں چلی گئی۔ اسی طرح

آزادی وطن کی امامت اور راہنمائی کا حق جوان کو سلطان ٹیپو، حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور شاہ ظفر دہلوی سے ورثہ میں ملا تھا۔ ۱۸۸۵ء میں حکومت ہند نے ہندو لیڈروں کے ہاتھ سے آل انڈیا نیشنل کانگرس کی بنیاد ڈلوا کر ہندو قوم کے حوالہ کر دیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک کانگرس کی زمام ہندو لیڈروں کے ہاتھ میں رہی۔ اگر اتفاق سے کسی مسلمان کو اس کی صدارت کا موقعہ ملا تو اس کو بھی ہندو پالیسی کے ماتحت چلنا پڑا اور جب سے گاندھی جی کا طوطی کانگرس میں بولنے لگا تو اس وقت سے حالات بالکل متغیر ہو گئے۔ مسلمانوں کو جو اس میں شریک ہوئے۔ قرآن مجید کی جگہ ان کو ہندو فلسفہ کے اندر انسانی حیات کی فوز و فلاح کا راز تلاش کرنا پڑا۔

پس ان حالات کے اندر مسلمانان ہند اور سرحد آزاد کو کیا کرنا چاہئے اور کس طرح اپنے مستقبل کو آنے والے خطرات سے بچانا چاہئے۔ یہ ہے وقت کا سب سے اہم سوال۔

تمام مصائب کا یگانہ علاج

تمام مصائب سے بچنے کا یگانہ علاج وہی ہے جو قرآن مجید نے بنی نوع انسان کے سچے خادم حضرت محمد مصطفی صلعم کے واسطہ سے ہم پر پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (سورہ آل عمران)

اس تعلیم کے زیر اثر اپنا ایک قومی مرکز بنا دیں اس کے ساتھ اپنی انفرادی طاقتوں کو وابستہ کریں اور اس کی زمام ایسے آدمی کے ہاتھ میں دیں جو علوم دینی اور عصری میں یگانۂ روزگار ہو۔ اور قیادت کے اوصاف میں اگرچہ مطلوب درجے تک اس کی رسائی نہ ہو۔ تاہم اپنے ہم عصروں پر اسے فوقیت حاصل ہو اور اس کی راہنمائی میں تمام سیاسی اور اقتصادی مشکلات کا مقابلہ کریں اور کسی پارٹی یا جماعت سے نہ انفرادی طور پر ملیں اور نہ اس سے کوئی معاہدہ کریں۔ خدانخواستہ اگر قرآن مجید کی اس ہدایت پر چلنا نصیب نہ ہو تو حالات اندرونی اور بیرونی کا مقتضا یہ ہے کہ اسی پارٹی کے ساتھ اشتراک عمل کیا جائے جو اجنبی حکومت کے اثر کو دور کرنے اور وطن کو آزادی دلانے میں سب سے پیش پیش ہو۔ خواہ وہ کانگرس ہو یا اور کوئی پارٹی۔ مگر ایک مسلمان کے لیے یہ تو ہرگز مناسب نہیں کہ وہ انگریزوں سے

Marfat.com

اپنے تئیں وابستہ کریں۔ یا کسی ایسی پارٹی سے جو حکومت کی طرفدار ہو۔ کیونکہ ایسا کرنے میں نہ صرف مادر وطن کے ساتھ بلکہ عالم اسلام کے ساتھ غداری اور دشمنی کرنا ہے۔ جو انتہا ہی بے غیرتی کی علامت ہے۔

ہم اہل سرحد ہندو قوم کی بدنیتی۔ تنگ دلی اور اسلام کش پالیسی کا پورا علم رکھتے ہوئے اپنے ہندی مسلم بھائیوں کو یہ سفارش کریں گے کہ وہ دو نقصانوں میں سے ہلکے نقصان کو قبول کرنے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے حکومت ہند کا قطعی مقاطعہ کریں اور ہندو قوم کا نقصان قبول کریں۔ کیونکہ ہندوؤں کا خطرہ بہ نسبت انگریزوں کے بہت ہے خارجی دشمنوں کی مدافعت کے لیے ہم وحشی اور جاہل لوگوں کی سیرت سے سبق حاصل کریں۔ ہم اہل سرحد کی خونریزی اور برادرکشی دنیا میں بطور ضرب المثل بیان کی جاتی ہے۔ مگر ہمارا یہ حال ہے کہ باوجود باہمی عداوت اور دائمی کینہ کے جب کبھی ہم پر باہر سے کوئی دشمن حملہ کرتا ہے تو اپنی ساری کدورتوں اور انتقاموں کو بھول کر ایک دل اور ایک جان ہو کر دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور متفقہ طاقت سے اس کی بے پناہ طاقت کو رد کرتے ہیں دنیا میں ہم سے بڑھ کر کوئی قوم قلیل الذرائع نہ ہوگی۔ ہماری غریبی مشہور و معروف ہے۔ کسی حصے میں سال بھر کا شاید ہی غلہ پیدا ہوتا ہو۔ تلاش معاش میں کسی قوم کو قطب شمالی اور قطب جنوبی کو ہم افغانوں کے سوا کسی نے کسی کو نہ دیکھا ہوگا۔

برطانیہ کی جنگی طاقت اس درجہ بلند ہے کہ جرمن اور ترک جیسے بہادروں کو اس کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ باوجود کسی قسم کا سرمایہ اور چنداں سامان حرب نہ رکھنے کے ہم اس طاقت کے سامنے ابھی تک سرنگوں نہیں ہوئے اور نہ وہ آج تک ہم کو مطیع کر سکے ہیں۔

رات دن اس کی توپیں اور ہوائی جہاز ہم پر بمباری کرتے رہتے ہیں مگر ہمیں اس کی یہ سب کاروائیاں ایک سینما کے کھیل سے زیادہ معلوم نہیں ہوتیں اور سچ تو یہ ہے کہ اگر تمہارے وطن سے بعض جاہل مذہبی پیشوا اس وطن میں پہنچ کر عوام کی طاقت کو برطانیہ کی ٹھوس اور منظم حربی طاقت کے سامنے بے موقع متصادم نہ ہونے دیتے۔ تو

آج بھی ہم اسی طرح طاقتور نظر آتے جیسا کہ ان پیشواؤں کے آنے سے پہلے۔
ہماری آخری گذارش یہ ہے کہ اپنے گھر میں اتفاق کرو اور ہندو مسلم اتحاد کے واسطے
اپنا نقصان اٹھا کر بھی کوشش کرو۔

فضل الٰہی

Marfat.com

ضمیمہ ۔ ۱

یہ وہ بیانات ہیں جو انگریز نواز ہندوستانی لوگوں نے انگریز کی خیر خواہی کے لیے دیئے۔ مولانا فضل الٰہی صاحب نے ان کے جوابات دیئے ہیں جو آئندہ صفحات میں آ رہے ہیں۔ یہ مضامین ۱۹۳۱ء کے ہیں
خالد گھرجاکھی

(۱)

پیغام گاندھی بنام قوم آفریدی

"آفریدیوں سے کہہ دیجئے کہ حکومت جو علاقہ ان سے لینا چاہتی ہے وہ انگریز کو دیدیں جب ہم کو سوراج مل جائے گا۔ ہم انھیں واپس دیدیں گے"۔

(۲)

تجویز تصدق حسین شروانی رکن مجلس عاملہ آل انڈیا نیشنل کانگرس درخصوص سرحد آزاد

تصدق حسین شروانی نے جو کہ آل انڈیا نیشنل کانگرس کی مجلس عاملہ کا ایک رکن رکین اور ہندوستان کے ارباب حل وعقد میں ایک نہایت ذمہ دارانہ حیثیت رکھتا ہے) اپنی مجلس عاملہ کے روبرو سرحد آزاد کے بارے میں مندرجہ ذیل تجویز پیش کی۔

"آزاد علاقہ کو برطانوی علاقہ میں شامل کر لیا جاوے"

(۳)

ہیگ کمیٹی کے روبرو سرحد آزاد کے متعلق مولوی نور بخش خاں کی شہادت کا خلاصہ

مولوی نور بخش خاں نے جو کہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کا ایک نامی گرامی مشہور وکیل اور

Marfat.com

قانونی مشیر ہے۔ سرحد آزاد کے متعلق ہیگ کمیٹی کے روبرو اپنی شہادت کے دوران میں دولت برطانیہ کو مندرجہ ذیل تجویز مع پرزور سفارش کے پیش کی کہ:۔

"سرحدی ایجنسیوں کو برطانوی علاقہ میں داخل کر لیا جاوے"

(ماخوذ از جریدۂ انقلاب مورخہ ۹ رجون ۱۹۳۱ء مطابق ۲۱ محرم ۱۳۵۰ھ)

بقلم الٰہ بخش یوسفی ایڈیٹر "سرحد" پشاور

سرحدی ایجنسیاں

دولت برطانیہ کی سیاسی سرحدی ایجنسیوں کی تفصیل و تشریح کے لیے آئندہ صفحہ کے نقشہ کو بطور ملاحظہ فرمایا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ مولوی نور بخش کونسا اور کتنا علاقہ گورنمنٹ برطانیہ کو دینا چاہتے ہیں اور یہ نقشہ ان لوگوں کے لیے بھی نہایت ضروری ہے جو سرحدات آزاد کے مسائل کے متعلق دلچسپی رکھتے ہیں۔

ماہ نومبر ۱۹۰۱ء میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند کی تجویز کے مطابق اقوام سرحدات آزاد کو (معاہدۂ ڈیورینڈ مارٹیمر ماہ اکتوبر ۱۸۹۳ء کے بعد) انھیں ایجنسیوں کے اقتدار کے تحت لایا گیا اور سرحدات کی تسخیر اور جنگ کے مسائل انہیں ایجنسیوں کے سپرد کئے گئے۔

جواب

خرافات گاندھی وغیرہم

(یہ مکتوب ۱۹۳۱ء کے اخبارات میں شائع ہوا تھا)

Marfat.com

Marfat.com

برطانیہ کے سیاسی مراکز اور اقوام سرحد آزاد کا نقشہ کہ کونسا علاقہ کس مرکز کے ماتحت ہے

تعداد	سیاسی مرکز کا نام	سرحدی اقوام کا نام جو کہ پولیٹیکل ایجنسیوں کے ماتحت لائی گئیں
۱	ڈپٹی کمشنر ہزارہ بذریعہ پولیٹیکل ایجنسی اگرور	دریائے اباسین کے اس پار کی قدیم صواتی قومیں جو کہ علاقہ آلائی، نکری، دیشی، ندیہاڑ، تھاکوٹ میں آباد ہیں۔ چغرزئی۔ اکازائی۔ حسن زائی، اقوام یوسف زئی جو کہ دریائے اباسین کے اس پار آباد ہیں۔ اتمان زئی۔ مداخیل، امازائی۔ حسن زائی۔ اکازائی۔ چغرزئی۔
۲	پولیٹیکل ایجنٹ دیر، صوات، چترال مقیم ملاکنڈ	اقوام یوسف زائی۔ اکوزائی (خدک زائی، خواجہ زائی، الیے زائی، اودین زائی، ملیزائی) رانی زائی، باجوری، چترال (اقوام باجوری، جندول، برولی، بیدا زئی، سالارزئی، ماموند۔
۳	ڈپٹی کمشنر پشاور	اقوام یوسف زائی (چغرزائی۔ خدوخیل، چملہ وال، بونیروال، سم لے زائی۔ اتمان زئی) قبائل اتمان خیل گدروں۔ مہمند اور آفریدی اقوام سے صرف قبائل آدم خیل، ازجانہ گور وکنہ دار، عماقی
۴	پولیٹیکل ایجنٹ خیبر	آفریدی اقوام میں سے آدم خیل کے بغیر کوکی خیل، ملک دین خیل، کمبر خیل، قمر خیل، زخاخیل، سپاہی، اما خیل، ملاگوری، شلمانی مہمند، شنواری۔
۵	ڈپٹی کمشنر کوہاٹ	اقوام اورکزائی (اسمٰعیل زئی۔ لشکر زئی، دولت زائی، محمد خیل، ستوری خیل، علی زائی) اور ہمسایہ قبائل (علی خیل، ملاخیل، مشتی، شیخان) آدم خیل آفریدی، بنگش (میرانزئی، سمیل زئی، سبے زائی)
۶	پولیٹیکل ایجنٹ کرم	زیمخت (ماموزائی، خویداد خیل) توری، مسعوزائی شاخ اورکزائی، چمکنی (مداخیل۔ خاجی خیل، حاجی یار خیل، خواجک خیل)
۷	ڈپٹی کمشنر بنوں	اقوام بنوچی
۸	پولیٹیکل ایجنٹ ٹوچی	داوڑی اقوام (ارغونڈ، مبارک شاہ، محمد یو، زیر کے، تورہ بنیٹی، دولت خیل، میر شاہ) (اتمان زئی، احمد زئی) درویش خیل شاخ وزیری۔
۹	پولیٹیکل ایجنٹ وانا	اقوام مسعود (علی زائی۔ بہلول زئی، شمن خیل، شہابی خیل، عبدلی خیل، طوطا خیل، مانو خیل، جلال خیل، گیلنگی)
۱۰	ڈپٹی کمشنر ڈیرہ اسمٰعیل خان	اقوام بٹنی (اسمٰعیل زئی، ڈرسپول، کچین وغیرہ۔

بجواب خرافات گاندھی و بیہودہ گوئی تصدق حسین شیروانی و مولوی نور بخش وکیل

از طرف

جمعیت احرار صوبہ سرحد آزاد۔ بقلم خادم اسلام و وطن مولوی فضل الٰہی عفا عنہ

(بزبان اردو)

(بذریعہ اخبار انقلاب لاہور اخبار زمیندار لاہور، اخبار خلافت بمبئی، اخبار مدینہ بجنور یو۔پی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حدیث طور از من پرس از محمل چہ میپرسی ۔ کہ من سر پیچ مجنوں صحرائے دگر دارم

مقصد جمعیت احرار صوبہ سرحد آزاد

جمعیت احرار صوبہ سرحد آزاد کا وحید مقصد ایشیائی ممالک کو بالعموم اور سرحدات آزاد اور ہندوستان کو بالخصوص انگریز کے اقتدار اور ملوکیت کے اثر سے آزاد کرانا ہے۔ جب سے ہندوستان کی قومی انجمن (آل انڈیا نیشنل کانگرس) نے کامل آزادی کا اعلان کیا تو جمعیت احرار صوبہ سرحد آزاد نے تمام سرحدی آزاد قوموں کو ہندوستان کی ملی تحریک میں حصہ لینے کے لیے تیار اور آمادہ کیا چنانچہ قبائل سرحد نے مال و جان سے گذشتہ سال ۱۹۳۰ء سے لیکر اس وقت تک مال و جان کی ہر قربانی سے اس کے کامیاب بنانے میں جیسی فداکارانہ کوششیں کیں اس کی شہادت دوست دشمن دے رہا ہے۔

جمعیت احرار صوبہ سرحد آزاد اور قبائل سرحد آزاد کی بے غرضانہ قربانیاں اور کانگرس کی طرف سے ان کا بہترین صلہ

جمعیت احرار کے اراکین کئی ماہ سے سرحدات آزاد کے طول و عرض میں اقوام کی از سر نو تنظیم کرنے کے لیے دورہ و سیر کر رہے ہیں تاکہ مستقبل قریب میں یا جب وقت اجازت

دلوے پہلے سے زیادہ منظم اور متحدہ قوت کے ساتھ آزادی ہند کی تحریکات کو موثر اور نتیجہ خیز بنایا جاسکے کہ اس درمیان میں کوہستان صوبات کی بلند ترین چوٹیوں پر حسن اتفاق سے بعض ہندی اخبارات دیکھنے میں آئے جن میں قبائل آزاد کو انگریزوں کا غلام بننے کی نصیحت اور انگریزوں کو سرحد آزاد پر رستا قبضہ کرنے اور برطانوی ہند میں داخل کرنے کی پر زور ترغیب اور سفارش کی گئی تھی۔ گویا سرحد آزاد کی عدیم المنظیر قربانیوں، زحمت کشیوں کا بہتر سے بہتر صلہ ہندوستان کی غم شریکی اور بے غرضانہ خدمات کا قابل ترین معاوضہ ہندوستان کی حریت خواہ اور عظیم الشان مجلس کی طرف سے سرحد والوں کو ملا۔ کیا اس قسم کے مکافات کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں مل سکتی ہے؟ نصر بن احمد سامانی کو شاید ہمارے جیسے حال پیش آئے تھے جنھوں نے ہمارے حسب حال یہ شعر منظوم فرمایا ؎

من در اندیشہ کہ چوں بر سر او سایہ کنم　　　او درآں غم کہ چساں بہر کندم از بنیاد

جناب مہاتما گاندھی کی پوزیشن اور غلامی کا درس

ہمیں ہرگز یقین نہیں آتا کہ گاندھی جیسے مشہور سیاسی لیڈر اور آزادی کا پیغامبر بننے والے کے منہ سے ایسے کلمے نکلے ہوں جن کے ایک ایک حرف سے حوصلہ شکنی، مایوسی، اور غلام بننے کی بو آتی ہے۔ وہ گاندھی جی جو عدم تشدد کی تحریک کے بانی اور موید ہونے کے باوجود بھگت، دت، سکھدیو اور ہری کشن جیسے حامیان تشدد کے اعمال خونریزی کی تائید میں سارے ہندوستان میں جا بجا جلسے کرا کر ہمدردی کے ریزولیشن پاس کرائیں اور ان کے لیے عالمگیر ہمدردی پیدا کرنے اور نوجوان پارٹی کو ان کے اعمال کا تتبع اور تقلید کا شوق بھڑکانے کے لیے آل انڈیا نیشنل کانگرس میں ان کی تعریف اور شجاعت اور بہادری کے ذکر میں تقریر کے دریا بہا دیں اور ہندوستان بھر کے نوجوانوں کو تشدد کی ترغیب اور تحریص کر دیں۔ حالانکہ ہندوستان کے لوگ انگریز کے قبضہ میں اسی طرح بند ہیں جیسے پنجرے کے اندر جانور۔ وہ گاندھی آفریدیوں جیسی بہادر اور شجاع قوم کو دشمن کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی کیسے ترغیب دے سکتے ہیں اور ان کے لیے غلام بننے کی تجویز کیسے پسند کرتے ہیں۔ گاندھی جی کی شان سے

Marfat.com

بعید ہے۔ کہ وہ ایک زندہ دل اور نہایت غیور قوم کو اپنی نظروں میں اتنا حقیر سمجھیں۔ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جب وہ خود غلام قوموں کو آزادی کا سبق پڑھاتے ہوں اور ان کی آزادی میں جان توڑ کوشش کر رہے ہوں اور نیلام شدہ جائداد کو انگریزوں سے واپس دلا رہے ہوں وہ آفریدیوں کو یہ کہیں کہ تم اپنا وطن اپنے ہاتھ سے انگریز کو دے دو اور وہ جو کچھ چاہیں ان کے مطالبے کو قبول کر لو۔ حاشا و کلا

راہنمائی کا حق

بالفرض گاندھی جی نے ایسا ہی آفریدیوں کو ارشاد فرمایا جیسے کہ ہندی اخباروں میں چھپا تو میں کہتا ہوں کہ ایسی نصیحت کرنے کا حق صرف اسی بادشاہ یا کمان افسر یا قائد ملت کو حاصل ہو سکتا ہے جو اپنی فوجوں کو دشمن سے لڑاتے لڑاتے تھک چکا ہو۔ اس کے تمام ذرائع امداد، رسد رسانی سامان حرب ختم یا قریب الختم ہو جائیں اس پر قطعی شکست اور ساتھ ہی وطن کے ہاتھ سے چلے جانے کا اندیشہ غالب ہو جائے۔ البتہ ایسا ذمہ دار شخص اپنی فوجوں کو دشمن کے آئندہ مقابلے کے لیے تازہ دم کرنے کے لیے متارکہ یا مصالحت کا خواہاں ہو اور اپنی فوجوں کو صلح کرنے کے لیے فرمائش یا ہدایت کرے تو اسے معذور سمجھا جاتا ہے۔

لیکن یہاں تو معاملہ ہی دگرگوں ہے۔ مہاتما گاندھی ہوں یا کوئی رکن کانگرس یا صوبہ سرحد پشاور کی قومی تحریکات کا لیڈر یا مذہبی پیشوا غرض کسی شخص نے کسی جمعیت نے کسی سبھا نے ہندوستان، پنجاب یا صوبہ سرحد میں سے ایک پیسے کیا بلکہ ایک کچی کوڑی سے بھی آفریدیوں کی امداد نہیں کی نہ ان کے غم میں کوئی شریک ہوا۔ حاشا و کلا اگر کسی شخص یا کسی جمعیت نے خفیہ یا علانیہ آفریدیوں کی مدد کی ہوتی تو کم از کم راقم الحروف کو ضرور پتہ ہوتا کیونکہ میں ابتداء جنگ سے آخر وقت تک توفیق ایزدی ان کے غم میں برابر شریک رہا اور شریک ہوں۔ البتہ خود غرض لوگوں نے ان سے بہت سے وعدے کیے کہ آسمان تم پر سونا اور چاندی برسائے گا۔ مگر ان خود غرضوں نے سوائے اپنا نام حاصل کرنے اور زبانی جمع خرچ کرنے کے عملی کام کوئی بھی نہ کیا۔ آفریدیوں کو ہندوستان کے غم میں شریک

ہونے کے باعث گولہ باری۔ ہوائی تاخت، ناکہ بندی سے اور کھجوری جیسے آباد ترین بہاری قیام گاہ اور چراگاہ کے ہاتھ سے چلے جانے سے جو نقصان عظیم پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے نہ قاری کو طاقت بیان اور نہ سامع کو سننے کی قوت۔ ہر ایک واقعہ اور حادثہ کے بیان کے لیے ایک ایک دفتر بکار ہے۔ تمام دنیا میں اس وقت فوق العادت ارزانی کی وجہ سے گورنمنٹیں اور حکومتیں فیل ہو رہی ہیں مگر آفریدیوں پر ناکہ بندی کی وجہ سے قحط غلہ کی سختی اس قدر محسوس ہے کہ اس کے سامنے ۱۹۲۱ء کے قحط کی کوئی حقیقت نہیں۔ قلم کو طاقت کہاں جو ان کی زہرہ گداز تکلیف کا عشر عشیر بھی بیان کر سکے ؎

کدام دل کہ ازیں واقعہ دگرگوں نیست　　کدام کس کہ ازیں حادثہ جگر خوں نیست
کدام جاں کہ نشد سوختہ ز آتش غم　　کدام چشم کہ در شب بحر جیحوں نیست

مگر اقوام سرحد کو بالعموم اور آفریدیوں کو بالخصوص ان حوادث اور مصائب کا چنداں احساس نہیں ہوا۔ جتنا کہ مہاتما گاندھی اور ان کے ہم خیال لوگوں کے حوصلہ افزا پیغام اور تجویز سے مہاتما گاندھی اپنی ازلی غلام قوم کو دن رات آزادی۔ بادشاہی کا سبق سکھا دیں اور سرحدی قبائل کو غلامی اور محکومیت کی تلقین فرما دیں۔ شاید ان کا یہ جرم ہے کہ وہ مسلمان کیوں ہیں وہ آزاد کیوں ہیں وہ ہندوستان کے غم میں کیوں شریک ہوئے۔ انہوں نے جان گیری اور جان دہی کے میدان میں آکر ہزاروں نفوس قربان کر کے ہندوستان کی آزادی میں اہل اسلام کے جانبازی، حکومت اور اقدمیت۔ اولویت کے کیوں استحقاق پیدا کر دیں۔

؎

بجرم عشق تو مارا اگر کشند چہ باک　　ہزار شکر کہ بارے شہید عشق تو ایم

ممکن ہے کہ سرحدی اقوام کا یہ جرم ہو کہ انہوں نے اپنی معنوی ہزارہا نفوس اور لکھوکھا کروڑ لونڈے کی جائداد کی قربانیوں سے قوم ہنود کے سطحی اور غیر اساسی قربانیوں کے ادعا کو لاف و گزاف اور لاشئے ثابت کر دیا ہو۔ یا یہ کہ قوم ہنود جو ہمیشہ سے اقوام سرحدی کو ڈاکو قطاع الطریق، خونخوار وحشی۔ غیر تہذیب کہنے کی عادی اور خوگر تھی۔ موجودہ سرحدی جنگوں نے ان کے تمام الزامات، افتراؤں اور بہتانوں اور پروپیگنڈا کی حقیقت کو جہاں پر کھول

دیا ہو ساگر گاندھی نے واقعی کوئی پیغام دیا ہے تو انہوں نے ایک حساس اور غیرت مند قوم کے جذبات کو مجروح کرنے کی سخت غلطی کی ہے۔ عقلمندوں نے کہا ہے کہ ع وَلَا یَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ۔

ے

جراحتیکہ ز تیغ زباں رسد بہ دلے ۔۔۔ بہ ہیچ مرہم جراحت نکو نخواہد شد

میان تو و آنکہ زباں ندہی زخمش ۔۔۔ بغیر صحبت سنگ و سبو نخواہد شد

گاندھی جی نے جو اقوام آزاد کو انگریزوں کو اپنا وطن حوالے کر دینے اور ان کے سامنے تسلیم ہو جانے کی نصیحت کی ہے۔ ہمارا مختصر جواب وہی ہے جو آزادی ہند کے سب سے پہلے قائد اعظم حضرت سلطان ٹیپو علیہ الرحمۃ نے گاندھی جی جیسے دوستوں کی نصیحت کو مسترد کرتے وقت انگریزوں کو پہنچایا تھا ے

آں لحظہ کہ روز و شب بہم پیوندند ۔۔۔ یا رشتۂ مہر و سایہ برہم بندند

من با تو نشینم و دراں حالت نیز ۔۔۔ ارباب خرد تمام بر من خندند

گاندھی جی کا فرض

گاندھی جی کا فرض تھا کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں سرحدی اقوام اور خاص کر آفریدیوں کی مدد کرتے۔ناکہ بندی کی وجہ سے آج جو ان پر خوراک کی تکلیف کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں ان کو کم کیا جاتا اور جس طرح انھوں نے اپنی ہندو قوم کی ضبط شدہ جائیدادوں کو انگریزی حکومت سے مالکوں کو واپس دلایا اسی طرح کھجوری آفریدیوں کو واپس دلوانے میں مدد دیتے اور دوسری اقوام سرحد کا جو نقصان جو گولہ باری سے آباد بستیوں کے تباہ ہو جانے اور خورد سال بچوں عورتوں اور بے زبان مال مویشی کے مرنے سے ہوا اس کی تلافی کرواتے اور جس طرح انہوں نے بھگت سنگھ، دت وغیرہ کی شجاعت و بہادری اور ہمدردی کے ریزولیشن آل انڈیا کانگرس اور تمام ہندوستان کی صوبہ جاتی قومی مجلسوں میں پاس کراتے۔ اسی طرح ان اقوام کی بہادری اور ہمدردی کے ریزولیشن پاس کراتے۔ اسی طرح اقوام سرحد کے اندر آفریدیوں کے بعد دوسرے درجہ اتمان خیلوں کا۔ جنھوں نے ہندوستان کی آزادی میں نہایت عظیم بالشان حصہ

لیا اور اس غم شہر کی کے جرم میں سولہ گاؤں جو نہایت آباد تھے اور لاکھوں کی جائیداد اور چھوٹے چھوٹے بچے، عورتیں جو اپنے گھروں میں یا چکی پیس رہی تھیں یا جنگلوں میں میوہ چن رہی تھیں اور بہت سی بکریاں اور گائے بیل گولہ باری سے مارے گئے۔ ان بستیوں میں جو زیادہ مشہور ہیں ان کے یہ نام ہیں۔

درہ ارنگ برنگ، کوتی مرکز قوم اصیل شاخ اتمان خیل۔ نذر ربینہ۔ پڑانگ، غزلوچی اصغر بیبی، نارنج، باغ، بوندی، جوڑی، نیچکہام۔

اسی طرح قوم چغرزائی، اکازائی، حسن زائی کی اشک شوئی کرتے جنہوں نے ہندوستان کی ہمدردی میں کسی دوسری قوم سے کم حصہ نہیں لیا اور جن کو ہندوستان کی حمایت کے جرم میں انگریزوں کی طرف سے یہ سزا ملی۔ کہ ان کا جو ملک دریائے اباسین کے اس طرف تھا اس پر میاں گل والیئے صوات کو مدد دے کر اس پر قبضہ کرا دیا۔ میاں گل انگریزوں کا ویسا ہی حلیف ہے جیسے شریف حسین مکی تھا۔

حسن زائیوں کا جو وطن میاں گل کے قبضہ میں گیا اس کی مشہور آبادیوں کے نام یہ ہیں بیتو۔ بانگڑی۔ کرڈر۔ نادری، ناسک، ولئے، مارٹہ، کراک، ڈھگا، ارنالہ، پیرزادہ بیلا گرھی، تویکلی، میدان، بلوسی۔ نرتھے۔

چغرزائی۔ اکازائی کا جو وطن میاں گل کے نیچے چلا گیا اس کے مشہور اور آباد گاؤں یہ ہیں۔

بولگدے۔ ہنگاخ، منڈگئے، رانا، خالو، بیگ مارنا، پیدل، کماچ

ہمارا گلہ اپنوں سے

ے من نالہ زبیگانہ نہ دارم کہ دلم را — ہر غم کہ رسید ست ہم از خویش رسید ست

ہمارا گلہ اور شکوہ گاندھی جی اور ان کی قوم سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قوم ہندو کے نزدیک صرف کسی کا مسلمان ہونا ہی اس کے مجرم ہونے اور کشتنی، گردن زدنی بننے کے لیے کافی ہے۔ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ع

تو اہل دانش و فضلی ہمیں گناہت بس

خدا کی توحید پر ایمان لانا، بت پرستی سے انکار کرنا بس مسلم کا یہی جرم ہے جس کے باعث اس کی ہستی کو مٹانے کی ہزارہا تدبیریں ہو رہی ہیں۔ ان کا منتہا مقصد یہ ہے کہ مسلم کی ہستی کو نہ صرف ہندوستان سے بلکہ سرحد آزاد سے، افغانستان اور بلوچستان سے بھی محو کر کے سارے ایشیا کو زیر نگیں ویدک تہذیب لایا جائے۔ ہمارا گلہ صرف اپنے ہندی مسلم بھائیوں سے ہے جن کے باہمی تشتت اور تفرق اور مذہب حقہ کی طرف سے بے پرواہ ہو جانے کی وجوہات سے نہ صرف ان کے قومی وقار اور عزت کو بلکہ ہر مسلم کو خواہ وہ کہیں کا باشندہ ہو تمام غیر مسلم اقوام کی نظروں میں ذلیل کر دیا ہے۔ مسلم قوم کو کوہ سے کاہ۔ متبوع سے تابع۔ مخدوم سے خادم۔ مطلوب سے طالب۔ مقتدی سے مقتدی کے اسفل ترین درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ گاندھی جی اور ان کے ہم مذہب اب بھی ان سے متفقہ مطالبات مانگ کر ہنسی اڑاتے ہیں۔ حالانکہ متفقہ مطالبہ سے مراد اکثریت کا مطالبہ ہوتا ہے۔ جب اکثریت متحدہ مطالبہ پیش کرتی ہے تو اقلیت کا عذر پیش کر کے ان کے متحدہ فیصلہ کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ کبھی ان کو کہا جاتا ہے کہ قوم خالصہ کی رضامندی حاصل کرو۔ پھر دیکھا جائے گا۔ حالانکہ یہ بات قیامت تک نہ ہونے والی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بقول ایک ہندی مثل "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی"۔ مسلمانوں کے حقوق نہ ماننے کے لیے ان پر ایسے سخت قیود لگا دیئے جو ان کی طاقت سے باہر ہوں۔ اب مسلمانوں کی اقلیت کو ان کی اکثریت سے لڑوانے اور پھوٹ ڈالنے کی مختلف راہیں نکالی جا رہی ہیں۔ مسلم قوم کے اعمال اس کے حال پر رو رہے ہیں۔ لہٰذا خود غرضی میں مبتلا ہو کر قوم کو غلامی کے برے انجام میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں
بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۔ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ۔

اجتماعی قوت کی ضرورت

مسلمانان ہند کا شیرازہ قومی اگر منظم ہوتا اور وہ برادران وطن (ہنود) کی طرح اجتماعی قوت اور مرکزی حیات کے مالک ہوتے تو آج ان کی یہ ذلت اور توہین اور تضحیک نہ ہوتی اور

Marfat.com

ان کی وجہ سے ہم سرحدی مسلمان ہنود کی نظروں میں اتنے ذلیل اور خوار نہ سمجھے جاتے۔شدھی کی تحریکات۔ قتل عام کی سازشوں سے ان کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے یا ان کی ہستی کو بالکل محو کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ ان کے مقدس اور پاک پیغمبر کی ہر آئے دن ہنسی اڑائی جاتی ان کے مذہبی شعائر جیسے کہ نماز ہے کی ہندوستان بھر میں جرائد اور مجالس کے ذریعہ عالمگیر تذلیل اور ہتک نہ ہوتی۔ کاش اب ہی وہ اپنے بالمقابل قوتوں سے عبرت پذیر ہو کر اپنے اندر حیات مرکزی پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

مولوی محمد زکریا خاں دربھنگوی

مولوی محمد زکریا خاں دربھنگوی کی غلط روی اور بیہودہ گوئی سے نماز جیسے اہم فریضہ اور رکن اسلام کی جو توہین ہوئی تھی۔ اس سے قبائل سرحد کے دلوں کو مسلمانان ہند کی طرف سے جو مایوسی ہوئی اور ان کے دلوں میں جو ناسور پڑا وہ ابھی بھرنے نہ پایا تھا کہ جناب تصدق حسین شروانی اور مولوی نور بخش وکیل کی بذریعہ اخبار ان تجاویز کا علم ہوا جو پہلے مذکور ہوئیں مولوی محمد زکریا خاں دربھنگوی کے خلاف سرحد آزاد کے قبائل میں جو نفرت پھیلی اس کی نسبت انھوں نے جا بجا مجالس قائم کر کے فارسی زبان میں ایک مصدقہ اور متفقہ مضمون لکھ کر انقلاب، زمیندار، مدینہ جیسے مشہور جرائد کو بتاریخ ۵ رجون ۱۹۳۱ء علیحدہ علیحدہ بھیجا۔ اس سے ہندوستان کے مسلمانوں کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اہل سرحد کو مسلمانان ہند کی طرف سے جو عقیدت اور حسن ظنی تھی۔ اس کو کتنا صدمہ پہنچا ہے۔

تصدق حسین شروانی۔ مولوی نور بخش وکیل

ان ہر دو حضرات نے سرحد آزاد کی تسخیر اور الحاق کے متعلق دولت انگریزی اور آخر الذکر نے ہیگ کمیٹی کے روبرو جو تجویز پیش کی ہے۔ ان تجاویز سے ان حضرات کا کیا مقصد ہے۔ ہم اہل سرحد نہیں سمجھ سکے۔ اگر ان کا وہ مقصد اور مطلب ہے جو ان کے ظاہری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے تو ہمیں لالہ ہردیال، بھائی پرمانند، ڈاکٹر مونجے، لالہ لاجپت رائے

پنڈت مدن موہن مالوی، پروفیسر دیوان چند شرما۔ لیفٹیننٹ امرناتھ اور دیگر مہاسبھائی عقیدہ کے ہندوؤں سے کیا گلہ جو مدت سے کہہ رہے ہیں۔ ہندوستان کے تین دشمن ہیں۔ لعل ہندوؤں کی اندرونی کمزوری، اسلام، عیسائیت۔ ہندوؤں کو مسلمانوں سے بہ جبر مطالبہ کرنا چاہئے کہ شارع عام میں کوئی مسجد نہ بنائی جائے۔ بقول ڈاکٹر مونجے۔

"سوراج کے معنی یہ ہیں کہ ہندوؤں کی تہذیب کو زندہ کیا جائے۔ پنجابی اور مہاراشٹر کے ہندوؤں کو متفق کرکے مسلمانوں کے مقابلہ پر تیار کیا جائے۔ افغانستان اور سرحد آزاد کو فتح کرکے ہندو مذہب میں داخل کیا جائے۔ ہم ایک نیا گل کھلائیں گے جس کی خوشبو کابل سے کلکتہ اور کشمیر سے راس کماری تک پھیل جائے گی۔ ہندو ریاست قائم ہوگی۔ پورن شدھی قائم ہوگی، افغانستان اور سرحد کو فتح کیا جائے گا۔ جس طرح سرحد کے علاقہ نیپال میں ہندو تہذیب ہے۔ اسی طرح سرحد آزاد اور افغانستان میں ہندو تہذیب بکار ہے اس لیے سرحد آزاد اور افغانستان کو سب سے پہلے ہندو مذہب میں داخل کرنا ضروری ہے۔ جب ہم ہندوستان پر قابض ہو گئے تو ہم مسلمانوں کو کہہ دیں گے کہ ان کی شدھی کی کیا شرائط ہوں گی۔ مسلمان عربی اذان، عربی نماز، عربی نام سب چھوڑ دیں اور ہندوؤں کے تہوار میں شریک ہوں"۔

تصدق حسین شروانی اور مولوی نور بخش صاحب وکیل جب ہمارے ہم مذہب ہو کر ہمارے گلے میں انگریزی غلامی کا طوق پہنانا چاہیں تو ان ہندوؤں سے کیا گلہ جو مدت سے انگریزوں کو اس قسم کے مشورے دے رہے ہیں۔ تصدق حسین شروانی اور نور بخش وکیل کی طرح ایک سرحد کے جلیل القدر نواب سر عبدالقیوم ہیں وہ بھی دولت برطانیہ کو اسی قسم کی ہمیشہ تعلیمات دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ سیفٹی بل کی حمایت میں وائسرائے کی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے انہیں ایسا ہی کچھ کہا تھا اور راقم الحروف کے خلاف بہت کچھ بولے۔

(فرانٹیئر ایڈووکیٹ)

فوجی منصبداروں کے نام جو الحاق سرحد پر مامور ہوئے

۱ لیفٹیننٹ کرنل براڈشا سی۔بی
۲ بریگیڈیر کیمبل کے۔سی۔بی
۳ کیپٹن جے کاک
۴ میجر جے نکلسن
۵ لیفٹیننٹ کرنل میکسن سی۔بی
۶ کرنل لوائیلیہ
۷ کرنل کاٹن
۸ لیفٹیننٹ کرنل کرتھیا سی۔بی
۹ بریگیڈیر سی۔بی
۱۰ میجر ونیگا
۱۱ میجر سکاٹن کے۔سی۔بی
۱۲ میجر جین سرگوک
۱۳ کرنل میدنل سی۔بی۔
۱۴ میجر جانز
۱۵ میجر جنرل ڈائیلڈ سی۔بی۔سی۔ایس۔ڈی
۱۶ لیفٹیننٹ کرنل کینز سی۔بی
۱۷ کرنل موکوتا
۱۸ کیپٹن بانگ
۱۹ لیفٹیننٹ کرنل جیوکس
۲۰ لیفٹیننٹ جنرل مالی ڈی سی سی۔بی
۲۱ کیپٹن کرتیچ
۲۲ میجر ڈالس۔
۲۳ بی۔جی ٹائیٹلر ڈی۔سی۔سی۔بی
۲۴ بریگیڈیر جی ڈار
۲۵ لیفٹیننٹ کرنل رانڈ
۲۶ بریگیڈیر جنرل گاڈن سی بی
۲۷ کرنل بروم
۲۸ بی جنرل میو سی۔بی۔اے۔ڈی۔سی
۲۹ ایم جنرل ایلس سی۔بی
۳۰ بریگیڈیر جنرل سرلاجنٹ
۳۱ بریگیڈیر جنرل ٹاورڈ
۳۲ بریگیڈیر جنرل سرآرلوکپ
۳۳ کرنل کیلی
۳۴ میجر جنرل کوری یڈ سی۔بی
۳۵ کرنل ایکلوجا سی۔بی۔سی۔ایم۔جی
۳۶ میجر جنرل سی بلڈ ایل۔سی۔بی
۳۷ کرنل سی ریڈ سی بی
۳۸ کال بلی سی بی
۳۹ میجر جنرل بیٹیا مال بیگ
۴۰ بریگیڈیر جنرل گاسل سی۔جی
۴۱ کرنل بل سی جی
۴۲ کیپٹن روز کیمبل

Marfat.com

۴۳ بی۔ جی۔ ڈانگہ ۴۴ میجر جنرل الیگزیلون سی۔ بی

۴۵ میجر جنرل سرجی دلکوکم۔

حامیان الحاق کی خدمت میں معروضہ

جمعیت احرار صوبہ سرحد آزاد جس کے اندر آفریدستان بھی داخل ہے۔ اس جمعیت کے خادم ہونے کی حیثیت سے راقم الحروف حامیان الحاق کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ کہ ان تمام مذکورۃ المتن فوجی منصبداروں کو لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند سے لے کر لارڈ اردن وائسرائے ہند اور لارڈ ارل برڈ ووڈ سپہ سالار افواج ہند تک انگلستان کی تمام وزارتوں اور پارلیمنٹوں، انگریزی ہوائی بیڑہ کو سرحد آزاد کی تسخیر اور الحاق کی تمام کوششوں میں ناکام رہی وہ اس کٹھن منزل کو خاطر خواہ طے نہ کر سکے۔ صرف ۱۸۴۹ء سے ۱۹۱۴ء جنگ عمومی یورپ کے شروع تک پینسٹھ (۶۵) سال کے عرصہ میں سرحد آزاد کی تسخیر کے لیے پچھتر (۷۵) باقاعدہ حملے دولت برطانیہ نے کئے۔ جن میں ہزاروں سپاہی، اور افسر مقتول ہوئے۔ ہزاروں مجروح اور ہزاروں مفقود ہو گئے اور کروڑ ہا پونڈ نقد سرمایہ خرچ ہوا۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۱ء تک سرحد آزاد پر پانچ ہزار (۵۰۰۰) حملے ہوائی جہازوں کے ذریعہ کیے گئے۔ کل سرحدی جنگوں کے خرچ کا اندازہ صرف اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وزیرستان کے چار سالہ جنگ میں بقرار بیان مسٹر براؤن وزیر مال ہند اٹھانوے کروڑ (۹۸۰۰۰۰۰۰) روپیہ نقد خرچ ہوا۔ اکاسی سال کے عرصہ میں ایک سو اڑتالیس (۱۴۸) جنگوں کے اندر کل کتنا خرچ پڑا ہوگا۔ بایں ہمہ انگریزی حکومت اپنے مقصد میں اس وقت تک کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکی ہندوستان اور انگلستان کے متفقہ فیصلے کے مطابق آفریدستان کی تسخیر کے لیے سر ولیم لاک ہارٹ سپہ سالار افواج ہند کی خدمات دوبارہ حاصل کی گئی تھیں اور وہ آخری وقت تک اس کی فتح میں ناکام رہا۔ جب جنگ نے غیر معمولی طول کھینچا اور خزانہ ہندوستان کا جنگی اخراجات کے بوجھ سے دیوالہ نکلنے لگا تو انگلستان کی حکومت نے حسب الحکم ملکہ ہند یہ لاک ہارٹ کو ہدایت کی کہ نرمی اور تالیف قلوب کی حکمت عملی اختیار کر کے فی الفور صلح کر لے اور جنگ کا بہت جلد

خاتمہ کر دے۔ سپہ سالار مذکور اپنی کتاب لاک ہارٹ میں ایڈوانس تھرو تیراہ کے تیرھویں باب میں سرحد کی تسخیر اور الحاق پر زور دیتے ہوئے آفریدی نوجوان غیوروں کی جنگی روح اور شجاعت کی نسبت بہت کچھ تعریفی کلمات لکھتا ہے۔

افغانستان اور ہندوستان کے مدارج کا فرق آفریدیوں کے نقطۂ نظر سے

کیا قوم آفریدی جس کی پشت پر ہزار ہا سال کی شاندار روایات کی تاریخ موجود ہے جس کی بہادری اور شجاعت کا لوہا دنیا کی سب سے بڑی طاقت بارہا تسلیم کر چکی ہے جس قوم نے آزادی کے مذبح پر ہزار ہا جانیں قربان کی ہوں۔ گاندھی جی اور ان کے ہم خیال لوگوں کے کہنے پر انگریزی حکومت کا جوا اپنی گردن پر ڈالنے کے لیے تیار ہو جائے گی کیا ہندو قوم جس کی ذہنیت کا نمونہ مشتے از خروار اوپر ذکر ہو چکا ہے اور جس قوم نے بہت مرتبہ اور خاص کر ۱۹۲۵ - ۱۹۲۶ء کے اندر بار ہا دولت برطانیہ کو تسخیر سرحد آفریدستان کی ترغیب اور تشویق دلائی ہو۔ جبکہ آفریدیوں نے رنگیلا رسول کے مصنف کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ کیا ایسی بہادر، اسلام کی فدائی قوم اپنی ہم مذہب، ہم نسل، ہم زبان ملت افغانستان سے تعلق قطع کر کے ہندوستان کی ہندوانی سوراج والی ملت سے اپنی قسمت کو وابستہ کرنے کے لیے تیار ہو جائے گی حاشا وکلا۔ وہ سنگدل ہندو قوم جو گائے جیسے حیوان کی خاطر صدہا اشرف المخلوق انسان کو ہلاک کرنے سے نہ چوکے، وہ ہندو قوم جو مسلمانوں جیسی شریف، موحد، بہادر اور با مروت قوم کو اچھوت، ناپاک اور نجس سمجھے اور اگر اس کے شب بیدار قائم اللیل والنہار۔ صائم الدہر، متقی، پرہیزگار سے پرہیزگار عالم فاضل کا ہاتھ اس کے ادنیٰ ترین غلام کی روٹی یا پانی کو لگ جائے تو وہ اسے ناپاک اور ناقابل خوراک سمجھ کر پھینک دے۔ وہ ہندو قوم جو صدہا سال سے سود در سود کے گورکھ دھندہ میں مسلمانوں کو مبتلا کر کے ان کا خون چوس رہی ہے۔ صرف پنجاب کے مسلمانوں پر سود در سود کے ذریعہ سے اس نے دو سو کروڑ روپیہ ہیں کا سالانہ سود ستاون (۵۷) کروڑ روپیہ سالانہ ہندوستان کے سالانہ مالیہ سے زیادہ ہوتا ہے چڑھا رکھا ہے۔ وہ قوم جو اپنے

ہی ہم مسلک اور ہم عقیدہ شودروں کو اچھوت سمجھتی ہے اور ان کے واسطے تا ابد الدہر غلامی سے نجات دلانے کا کوئی راستہ پیدا نہیں کر سکتی اور جس کے مذہب نے ان شودر قوموں کے واسطے تعلیم، تقدس، علو، بلندی، عروج کے ہزاروں سال سے دروازے بند کر رکھے ہیں وہ ہندو قوم جس نے بدھ مذہب جیسے غریب پرور مذہب کو جب تک ہندوستان سے محو نہ کر لیا بس نہ کیا۔ ایسی متعصب، تنگدل، سنگدل، بے رحم، مغرور، متکبر قوم کے ساتھ سرحد کی وہی قوم رشتہ ناطہ جوڑنے پر تیار ہو گی جو شرف انسانی کا عمدہ ترین جوہر کھو چکی ہو جس کی آنکھ سے نور بصیرت جس کے دماغ سے سیاہ و سفید، کھوٹے کھرے کی تمیز بالکل مفقود ہو جائے۔ اس نے اپنے وطنوں سے کیا سلوک کر رکھا ہے جو ہم اہل سرحد کے ساتھ رکھے گی۔ مسلمانان ہند کی ہستی کو، ان کے مذہب مقدس کو مٹانے کی وہ کون سی تدبیر تھی جس پر انہوں نے عمل نہ کیا ہو۔ مسلمانوں کا اس وقت تک اسلام کے نام سے زندہ رہنا محض قدرت کا اپنا مخصوص فعل ہے۔ ورنہ دشمن کی طرف سے فنا اور نا پید کرنے میں کوئی دریغ اور کوتاہی نہ رہی۔

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نہ بود ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نہ بود

قبائل سرحدات ایسے زبردست شواہد اور براہین کی موجودگی اور ایسی ناقابل انکار تصریحات کی روشنی ہوتے ہوئے ہندوستان سے جس کی آئندہ زمام محض ہندو مہاسبھا کے ہاتھ میں آنے والی متصور ہو رہی ہے اور جس کے نظام حکومت میں کسی اقلیت کو باقی رہنے اور ان کے مذاہب اور مراسم کو تا مدت زندہ رہنے کے لیے عملی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی جائے گی کبھی بھی اپنے تعلقات سیاسی وابستہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ ایسی قوم اگر فرشتہ ہو کر بھی کسی پر پیش ہو جب بھی اس کی ہزار سالہ تاریخ دیرینہ اور موجودہ رفتار اور اعمال کسی کو اس پر اعتماد کرنے کی جرأت نہیں دلا سکتے۔

گر ماہ شوی بر آسماں کم نگرم در سرو شوی بر بوستاں کم نگرم
ور مایۂ جاں شوی بہ ہیچت نہ خرم یاد تو نہ کنم و دیگر نامت نبرم

حصولِ مقصد کا آسان ترین طریقہ

گاندھی جی اور ان کے ہم خیال لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ان کے لیے حصول مقصد کا آسان طریق جس پر ہم بھی عمل کر سکتے ہیں یہ ہے کہ وہ قبائل سرحد بالخصوص آفریدیوں اور وزیریوں کی قوم سے ہندوستان کی آزادی کا ٹھیکہ کریں۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام ملی اور مذہبی انجمنیں اپنے اپنے سالانہ اور ماہواری جلسے ایک سال کے لیے بند کر دیں۔ جو کچھ ان جلسوں کمیٹیوں پر سالانہ خرچ پڑتا ہے اس کا اندازہ کر کے اپنی ایک منتخب شدہ کمیٹی کے حوالے کر کے اسے سرحد آزاد میں بھیج دیویں جو آفریدستان وزیرستان میں آکر لنگر کا انتظام کرے اور کارتوس خرید نے کی وہ بھی جزدی اور ابتدائی مدد کرے۔ آفریدی اور وزیری قوم ہندوستان کی خارجی قوم سے (انگریز) سے لڑے گی یا اپنی جانیں آزادی ہند کے لیے قربان کرے گی۔ اگر ایک سال یا اس کے کم عرصہ کے اندر ہم نے دشمن کی قوت کو پائمال کر دیا۔ اسے ہندوستان سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ تو وہ مقصد عظیم جس کو پورا کرنے کی خاطر آج سے چھیالیس سال سے بیشتر آل انڈیا نیشنل کانگریس کوشش کر رہی ہے اور ہنوز روز اول سے زیادہ کامیاب نہیں ہو سکی۔ وہ اسے خود بخود بغیر محنت کے حاصل ہو جائے گا اور اگر اس درمیان میں آزاد قبائل نے شکست کھا لی۔ تو شکست کی صورت میں دشمن کے قبضے میں ہمارا وطن خود بخود چلا جائے گا۔ جس کے دو فائدے ہوں گے۔ اول یہ کہ گاندھی اور ان کے ہم خیال لوگوں کا مقصود پورا ہو جائے گا۔ دوم یہ کہ ہم اہل سرحد کو دنیا کا انصاف پسند طبقہ معذور سمجھے گا اور لوگ کہیں گے ؎

شکست و فتح تو قسمت سے ہے ولے اے میر ○ مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

خدا مالک الملک کے دربار میں درخواست

آخر میں ہم اپنے رب سے جو مالک الملک ہے۔ قوم ہنود کے حق میں دعا کرتے ہیں

کہ وہ انھیں کشادہ دلی، سماحت اور رواداری کی توفیق بخشے کہ وہ اپنے ہم وطن لوگوں سے نیک سلوک کریں۔ اقلیتوں کے جائز حقوق کو تسلیم کریں۔ انسانیت کے جسم پہ جوان کے ہاتھ سے اچھوت کا داغ لگا ہوا ہے اسے وہ دھو ڈالیں۔ سب کو اپنا بھائی اور اپنے جیسے انسان سمجھیں آٹھ ارب (۸۰۰۰۰۰۰۰۰) قرض جو ہندو مہاجنوں کا سود در سود کی وجہ سے ہو گیا ہے اور جس کا سالانہ سود دو ارب کے قریب ہے وہ سب معاف کر کے سرمایہ داری کی اصلاح کریں اور عالمگیر اخوت، ہمہ گیر عزت، اعتماد اور ہمدردی کو فانی سرمایہ کی جگہ حاصل کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ تمام ایشیائی اقوام کس طرح ان کے پاؤں پڑتی ہیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

ابو سلیمان **فضل الٰہی** عفی عنہ از علاقہ بلیزائی، صوات آزاد کوہستان

۱۲ر جون ۱۹۳۱ء

Marfat.com

ضمیمہ نمبر ۲

نقل روئداد جلسۂ روضہ غازی صاحب رح، درۂ ارنگ جو کہ محمد زکریا خاں کی بیہودہ گوئی کے متعلق تمام قبائل سرحد کے اتفاق سے بطور احتجاج منعقد ہوا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

ھ

عمریست کہ در عرصۂ نیرنگ غرض   دارد بدونیک صلح با جنگ غرض
گہ ربط کلام کفر و دیں دریابی   سازِ ہمہ کوک ست بآہنگ غرض

آہ اس دائرہ ہیں کہ تمام بلندیاں اور پستیاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کی توحیدی آواز سے برابر ہو جاتی ہیں اور اس سمندر ہیں کہ جس کے مدوجزر کی تمام موجیں سراسر خیر و صلاح کی جانب چلتی ہیں۔ آج ان سے بھی مخالفت اور تنقید کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ یہ چیز کہاں سے پیدا ہو گئی کہ آج عبادت اور پرستش آلہی کی حرکات پر بھی تحکم اور زبردستی کی جارہی ہے، تمام بنیادوں کی بنیاد اور اصول دین کی جڑ اور ہم مسلمانوں کے اسلام کا ستون نماز ہے جو کہ فرزندان اسلام کو تمام قسم کے روحانی اور جسمانی فوائد اور اخلاقی تربیت اور اتفاق کی تعلیم کا سبق دیتی ہے۔ تمام فتوحات کی اصل اور تمام اختراعات کا پیش خیمہ اور ہماری دونوں جہان کی فوز و فلاح کا مرکز یہی نماز ہے۔ آج کیا ضرورت پیش آئی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اخبارات کے کالموں کو ہم دیکھتے ہیں کہ نماز کی

اقامت کے مسئلہ میں بھی خامہ فرسائی ہونے لگی ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ نص صحیح صریح غیر منسوخ قرآن مجید کی آیت اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا سے ثابت ہے اور اہل اسلام کے تمام فرقوں میں یہی ایک نماز کا فریضہ ایسا ہے جس پر کہ بہ پابندی اوقات سب کا اتفاق ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کہ مسلم اور غیر مسلم میں ما بہ الامتیاز چیز ہے اب اس پر بھی نکتہ چینی اور اعتراض ہونے لگے افسوس نہایت افسوس!

چنانچہ اخبار "الجمعیت" کے ایک پرچہ میں جو کہ مورخہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۴۹ھ کو شائع ہوا ایک طویل مضمون ہم نے اس مسئلہ کے متعلق پڑھا جو کہ کسی مولوی محمد زکریا کی طرف سے مع اخبار مذکور کے تبصرہ کے لکھا گیا تھا

اس مضمون نے ہم سرحد آزاد کے مسلمانوں کے دلوں میں ایک سخت ہیجان اور ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے بیحد مایوسی پیدا کر دی ہے اور ہمارے اس پرانے حسن ظن کو جو کہ ہمارے دلوں میں ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق پرورش پاتا رہا ہے ایک عظیم صدمہ پہنچا ہے اور ایسا معلوم ہونے لگا ہے کہ شاید دہریت اور لامذہبیت کی عالمگیر وبا کے زہریلے جراثیم نے ان کے دماغوں کو بھی بخارا، خیوہ اور روسی ترکستان کے مسلمانوں کی طرح متاثر کر دیا ہے جس نے دین کے ایک واضح رکن کی اہمیت و عظمت ان کی نظروں میں کم کر دی ہے

ہم سرحد آزاد کے رہنے والے چونکہ ہمیشہ سے دینی امور میں نہایت متعصب اور سریع الاثر واقع ہوئے ہیں یہاں تک کہ ہماری مرکزی حکومت افغانستان بھی اسی تعصب سے زیر و زبر ہو گئی۔ ہم اس سستی کو ہندی بھائیوں کے حق میں قطعاً پسند نہیں کرتے اور نہ ہی ہم اس کو کسی طرح برداشت کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ وہ چیز جو کہ ہم کو مسلمانان ہند کی حقیقی فلاح اور کامیابی کی طرف سے مایوس کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ دینی مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر کے مولوی محمد زکریا نے بھی اور اخبار مذکور کے مدیر نے بھی زید و بکر کی شخصیات کی طرف عنان قلم کو منعطف کر دیا ہے۔ حقیقی آزادی اور سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے جو اجتماعی قوت درکار ہے وہ ابھی تک مسلمانان ہند کے ہاتھ میں نہیں آئی اور ہمارے ہندوستانی بھائی افغانی ضرب المثل

Marfat.com

کے مطابق "خوک چہ پیل ساتی دروازے لوڑے ایگدی" یا جیسا کہ حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

یا مکن با پیلبانان دوستی　　　یا بنا کن خانۂ درخورد پیل

اپنے دلوں کو ذرا وسیع کریں اور قومی اتحاد اور باہمی ملی اتحاد کو اپنے سامنے رکھیں۔ اور جس طرح کہ ہم سرحدی مسلمان اگرچہ اپنے گھر میں اور اپنے وطن کے داخلی امور میں ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن جب معاملہ کسی خارجی دشمن سے پیش آجائے تو اپنے تمام شخصی اختلافات کو ترک کرکے کَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ کے مطابق ملی مفاد کو حاصل کرنے کے لیے ہم نوا و رہم زبان ہو جاتے ہیں اسی طرح ہمارے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کو بھی وطیرہ اختیار کرنا چاہیئے اور موجودہ حالات میں جبکہ ہندوستان کے لیے زندگی موت یا آزادی اور بربادی کا وقت ہے شخصی اعتراضات کا مذاکرہ چھوڑ دینا چاہیئے اور ہمارے جذبات کو اپنے حق میں کسی طرح پست نہیں کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ اس موقع پر اسی نماز کے مسئلہ سے نقاط سرحد اور مقامات اجتماع اور مہمند، صافی، شنواری، ناموند، سالارزائی، شموزائی، اصیل، بٹ خیل، ملیزائی، یوسف زئی اور اقوام کوہستان کے جرگوں میں مولوی صاحب دربھنگوی کی تحریر کے خلاف بالخصوص اور ہندی مسلمانوں کے متعلق بالعموم ایک نفرت کا جذبہ پیدا ہوا ہے۔

جمعۃ المبارک کے موقع پر قریبًا ہر مسجد میں اور ہر بستی میں یہی مذاکرہ زیر بحث آیا ہے اور مذکورہ بالا اقوام کے اکثر نمایندے اتمان خیل کے علاقہ میں حضرت غازی صاحب درہ ارنگ کے مزار کے قریب جو کہ اس علاقہ میں ایک پیغمبر کے نام سے مشہور ہیں (اور سرحدات آزاد کے عوام کا مرجع ہیں) حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب مہاجر ہندی کی کوشش سے اکٹھے ہوئے اور سید السادات رئیس الغزات سید جلال الدین صاحب المعروف بہ فقیر صاحب علینگار کی زیر صدارت تحریک جہاد کی تقویت و توسیع اور آفریدی بھائیوں کی حمایت کے لیے مورخہ ۱۳ محرم ۱۳۵۰ھ کو ایک عام جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں نمایندگان اقوام کے علاوہ کئی ہزار عوام بھی شامل ہوئے۔ اس جلسہ میں یہ نماز کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا اور بالاتفاق قرار داد پاس

ہوئی کہ

(۱) فصل ربیع کے اٹھا لینے کے بعد جس وقت بھی آفریدی بھائیوں کی طرف سے حرکت کا پیغام پہنچے گا ہم ان کی حمایت میں اجتماعاً لشکرکشی کریں گے۔

(۲) مولوی صاحب محمد زکریا خاں در بھنگوی کی طرز تحریر سے کہ جنہوں نے اصل مسئلہ کو چھوڑ کر زید و بکر کی شخصیات پر حملہ کیا اور شعائر دین کو مسلم اور غیر مسلم کی نگاہ میں ہلکا اور خفیف کیا ہے سخت بیزاری کا اظہار اور بے حد نفرت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور بالاتفاق ہم مولوی صاحب مذکور سے درخواست کرتے ہیں کہ جتنی بھی جلدی ممکن ہو سکے اپنی غلطی سے رجوع کر کے برادران ہندی کے متعلق ہم سرحدی آدمیوں کے خلوص کو خصوصاً مستحکم اور پائیدار بنائیں۔

(۳) اور اسی طرح ہم لوگ جمعیۃ علمائے ہند سے التجا کرتے ہیں کہ نماز کے مسئلہ کی حمایت میں اپنی پوزیشن کو صاف کرے اور جمعیۃ علمائے ہند کے وقار اور تقدس کو سرحد آزاد کے دلوں میں محفوظ رکھے۔

(۴) چونکہ ہندی تحریکات کے اثرات بہر تقدیر سرحد آزاد پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ہماری مصیبت کشی، درد و الم، قربانی اور ایثار تحریک آزادی کے متعلق کسی طرح بھی ہندوستان والوں سے کم نہیں ہے۔ بلکہ ان کی اور ہماری نسبت پہاڑ اور تنکے کی ہے۔ چنانچہ ابتداء ۱۳۴۹ھ سے لے کر اس وقت تک بیشمار آدمی اور مال و املاک اور کئی لاکھ پونڈ ہمارے ہندوستان کی جنگ آزادی میں تلف ہو چکے ہیں۔ ہمارے ہندوستانی بھائی تو زیادہ سے زیادہ مالی یا بدنی تکالیف کے متحمل ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی اکثر جو قید خانہ میں تھے اپنے ایام کو عزت و احترام اور فارغ البالی سے گذار رہے ہیں اور ہم سرحدی مسلمان اپنے سینوں کو توپ اور بندوق اور ہوائی جہازوں کی بمباری کے نیچے رکھے ہوئے ہیں ہم نے بیشمار جانی اور مالی نقصان اٹھائے ہیں۔ ہمارا ایک آباد ترین علاقہ "کھجوری" آفریدیوں کے ہاتھ سے نکل کر دشمن کے قبضہ میں جا چکا ہے اور ہم دن رات ہوائی حملوں کے اپنی زندگی گذارتے ہیں النگ برزنگ کا درہ اور کوہئی۔ نذر تلینہ۔ پڑاتگ نغر۔ یوتچی۔ اتسغر۔ پلیئے۔ نارنج۔ پاتغ۔ بوندی

Marfat.com

جوڑی اور پنجگہ ام کی لبنیاں اتمان خیل کے علاقہ میں ہوائی حملوں سے بے نام و نشان ہو چکی ہیں۔ بیشمار آدمی، خوردسال بچے۔ عورتیں، بوڑھے اور گھروں کا سامان، گندم، جو اور چاول کے ذخیرے برباد ہو چکے ہیں۔

اسی طرح ہندوستان کی غم شریکی کی وجہ سے اقوام حسن زائی، اکازائی اور جعفرزائی اپنے وطن کے آدھے علاقے سے محروم ہو چکے ہیں اور ان کے علاقہ کو میاں گل والیٔ سوات کے تصرف کے تحت دیدیا گیا ہے۔

لہٰذا ہم سرحدی لوگ ان مسائل میں جو کہ مستقبل قریب یا بعید میں سرحد آزاد پر اثر انداز ہو سکتے ہیں حقدار ہیں کہ اپنے خیالات اور جذبات کو ہندوستانی اقوام تک صاف صاف پہنچا دیں۔ پس ہم ہندی مسلمان بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے بزرگوں کی بے شمار اور بے حساب قربانیوں کو جیسے کہ سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد صاحب بریلوی، حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید، مولانا ولایت علی، عنایت علی عظیم آبادی، مولانا نصیر الدین دہلوی، سید مقصود علی، سید لیاقت علی الہ آبادی، شاہ ظفر دہلوی، بخت بلند خاں، نواب عبدالرحمان خاں جھجھروی، مولوی محمد جعفر خاں انبالوی) ضائع نہ کریں اور ہندی تحریک خلافت کے مجاہدات، شیخ الہند محمود الحسن کی عرق ریزیوں اور ان کے شاگردوں اور پیروؤں کی فداکاریوں کو برباد نہ کریں جو کہ پورے ہندوستان میں سرگرم کار اور عمل میں ساعی ہیں اور سرحدی اقوام کی قربانیوں مثلاً اخوند صاحب عبدالغفور علیہ الرحمۃ المعروف بہ اخوند صاحب صوات سیدو، مولانا عبداللہ صاحب اور حافظ عبدالکریم صاحب جہانگیر ہندی کے شہزادے، فقیر ایپی کی سرتوڑ کوششوں اور سادات ستھانہ اور خانان اگرور گوہر علی خاں و ہاشم علی خاں رئیسان حسن زائی اور برادر خاں تاہ کوٹی اور اخونزادہ ملا نجم الدین صاحب المعروف بہ ملا صاحب ہڈہ علیہ الرحمۃ، صوفی صاحب پیش لولاک، اخونزادہ پائندہ محمد خاں رئیس اقوام وزیر و داوڑ، غازی عمرا خاں، ملا صاحب بابڑہ، خلیل اخونزادہ جھنڈی، غزن خاں اروجی کی محنتوں اور اقوام مسعود و تیراہ و آفریدی و جھنڈو یا جوڑ و یوسف زائی و اتمان خیل و اقوام کوہ سیاہ و امیر نعمت اللہ صاحب شہید اور حاجی صاحب

ترنگزائی اور سید جلال الدین فقیر صاحب علینگا اور جمعیت مجاہدین ہند اور جمعیت احرار صوبہ سرحد آزاد کی قربانیوں کو تحریکات ملی سے علیحدہ ہو کر بے اثر اور بے نتیجہ نہ بنا دیں اور اپنی بے اتفاقی سے دشمن کو موقع نہ دیں کہ اپنی حکومت کو زیادہ مستحکم کرلے اور آئندہ ہندی مسلمانوں کی اولاد کی گردنوں میں بھی اپنی غلامی اور عبودیت کا رسہ ڈال سکے

ہندو قوم کو نصیحت

(۵) اسی طرح ہم ہندو بھائیوں کو بھی نصیحت کرتے ہیں کہ اگر وہ حقیقتاً تہ دل سے ہند کی آزادی کے خواہشمند ہیں اور ان کا مقصد فی الواقع ہندوستان کی کامل آزادی ہے تو ان کو چاہیے کہ اپنی اقلیتوں کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھیں جو کہ ان کے لیے شک، تردد اور نفرت کا موجب نہ ہو بلکہ ہر ممکن تدبیر سے ان کی تسلی کریں مثلاً ہندوستانی مسلمانوں کو ان کی خواہش کے مطابق جداگانہ انتخاب، نماز اور شعائر اسلام کے دوسرے مسائل میں پوری طرح اختیار دیدیں اور ان کے مذہب کا احترام کریں تاکہ وہ بھی ہندو مذہب کا احترام کرسکیں اور اسی طرح قرضہ کے مسئلہ میں اصل رقم پر قناعت کریں اور سود معاف کردیں اور کسی مسلمان اور دوسرے قوموں کو جو ہندوستان میں آباد ہیں اچھوت اور ناپاک نہ سمجھیں کہ یہ ہندو قوم کی پیشانی پر نہایت بدترین داغ ہے۔

باقی ہم سرحدی مسلمانوں کی ہمدردیوں کو اپنے ساتھ جانیں اور ہم کو اپنا رفیق و غم شریک سمجھیں۔ فقط

قبائل سرحد کے رئیسوں کے دستخط اور مہروں کے ساتھ شائع ہوا۔

Marfat.com

ضمیمہ نمبر ۳

مخصوص برائے مطالعہ

(۱) ہز میجسٹی اعلیٰ حضرت **شاہ غازی صاحب**

(۲) ہز ایکسیلینسی والا حضرت **صدر اعظم صاحب**

(۳) ہز ایکسیلینسی والا حضرت **وزیر جنگ**

سرحد مشرق بعید و وسطیٰ کے حالات جو دولت اسلام افغانستان کی توجہ کے قابل ہیں اس طرح ہیں

(۱)

چملہ و بونیر کے علاقہ میں برطانوی استعمار کی بنیاد کیا ہے ؟

گڑو پہاڑ کے اوپر جو کہ چملہ کے علاقہ کو بونیر کے علاقہ سے جدا کرتا ہے اور جنگی نقطۂ نگاہ سے بہت اہمیت رکھتا ہے اور یہاں ۱۸۶۴ء میں مشہور سپہ سالار افواج ہند لارڈ سر چیمبر لین جنگ امبیلہ کے دوران زخمی ہوا تھا اور ہندوستانی فوجیں شکست کھا کر پسپا ہوئی تھیں، میاں گل والیٔ صوات کی اجازت اور مشورہ سے برطانوی حکومت نے ایک جنگی قلعہ اور چند ایک رہائشی بنگلے تیار کر رکھے ہیں گویا کہ آزاد علاقہ میں اس نے اپنے استعمار کی بنیاد قانونی طور پر رکھ لی ہے اور سمت مشرقی کے تمام سرحدی علاقہ کو جو کہ دریائے اباسین کے اس پار سے لے کر حدود افغانستان تک ہے تسخیر اور الحاق کے لیے تیار کر دیا ہے انگریز ابتداء میں ہندوستان، چین اور دوسرے ایشیائی اور افریقی ممالک میں اسی طرح داخل ہوتے رہے ہیں اور بالآخر انہوں نے مذکورہ بر اعظموں کے تمام ممالک پر قبضہ اور تصرف

Marfat.com

حاصل کرلیا - کل کو یہاں بھی تسخیر اور الحاق کے لیے سینکڑوں، ہزاروں بہانے پیدا کیے جا سکتے ہیں -

(۲)

ریاست سوات سے ہجرت کی تحریک

بذریعہ مکتوب جمادی الاول ۱۳۵۰ھ میں نے اپنی حکومت کو اطلاع دی تھی کہ ریاست سوات کے قوانین کی سختی سے اہالیان سرحد پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا ہے اور ان کی عیش مکدر اور تلخ ہے - اسی لیے میاں گل والیٔ سوات کے خلاف ہر خاص و عام کے دل میں ایک عام ہیجان اور فوق العادت نفرت پیدا ہو چکی ہے - خاص الخاص آدمی بھی اپنے وطن مالوف اور آبائی میراث کو چھوڑ کر ہجرت کر کے ہمسایہ قوموں میں پناہ گزین ہو رہے ہیں - اس سلسلہ میں تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ مغربی سوات کے قریباً سولہ رئیس خاندان ریاست مذکورہ سے تنگ آ کر مورخہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ کو ریاست دیر میں آ کر پناہ گزین ہو گئے ہیں - تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل نقشہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

سوات سے نئے آنے والے مہاجرین کا نقشہ

نمبر شمار	مہاجرین کے سرگروہ کا نام	قومیت	مقام سکونت	ضروری کوائف
۱	تاج محمد خاں	خادو خیل	ارکوٹ	مورخہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ کو نئے
۲	یار حسن خاں	"	"	مہاجرین کی جماعت نے ریاست دیر میں
۳	خان محمد خاں	"	شوک ڈری	پناہ حاصل کی - نواب دیر نے ان لوگوں
۴	حبیب خاں	"	خربیڑی	کی نہایت خاطر مدارات کی اور ہر ایک
۵	غمے خاں	"	گہڑی	کی اس کے مرتبہ اور مقام کے مطابق عزت
۶	جعفر خاں	"	"	افزائی کی - اور ان کی تالیف قلب کے لیے
۷	سلو خاں	"	"	بہت مبالغہ کیا - رؤسائے سوات کے

Marfat.com

۹	شریف خاں	شامیزئی	برنانہ	اس فرار اور ہجرت سے والیے صوات بید متاثر ہے
۱۰	شیر دل خاں		لنڈی	اور خوف اس کے ضمیر کا دامنگیر ہے سرحدی مقامات
۱۱	فردوس خاں	پنکی خیل	دیولی	پہ نئے استحکامات کی تعمیر اور زیادہ سے زیادہ سامان
۱۲	لالی خاں		لالی گرام	جنگ جمع کرنے میں مصروف اور ساعی ہے اور صلوات

و دیر اور باجوڑ کی فضا خطرات جنگ کے بادلوں سے روز بروز تاریک اور مکدر ہوتی جارہی ہے۔

(۳)

نواب دیر کے ارادے

ان نئے مہاجرین کی جماعت کے پہنچنے کے ساتھ ہی نواب دیر نے تمام نئے اور پرانے پناہ گزینوں کے رؤسا کو ان میں سے سب سے بڑے رئیس محمد رسول خاں نامی کی سر کردگی میں مع خوشحال خاں۔ حبیب خاں اور امیر خاں کے اپنے پاس بلایا اور مورخہ ۲۵ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۰ھ کو ایک خاص مجلس منعقد کی اور ان آدمیوں کو ترغیب دلائی کہ میرے ہمراہ چل کر پولٹیکل ایجنٹ ملاکنڈ کے روبرو بالاتفاق بیان دو کہ

نواب دیر کی تلقینات کا خلاصہ

ہم اکابر و رؤسائے موجودہ صوات ہیں اور ہمارے بزرگ ریاست صوات کی موجودہ تشکیل سے پہلے نواب دیر ہی کے تابع فرمان تھے۔ ہم مسلمانان سرحد کی بد قسمتی سے ایک سنڈیکیٹ نے ہم کو نواب مذکور کی حکومت سے الگ کر کے میاں گل کے ہاتھ میں دے دیا مسمی مذکور نے ہماری جان ومال و آبرو پہ طرح طرح کے مظالم اور ستم ڈھانے شروع کیئے اور ہمارے لیے زندگی کے میدان کو اس حد تک تنگ کر دیا کہ ہم ترک وطن پہ مجبور ہو گئے۔ اور نواب دیر کے دامن میں پناہ حاصل کی اور اس سے ہم نے استغاثہ اور فریاد کی ہے اور یہی استغاثہ اور فریاد ہم بحضور سرکار پولیٹیکل ایجنٹ صاحب بہادر نے کر آئے ہیں اور ہم سب عرض گذار ہیں کہ سرکار دولت مدار اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر

Marfat.com

فی الفور ہم کو از راہ عدالت پروری و آئین جہاں داری اپنے علاقہ میں بھیجے اور اس علاقہ کو میاں گل کی حکومت سے علیحدہ کر کے بدستور سابق نواب صاحب دیر کے علاقہ میں داخل کر دے کیونکہ ہم کو میاں گل کے مظالم برداشت کرنے کی بالکل طاقت نہیں ہے۔ اگر سرکار دولت مدار نے ہماری فریاد کو انصاف کے کانوں سے نہ سنا تو ہم سعدی علیہ الرحمۃ کے قول کے مطابق کہ گُرْبَہ مَغْلُوب یَصُوْلُ عَلَی الْکَلْبِ (تنگ آکر مجبور بلّی بھی کبھی کتّے پر حملہ کر دیتی ہے) اگرچہ ہم لوگ عاجز ہیں لیکن مجبور ہو کہ ہم اپنی قسمت آزمائی کے لیے بندوق اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

ضمیمہ نمبر ۴

مکتوب بخدمت گرامی مشفقاں و مہربانان

(۱) رموز سیاسیات کے بہترین ماہر، عالی قدر، جلالت مآب - جناب محمد نواز خاں صاحب سیکرٹری شاہ افغانستان -

(۲) عالی قدر - جلالت مآب، سیاسیات عالم کے نقاد جناب محمد شاہ خاں صاحب صدر شعبہ اطلاعات و نشریات -

(۳) سیاسیات کے نبض شناس، مزاج شناس عالم عالی ہمت جناب نور محمد خاں صاحب صدر شعبہ قبائل سرحد

میرے مہربانو!

رسالہ "تصویر مستقبل قریب در آئینہ تحریکات جدید"[1] کا باب اول و دوم اعلیٰ حضرت شاہ غازی اور والاحضرت صدر اعظم صاحب اور والاحضرت وزیر جنگ صاحب کے مطالعہ کے لیے اس مکتوب کے ہمراہ مندرجہ بالا مہربانوں کی معرفت ارسال کر رہا ہوں - زہے عزوشرف اگر اس رسالہ کو اعلیٰ حضرت اور والاحضرت کی خدمت میں پہنچا دیا جائے -

اس رسالہ کی حقیقت

یہ رسالہ صحیح معلومات اور چشم دید واقعات کا ایک نہایت اعلیٰ مجموعہ ہے جو کہ اس خادم دین و دولت اسلام کی دو ماہ کی مسلسل زحمت کشی، پیادہ پائی اور کوہ نوردی کا نتیجہ ہے - میں نے اس پر اپنی طرف سے کوئی رائے زنی اور کوئی تبصرہ نہیں کیا - نتائج

[1] یہ رسالہ دوسرے حصہ مکتوبات میں آرہا ہے -

Marfat.com

کا اخذ کرنا اور مسائل کا استنباط ان ماہرین رموز سیاسیات کی صائب رائے پر چھوڑ دیا ہے
میں نے صرف اس مجموعہ معلومات اور تصویر تحریکات کو آپ کے سامنے پیش کرنے پر ہی
کفایت کی ہے۔ آپ پہلے اس کو خود گہری نگاہ سے مطالعہ فرمائیں اور بعد ازاں ہز میجسٹی
اور ہز ایکسیلینسی کے مطالعہ میں لائیں جو کہ دین کے سورج اور تحریکات سرحدی کے سرپرست
ہیں میں آپ کا نہایت ممنون و مشکور رہوں گا۔ مجھ بندۂ خدا کی اس خدمت کا معاوضہ
صرف یہی کافی ہے کہ اس کو خود بھی مطالعہ فرمائیں اور بعد ازاں ان حضرات کے مطالعہ
میں لائیں جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی معاوضہ نہیں
ہے۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ والدعاء الی اللہ۔

ابو سعید فضل الٰہی غفی عنہ بقلم خود۔ مورخہ ۹ ۴/۵۰

Marfat.com

ضمیمہ نمبر ۵

پناہ گزینان صوات کے دل کی آواز

مہاجرین صوات بظاہر تو ہر بات پر ہاں صاحب! ہاں صاحب! کہتے جاتے ہیں لیکن دل میں حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کا ورد کرتے ہیں ؎

شنیدم گوسپندے را بزرگے   رہانید از دہان و دست گرگے
شبانگہ کارد بر حلقش بمالید   روان گوسفند از وے بنالید
کہ از چنگال گرگم در ربودی !   چوں دیدم عاقبت خود گرگ بودی

حقیقت امر یہ ہے کہ یہ لوگ نہایت ہوشیار اور آزمودہ کار ہیں۔ ان لوگوں نے حکومت دیر کو سالہا سال آزمایا اور اس سے اپنی جان کو صدہا نفوس کی قربانی اور بے حساب مالی اخراجات کے بعد سنڈاکئی ملا صاحب علیہ الرحمۃ کی کوشش سے ریاست مذکور کے ظلم وستم سے آزاد کرایا تھا۔ اگرچہ موجودہ حکومت دیر پہلے کی نسبت بہت بہتر ہے اور مشرق و مغرب کا فرق رکھتی ہے لیکن پھر بھی یہ لوگ دل سے نہیں چاہتے کہ ایک بھیڑیئے کے پنجے سے آزاد ہو کر دیدہ و دانستہ دوسرے بھیڑیئے کے منہ میں چلے جائیں۔ ان میں سے اکثر لوگ یہی چاہتے ہیں کہ کسی صورت، کسی حیلے اور کسی ذریعے سے اپنی مشکلات میں ہماری حکومت افغانستان کی طرف مدد اور مشورہ کے لیے رجوع کریں۔

نواب دیر کا مقصد

ریاست مذکورہ کے بعض اکابرین کی زبان سے مجھ کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ نواب دیر آج کل ہی میں ان کو اپنے ہمراہ لے کر پولیٹیکل ایجنٹ ملاکنڈ کے پاس جانے والا

Marfat.com

ہے ۔ اگر اس کا مقصد اس جگہ پورا ہو گیا تو فبہا ورنہ وہ وائسرائے ہند کے پاس بھی جائے گا اور اپنے گوہر مراد کو تلاش کرے گا اور دونوں جگہ اگر ناکامی ہوئی تو آخری حیلہ کے طور پر تلوار اور بندوق سے بھی ضرور قسمت آزمائی کرے گا۔

دیر و باجوڑ

مورخہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ کو جہر کا ایک جرگہ رئیس جہر کے بھائی کاؤس خان نامی کی سرکردگی میں نواب دیر کے پاس گیا اور خانم لشہد سالارزائی اور بابو قرہ کے مسائل کے سلسلے میں اس سے مدد مانگی ۔ چونکہ اس قسم کی امداد حاجی عالم زیب خاں سابق خان جندول سے علیحدگی اور قطع تعلقی پر موقوف اور مشروط تھی ۔ لہذا حاجی صاحب موصوف کو جہر کے علاقہ سے خارج کر دیا گیا ۔ چنانچہ حاجی صاحب موصوف مورخہ یکم جمادی الاول ۱۳۵۰ھ کو "جہر" کی بستی سے ہجرت کے ارادہ سے نکلے اور آزاد علاقہ شموزائی کی بستی ڈبگئی میں آ کر مقیم ہو گئے ۔ اس کی حالت نہایت قابل رحم ہے ۔ نواب دیر نے اپنے اقرار و معاہدہ کے مطابق میدانی اور جندولی آدمیوں کو اجازت دیدی کہ باجوڑ جا کر جہر کی حمایت میں خان لشہد سے جنگ کریں ۔ ابھی تک کوئی حرکت ظہور میں نہیں ۔ ماموند اور چہارمنگ کی اقوام بھی خان لشہد کی حمایت کے لیے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں ۔ اور اس مقصد کے لیے وہ اپنے قومی جرگہ کو بلانا چاہتے ہیں فقط والدعاء

فقیر الی اللہ ابو سعید فضل الٰہی عفی عنہ مورخہ ۳ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ

فصل

وزیرستان

جانے کے وجوہات پر حضرت صاحب کا بیان

آپ چونکہ حکومت افغانستان کے مخلص خیرخواہ اور بغیر کسی لالچ کے خیرخواہی فرماتے اس سے متاثر ہو کر حکومت افغانستان کی طرف سے یہ چٹھی بھیجی گئی جس کا جواب آپ نے ارشاد فرمایا۔ نیز انگریز چاہتا تھا کہ کسی طرح مولانا صاحب واپس آجائیں اور جو سرحدی علاقہ میں تحریک آزادی جاری ہے وہ بند ہو جائے کیونکہ انگریز سمجھتا تھا کہ تمام سرحدی لوگ انہیں کی ترغیب سے جہاد کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اس لیے وہ حضرت صاحب کو آزاد سرحد سے واپس بلا لینا چاہتا تھا یا بصورت دیگر افغانستان بھجوا دینا چاہتا تھا اسی لیے افغان حکومت نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ آپ کابل چلے آئیں لیکن حضرت صاحب اس پر آمادہ نہ ہوتے تھے ان حالات میں افغان حکومت کے استفسار پر آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ یہ مکتوب ۱۹۳۶ء/۱۹۳۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔

خالد گھر جاکھی

Marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نقل مطابق اصل

فضائل ہمراہ مولوی فضل الٰہی!

مندرجہ ذیل چند باتیں برادرانہ اور مشفقانہ طور پر آپ سے ہم پوچھنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ

فضائل مآب!

اگرچہ آپ کی شخصیت، فراست، دیانت اور حقیقی اسلام کی خادمیت میں مشہور ہے اور سب کے نزدیک ایک روشن آفتاب کی طرح مسلّم ہے اور سب آدمی آپ کو جانتے ہیں اور زمانہ ماضی میں بھی آپ کی طرف سے دوستی اور خیر سگالی کی معلومات ہم تک پہنچی ہیں لیکن اس قدر کہا جاتا ہے کہ سرحد چمرکند سے سرحد وزیرستان سمت جنوبی میں آپ کے آجانے کا سبب کیا ہے؟ آپ کس نقطۂ نظر سے اس طرف آئے اور پھر انہی ایام میں آپ کا دن رات کی مشقت اور تکلیف اٹھا کر پہاڑوں اور جنگلوں میں سراسیمہ اور مضطرب ہو کر پھرنا کبھی ایک گاؤں میں اور کبھی دوسرے گاؤں میں حالانکہ آپ کے بال سفید ہو چکے ہیں اور جسم نہایت نحیف و نزار ہے آپ کی اس شبانہ روز محنت کا سبب عالم اسلام کو فائدہ پہنچانا ہے یا آپ کا اپنا کوئی ذاتی فائدہ ہے آپ ہم کو مفصل لکھیں تاکہ ہمارے ذہن میں کچھ چیز بیٹھ سکے ورنہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ ایک دوسری قسم کا موضوع ہے کہ میں برطانیہ کے ظلم کے ہاتھ سے اپنے اصلی وطن اور مقام سے جدا ہو کر اس جگہ آگیا ہوں اور اپنے آپ کو لشکر اسلام مجاہدین میں شامل کرکے چاہتا ہوں کہ عالم بشریت، اسلام اور خلیفۃ المجاہدین حضرت حاجی صاحب مبارک کی عنی المنقذ در خدمت کروں اور اپنے آپ کو ایک شخص ہمدرد، خیر خواہ، صادق اور بادیانت مسلمانوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں کا آپ کہتے ہیں۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہوگا۔ ہم بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں لیکن ہم کچھ متردّد ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ حکومت برطانیہ کی تحریک کے سبب دوسرے دین فروشوں اور ان لوگوں کی طرح جنہوں نے اس راہ میں مدعائے

نفس کو اپنا مقصود دبنا رکھا ہے اور ان کا مقصد اہل اسلام کی تنگیی اور بربادی ہے شاید آپ بھی ہوں اور اس صورت میں آپ جیسی باکمال شخصیت سے وہ کونسا نقصان اور تکلیف ہے جو ہم کو نہیں پہنچ سکتا ؟ افغانستان کی مقدس حکومت جو کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کی صحیح معنوں میں حقیقی خدمتگار ہے اور تمام عالم اسلام کی خیر خواہی کرتی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اسی کا احسان ہے اس کا پاک وجدان نہیں چاہتا کہ کوئی بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ گوؤں میں سے بغیر کسی سبب کے افسردگی، ذلت اور پریشانی کی دنیا میں گرفتار رہے اور دوسروں کے طعنوں اور فلاکت کی حالت میں مبتلا رہے اور اس کی زندگی تلخی میں گذر جائے۔ کیا حکومت افغانستان آپ کے باپ دادا کا گھر ہے؟

جب بھی آپ اپنی خواہش یا کام سے آنے کا ارادہ کر دگے اور اپنے آپ کو دل کی گہرائیوں اور سچے دل سے اس علاقہ کے خدمتگاروں کا ایک فرد سمجھو گے تو یقیناً انصاف پرور حکومت اپنی بے اندازہ رحمتوں، بخششوں اور مہربانیوں سے جو کہ کسی آدمی سے اٹھا نہیں رکھی جاتیں آپ کے لیے بھی ایک ہمیشہ کی معاش کا اندازہ اور کچھ زمین یا آپ کی حالت اور شان کے لائق جو وظیفہ ہو گا اس سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔

میرا صرف اتنا ہی مقصد تھا جو کہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ میں خواہشمند ہوں کہ اصلی صورت حال سے واقف ہو جاؤں آپ سچے سچے اور صحیح صحیح حالات اسی کاغذ کی پشت پر تحریر کر دیں تاکہ ان سے نتائج اخذ کر کے آپ کے لیے کسی ذریعہ معاش کی سفارش کر سکوں اور حکومت کو پوری طرح رپورٹ دے کر مطمئن کر سکوں۔

دستخط شہ باز خاں معادن ریاست قبائل مورخہ ۴ رحمل ۱۳۱۷ سنہ

نوٹ: نیچے مہر بھی لگی ہوئی ہو گی۔ کیونکہ وہ لفافہ جس میں یہ چھٹی آئی تھی اس پر لگی ہوئی تھی جو کہ اسی چھٹی کے ساتھ نتھی کیا ہوا تھا۔

Marfat.com

جواب با صواب

نمبر ۔ ۱۳۵

از مقام شینکئی، غورشتی ارگز شمالی وزیرستان

مورخہ ۸ رماہ صفر ۱۳۵۸؁ مطابق ۳ر مارچ ۱۹۳۹؁ء

ع۔ش۔ جناب شیر باز خاں معاون ریاست قبائل کو میں ہمعصروں میں سے ہمیشہ سربلند اور کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔

جناب کا مکتوب جو کہ آپ کی صحت مندی اور اظہار ہمدردی اور مجھ خیر اندیش دولت کے متعلق حسن ارادت کے مضامین پر مشتمل تھا پہنچا اور اس نے مجھ کو آپ کے اخلاق کا بہت گرویدہ بنا دیا

آپ نے اس راہ نوازش جو کچھ میری سیاحت اور اس علاقہ میں سرگردانی کی غرض کے متعلق استفسار فرمایا ہے پہلے اس سے کہ میں اس کا جواب لکھوں اس علاقہ کی مکدر فضا کے تحت میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس پہلی فرصت میں میں جناب کی خدمت میں اپنے سیاسی عقائد کی پوری پوری تشریح کر دوں اور آپ کو مطلع کر دوں تا کہ مستقبل ہمیشہ صاف رہے۔

میرے سیاسی عقائد کی تشریح

(۱) میرے پیش نظر ہمیشہ ملت اسلام کے عمومی مفاد کی حمایت اور دولت افغانستان اور قبائل سرحد ہندوستان کے مشترکہ مقاصد رہے ہیں اور ہیں، میری تمام حرکات و سکنات کو انہی اغراض و مقاصد کے تحت تصور فرمایا جائے۔

(۲) ان تحریکات کے مہلک نتائج کے مشاہدہ کی بنا پر جو کہ سرحد سمت مشرقی (مہمند باجوڑ، یوسف زائی) میں بعض روحانی مشائخ کی سرپرستی میں وقتاً فوقتاً تشکیل پاتی رہی ہیں میں اس نقطہ پر پہنچا ہوں کہ جب تک برطانیہ کی حکومت کسی عالمگیر جنگ میں مبتلا نہیں ہو جاتی سرحدی قبائل کو اسکی لشکری قوت سے متصادم کرنا سراسر اسلام اور قبائل کی تباہی کا موجب ہے چنانچہ میں اسی عقیدہ کے ماتحت قبائل کو ہمیشہ اس مبارک وقت کے انتظار

Marfat.com

کی تلقین کرتا رہتا ہوں اور اپنی تمام دماغی، زبانی اور قلمی طاقت کو اسی ایک نقطہ پر وقف کر چکا ہوں اور اسی پر رکھتا ہوں تاکہ قبائل کی منتشر قوت جلد از جلد اتحاد ملی کے رشتہ میں منظم ہو کر ایک طویل محاذ کو وزیرستان سے لے کر کوہ ابا سین تک تیار کر سکے اور آپس کے جنگ و جدال اور اقدامات خارجی سے اس خاص وقت تک اپنی طاقت کو محفوظ رکھ کر زیادہ سے زیادہ سامان جنگ کو اکٹھا کر کے ذخیرہ کرتی جائے تاکہ اصلاح اور تنظیم داخلی میں انہماک کی برکت سے دولت افغانستان کے گرداگرد ایک پر امن و امان فضا قائم کی جا سکے اور وہ پوری فراغت قلبی سے اپنی داخلی تعمیر کے لیے فرصت یاب ہو سکے اور کسی عالمگیر جنگ کے ظہور کے وقت اپنی متحدہ فوجی طاقت اور سامان جنگ کے ذخائر کے ذریعہ دولت افغانستان کی سرپرستی میں اپنے لیے اور ملت مظلومہ ہندوستان کے لیے سیاسی فوائد اور اقتصادی منافع کو زیادہ سے زیادہ فراہم کر سکے۔

(۳) بین الاقوامی اور شرعی اصول کے مطابق، افغانی قبائل کی سرپرستی کا خواہ وہ سرحد آزاد میں ہوں یا برطانیہ کے محفوظ علاقہ صوبہ سرحد پشاور میں آباد ہوں سوائے حکومت افغانستان کے کوئی بھی حقدار نہیں ہے۔ قبائل کے علاقہ پر پولیٹیکل ایجنسیوں کے ذریعہ برطانیہ کا اقتدار اور صوبہ سرحد پشاور پر اس کا قبضہ خلاف منشائے فطرت اور بین الاقوامی قوانین کے منافی ہے۔ کیونکہ خود دولت برطانیہ نے جنگ عظیم ۱۹۱۴ء ۱۹۱۸ء کے خاتمہ کے بعد مسٹر ولسن صدر جمہوریہ امریکہ کی صدارت میں اس امر کو تسلیم کیا تھا اور اس کے مطابق ایک نیا نقشہ یورپین قوموں اور حکومتوں کے لیے تیار کیا گیا تھا اور ممالک کو قوموار قرار دیا گیا تھا۔ لہذا معاہدہ ڈیورینڈ کی تنسیخ قبائل سرحد اور دولت افغانستان پر مساویانہ طریقہ سے واجب اور ضروری ہے اور افغانستان کے ساتھ صوبہ سرحد پشاور اور قبائلی علاقہ کا متحدہ جمہوریت کے اصول کے مطابق الحاق نہایت لازمی ہے اس طریقہ پر کہ ہر صوبہ اپنے داخلی امور میں آزاد اور اپنی خارجہ پالیسی مثلاً مسائل جنگ و صلح تمام قوت مرکزی افغانستان کے ہاتھ میں رہنے چاہئیں اور موجودہ افغانستان کی حکومت کو "دولت متحدہ ملیہ جمہوریہ افغانستان" کا نام دینا چاہیئے اور اسی نام سے اس کو مشہور کیا جائے۔

Marfat.com

پس جو آدمی ان مقدس مقاصد میں کوشش کرے گا وہ اللہ تعالےٰ کے پاس بھی اور لوگوں کے نزدیک بھی تحسین اور قدر کا مستحق ہے اور ہر وہ شخص جو اس فریضۂ اسلامیہ کی ادائیگی اور اس وظیفۂ ملی کی بجا آوری میں غفلت اور سستی اختیار کرے گا یا دولت برطانیہ کے ساتھ اشتراک عمل کر کے تحریک آزادئ قبائل اور صوبہ سرحد کو پیچیدہ اور لاینحل کرے گا تو یہی لوگ مستحق ملامت اور محل خطاب و عتاب میں خدا تعالےٰ کے حضور میں بھی اور قومی عدالت میں بھی اس سے خدا کی پناہ۔

(۴) چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کو برطانیہ کی حکمت عملی نے اس حد تک ضعیف اور کمزور کر دیا ہے کہ وہ اپنی آزادی کے حاصل کرنے میں مستقبل قریب یا بعید میں چنداں قابل اطمینان امکانات نہیں رکھتے۔ ان کی مشکلات کے حل ہونے کا بغیر کسی خارجی امداد کے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے مطابق ہندوستان کے طول و عرض پر کانگریس کی حکومت غالب آ چکی ہے اور ہندو قوم کو مکمل طور پر مختار اور مطلق العنان بنا دیا گیا ہے کہ بغیر کسی مسئولیت کے اپنی خواہش کے مطابق اقلیت ملت اسلامیہ پر حکمرانی کرے۔ چنانچہ اس نئے دستور کی نحوست کی وجہ سے ملت اسلامیہ کے مذہبی اور قومی شعار، زبان، تہذیب، جان، مال، آبرو و غرض کوئی چیز بھی آج ہندوستان میں محفوظ نہیں ہے اور خطر عظیم کے معرض اور محل میں آ چکی ہے ان کے لیے کوئی بھی فریاد اور داد خواہی کی جگہ باقی نہیں رہی ہے۔ اب انکی حالت گندم کے اس دانہ جیسی ہے جو چکی کے دو پاٹوں کے درمیان گرفتار اور بند ہو کہ چکی کی تھوڑی سی حرکت بھی اس کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گی اور اس کا اصلی رنگ اس سے فوراً کافور ہو جائے گا۔ اوپر کے پاٹ سے انگریز مراد ہے اور نیچے کے پاٹ سے ہندو قوم کی نئی حکومت ہے کہ دونوں ملت اسلامیہ ہندوستان کی پامالی اور تباہی کے لیے بجائے خود و برنگ خود علیحدہ علیحدہ کوشش کر رہے ہیں اور ان کے لیے اس زمانہ میں سوائے دولت اسلامیہ افغانستان کے

ؔ چونکہ یہ مضمون اس وقت کا ہے جبکہ ابھی پاکستان کا نام اور شکل بھی سامنے نہ آیا تھا اس لیے آزاد سرحد کی ریاست کو افغانستان کی زیر سرپرستی کی شکل میں دکھایا گیا تھا ۱۲

Marfat.com

کوئی بھی لپشت پناہ اور امن کی جگہ باقی نہیں رہی ہے۔ لہٰذا مسلمانان ہندوستان میں سے ہر ایک فرد مجبور ہے کہ اپنی جان و مال سے دولت افغانستان کی اس درجہ امداد کرے کہ وہ اپنے وجود میں اتنی طاقت اور قوت پیدا کرسکے کہ دولت افغانستان ان کی تمام مشکلات کے حل میں اور دوسری مشرقی اقوام کی مصیبتوں کو دور کرنے میں اکیلی کفیل ہوسکے۔

(۵) چونکہ اشتراکیت کے الحاد کا سیلاب دولت بولشویک کی طرف سے اس کی مادی اور لشکری طاقت کے ماتحت مشرق کی طرف بجلی کی سی تیزی کے ساتھ رواں ہے (۲) چونکہ ہندوستان اور دولت روس کے درمیان صرف دولت افغانستان ہی اس قیامت نما سیلاب کے سامنے بمنزلہ ایک سدّ سکندری کے حائل ہے۔ لہٰذا اگر خدانخواستہ اس دیوار میں کسی وجہ سے تھوڑا سا بھی ضعف ظاہر ہوا تو یقیناً مذکورہ بالا الحاد کا سیلاب قبائل افغانستان اور سرحد کو خس و خاشاک کی طرح سامنے رکھ کر ہندوستان کے مسلمانوں کو اس طرح صفحۂ ہستی سے محو کر دے گا جیسے کہ مسلمانان بخارا و خیوہ اور قفقاز کو ختم کر گیا ہے۔ لہٰذا دولت افغانستان کی خیر خواہی اور اس افغانی دیوار کا تحفظ اور استحکام جس طرح آج ہر فرزند افغانی پر اسلام کے اہم فرائض میں سے ایک فرض ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر مسلمانان ہندوستان پر فرض ہے۔

مذکورہ بالا پنجگانہ عقائد کا تقاضا کیا ہے؟

ان پنجگانہ عقائد کا مقتضا جو کہ اوپر واضح کیے گئے ہیں مندرجہ ذیل بیان کے مطابق ہے اصل یہ کہ:۔ مجھ بندۂ خدا کو بحیثیت ایک ہندی مسلمان کے اور بلحاظ ایک باشندہ علاقۂ سرحدی کے چاہیئے کہ ہمیشہ دولت افغانستان کے حامیوں اور اعلیٰ حضرت المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ خان کی سلطنت کے قصر کے معماروں اور اس اسلام کی دیوار کی حفاظت کرنے والوں کی پہلی صف میں رہوں۔

خدا تعالیٰ کا احسان ہے اور اسی کی تعریف ہے کہ میں جتنا بھی اپنی زندگی کے ماضی کے واقعات میں نظر کرتا ہوں اپنے عملنامہ کو بدخواہی کے شبہات کی گندگی اور ادنیٰ ترین اتہام

گناہ کے ارتکاب کی آلودگی سے خواہ وہ دولت افغانستان کے مصالح کے متعلق ہو اور خواہ قبائل یاغستان کے مقاصد اور خواہ ہندوستان کے مقاصد کے برخلاف ہو بالکل پاک وصاف اور بے داغ دیکھتا ہوں۔ موجودہ حکومت افغانستان کے تمام ذمہ دار حضرات (خود اعلیٰ حضرت اور والاحضرت صدارت عظمیٰ اور وزارت جنگ اور حکومت اعلیٰ) علیحدہ علیحدہ کئی دفعہ اس حقیقت کا اعتراف کر چکے ہیں اور میرے ناقص خیال میں والیان حکومت کے تصدیقی سرٹیفکیٹوں کا جتنا ذخیرہ مجھ بندۂ خدا کے پاس ہے غالباً اتنا ذخیرہ کسی بھی سرحدی باشندہ کے پاس نہ ہوگا۔ پھر بھی میں آپ کے اطمینان کے لیے دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ جب تک میرے جسم کی رگوں میں زندگی کا خون دورہ کرتا رہے گا۔ اس صحیح راستے سے جدا ہونے کو بمنزلہ کفر اختیار کرنے اور بمنزلہ اپنی ذات کی خودکشی کر لینے اور بمنزلہ تمام ملت مظلومہ ہند کی ہلاکت اور بربادی کے سمجھتا رہوں گا۔ خداوند برحق اس قسم کے قومی گناہوں کے ارتکاب سے مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی حفاظت میں نگاہ رکھے آمین ثم آمین

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ اٰمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

اس حقیقت کی شرح کے لیے ایک بڑا دفتر درکار ہے۔ اس تنگ بنیاد کاغذ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس رکن دولت اسلام کی خدمت میں دولت افغانستان اور قبائل سرحد اور ملت اسلامیہ ہندیہ کی خدمات کی تفصیل اور توضیح کروں۔ صداقت اور حقیقت کی یہی آفتاب نما روشنی ہے جو کہ دشمنوں کی آنکھ کو چمگادڑ کی طرح بری لگتی ہے۔ میرے ہم عصروں نے از راہ رقابت وعداوت کئی بار کوشش کی ہے اور کر رہے ہیں کہ یہ صداقت چھپ جائے لیکن حق حق ہے اور باطل باطل۔ ہر وہ آدمی جس کے سر کی آنکھیں رشد ازلی کے سرمہ سے منور ہیں اور ہر وہ آدمی جس کے عقل کا باغ عنایت لم یزلی کی ہواؤں سے معطر ہے اس قسم کے اندھیروں میں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (سورۃ البقرہ)

دوسرا یہ ہے کہ:- یہ بچگانہ عقاید رکھتے ہوئے کیوں میں اس ضعف اور بڑھاپے کی

Marfat.com

عالت میں اور سفید ریشی کے حال میں اس دور دراز علاقہ میں آیا ہوں اور کیوں میں نے موجودہ جنگ وزیرستان میں اشتراک عمل کی جرأت کی؟ حالانکہ یہ حقیقت مجھ کو بھی اچھی طرح معلوم تھی کہ درہ خیبر اور درہ کرم کو عبور کرتے وقت ہر قدم پہ گرفتاری کا اندیشہ موجود تھا اور گرفتاری کی صورت میں سوائے پھانسی کی سزا کے میرے لیے اور کسی سزا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ میں انقلاب ہند کی سازش کے مقدمہ میں جو کہ جنگ استقلال افغانستان کی حمایت میں ہندوستان کے طول و عرض میں میری سرپرستی میں شروع کی گئی تھی ایک مفرور مجرم تھا اور اس مقدمہ میں میرے ساتھیوں میں سے پندرہ آدمیوں کی جو کہ انگریزوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے تھے ساری جائداد بحق سرکار ضبط ہو چکی تھی اور ہر ایک کو ان میں سے ستائیس سال سے لیکر دس سال تک قید با مشقت کی سزا دی گئی تھی اور اس راہ دور و دراز میں کئی ایک فلک بوس پہاڑ حائل تھے کہ ان کا عبور کرنا اور ان سے پیادہ پا گذرنا میرے بڑھاپے کے لحاظ سے آسان نہ تھا۔

جواب باصواب

میں جواباً عرض گذار ہوں کہ:-

مہمند یوں کی جنگ معاہدۂ ۱۹۳۵ء اکتوبر کے مطابق ابھی تازہ تازہ بدحالی اور بدفالی کی صورت میں ختم ہوئی تھی کیونکہ وادی گنداب مع کوہ تنھی انگریزوں کے ہاتھ میں چلی گئی اور مہمندستان، باجوڑ اور اضلاع سمت مشرقی افغانستان (کنڑ۔ کاو۔ لالپورہ) کے تمام علاقے دشمن کی تیز چھری کے نیچے آ گئے۔ اور استقلال دولت افغانستان معرض تزلزل و اضطراب میں آ گیا تھا۔ یہ زخم ابھی مندمل بھی نہ ہوا تھا کہ اچانک ہی چند روز بعد یعنی ماہ نومبر ۱۹۳۵ء میں وزیرستان کی جنگ کا غلغلہ دنیا کے کانوں میں پہنچ گیا۔ محبان وطن کو سرحد کے تمام مقامات میں وزیرستان کے مستقبل سے مایوس اور لرزہ براندام کر گیا۔

Marfat.com

پیغام عام از طرف حضرت حاجی صاحب آئی۔پی بنام قبائل سرحدی

کچھ مدت کے بعد حاجی صاحب موصوف کی طرف سے ایک محمد الدین نامی آدمی آفریدی قوم میں سے ایک دعوت نامہ لے کر پہنچا جو ہندستان میں جنگ کی ترغیب کے مضمون پر مشتمل تھا۔ میرے خیال میں مسمی مذکور تمام معتبر اور کام کے آدمیوں کو ملا اور اس تحریک کی شمولیت اور تائید کے لیے ترغیب اور تحریص کی میں خود ان دنوں میں موسمی امراض کی کئی طرح کی بیماریوں میں مبتلا تھا۔

حضرت حاجی صاحب ممدوح کے نام خیر خواہانہ پیام

جہاد مہندیہ کے مہلک نتائج کو زیر نظر رکھتے ہوئے میں نے اس وقت اس دعوت نامہ کو کچھ قابل التفات نہ سمجھا بلکہ قاصد مذکور کو مہندیہ کے حالات کی تمثال دے کر ڈرایا اور سمجھایا کہ جناب حاجی صاحب اور قوم وزیر کو اس اقدام سے بہر تدبیر منع کرے اور میری طرف سے یہ مؤدبانہ تحریری پیغام حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچا دے میں نے لکھا تھا کہ۔

کسی عالمگیر جنگ سے پہلے برطانیہ کے ساتھ جنگ وجدال کی اس قسم کی تحریک بمنزلہ خودکشی کے ہے اور عالمگیر جنگ آجکل ہی میں شروع ہونے والی ہے۔ چاہیئے کہ اس مبارک وقت کے انتظار میں چند روز تک اس تحریک کو معرض التوا میں ڈال دیں اور یہ چیز بھی مدنظر رکھنے کے قابل ہے کہ ایک نومسلمہ عورت کی حمایت میں اگرچہ تمام ملت اسلامیہ مکلف ہے کہ مال وجان کی ہر طرح کی قربانی سے اس کو کفار کے ہاتھ سے چھڑائے لیکن موجودہ وقت اس قسم کے اقدام کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اس وقت صرف ایک عورت ہی کا مسئلہ درپیش نہیں ہے بلکہ تمام عالم اسلام کی زندگی موت کا سوال درپیش ہے کہ وہ ملت اسلام کی خواہش کے مطابق حل ہو جائے۔ کروڑہا مسلمان ملک بخارا، خیوہ، فرغانہ اور قفقازیہ میں بولشویک کے ہاتھوں نعمت اسلام سے محروم ہو چکے ہیں

Marfat.com

اور اسی طرح ہزاروں کلمہ گو ہندوستان میں آگرہ، دہلی، گوڑگانواں کے گرد و نواح میں پنڈت شردھانند کی تحریک کے تحت مذہب اسلام سے مرتد کیے جا چکے ہیں۔ لیکن کسی کو بھی ناموافق حالات کی بنا پر ان کی حمایت میں اس قدر بھی جرأت نہیں ہوئی کہ زبانی ہی صدائے احتجاج بلند کی جا سکتی چہ جائے کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر جان بازی اور جان گیری کے میدان میں قدم رکھتا اور آپ کے سامنے ایک ہندو عورت کا مسئلہ ہے جس نے کہ محض عاشقی معشوقی کے سلسلہ میں اسلام کو قبول کیا ہے نہ کہ بوجہ بصیرت علمی اور وجدان باطنی کے پس انجام شناسی اور ملت پروری کا تقاضا یہ ہے کہ نو مسلمہ عورت کے مسئلہ کو اتنی اہمیت نہ دی جائے کہ وزیرستان کی تمام سرحد کو ایک طاقتور دشمن کے مقابل میں لایا جائے اور اس کی آزادی کو خطرہ اور ہلاکت کے معرض میں لا کر ڈال دیا جائے اور ہم کو چاہیئے کہ حمندیہ کے مہلک انجام سے عبرت حاصل کریں اور اس خطرناک اقدام سے پرحذر اور محتاط رہیں اور دیدہ دانستہ وزیرستان کو دار الاسلام کی شرافت سے محروم کر کے دار الکفر کی ذلت میں مبتلا نہ کریں ورنہ اس عظیم تباہی اور بربادی کی جوابدہی اور مسئولیت کا بوجھ قیامت کے دن اس آدمی کے کندھوں پر ہوگا جو کہ قوم اور وطن کو اس ہلاکت میں ڈالے گا۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ

چند روز بعد جب مجھے صحت حاصل ہوئی اور ہندوستان کے اردو اور انگریزی اخبار کا ذخیرہ دیکھا اور بغور مطالعہ کیا اور خود سرکاری اخبارات کو بھی وزیرستان کی تحریک کی روز افزوں کامیابی پر ہم آواز پایا اور جرمنی اور چیکوسلواکیہ کے اختلافات اور سپین وغیرہ کی خانہ جنگی کی بنا پر عالمگیر جنگ کو بھی انہوں نے قریب الوقوع بیان کیا۔ تو میرے پہلے خیالات میں انقلاب رونما ہوا اور اس نے مجھ کو تحریک کی کہ جس طرح بھی ہو سکے وزیرستان کی تحریک کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہیئے اور اگر کچھ امکان ہو تو ہندوستان کی مشکل کشائی میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

Marfat.com

میں اسی حیص بیص میں تھا کہ اچانک جناب حاجی صاحب موصوف کی طرف سے ایک دوسرا قاصد جو کہ میرے ساتھ جالندھر (پنجاب) کی جیل میں جنگ عظیم کے زمانہ میں ۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک قید رہ چکا تھا اور میرے شاگردوں میں سے تھا۔ ان کا ایک خاص مکتوب میرے نام پر لے کر آگیا اور وزیرستان کے تمام گذشتہ اور موجودہ کوائف سے مجھ کو مطلع کیا۔ چونکہ وہ میرے پرانے دوستوں میں سے تھا اور نہایت قابل اعتماد تھا۔ لہذا اس کے بیانات سے مجھ کو بڑی پردلی اور حوصلہ افزائی ہوئی۔

وزیرستان کیطرف کوچ

اس سے پہلے میں خود بھی بہت مدت سے اس سفر کی تیاری میں تھا۔ حضرت حاجی صاحب کے دعوت نامہ کو ایک نیک فال اور سعادت کی علامت سمجھتے ہوئے میں نے بغیر کسی مزید تاخیر کے زادراہ اکٹھا کیا اور ایک قابل اعتماد محافظ ہمراہ لے کر بغیر کسی کو اپنے دوستوں اور ہم وطنوں میں سے اپنا راز بتائے فقیری اور گمنامی کی حالت میں رات ہی رات کو اپنی جگہ سے کوچ کیا اور چالیس روز کی منزلیں طے کرنے کے بعد بفضل خداوندی صحیح وسلامت حدود وزیرستان میں جمعیت مجاہدین مرکز شینکئی علاقہ سپین دم میں داخل ہو گیا۔ لیکن میری بدقسمتی کہ میرے پہنچنے سے چند روز پہلے اس تحریک کا قائد اعظم یعنے حضرت حاجی صاحب کسی گمنام جگہ میں گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ میرے آنے کی اطلاع پاکر انہوں نے حکم فرمایا۔

" چونکہ میری ملاقات کسی آدمی سے بھی ان نازک اوقات میں ملت کے مصالح عمومی کے لیے مفید نہیں ہے۔ لہذا میرے دوسری دفعہ ظاہر ہونے تک انتظار ضروری ہے میں اپنی موجودہ مشکلات کو اس وقت ظاہر نہیں کر سکتا امید ہے کہ اس تکلیف کو میری خاطر اور جہاد کے اعلی مقاصد کی خاطر آپ نہایت خندہ پیشانی اور خوشی سے قبول فرمائیں گے"۔

Marfat.com

وزیرستان کی سرحد کے مختلف مقامات کی سیاحت

حضرت حاجی صاحب کے ارشاد کے مطابق میں خلیفۃ المجاہدین ملا صاحب غازی جان کے پاس معطل ہو کر رہ گیا۔ مسمّی مذکور نے میری خاطر تواضع اور عزت افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ میں نے اس توقف کو اپنے لئے ایک رحمت الٰہی شمار کیا۔ کیونکہ مجھ کو اس اثنا میں کافی فرصت میسّر آگئی اور اس تحریک کے تمام پہلوؤں پر پوری طرح سوچ بچار کرنے کا موقعہ مل گیا کہ مستقبل کے لیے کسی صحیح لائحہ عمل کو علی وجہ البصیرت تیار کر سکوں میں ایک ماہ سے زیادہ جمعیت مذکورہ کے ساتھ رہا۔ دن رات وفد پر وفد چلے آ رہے تھے اور وزیرستان کی ہر قوم اور ہر قبیلہ کے آدمی یہاں پہنچ رہے تھے اور میں ان کے سفید ریشوں کے ساتھ تبادلہ خیالات کرتا رہا۔ اور ان سے ہر طرح کی معلومات فراہم کرتا رہا۔ میں نے زیادہ ٹھہرنے کو تضیع اوقات سمجھتے ہوئے خلیفہ صاحب مذکور سے اجازت مانگی کہ مجھ کو شمالی و جنوبی وزیرستان کے تمام جنگی اور تاریخی مقامات کی سیاحت کے لیے پوری پوری امداد مہیا کریں۔

میں خلیفہ صاحب کی امداد کے ساتھ مزمعوک مقام تک پہنچا اور پھر اس جگہ سے مداخیل کے علاقہ کو ایک حد تک دیکھا اور اس دوران میں میں نے بعض کام کے آدمیوں اور صاحب علم و فضل لوگوں سے ملاقات کی اور پھر اچانک ہی موسم خزاں کے اثر سے میں بیمار ہو گیا۔ ابھی میں پوری طرح صحت یاب بھی نہ ہوا تھا کہ میں نے رمضان شریف کا استقبال کیا۔ یہ مبارک مہینہ اپنے ہمراہ انتہائی سردی، بارش اور برف باری کا پیغام بھی لایا اس وجہ سے میری سیاحت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ خلیفہ صاحب موصوف نے مجھ کو ترغیب دی کہ میں واپس ان کے پاس پہنچ جاؤں اور سردی کے موسم کو کچھ آرام اور ایک دوسرے کی ہمدردی سے گذار لوں میں واپس چلا آیا اور ابھی تک انہی کے ہمراہ ہوں اور دن رات تحریک جہاد کو مضبوط کرنے کا شغل رکھتا ہوں فالحمدللہ۔

Marfat.com

موجودہ تحریک کے متعلق میری تحقیق کا نتیجہ

ان معلومات کی بنا پر جو مجھ کو اس اثنا میں مختلف مقامی ذرائع اور انگریزی اور ہندوستانی اخبارات کے مطالعہ سے حاصل ہوئیں ہیں مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچا ہوں۔

(۱) اول یہ کہ اس تحریک کا بانی جامع الصفات قائدین میں سے ہے جو کہ ملت کی منتشر طاقتوں کو وحدت قومی کے شیرازہ میں لا کر ایک ضعیف اور نحیف قوم کو پستی اور ذلت کی گہرائیوں سے نکال کر حیات اجتماعی کے بلند کنگروں اور شوکت شاہی کے محل کے چھت پر نہایت آسانی سے پہنچا سکتا ہے۔

(۲) اور اس کی ملکوتی قوت اس درجہ بلند ہے کہ اپنی تمام حرکات و سکنات میں سوائے مولا کی رضا اور اسلام کے غلبہ اور قوم کی بہبود کے اور کوئی چیز مطلوب ہی نہیں ہے اور ان تمام ملی مہمات کو چلانے کے لیے اس کے پاس توکل علی اللہ اور عزم صادق اور نیت خالص کے علاوہ اور کوئی سرمایہ نہیں ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ :- یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ملت کے افراد اس تین سال سے زائد کی مدت میں دن رات کی بمباری کی شدت سے جاں بلب دیکھے جاتے ہیں اور سخت ناکہ بندیوں کی وجہ سے زندگی کا میدان ہر قوم اور ہر قبیلہ پر محدود اور تنگ ہو چکا ہے اور کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ سختیوں اور مصیبتوں کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا اور اس کا کیا انجام ہوگا۔ لیکن جناب حاجی صاحب کی محبت اور ہمدردی ان کے دل میں اس قدر غالب اور مستولی ہو چکی ہے کہ ان تکالیف کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ اور بجائے اس کے کہ جناب ممدوح کی طرف سے کوئی حرف شکایت اور کوئی گلہ گذاری زبان پر لائیں ہر آدمی ان کی قصیدہ خوانی اور ثناگوئی میں رطب اللسان ہے اور ان کے ایک ادنی اشارہ پر اپنی جان کو قربان کر دینا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے اور اس میدان میں ہر ایک آدمی سبقت کا گیند لے جانے کی کوشش کر رہا ہے اس قدر فداکاری اور جاں نثاری کے مناظر دنیا نے کسی بھی سرحدی روحانی پیشوا کے لیے آج تک نہ تو سنے تھے اور نہ دیکھے تھے اور نہ سرحد کی تاریخ میں اس قسم

Marfat.com

کی کوئی مثال ملتی ہے۔

اس تحریک کے طول کھینچنے کے وجوہات اور کامیابی کے آثار

(۱) اس دلی اطاعت اور حقیقی ایثار ہی کا نتیجہ ہے کہ وزیرستان کی قوم باوجود نہایت بے سروسامانی کے ایک ایسے مہیب دشمن کے مقابلہ میں کہ جس کے مقابلہ پر ایک مدبر ترین جرمنی جیسی حکومت اور ترکوں جیسی دنیا کی شجاع ترین قوم باوجود ہر قسم کا سامان رکھنے کے بھی بمشکل تین سال تک اپنے پائے ثبات کو قائم نہ رکھ سکے۔ نہ صرف یہ کہ وہ غیر مغلوبانہ طریقہ سے لڑ رہے ہیں بلکہ ابتدا سے لیکر اس وقت تک اس مقدس تحریک کو "تحریک آزادی وطن" کے نام سے نہایت آب و تاب سے جاری رکھا ہوا ہے۔

(۲) اس تحریک کو وزیرستان کے تمام قبائل کی ہمدردی حاصل ہے اگرچہ ان میں سے بعض صلح کی حالت میں ہیں اور لڑ نہیں رہے ہیں۔

(۳) اس تحریک کی باگ ڈور لائق ترین آدمیوں کے ہاتھ میں ہے کہ ہر ایک ان میں سے صاحب علم، صاحب قلم اور ملکی اور شاہی فنون جنگ سے باخبر ہے اور بذات خود وطن کی آزادی کا مدعی ہے۔

(۴) جنگ کا طریق کار گانفد (سپین) قوم اور مرہٹہ قوم (ہندوستان) کے اصولوں پر جاری ہے (جسکو آجکل گوریلا کہتے ہیں)

(۵) یہ تحریک آہستہ آہستہ ترقی کر رہی ہے اور قریب ہے کہ وزیرستان کی حدود سے نکل کر بلوچستان اور تیراہ کو بھی اپنے دامن میں لے لے۔

اس کی ترقی کی رفتار حسب خواہش جاری ہے آج دشمن کی فوجیں ہر جگہ پر قلعہ بند اور محصور ہیں ان کو سامان خورد و نوش ہوائی جہازوں کے ذریعہ پہنچایا جا رہا ہے۔ تمام سڑکیں اور پل اور درمیانی برج احرار کے ہاتھوں مسمار اور برباد ہو چکے ہیں۔ فوجی مراکز کے درمیان اطلاعات کے تمام ذرائع مثلاً ٹیلیفون اور تار وغیرہ ختم ہو چکے ہیں اور اب سوائے وائرلیس کے کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔

Marfat.com

اکثر لشکری استحکامات (قلعے وغیرہ) خصوصاً سپین دم کے علاقہ میں آج احرار کے ہاتھ میں دیکھے جاتے ہیں۔ اس قسم کی فوق العادت کامیابی دیکھ کر اسباب پرست دانشمندوں کے حیرت کے پاؤں مٹی میں دیکھے جاتے ہیں اور جہان کے سائنس پرور سیاستدان حضرات کے تعجب کی ہاتھ دل پہ پائے جاتے ہیں۔ میں جو ان حالات کا چشم دید گواہ ہوں اپنے بیان کی تصدیق کے لیے انگلستان کے ہوائی محکمہ کے ایک شذرہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جو کہ سول اینڈ ملٹری گزٹ بابت ۲ر فروری ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۱۷ پر شائع ہوا تھا (اس شذرہ میں جو ایک ہوائی جہاز کے تباہ ہونے کی اطلاع بھی دی گئی ہے وہ طیارہ مسعودی قوم کے ایک مجاہد کی گولی کھا کر گرا تھا اس میں ایک افسر بھی تھا جو اسی گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔ یہ مجاہد مذکور جناب حاجی صاحب کی طرف سے خلیفہ شیر علی خاں صاحب کے پاس جا رہا تھا کہ راستہ میں یہ واقعہ پیش آگیا۔)

ندیک کی فوجیں درہ شکتو اور غلیسورہ میں محصور ہو چکی ہیں اور اکثر فوجی بمباری کی شدت اور مجاہدین ربانی کی گولیوں سے ہلاک اور برباد ہو چکے ہیں

اگر جناب حاجی صاحب کی دتہ خیل کے حملہ میں بعض عاقبت ناشناس لوگوں کی جلدبازی کی وجہ سے تدابیر ناکام نہ ہو جاتیں تو یقیناً آج کم از کم شمالی وزیرستان تو انگریزی فوجوں سے خالی ہو چکا ہوتا۔ اور جمعیت احرار کے زیر تصرف ہوتا۔ اسباب جنگی کے ذرائع کے فقدان کے باوجود اس فوق العادت کامیابی کو محض آسمانی تائیدات اور قدرت ربانی کا ایک کرشمہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے اور تو کوئی صورت نہیں ہے۔ میں خدا کے بندہ نے سرحد آزاد میں بہت سے روحانی پیشواؤں کو دیکھا ہے لیکن اس قسم کی تائید غیبی کسی کے بھی شامل حال نہ تو کبھی میں نے دیکھی ہے نہ سنی ہے جیسی کہ حاجی صاحب کے شامل حال ہے حالانکہ بعض مشائخ کو دولت اسلامیہ کی طرف سے بے دریغ امداد حاصل تھی اس کے باوجود کامیابی اور ظفر مندی کا چہرہ دیکھنا ان کو نصیب نہ ہوا۔ بلکہ اکثر مقامات پر جو کہ وطن کی شاہ رگ ہیں دشمن قابض ہے اور قوم کی آزادی پہلے سے بھی زیادہ ہلاکت کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے "عیاں را چہ بیاں" تحریک وزیرستان کا انجام کس نقطہ پر ختم ہوگا یہ صرف خداوند

عالم الغیب کو معلوم ہے لیکن جہاں تک آثار اور قرائن کا تعلق ہے وہ تمام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انجام بخیر ہے اور میدان احرار کے ہاتھ میں آنے والا ہے اور دشمن اس وطن سے خائب وخاسر آج ہی کل میں رخصت ہونے والا ہے واللہ اعلم۔

حضرت حاجی صاحب کے سیاسی مقاصد

اگرچہ میں ابھی تک حاجی صاحب کی ملاقات سے مشرف نہیں ہوا ہوں۔ لیکن اس اثناء میں ان کے بڑے بھائی جناب مولانا محمد شیر زمان خان نامی اور ان کے دیگر نامدار خلفاء سے کئی ایک ملاقاتیں کر چکا ہوں۔ ان معلومات سے جو ان حضرات سے اس باب میں میں نے اکٹھی کی ہیں حضرت حاجی صاحب موصوف کے مقاصد کو مندرجہ ذیل کے مطابق بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اسلام کا کلمہ اور افغان قوم کی عزت اور ناموس جہاں میں بلند و بالا ہو جائے۔

(۲) نہ صرف یہ کہ وزیرستان بلکہ یاغستان کا تمام علاقہ بدبخت کافروں کے ہاتھ سے آزاد ہو جائے۔

(۳) حصول آزادی کے بعد کم از کم وزیرستان کا علاقہ مرکزِ افغانستان کابل کی سرپرستی میں موجودہ وقت کی جمہوریت کے اصولوں کے ماتحت لایا جائے اور یاغستان کے باقی حصوں میں بھی بتدریج اسی مثال کو قائم کیا جائے۔

(۴) اس کے بعد صوبہ سرحد پشاور کو بھی خواہ کتنی ہی جانی اور مالی قربانی ادا کرنی پڑے ہندوستان کے ملک سے الگ کر کے اس کو بھی مرکز کابل کے زیر سایہ انہی مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق یا کسی اور طریق سے جو کہ وقت کے مناسب ہو رکھا جائے اور ایک حکومت "متحدہ ملیہ افغانیہ" کی بنیاد رکھی جائے۔

(۵) قبائل سرحد اور خصوصاً وزیرستان اس وقت تک حکومت برطانیہ کے برخلاف مصروف جنگ رہیں جب تک کہ حکومت برطانیہ یا حکومت برطانیہ کا کوئی ایجنٹ جو کہ وقتاً فوقتاً اس علاقہ میں انسان کی صورت میں شیطان ظاہر ہو کر قبائل کو دولت افغانستان کے برخلاف

Marfat.com

استعمال نہ کر سکیں اور افغانستان ان شیطانوں کی جماعت سے محفوظ ہو کر پوری فراغت سے اپنی داخلی تعمیر کو سرانجام دے سکے۔

(۶) قبائل وزیر اور مسعود جو کہ سینکڑوں سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں اور ہمیشہ آپس کی خانہ جنگی میں مصروف رہتے ہیں اشتراک عمل کی برکت سے اس آزادی وطن کی تحریک میں ایک دوسرے کے بھائی۔ ہمدرد۔ ہمسایہ اور رفیق زندگی ہو کر قرن اولی عرب کی مواخات کا نمونہ بن جائیں اور اسی طرح احمد اور اتمان زئی قبائل بھی ایکدوسرے کے ساتھ شیر و شکر بن کر گذارہ کریں اور برادرانہ زندگی پر فائز ہو جائیں۔

(۷) ملت ہندوستان اور ملت عرب فلسطین دونوں اپنی آزادی میں وزیرستان کی تحریک سے فائدہ اٹھائیں۔

حکومت افغانستان کو جناب حاجی صاحب کے وجود گرامی سے قیمتی فوائد

یہ محض اس خداوند قدوس کے الطاف بے غایات سے تھا کہ اس نازک دور میں کہ وزیرستان کے عوام کے دلوں میں کیا بڑے اور کیا چھوٹے ایک بغض اور منافرت فوق العادت کا جذبہ برطانیہ کی فریب کاریوں سے اشتعال کی حالت میں روز بروز بڑھ رہا تھا اور قریب تھا کہ دولت اسلام کو جنوبی سمت سے اپنی آغوش میں لے کر اور داخلی عناصر کے ساتھ مل کر پھر وطن عزیز کو خانہ جنگی اور انقلاب خانماں سوز کی مصیبت میں گرفتار کر دیتا اور تمام ذخائر حرب و ضرب و جنگ و جدال اور حکومت کے خزانوں اور دفینوں کو ہلاک اور برباد کر ڈالتا۔ خداوند برحق نے اپنے ازلی لطف سے جو کہ خاندان شاہ شہید نادری اور ملت افغانیہ کے شامل حال تھا۔ وزیرستان کے علاقہ میں ایک مرد صالح، مجسمہ اخلاق محمدی اور پیکر حب الوطنی اور افغانی غیرت کی تصویر کو ظہور بخشا کہ جس نے اپنی شخصی جذب و کشش کی قوت سے قبائل کے تمام پراگندہ عناصر کو وحدت قومی کے مرکز پر مربوط اور مضبوط کر کے ان کے مشتعل جذبات کو افغانستان کی طرف سے پھیر کر ان کو دولت

برطانیہ کی طرف منتقل کر دیا اور افغانستان کو اس عظیم ہلاکت اور تباہی سے محفوظ کر لیا اور برطانوی ساز شوں کا اس طرح انسداد کیا کہ پھر اس سرزمین میں کوئی دین کا دشمن جرأت نہ کر سکے گا کہ اپنے آپ کو برطانوی اغراض کا آلہ کار بنا کر کسی تور ملنگ یا ایک ملنگ یا پیر شامی کے لباس میں مبعوث کر کے عوام کو گمراہ کر سکے میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ اس آخری دور میں اگر دولت افغانستان پیر شامی کی قیامت نما تحریک کے صدمات کے سیلاب سے محفوظ رہی ہے اور کروڑہا روپیہ نقد او سامان جنگ و جدال کے بے بہا ذخیرے اور ہزارہا قیمتی نفوس خانہ جنگی کی مصیبت میں گرفتار اور برباد نہیں ہوئے تو یہ محض حضرت حاجی صاحب ممدوح کی حسن توجہ کی برکت تھی اور بس۔ اراکین دولت افغانستان اس حقیقت کا اقرار کریں یا نہ کریں مگر یہ ایک صداقت اور حقیقت ہے کہ جس کا اعتراف دوست تو دوست ہے دشمن نے بھی کیا ہے اور کوئی آدمی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

نہایت تعجب اور حیرت کا مقام

نہایت تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ دولت حاضرہ نے حضرت حاجی صاحب کی ذات گرامی، عمیم الاحسان اور جمیل المناقب کو جیسے پہچاننے کا حق تھا اس کو نہیں پہچانا اور اس کی بے غرضانہ خدمات کی کوئی قدر اور تحسین نہیں کی ہے اور اس وقت تک اس کی مقدس تحریک کی حمایت میں جو کہ آزادی وطن اور تقویت دولت افغانستان بالحاق وزیرستان تحاک سلطنت اسلام سے عبارت ہے کسی اخلاقی اور مادی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا ہے اور اگر کسی ذریعہ سے کیا ہو جو کہ مجھ نووارد کو معلوم نہ ہو سکی ہو تو یہ دوسری چیز ہے۔ اس صورت میں میں معذرت خواہ ہوں اللہ آپ کو اس کی بہترین جزا دنیا اور آخرت میں عطا فرمائے۔

باایں ہمہ بطور خود بغیر کسی کے اشارہ اور ایماء کے توجہات اعلیٰ حضرت اور والا حضرت صدارت عظمیٰ اور وزارت حربیہ اور وزارت خارجہ کو اس مکتوب کے ذریعہ اس تحریک

اور اس تحریک کے بانی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اور محض بغرض خیر خواہی دولت افغانستان اور خاندان شاہی نہایت ادب اور اخلاص قلب کے جوش اور شدت سے کہتا ہوں کہ۔

آج نہایت ادنیٰ توجہ اور تھوڑی سی زحمت کے اس ولی اللہ مستجاب الدعوات مقبول بارگاہ احدیت مآب یعنی جناب حضرت حاجی صاحب کی دلی دوستی اور ہمیشہ کی دعا ہمیشہ اور دوام تک کے لیے دولت اسلام کو حاصل ہو سکتی ہے اور اگر یہ تحریک محض اس کی روحانیت کی برکت اور اس کے توکل علی اللہ کی قوت سے بغیر کسی خارجی امداد کے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے تو ہماری حکومت اور شاہی خاندان اس نادر اور عجیب موقع کے تلف اور ضائع کرنے پر ہمیشہ کے لیے کف افسوس اور دست تاسف ملے گی اور اپنی اس سیاسی غلطی پر آخری سانس تک خون جگر پئے گی اور اگر دولت کے ذمہ دار افراد کو بین الاقوامی معاہدہ کا احترام اس مقصد کے راستہ میں حائل ہو اور وہ خدانخواستہ اپنی ضمیر کو احترام و لحاظ احکام شرعی کی طرف سے ملامت زدہ سمجھیں تو میں عرض گذار ہوں کہ احترام معاہدہ اگر فریق ثانی ملحوظ نہ رکھے تو دوسرا فریق بھی اگر معاہدہ کی شرائط کی رعایت نہ رکھے تو وہ خدا تعالیٰ اور اس کے نزدیک ہرگز ہرگز مستحق ملامت نہیں ہوگا۔

معاہدۂ برطانیہ

معاہدہ کا احترام دولت اسلام کے ذمہ اس وقت تک لازم اور واجب ہے کہ حکومت برطانیہ بھی اپنے معاہدہ کی شرائط کی پابندی کرے اور اگر دولت برطانیہ تمام مراعات اور ملحوظات معاہدۂ افغانستان کو ہمیشہ پیٹھ پیچھے پھینک کر دن رات افغانستان کی بربادی اور خرابی میں خفیہ اور علانیہ کوشاں اور ساعی رہتی ہے کیا ہماری حکومت اس چیز کا انکار کر سکتی ہے کہ حکومت انگریزی نے بذریعہ لورنس دیک ملنگ اور پیر شامی کے انقلاب افغانستان کے لیے اور پھر بذریعہ تو ادہی شورش سلیمان خیل کیا کیا ناپاک کوششیں کی ہیں اور پھر اس آخری دور میں بذریعہ تجدید تحریک پیر شامی کیا کیا غم و اندوہ کے دروازے شاہی خاندان پر اور ارکین دولت و ملت پر کھولنے چاہے اور جب تک اس کا منحوس قدم وزیرستان

Marfat.com

کے علاقہ میں موجود ہے اس قسم کی تحریکات اور عملیات سے وہ باز آنے والا نہیں ہے۔ ابتدائے عہد نادری سے لے کر اس وقت تک اس شیطان کے باپ نے افغانستان کے معاہدہ کا کبھی لحاظ نہ کیا اور اس کے بعد ہم اس سے کیا امید اور کیا طمع رکھ سکتے ہیں اس تقریر اور تحریر سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ مندرجہ ذیل قرآنی آیات بینات کی رو سے ہماری حکومت کے ذمہ برطانیہ کا معاہدہ کسی لحاظ اور احترام کا مستحق نہیں ہے یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ وطن کی فضا اور ماحول اس قسم کے عملیات کے لیے موافق اور سازگار نہ ہو اور ہماری حکومت اس وجہ سے اس مقدس تحریک کی سرپرستی کسی وجہ سے روا نہ رکھ سکے یہ خود میں بھی تو یہ نہیں کہتا کہ معاہدہ کو علانیہ توڑ ڈالا جائے حاشا و کلا میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تحریک حاضرہ کی ضرور بالضرور بر خفیہ طریقہ سے امداد مثلاً کارتوس وغیرہ دینے سے کی جائے یا خارجی حکومتوں کے سفیروں سے جو کہ آجکل دولت برطانیہ کی بربادی اور تباہی میں دل کی گہرائیوں سے دلچسپی اور شوق بلیغ رکھتے ہیں جیسا کہ حکومت جرمنی، حکومت اٹلی، حکومت جاپان حکومت ترکیہ اور مصر وغیرہ اس باب میں امداد کرائی جائے۔ یا کم از کم مذکورہ حکومتوں کو اس امر پر متفق کر لیا جائے کہ سفارتی اور بین الاقوامی قوانین کے زور سے اور اس فیصلہ کے ذریعہ جو حکومت برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر میکڈانلڈ کی سرپرستی میں دنیا کی تمام حکومتوں کے اتفاق رائے سے طے پایا تھا اس معاہدہ کو قبائل سرحد کے سر پر آسمانی گولہ باری اور بمباری سے منسوخ قرار دیا جائے قبائل کی دوستی اور حضرت حاجی صاحب موصوف کی دعا حاصل کرنے کے لیے یہی ایک خدمت کافی ہے اور اگر ہماری عزیز حکومت موجودہ حالت میں بدستور سابق بمباری اور قبائل کی مظلومیت کا تماشہ دیکھتی رہے گی اور ہمدردی اور غم شریکی کا کوئی اظہار نہ کرے گی تو میں نہیں کہہ سکتا کہ قبائل کے اشتعال خوردہ جذبات حکومت کے خلاف کس صورت میں ظاہر ہوں گے؟ یہ الفاظ ایک حکومت کے حقیقی خیر خواہ کے قلم سے ضبط تحریر میں آرہے ہیں کہ جس کے پیش نظر ہمیشہ دولت اسلامیہ کی حمایت اور عالم اسلام کے عام مصالح رہتے ہیں۔ آج الحمد للہ میں نے خیر خواہی کا فریضہ ادا کر دیا اور دن رات میں دولت افغانستان کے استقلال کے بقا اور اس کی ترقی اور سربلندی کے لیے دعا میں مشغول

Marfat.com

دیتا ہوں۔ قرآنی آیات کی شرح یہ ہے۔

(۱) وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ ...... فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ (سورہ توبہ رکوع ۲/۸)

(۲) أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ ...... وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (سورہ توبہ ۲/۸ع)

(۳) إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (سورہ توبہ ع ۱/۸)

(۴) كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ .... فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ الآیۃ (سورہ توبہ ع ۲/۸)

(۵) إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ (سورہ انفال ع ۷/۸)

(۶) وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ۔ (انفال ع ۷/۸)

خلاصہ یہ ہے کہ :-

کتاب الٰہی کی باطل پاش آیات بینات کی روشنی میں برطانیہ کی حکومت کوئی حق نہیں رکھتی کہ حکومت افغانستان اس کے معاہدہ کا احترام کرے اور برطانیہ کی حکومت کے دشمنوں کو معاہدہ کے احترام کی وجہ سے کسی قسم کی امداد نہ دے۔ ہماری حکومت اگر دولت اسلام کے ایک حقیقی دوست اور حکومت برطانیہ کے ایک سچے اور مخلص دشمن کو جیسا کہ جناب حاجی صاحب کی ذات گرامی ہے اگر خفیہ یا علانیہ طور پر امداد دے تو خدا کے نزدیک اور رسول کے نزدیک اور اپنی ضمیر کے نزدیک اور جہان کی تمام حکومتوں اور قوموں کے نزدیک کسی ملامت اور خطاب اور عتاب کی مستحق نہیں ہے بلکہ اس کا یہ فعل قانون اسلام کے

Marfat.com

منشاء کے مطابق اور خداوند دوجہاں کی رضامندی کا سبب اور حضرت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہے وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

تحریک وزیرستان کی کامیابی اور ناکامی کے نتائج

اگر حقیقی مسبب الاسباب نے اس تحریک کو اپنی غیبی تائیدات سے جیسا کہ قرائن اور آثار دلالت کر رہے ہیں بغیر کسی خارجی امداد کے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں خود بخود کامیاب کر دیا تو اس کی یہ کامیابی تمام ملت افغانیہ کی عزت اور فوق العادت نیک نامی کا باعث ہو گی اور ملت افغانیہ کی اس درجہ کی بین الاقوامی شہرت حاصل ہو گی کہ تمام جہان کی حکومتیں اور قومیں اس پر غبطہ اور رشک کریں گی اور اس کے اقبال کا آفتاب تمام دنیا پر مشرق سے لے کر مغرب تک چمکے گا۔ کہ جس کے لیے کبھی بھی غروب کا احتمال نہیں ہو گا اور کیا تعجب ہے کہ اس کا اکیلا وجود ہی تمام اقوام کو مشکلات اور کرۂ ارض کی تمام مشکلات کو حل کرنے والا قرار دیا جائے اور خداوند تعالےٰ کے ارشاد (كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ) کے معانی پھر ایک بار جیسا کہ عرب قوم کے ہاتھ سے تصدیق ہوئے تھے زمانہ کے اس دور میں ملت افغانستان کے ہاتھ سے تصدیق کر قرن اولیٰ کی یاد کو تازہ کر دے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ اور چونکہ شاہ افغانستان بھی قیس عبد الرشید رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک عالی نسب کا مالک ہے لہذا خود بخود اس کو اور اس کی سلطنت کو اخلاقی فوائد اور بے اندازہ سیاسی منافع مل جائیں گے اتنے کہ ظاہری طور پر عقل کو وہاں تک رسائی ہی نہیں ہے اور چونکہ حاجی صاحب اور ان کے خلفاء نہ دل سے دولت حاضرہ کے خیر خواہ ہیں لہذا یقیناً ان کی کامیابی علیٰ حکومت افغانستان کی کامیابی ہو گی۔

ناکامی کی صورت میں نقصان

اور اگر خدا نخواستہ کسی وجہ سے یہ تحریک بھی انہی نتائج سے دوچار ہو گئی جن سے

تحریک مہمندیہ ۱۹۳۵ء میں دوچار ہوگئی تھی تو پھر بیان سے بھی زیادہ نقصانات اس کو برداشت کرنے پڑیں گے کہ جن کا کوئی علاج نہ ہو سکے گا اور ان سے کوئی پناہ کی جگہ نہ مل سکے گی کیونکہ:۔

اس تحریک کی ناکامی کی صورت میں دولت برطانیہ یقیناً قانونی طور پر وزیرستان پر قابض ہو جائے گی اور برطانوی ہند کی حکومت کی حدود افغانستان کی حدود سے ایک سو چالیس میل کے لمبے محاذ پہ بغیر کسی فاصلہ کے اس طرح مل جائیں گے جیسا کہ انسان کے وجود کی جلد اس کے گوشت پوست سے ملی ہوئی ہے اس صورت میں استقلال دولت افغانستان ہمیشہ معرض خطر اور ابدی تزلزل اور بے قراری میں رہے گی اور اس کو کبھی بھی اتنی فرصت میسر نہ آ سکے گی کہ سلطنت کے سرمایہ کو حکومت اور قوم کے تعمیری اغراض میں صرف کر سکے بلکہ ہمیشہ تک کے لیے شاہی خاندان اور ملت افغان اپنے تمام حکومتی اور قومی ذرائع سے برطانیہ کی سازشوں کی آگ فرد کرنے میں مشغول رہا کرے گی۔

(۲) اس کے علاوہ عالم اسلام اور خصوصاً ملت ہندوستان کی مشکلات کئی گنا بڑھ جائیں گی۔کیونکہ وزیرستان پہ قبضہ کی صورت میں قبائل کی جنگی روح کو جس کو تمام دنیا ناقابل تسخیر قرار دے چکی ہے اور اس امر پہ اتفاق کر چکی ہے کہ جو آدمی ان اقوام کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتا ہے یقینا وہ اپنے لیے "فاتح دنیا" کا خطاب حاصل کر سکتا ہے اور وہ ایشیا اور افریقہ بلکہ یورپ کی تمام اقوام کو بھی فتح کر سکتا ہے حکومت افغانستان بھی اس غم اور دکھ سے خالی نہیں رہ سکے گی بلکہ قبائل اس لحاظ سے کہ حکومت افغانستان نے باوجود اس کے افغان قوم سے ہونے کے اور مسلمان کہلانے کے کوئی حق اسلامیت اور افغانیت اور ہمسائگی کا ادا نہیں کیا۔جوشِ انتقام سے اس کی بربادی میں ایک فوق العادت دلچسپی کا اظہار کریں گے کہ صرف اس کے تصور ہی سے جسم پہ لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔خداوند برحق اس نحوست لرزہ دم وقت سے دولت اسلام کو محفوظ رکھے اس لحاظ سے اگر وزیرستان کے مسئلہ کو تمام عالم اسلام کی فتح و شکست اور خصوصاً حکومت افغانستان اور

ہندوستان کی فتح وشکست کی چابی قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

مصالحت کا مسئلہ

میں نے جتنا بھی اس تحریک کی تفصیلات کو گہری نگاہ سے مطالعہ کیا ہے اور جناب حاجی صاحب اور فضائل ہمراہ مولانا محمد طاہر شاہ خاں اور خلیفۃ المجاہدین غازی ملا صاحب جو کہ اس تحریک کے روح رواں اور حضرت حاجی صاحب کے دست وبازو گنے جاتے ہیں کی زبان سے جو کچھ سنا ہے میں اس حقیقت پر پہنچا ہوں کہ اگر خدا نخواستہ جناب حاجی صاحب کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیا جائے اور ان کے گوشت کو چیلوں اور کووں کا لقمہ کیوں نہ بنا دیا جائے پھر بھی وہ انگریز کی طرف ہاتھ بڑھانے والے نہیں ہیں اور اگر خدا نخواستہ وزیر قوم نے کسی نا معلوم وجہ سے میدان مصالحت میں اقدام کیا تو وہ غیر معتبر اور ان کی زندگی تک بے بنیاد ثابت ہوگا اور اگر کوئی صورت مصالحت کی ذہن میں آتی ہے تو وہ یہی ہے کہ برطانوی حکومت وزیرستان کے علاقہ سے کوچ کا سامان باندھ لے اور بغیر کسی شرط کے کوچ کرے اور اگر اس نے اس شرط کو تسلیم کر لیا تو پھر خود میں اور حاجی صاحب کے دوسرے خلفاء اس چیز کا خیال رکھیں گے کہ اس قسم کی مصالحت حکومت افغانستان کی ثالثیت اور ضمانت پر ہو اختیار تو جناب حاجی صاحب کے ہاتھ میں ہے لیکن حکومت افغانستان کے ساتھ حضرت حاجی صاحب کی دوستی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امید ہے کہ حضرت ممدوح اپنے سچے رفیقوں کی عرض اور خواہش کو ہرگز ہرگز نہیں ٹھکرائیں گے۔

افغانستان کے لیے طاقت کا راز کہاں ہے؟

اگرچہ افغانستان کی حکومت نے معاہدہ سعد آباد (ایران) کے ذریعہ اپنی سیاسی پوزیشن کو دولت ایران اور عراق عرب اور ترکیہ کے اتحاد کے رشتہ سے مضبوط کر لیا ہے لیکن اس قسم کے معاہدات امتحان کے وقت چنداں قابل اعتبار و اعتماد ثابت نہیں

Marfat.com

ہوئے۔ ترکی حکومت کو اسلامی حکومتوں کی طرف سے کونسا معاہدہ تھا کہ اس سے مذہبی اور سیاسی طاقت حاصل نہ تھی لیکن ان تمام معاہدات کا ضعف و سقم جنگ عظیم کے وقت طشت از بام کی طرح دوست دشمن سب پر ظاہر ہو گیا کہ اس کے انجام میں خلافت عظمی کا سقوط اور حکومت ترکیہ کا تجزیہ ظہور میں آیا، عراق عرب، فلسطین انگریز کے ہاتھ میں اور شام کا علاقہ فرانس کی تحویل میں اور موصل اور حلب کے حصے اتحادیوں کے ہاتھ میں چلے گئے اور افغانستان دنیا جہان کی نگاہ میں خلافت ترکیہ کے مرتبہ جلیلہ احترام کو کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

اگر ہم اپنے سینہ کو جذبات سے خالی کر کے بنظر انصاف و عبرت یورپ میں جرمن قوم کو اور اپنے پہلو میں ہندوستان میں ہندو قوم کو دیکھ لیں تو یقیناً یہ حقیقت ہم پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ طاقت کا راز معاہدۂ سعد آباد میں نہیں ہے بلکہ ہمسایہ قبائل وزیرستان، آفریدستان، مہمندستان اور باجوڑ کی ہمدردی کے حصول میں ہے اور یہیں، جرمن قوم نے ناقابل انکار شکست کھانے کے بعد پھر قوت کہاں سے پہلے سے بھی کئی گنا زیادہ حاصل کر لی۔ کہ آج یورپ کی تمام حکومتیں اور امریکہ اس کی ہیبت سے لرزاں اور ترساں ہے۔ دنیا کی بزدل ترین قوم ہندو جیسے لوگوں نے آج کس وجہ سے رام راج کا خواب دیکھنا شروع کیا کہ اس کی حدود کو ہندوستان کی موجودہ حدود سے آگے نکال کر دریائے آموں اور حدود چین تک بڑھا دیا۔ جو کہ سرحدی علاقہ اور افغانستان اور ایران پر مشتمل ہے اس قوت کا راز انہوں نے صرف قومی عناصر کو فراہم کرنے اور ملت کے پراگندہ اوراق کو جمع کرنے میں پایا ہے اور ہندوستان اور حکومت افغانستان کے مسلمان ابھی تک اس نعمت سے محروم دیکھے جاتے ہیں۔ سرور کائنات ہادی دو جہاں صلے اللہ علیہ و آلہ و بارک وسلم نے اس باب میں کیسا عجیب ارشاد فرمایا ہے کہ

وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ (ابو داؤد، نسائی، احمد، بروایت ابن عباس) کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں ایک ہاتھ ہیں۔

مشہور فلسفی حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے افغانستان اور ہندوستان کی

موجودہ حالت کو ان الفاظ میں منظوم کیا ہے ؎

دوست نزدیک تر از من بمن ست　　　وین عجب کہ من از وے دورم

چہ کنم با کہ تواں گفت کہ او　　　در کنار من و من از و مہجورم

اسی مضمون کو ہندوستان والے اس محاورہ سے ظاہر کرتے ہیں کہ "لڑکا بغل میں ڈھنڈورہ شہر میں"

میں حکومت کی توجہ کو ان معانی کے حصول میں بہت کم دیکھتا ہوں بلکہ اس مقصد کے خلاف دیکھتا ہوں۔ کیونکہ وہ لوگ جو ان معانی کے حاصل کرنے میں ہمیشہ سربکف رہتے ہیں کسی التفات اور توجہ کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور وہ لوگ جو اپنی بے بنیاد تحریکوں سے دولت برطانیہ کے اقتدار کو حدود سرحد میں نافذ کر رہے ہیں اور اس مقصد مقدس کی علانیہ خلاف ورزی کر رہے ہیں وہ لوگ حکومت کے ذمہ دار لوگوں کے منظور نظر دیکھے جاتے ہیں

ہندوستان کے واقعات اس بیان کی تائید اور تصدیق میں ایک ناقابل انکار شہادت دوست اور دشمن کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ارباب بصیرت ان مناظر کے مشاہدہ سے جو کہ بالکل برعکس ظاہر ہو رہے ہیں حیران اور انگشت بدنداں ہیں۔ اے خدا یہ کیا ماجرا ہے؟

وقت بہت کم ہے۔ جگہ بڑی تنگ ہے۔ ان پر از غم درد جذبات کو ظاہر کرنے کے لیے حالات بالکل ناموافق ہیں۔ میں کیا کروں اور کس کو کہوں اگر فضا موافق ہوتی تو وزیر خارجہ ہند کی تقریر کا ترجمہ جو کہ اس نے اسی مضمون کے متعلق مجلس شوری دپارلیمنٹ کے روبرو کہی تھی اور تمام انگریزی اور ہندوستانی اخبارات میں مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۹ء کو چھپی تھی اور دنیا کے تمام گوشوں اور کناروں اور جہان کے انتہائی اطراف واکناف میں مشہور ہو چکی ہے آپ کے لیے اس جگہ نقل کرتا۔ عالم اسلام کے دشمن یعنی حکومت برطانیہ کہ جس نے دولت افغانستان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہے کس کس رنگ میں دولت اسلام کو بدنام اور بے عزت اور قبائل کی نگاہ میں ان کا دشمن بنا کر دکھا رہی ہے اور

Marfat.com

پھر بھی اپنے آپ کو دولت افغانستان کی دوست کہتی ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اگر میں قبائل باجوڑ، مہمندستان، آفریدستان اور خصوصاً وزیرستان کے جذبات کی تفصیلی طور پر ترجمانی کروں اور اس چھپی ہوئی حقیقت کو دولت کے اس رکن رکین کے روبرو جو کہ وزیرستان کے پہلو میں نہیں نہیں بلکہ اس کے پیٹ میں بیٹھا ہوا ہے اور اس حقیقت کو میری نسبت بہت زیادہ جانتا ہے بے نقاب کردوں تو ایک بہت بڑے دفتر کی ضرورت ہے۔ اس تنگ بنیاد کاغذ میں اس کا عشر عشیر بھی بیان نہیں کیا جا سکتا اگر جناب عالی حکومت بالا کے اثر کی وجہ سے ان حقائق کو پوری پوری جرأت سے ظاہر نہیں کر سکتے تو یہ دوسری بات ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جس سے کوئی بھی سلیم الطبع انسان انکار نہیں کر سکتا۔ چونکہ میں خود اپنے دل کی پوری گہرائیوں سے حکومت افغانستان کا خیر خواہ ہوں اور سرحد آزاد میں اپنی اقامت کی وجہ سے ایک حد تک حکومت کے رعب اور اثر سے آزاد ہوں اور اس کے علاوہ کوئی بھی غرض دنیاوی اغراض میں سے اور کوئی بھی ذاتی مقصد میں والیان حکومت سے اس کی خیر خواہی کے علاوہ نہیں رکھتا۔ اللہ تعالےٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرامین میرے سینہ میں محفوظ ہیں اور میں دن رات ان کو ورد زبان رکھتا ہوں اور موجودہ زمانہ کے علوم سے بھی کافی حصہ رکھتا ہوں ہر قسم کے انگریزی اور اردو اخبار وغیرہ ابتدائے جوانی سے لے کر اس عمر تک ہمیشہ میرے مطالعہ میں رہے ہیں اور رہتے ہیں۔ عالم اسلام اور قوموں کی تواریخ اور خصوصاً سرحد آزاد کی تاریخ میں کافی حصہ رکھتا ہوں بلکہ میں خود تاریخ سرحد کا مصنف ہوں۔ لہٰذا علوم معقول اور منقول کی روشنی کے ماتحت وہ چیز جو کل کو قبائل یا ہمسایہ حکومت کو پیش آنے والی ہے مجھ کو فی الحال معلوم ہو رہی ہے اور محض ایک آپ جیسے دولت افغانستان کے حقیقی خیر خواہ کے سامنے نہ کہ عوام کالانعام کے سامنے کہ ان کے جذبات ہنگامی واقعات اور سطحی اخبارات سے بلا توقف اشتعال اور ہیجان میں آجاتے ہیں۔ حاشا و کلا۔ اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین۔

Marfat.com

مستقبل کے لیے پروگرام

اس تحریک کو رفتار کو میں نے اردو اور انگریزی اخبارات کی زبان سے رو بترقی سنا اور اس کے علاوہ میں نے عالمگیر جنگ کو قریب الوقوع پایا تو میں نے خود اس تحریک کے معائنہ کا تہیہ کیا کہ انہی احوال میں جناب حاجی صاحب آپ کی طرف سے دوبارہ دعوت نامہ بھی مجھ کو پہنچ گیا۔ لہذا میرا سینہ خدمت وطن کی امیدوں سے بھر گیا۔ اور میرے لیے اس علاقہ کی سیاحت کے لیے محرک اور باعث ہوا۔ جب میں اس جگہ پہنچ گیا تو اچانک مورخہ یکم اکتوبر کو ہندوستانی اخبارات نے محبان وطن کو یہ حوصلہ شکن پیغام سنایا کہ جرمن کے مسائل صلح عامہ کی صورت میں طے پا گئے۔ لیکن چونکہ یورپ کی فضا ابھی پوری طرح جنگ وجدال کے بادلوں سے صاف نہیں ہوئی تھی۔ لہذا میں نے ان علاقوں میں اپنی اقامت کو اسلامی اور ملی فرائض میں سے سمجھا اور غریب الوطنی کی تمام سختیوں اور مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اس کے علاوہ میں نے چونکہ ابھی تک حاجی صاحب کو نہیں دیکھا ہے لہذا مستقبل کے لیے کسی پروگرام کی تیاری کے لیے میں معذور ہوں۔ اخبار رسول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء میں وزیر اعظم برطانیہ لارڈ چیمبرلین کے بیان کے مطابق عالمگیر جنگ کے واقع ہونے کو آجکل ہی میں بلکہ بصورت ناگہانی نہایت ہی قریب تر بیان کیا ہے۔ مزید تصدیق اور آپ کی تسلی کے لیے یہ پرچہ مذکور بھی اس مکتوب کے ہمراہ منسلک کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ میری طرف سے اور حضرت حاجی صاحب مدظلہ کے تمام خلفاء کی طرف سے بھی ملت افغانستان کی خدمت میں ہمدردی کا پیغام پہنچا کہ اگر مناسب سمجھیں تو یہ پیغام بھی دے دیں کہ عالمگیر جنگ جلد از جلد واقع ہونے والی ہے اور یہ جنگ یقیناً عالم اسلام اور خصوصاً قبائل سرحد اور ملت مظلومہ عرب و ہندوستان کی مشکل کشائی کے لیے دونوں جہان کے تدبیر کرنے والے کی بارگاہ سے مقدر ہو چکی ہے۔ بہت خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنی خانہ جنگی اور داخلی شور و فساد سے باز آ کر سامان جنگ کو ذخیرہ کرتے ہیں اور آئندہ حالات میں اقوام یورپ کی خانہ جنگی سے عالم اسلام کے لیے بالعموم اور اپنی

Marfat.com

قوم اور وطن کے لیے بالخصوص پورا پورا فائدہ اٹھانے کا تہیہ آج سے شروع کرتے ہیں اگر مجھ کو مستقبل کے لیے پروگرام تیار کرنے کے لیے اپنے اختیار اور رائے پر چھوڑ دیا گیا تو میں انشاءاللہ کوشش کروں گا کہ وزیرستان کی اس موجودہ تحریک کے اختتام تک اسی علاقہ میں رہوں اور اپنے تمام ذرائع سے اس تحریک کو تقویت اور تائید بہم پہنچاؤں تاکہ وہ حسب خواہش انجام پذیر ہو سکے اور مجھ کو اور میرے دوستوں کو اس وطن کی خدمت اور دولت افغانستان کی خدمت اور مظلوم ہندوستان کی خدمت کے شرف سے زیادہ سے زیادہ حصہ نصیب ہو سکے وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ـ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ـ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ـ

تقاضائے عمر

بیشک میرے بڑھاپے اور ضعف پیری اور جسمانی کمزوری اور میری سفید داڑھی کا تقاضا یہی تھا کہ میں خدا کا بندہ اس مہربان کی ہدایت اور اشارہ کے مطابق اس زمانہ میں کسی صحت بخش مقام کو جہاں کہ تمام شہری اور عصری ذرائع معاش میسر آسکتے جیسا کہ خود دارالسلطنت کابل ہے اپنا مستقر اور ٹھکانہ بنا لیتا اور غریب الوطنی کے زندگی کے باقی ایام کو خاندان شاہی کے زیر سایہ خدا کی یاد میں بسر کر دیتا اور میں اپنی شخصیت کے لیے دوسرے ہندی مہاجرین کی طرح اعلیٰحضرت کی شاہانہ نوازشات سے اور بے انتہا الطاف والاحضرات صدر اعظم صاحب اور وزیر جنگ صاحب بالقابہ سے خاطر خواہ حصہ حاصل کر لیتا اور اس وسیلہ اور حیلہ سے موجودہ زندگی کی تکلیفوں کو جشن عید اور شب برات میں تبدیل کر کے تلافی مافات کو بجا لاتا اور ان اقارب اور عزیزوں اور اپنے بچوں کے لیے جو کہ مجھ سے بیس سال کے عرصہ سے جدا ہو چکے ہیں اور میری آنکھیں ان کے درد فراق کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کی مانند ہو چکی ہیں اور مجھ کو اس آیت کا مصداق بنا دیا ہے۔ کہ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْمٌ کوئی ملاقات کا راستہ پیدا کر لیتا اور اپنے سینۂ پر غم اور دیدۂ پرنم کے لیے ان کے معانقہ اور معائنہ سے طمانیت اور تسلی

Marfat.com

کا ذخیرہ اکٹھا کر لیتا۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ۔
اگر دشمن بے ننگ کی گولی کی ضرب سے میدان جنگ میں مجھ کو شربت شہادت نوش کرنے کا مقدر نہ بھی مل سکا تو بھی بہ تقاضائے معمری اور ضعف پیری کی وجہ سے آجکل ہی میں داعی اجل کو لبیک کہنے والا ہوں۔ اگر ایک رات رہ بھی جاؤں گا تو دوسری رات نہیں رہوں گا پس عقل اور دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس آخری عمر میں خدا تعالےٰ اور اس کے رسول اور خدمت قوم و وطن کے راستے سے منہ پھیر کر آسودگی اور لذت یابی کی طرف التفات نہ کروں۔ دنیا گذر جانے والی ہے اور اسے یقیناً چھوڑ کر جانا ہے۔ اس جہان کی آسائش پر میرا اس وقت اپنے دل کو مائل کرنا اور وقف کر دینا موجب صد حیف وافسوس ہے اور خاک میں ملے ہوئے اپنے ساتھیوں سے جدا ہوتا ہے۔ میں فنا کے سیلاب کی گذرگاہ پر کھڑا ہوں اور اعمال سابقہ کی جواب دہی کا وقت دمبدم قریب آرہا ہے۔ پس مجھے چاہیئے کہ میں خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤں اور عمل کی سواری کو لنگ سمجھوں اور چند روزہ عمر سے دور و دراز کے سفر کے لیے تھوڑا بہت توشہ اور زاد راہ لے لوں۔
خیال یہی ہے کہ۔
اگر میرے جسم کا ہر بال میرے سر پہ تلوار بن کر کھڑا ہو جائے تو بھی میں اس راہ سے سر نہ پھیروں گا اور میری پلکوں کا ہر بال برچھی بن کر میری آنکھوں میں گڑ جائے تو بھی میں کسی دوسری جہم کی طرف نہ دیکھوں گا۔ ورنہ میرا حال وہی ہوگا جو کسی ہندوستانی شاعر نے کہا ہے ؎

بگاڑا دین کو اپنے کہیں دنیا ہی مل جائے ۔۔۔ نہ دین ہی رہا باقی نہ دنیا کے مزے پائے
ملی دولت اسے جو ہوا اللہ کا عاشق ۔۔۔ امید اجر عقبیٰ پر یہ دنیا اس سے چھٹ جائے

میرے دوست اور ہم جنس جیسے ع۔ ج سردار اللہ نواز خاں آج سفارت کے عہدۂ جلیلہ پر آج جرمنی میں اور حذاقت مآب والا حضرت صدارت مآب کے مخصوص فیملی ڈاکٹر کے عہدہ پہ اور احمد حسن خاں بی۔ اے روسی حکومت میں اور جرنیل ظفر حسن خاں بی۔ اے ترکیہ میں اور پروفیسر اقبال شیدائی بی۔ اے فرانس میں اور زکریا خاں بی۔ اے ایران میں اور

Marfat.com

عبدالسبحان خان مانچوریا میں اور کچھ دوسرے لوگ ممالک جاپان و امریکہ وغیرہ میں بہ سلسلہ خدمت وطن عزیز با معاش فارغ البال اور سربلندی سے اپنی زندگی گذار رہے ہیں اور انہی میں سے ایک میں بھی ننگ اسلام ہوں جو ان پہاڑوں اور بیابانوں میں دن رات سرگرداں ہو کر پھر رہا ہوں۔ میرے ہم عصر دیکھتے ہیں اور سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ میں ان کی دنیا کے معاملے سے کوئی کام نہیں رکھتا لیکن پھر بھی مجھ کو آرام نہیں کرنے دیتے ہمیشہ ایذا اور آزار کے دیئے رہتے ہیں نہ تو خود کوئی کام کرتے ہیں اور رقابت کی وجہ سے نہ دوسروں ہی کو کوئی کام کرنے دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت شاہ شہید علیہ الرحمۃ نے میرے غریب الوطنی اور میری خانگی زندگی کی سختیوں کو ملحوظ رکھ کر محض از راہ مسافر پروری و ہندوستان نوازی میری اقامت کے لیے بلدۂ طیبہ کابل تجویز فرمایا تھا اور میری اور میرے اہل و عیال کی گذر اوقات کے لیے ایک وسیع جائیداد از قسم شاداب و زرخیز زمین کہ جس کی قیمت ستر ہزار روپیہ سے بھی زیادہ ہوگی اور تین سو روپیہ ماہوار نقد ہمیشہ کے لیے وظیفہ مقرر فرمایا تھا اور اسی طرح والاحضرت صدر اعظم صاحب نے بھی میری عزت افزائی اور خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ لیکن اسی جذبہ خدمت وطن اور ملت مظلومہ ہندوستان نے مجھ کو نہ چھوڑا کہ ان غیر مترقبہ نعمتوں اور شاہانہ نوازشوں سے استفادہ کر کے اپنے مرتبہ کو اپنے ہم عصروں اور ابنائے زمان میں بلند و بالا کر سکوں۔

حق تعالیٰ کی قدرت کے ہاتھ نے میرے ایمان کی پونجی کو بارہا مصیبتوں کی بھٹی میں تپایا ہے اور جان کاہ سختیوں کی سندان (آہرن) پر کوٹا ہے۔ میرے ہم عصروں نے میری تباہی اور خرابی میں کسی تدبیر کے تیر کو اپنے فریب کے ترکش سے خالی نہیں چھوڑا۔ کہ جس کا نشانہ انھوں نے مجھ کو نہ بنایا ہو۔ لیکن اس خداوند قدوس کی توفیق ازلی نے مجھ کو ہر لغزش کے مقام سے مجھ کو محفوظ رکھا اور میرے ثبات میں تزلزل کو راہ نہ دیا۔ سو اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔

ان تمام خزاں کی ہواؤں اور آفات و آلام کی زیادتیوں کے بفضلہ تعالیٰ اس وقت اور اس زمانہ تک میرا دل آزاد اور طبیعت بے پرواہ ہے اور اپنوں کی بے مروتی اور بیگانوں

Marfat.com

کی عداوت اور رقابت بازی اور ہم عصروں کے پروپیگنڈا سے آثار کدورت و آزردگی میں سے کوئی اثر اپنے بے کینہ سینہ میں نہیں پاتا اور اپنی فقیری وضع اور قلندری کی شان کو کسی زمانہ اور کسی جگہ میں بھی ناساز اور ناموافق نہیں پاتا ہے

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے بہ پیش ہمت ما ہر کہ آمد بود مہمانے

میں دوستوں کی قبولیت اور دشمنوں کے رد کر دینے سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔

خدانخواستہ اگر قبائل سرحد کے علاقہ میں مجھ کو دولت افغانستان اور ملت مظلومہ ہندوستان کی خدمت کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہا تو پھر آنجناب کی ترغیب و تحریص کے مطابق میرا آخری ٹھکانا سوائے خاک پاک افغانستان کے اور کوئی جگہ نہ ہو گی۔ خاکِ افغانستان کو پاک اور دارالسلطنت کابل شہر کو میں نے طیّب کہا ہے اور کہوں گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ کابل شہر کی مٹی میں سرورِ کائنات سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاگردوں اور صحبت یافتہ لوگوں میں سے دو حضرات مدفون ہیں اور افغانستان کی سرزمین میں سرتاج مبلّغین اور رئیس مجاہدین دین سید الانام یعنی حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک بھی ہے اور ہم غافلوں اور فرض ناشناسوں کو اب تک بزبانِ حال تبلیغ توحید و اشاعتِ اسلام دنیا کے انتہائی کناروں تک پہنچانے کا سبق دیتی ہے۔ یہ فخر دوسری کسی زمین کو حاصل نہیں ہے اس کے علاوہ شاہی خاندان کو دو نسبتیں حاصل ہیں بلحاظ حسب و نسب تو وہ درّانی الاصل اور قیس بن عبدالرشید کی اولاد کا خلاصہ ہیں جو کہ افغانوں کے جد امجد تھے اور بہ لحاظ پیدائش یہ ہندوستانی ہیں لہٰذا دولت حاضرہ کی خیرخواہی اور خاندان شاہی کے استقلال کا بقا جس طرح ہر فرزند افغان پر واجب ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ہندی مسلمانوں پر بہت زیادہ واجب اور مؤکد ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے اگر میں اپنے ٹھہرنے کے لیے افغانستان کی خاک کو تجویز کروں تو یہ سراسر میرے لیے باعث فخر اور خوشی ہے۔ لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ میرا وجود سرحدات آزاد کے علاقہ میں دولت افغانستان کے مفاد اور اس کے مصالح کے تحفظ کے لیے اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے اور اس باب میں میں فوق العادہ خدمات بجا لا سکتا ہوں اگر لاف زنی رذیلوں اور کمینوں کی عادت نہ سمجھی جاتی تو میں

لاف زنی کے طریقہ سے نہیں بلکہ حق گوئی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اگر ایک طرف سینکڑوں مبلغین تنخواہ دار دولت حاضرہ کی تحریک اس علاقہ میں کرتے ہیں تو دوسری طرف میں خدا کا بندہ بغیر مزدوری اور روپے کے کوئی خدمت اپنے اس بڑھاپے اور ضعیف العمری میں بجا لاؤں اور واقعی بجا لاتا ہوں تو انشاء اللہ میرے ترازو کا پلڑا دوسروں سے بہت زیادہ بوجھل ہو گا۔ کیونکہ میں عاجز محض خدا تعالیٰ کے لیے اور مقاصد امت مرحومہ اور مسلمانان ہند کی تائید کی غرض سے قرآن و حدیث اور سیاسی اور تاریخی دلائل کی روشنی کے ماتحت اس قسم کی خدمات بجا لاتا ہوں اور اس باب میں میں کسی سے کوئی طمع اور کوئی تحسین اور قدر کے خراج کی کوئی توقع نہیں رکھتا اور یہ طبیعت کی سخاوت اور یہ سمجھ خدا تعالیٰ کی خاص مہربانیوں میں سے ہے جس کو وہ خود چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے اور سربلند کرتا ہے۔ وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ فقط

فضل الٰہی عفی عنہ — مورخہ ۸ صفر ۱۳۵۸ھ

Marfat.com

باب

مکتوبات متعلقہ مولانا بشیر صاحب

واقعہ شہادت مولانا بشیر صاحب پر مختلف جرگوں نے کارروائی کی ایک تو شہادت کے تیسرے دن جرگہ منعقد ہوا جس میں قتل کا الزام مولانا فضل الٰہی صاحب پر لگایا گیا۔ لیکن کوئی شہادت نہ مل سکی اس کے بعد شہادت کے تین ماہ کے اندر اندر دو جرگے موضع کوز چناری میں ہوئے جن کی کارروائی آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

واقعہ شہادت سے پہلے کے ایک دو مکتوبات مولانا فضل الٰہی صاحب کے ملے ہیں جس میں انھوں نے اپنی حالت زار کو حکومت افغانستان پر پیش کیا ہے اور اپنی تکالیف کے تدارک کے لیے عرض پیش کی ہے۔ میں ان دونوں چٹھیوں کو بلا تبصرہ پیش کر دینا چاہتا ہوں۔

چنانچہ ایک چٹھی مئی ۱۹۳۲ء کی ہے جس میں جمعیت مجاہدین کے مختصر حالات بھی درج ہیں۔ یہ تمام فارسی زبان میں ہے۔

دوسری چٹھی ۱۹۳۳ء کی ہے اس میں بھی اپنی تکالیف کا رونا ہی رویا گیا ہے اس کے بعد فروری ۱۹۳۵ء کے جرگہ کی کارروائی آ رہی ہے اور کچھ مکتوبات حکومت افغانستان کی طرف اور ایک مرکز اسمست کی ہے تاکہ مجاہدین کی تنظیم و تاسیس کی طرف توجہ فرمائی جائے۔ یہ تمام کارروائی فارسی زبان میں قلمبند ہے جس کا ترجمہ مولانا محمد سلیمان صاحب کیلانی خطیب جامع مسجد کھیالی نے کیا۔

(خالد گھرجاکھی)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

چھٹی نمبر ۳-۵۰ - مئی ۱۹۳۲ء

جمعیت مجاہدین کے مختصر حالات

اس سے پہلے کہ میں اپنے اصلی مقصد پر خامہ فرسائی کروں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت مجاہدین کے صحیح حالات نہایت اختصار کے ساتھ ابتدا سے لے کر انتہا تک بیان کر دوں بہت ممکن ہے کہ دولت عالیہ ماضی اور حال کے کوائف کے مطالعہ کے بعد کوئی نیا راستہ اور جداگانہ طریق اختیار کرے جو کہ جمعیت کے مستقبل کی اصلاح اور حکومت کے روپیہ کے بے قاعدگی سے خرچ ہونے کا کفیل ہو سکے۔

تحریک آزادی ہند

اصل میں تحریک آزادی ہند سلطان حیدر علی والد بزرگوار سلطان فتح علی ٹیپو علیہما الرحمۃ کے مبارک اور سعادت بھر زمانہ ۱۷۶۷ء میں شروع ہوئی تھی اور سلطان ٹیپو علیہ الرحمۃ کی شہادت تک ہندوستان کے طول و عرض میں قائم اور ثابت تھی۔ سلطان موصوف کی شہادت (۴ مئی ۱۷۹۹ء) کے بعد اس مبارک مقصد اور آزادی خواہان ہند کی جماعتوں کو زندہ کرنا علامہ فہامہ استاد عالم حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کا پروگرام مرتب کیا کہ ہندوستان کی طاقت کو وحدت اور یگانگت کے شیرازہ میں منسلک کر دیا۔ اور ۱۸۲۳ء میں مہاجرین کی ایک جماعت کو جو چند لاکھ آدمیوں پر مشتمل تھی (جو کہ فداکار، اور صاحب علم و فضل تھے) حضرت سید احمد صاحب

Marfat.com

بریلوی کی ماتحتی میں براستہ سندھ، بلوچستان، قندھار، غزنی حکومت افغانستان کے پاس بھیجا کہ وہ ملت وحکومت افغانستان کی ہمدردی حاصل کر کے وطن مقدس کو کفاروں کی قید سے آزاد کرائیں۔

اس زمانہ میں ملت وحکومت افغانستان اپنے خانگی مسائل میں اس حد تک مصروف اور منہمک تھی کہ آزادی خواہان وطن کی امداد کے لیے اس لئے کوئی فراغت اور فرصت نہ پائی۔ البتہ اخلاقی امداد بجا لاتے ہوئے آیندہ اپنی مدد کا پختہ وعدہ کیا۔ اس وجہ سے جمعیت مجاہدین مجبور ہوگئی کہ اقوام سرحد آزاد کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنائے اور اپنے مقصد کے لئے کوشش کرے۔ ان دنوں میں سکھوں کی حکومت نے ملّی اور قومی مقاصد سے غدّاری کی اور نہ دل سے انگریزوں کے طرف دار ہوگئے اور افغانستان کے اکثر علاقوں کو غصب کر لیا اور خاندان سدّوزائی کو محمدزائی خاندان کے مقابلہ میں کامیاب بنانا اعلیٰ مقصد قرار دے لیا۔ آٹھ سال تک برابر سکھوں کے حکومت کے ساتھ جنگ جاری رہی لیکن بے سود۔ دسمبر ۱۸۳۱ء میں حضرت سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سے یہ دور ختم ہوگیا۔ ان وطن کی آزادی کی جنگوں میں کئی لاکھ آدمی آزادی کی قربانگاہ پہ شہید ہوگئے۔

مابعد کے دور

جب پہلے مجاہدین کی جمعیت پاش پاش ہوگئی تو بعضے قدسی صفات اور غیور مرد (جیسے کہ حضرت مولانا ولایت علی و عنایت علی عظیم آباد کے رئیس اور سید نصیر الدین اور سید لیاقت علی اور مولوی عبداللہ و عبدالکریم صاحبان اور شہزادہ فیروز شاہ وغیرہم) بنام آل مجاہدین مغفور آزاد علاقہ میں آکر سکونت پذیر ہوگئے اور منظم صورت میں اپنی زندگی گذارنے لگے اور اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق آزادی ہند کی تحریکات اور افغانستان کی ہمدردی میں دن رات کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ مارچ ۱۸۳۹ء میں لارڈ آکلینڈ وائسرائے ہند کے حکم سے انگریزی فوجیں سرجان کین کی ماتحتی اور سکھوں کی حکومت کے اتحاد کے ساتھ تقویت حاصل کر کے اندقوی دل ہوکر امیر کبیر کے اخراج اور شاہ شجاع کی بحالی کے لیے قندہار اور غزنی میں وارد ہوئیں تو

Marfat.com

آخری دم تک جو لوگ خاندان محمد زائی کی حمایت اور سدوزائی کے برخلاف برطانوی اور سکھ فوجوں کے مقابلہ میں لڑتے رہے یہی ہندوستانی مجاہد تھے جو کہ حضرت مولانا سید نصیر الدین کی ماتحتی میں بے حساب تعداد میں اسی پاک مقصد کے لیے ہندوستان سے نقل و حرکت کر کے آئے تھے اور اثنائے راہ میں بذریعہ سید صبغۃ اللہ صاحب سندھی سندھ کے روؤسا کو بھی برطانوی لشکروں کے برخلاف آمادہ کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مدت تک برطانوی فوجوں کو روکے رکھا۔ انگریزی مؤرخوں نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔

افغانستان کی حکومت سے مجاہدین کی ہمدردی

ہندوستانی مجاہدین کی حکومت افغانستان سے ہمدردی ابھی تک جاری ہے یہ الگ بات ہے کہ افغانستان کی حکومت اصل کارکنوں اور مخلص معاونین کو پہچان نہیں سکی اور ان کی قربانیاں اور خدمات چند ایک خود غرضوں کے ہاتھ سے تباہ ہو گئی ہیں۔

ہندوستانی معاونین

مسلمانان ہند کی بعض جماعتوں نے اس جمعیت کے اخراجات کے بوجھ کو جو کہ آزاد علاقہ میں سکونت پذیر تھی یا اب بھی موجود ہے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا اور طرح طرح کی امیدیں ان سے لگائے بیٹھے تھے کہ مجاہدین کا مرکز ہندوستان کی آزادی کے لیے ایک پشت پناہ قوت ثابت ہو گا۔ خود میں بھی ان آدمیوں میں سے تھا۔ میں ہمیشہ ان کی مدد اور حمایت میں کوشاں اور سرگرم رہا اور ان کے اخراجات کے لیے بے حساب سرمایہ بھیجا کرتا تھا۔ (چنانچہ اس حقیقت کو برطانیہ کی حکومت نے بھی کئی دفعہ اپنے سیاسی رسالوں اور انگریزی اخبارات میں تصدیق کیا ہے)

ہندوستانی مجاہدین اور حکومت عالیہ افغانستان

حکومت افغانستان بھی جمعیت مذکور کو ہندوستانی اراکین سے سمجھتے ہوئے بھی ان پر

Marfat.com

لطف کا اظہار کرتی رہی اور اس لیے کہ ہندوستانی مسلمانوں سے تعلقات قوی ہوجائیں گے۔ ان کے لیے اپنے خزانہ عامرہ سے ایک ہمیشہ کا وظیفہ مقرر رکھا جو کہ ابھی تک جاری ہے۔

جمعیت مجاہدین میں جمود کے وجوہات

لمبا زمانہ گذر جانے کے بعد جبکہ پرجوش اور ذی ہوش اسلاف آہستہ آہستہ پیوند خاک ہو گئے اور اس کام کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جو یاغستان ہی میں پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے اسی سرحدی فضا میں نشو و نما پائی تھی اور جنھوں نے اپنے ماحول میں سوائے قتل وقتال باہمی اور تعصب اور جہالت کے مناظر کے سوا اور کوئی چیز دیکھی ہی نہ تھی اور انہی وجوہات کی بنا پر مروجہ دینی علوم اور زمانے کی موجودہ ضروریات اور سیاسیات عالم سے کوئی حصہ حاصل نہیں کیا تھا اور مقام اسمست (بمعنی غار) علاقہ بونیر کو جو افغانستان سے بہت دور دریائے اباسین کے انتہائی آخری کناروں میں ہے اپنی جائے پناہ بنا لیا تھا اور گوشۂ عزلت وگمنامی اور علیحدگی میں اپنی زندگی گذارنا شروع کردی تھی اور فراغت کے زمانہ میں جو کہ بہت لمبا تھا کوئی خدمت خصوصاً اقوام کی خدمت تربیت اور تعلیم بجا نہ لاسکے تھے۔

جنگ عالمگیر اور ہندوستانی مسلمان

جب اسلام کی عالمگیر آزادی کی جنگ بلقان اور طرابلس سے تباہی کے میدان میں قدم رکھا اور آخرکار ۱۹۱۴ء میں خلافت ترکیہ نے بھی جہاد عالم اسلام کے لیے اعلان عام کردیا اور برطانوی حکومت کے برخلاف صف آرا ہوگئی تو اسلام کے آزادی خواہوں کا جوش ہندوستان کے اندر بھی اور باہر بھی بہت بڑھ گیا تو بعضے لوگ جو اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکے وہ سرحدات آزاد کی طرف ہجرت کر گئے۔ چنانچہ پنجاب کے کالجوں کے طلباء کی ایک جماعت کہ بعض ان میں سے ابھی تک کابل میں سکونت پذیر ہیں بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔ جب حکام کی توجہ خفیہ تحریکات کی طرف بہت زیادہ ہوگئی تو بعضے جان کے خوف سے ہندوستان کو چھوڑ گئے۔ اسی قسم کے لوگوں میں سے مولوی محمد بشیر بھی تھے۔ آخر میں خود بھی جو کہ ۱۸۹۸ء سے آزادی

ہند کی تحریکوں کی تائید اور مجاہدین کی مدد کرتا رہا تھا۔ طلباء مذکورہ اور مولوی صاحب موصوف کو نکالنے اور مجاہدین اور سرحدی جنگوں میں مدد کرنے کے جرم میں مورخہ ۷ر نومبر ۱۹۱۵ء کو گرفتار اور قید ہو گیا۔

جمعیت مجاہدین کے دائرۂ عمل کی وسعت

ہندوستان سے تازہ مجاہدین کے آنے کے بعد کہ جن میں سے اکثر صاحب علم اور فضل اور یکتائے زمانہ تھے۔ مجاہدین بونیر کی جماعت کی روش پر تنقید شروع ہو گئی۔ اور بالآخر ان کا جمود کچھ کچھ ٹوٹنے لگا اور جمعیت کے دائرۂ عمل میں بھی وسعت پیدا ہو گئی۔

چونکہ تازہ واردین کی نگاہ میں دولت علیہ افغانستان کے ساتھ اتصال لازم اور ضروری تھا۔ لہذا چمرکند کے مرکز کو جمعیت مجاہدین کی شاخ کی صورت میں بدل دیا اور اس کے علاوہ دولت عالیہ سے عملی روابط قائم کیے۔ چنانچہ افغان حکومت نے مجاہدین پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی اور وظیفہ میں بھی اضافہ کر دیا چنانچہ دوستی کا وظیفہ چار ہزار روپیہ سے بڑھا کر بارہ ہزار روپیہ تک کر دیا گیا۔

جمعیت مجاہدین کی بدقسمتی (یعنے اپنا جوتا اپنا سر)

ہم مسلمانوں کی بدقسمتی کہ جمعیت مجاہدین اسمست کے سفیر (مولوی محمد بشیر صاحب) نے جمعیت مذکور کے تمام نئے اور پرانے ذرائع سے کابل کے مرکز میں اپنی ذات کو معروف اور مشہور کیا اور حکومت کی توجہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف مبذول کرنا شروع کیا اور مرکز مجاہدین کو دولت افغانستان سے قطعاً اجنبی بنا ڈالا۔ یہاں تک کہ جب اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ خاں شہید ہو گئے اور شاہ امان اللہ خاں کی تخت نشینی کی رسم ادا ہونے لگی تو مولٰنا نعمت اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس مجاہدین اسمست نے ہدیہ مبارکبادی تیار کرنے کے لیے حکم دیا۔ میں نے تین ہزار روپیہ سے تین زیور تیار کرائے اس فردوس مکان (مولانا نعمت اللہ خاں) نے ان زیورات کو مولوی صاحب مذکور کے ہاتھ شاہ افغانستان

Marfat.com

کی خدمت میں بھیجا اور دو ہزار جریب زمین کی عیالدار مجاہدین کے گذارے کے لیے استدعا کی۔ مولوی صاحب مذکور نے اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو ہزار جریب زمین کا حصہ اپنے نام پر بھی لے لیا اور اس کے علاوہ کچھ اس قسم کے اختیارات تحریری حکومت افغانستان سے اپنے لیے حاصل کر لیے کہ جمعیت مجاہدین کے پرانے تعلقات حکومت سے منقطع ہو گئے۔ ان کی بقا و حیات اور سرحد کے تمام ذرائع، دوسرے لفظوں میں مجاہدین کی شاہرگ مولوی صاحب کے ہاتھ میں آ گئی۔ خط و کتابت اور آمد و رفت کے پروانے، لینے دینے کے تمام معاملات دولت اسلامیہ کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ان پر بند ہو گئے۔ یہاں تک کہ مولانا نعمت اللہ صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب رؤسائے مجاہدین کی حیثیت بھی حکومت کی نظروں میں غیر معتبر ہو گئی۔ ان کے تصدیقی کاغذات کی کوئی وقعت نہ رہی۔ چنانچہ یہ دونوں صاحب اسی گلہ گذاری میں فوت ہو گئے اور غلہ کی خرید و فروخت اور نوٹ اور پونڈ کی تبدیلی کی جب بھی مجاہدین کو ضرورت پیش آئی تو مولانا عبدالکریم صاحب کی راہداری مسترد ہو جاتی اور مجاہدین ہمیشہ مولانا محمد بشیر کی تصدیق کے محتاج ہو جاتے اور اب بھی حالات ایسے ہی ہیں۔

حکومت کے نقل کردہ کاغذات سے اس حقیقت کی تصدیق ہو جائے گی۔ اس کو ملاحظہ کر لینا۔

مولانا نعمت اللہ صاحب کے قتل کی سازش

جب مولانا نعمت اللہ صاحب اور دوسرے چھوٹے بڑے مجاہدین کو اس حقیقت کی خبر ہوئی تو ان کی ناراضگی اور غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مولوی صاحب مذکور کو اس ہلاکت افزا غلطی کی جواب دہی کے لیے اسمست کے مرکز میں بلایا گیا لیکن وہ نہ گیا اور بہانہ کیا کہ افغانستان کے بادشاہ نے بلایا ہے اور کابل کو چلا گیا اور ہندوستان اور افغانستان اور سرحدات آزاد میں ان کے خلاف بڑا سخت پراپیگنڈا کیا اور ممدوح مولانا نعمت اللہ کو طرح طرح کے خود ساختہ الزامات سے متہم کیا اور جمعیت کے انتظام

کو دوست دشمن سب کی نگاہ سے گرا دیا۔ اور بالآخر وزیرستان میں گیا اور اس جگہ حضرت ممدوح کے قتل کی ایک کامیاب کوشش کی اور ممدوح ۴ر مئی ۱۹۲۱ء مطابق ۲۵ر شعبان ۱۳۳۹ھ کو شہید ہو گئے اور اس سدّ سکندری کو اس نے ایسے طریقہ سے اپنے راستہ سے اٹھایا کہ اکثر بے گناہ لوگ مقتول ہو گئے اور اس جمعیت کے کچھ تازہ کارکن جو کہ اثر و رسوخ کی وسعت کے لحاظ سے اپنی مثال نہیں رکھتے تھے پریشان اور پراگندہ ہو گئے چونکہ حکومت افغانستان کا دروازہ دوسرے مجاہدوں پر تو پہلے ہی بند ہو چکا تھا لہٰذا کوئی بھی حکومت کے کانوں تک ان مظلوموں پر کیے گئے ظلم و ستم کی داستان پہنچا نہ سکتا تھا۔

اعانت مجاہدین کے جرم کے تحت ہر تمام خاندان حکومت برطانیہ کے غیظ و غضب اور آشفتگی کا شکار ہو گیا ان میں سے اکثر جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے برطرف کر دیے گئے اور میں خود تعزیرات ہند کے قانون کے مطابق پھانسی اور ضبطی جائداد کا مستحق تھا لیکن میری قسمت میں زیادہ سے زیادہ سختیاں دیکھنی مقدر تھیں کہ میں شہادت کی موت سے مشرف نہ ہو سکا اور ترکوں کے متارکہ جنگ کے ماتحت میں اپنے گھر میں نظر بند کیا گیا اور مجھ پر ہر روز دو دفعہ کوتوالی کی حاضری لازم کر دی گئی۔

مولوی صاحب نے جمعیت کے مستقبل کے لیے ایک پروگرام اور لائحہ عمل نہایت خوش کن الفاظ میں تیار کیا اور مولوی عبد الکریم صاحب کے مصنوعی اجرا اور ان کی مہر سے تصدیق کر کے بھیج دیا اور اس پروگرام کی تعمیل کے لیے تین لاکھ روپے کی درخواست کی اور پروگرام کے ضمیمہ میں بھی چند مکتوب بھیجے جو کہ روابط جمعیت مجاہدین اسمست اور برطانیہ کی حکومت پر روشنی ڈالتے تھے۔ خود میں نے بھی ان اکابر محرکین تحریکات ہند مثلاً مولانا عبد الرحیم صاحب اسیر انڈمن۔ مولانا ابو الکلام آزاد۔ مولانا عبد القادر قصوری حضرت مولانا شوکت علی صاحب وغیرہم کے ساتھ پروگرام کے ان کاغذوں کو دیکھا اور تصدیق کیا اور اس پروگرام کی تکمیل اور تائید کے لیے تہ دل سے اپنے آپ کو پیش کیا۔ مرکز اسمست کے تعلقات کو منقطع کر کے چمرکند کے مرکز کو مستقل طور پر تسلیم کر لیا گیا اور پرانی اور نئی پارٹیاں اسی مرکز کی ترقی اور حمایت پر کمربستہ اور متفق ہو گئیں۔

Marfat.com

افغانستان اور وزیرستان کی جنگ میں مدد اور راقم الحروف کا سرحد یاغستان کی طرف فرار

اگرچہ میں ہمیشہ حکومت کی نظر میں رہتا تھا اور میرے لیے نقل و حرکت اور کام کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن اس کے باوجود کام کرنے کے شوق کا غلبہ اور مہاجرین کی محبت اور خلوص مجھ دنیا نہ دیکھے ہوئے پر اس حد تک غالب تھا کہ ماضی اور حال اور مستقبل سے بے پرواہ ہو کر مجاہدین کی حمایت اور جہاد افغانستان اور وزیرستان کی مدد اور مولوی صاحب مذکور کے پروگرام کی تکمیل مال اور جان سے سرگرم اور کوشاں رہتا تھا۔ مولوی صاحب موصوف نے روسی حکومت سے اپنے تعلقات پیدا کر لیے اور میرے لیے روسی لٹریچر اور ان پر بحثیں بھیجیں اور مولوی صاحب کے اسی معتمد علیہ نے کہ جس کے ہاتھ انہوں نے یہ سامان بھیجا تھا مجھ پر اور میرے دوسرے رفقاء پر جو کہ بڑی وسیع جائداد کے مالک تھے مخبری کر دی۔ رفقاء کار تو قید ہو گئے اور ان کی لاکھوں روپے کی جائداد ضبط ہو گئی مجھ بدقسمت روسیاہ کو بھاگنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ پورے چھ مہینے کی آوارہ گردی کے بعد چمرقند پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ میری جدی پدری جائداد بحق سرکار ضبط ہو گئی۔ میرا ستم رسیدہ خاندان پھر برطانوی حکومت کے زیر عتاب آ گیا اور میرے بال بچے دربدر آوارہ ہو گئے۔ اور کسی نے بھی ان کو اپنے پاس پناہ نہ دی۔ یہاں تک کہ وہ بھی وطن کے چھوڑنے پر مجبور ہو کر میرے پاس آ گئے۔ میرے دوستوں میں سے بعض اکیس سال کے لیے اور بعض چودہ سال کے لیے اور بعضے بارہ سال اور بعضے آٹھ سال اور بعضے چار سال کے لیے قید ہو گئے اور بعض لوگ جیل ہی میں دی جانے والی سزاؤں سے شہید ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ مئی ۱۹۲۱ء اور فرانٹیئر گزٹ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۸ء)

Marfat.com

مذہب مقدس حنیف کے پردے میں بے نظیر مغالطہ

ع خود غلط بود آں چہ ما پنداشتیم

ہندوستان سے بھاگنے کا راستہ پا کر غالباً ماہ اگست ۱۹۱۹ء میں میں چمرکند پہنچ گیا۔ یہاں آ کر جب جمعیت کے کوائف کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ مذہب مقدس لباس اور جہاد کے بزرگ نام پہ مجھ کو اور فداکاران ہندوستانی مسلمانوں کو سراسر مغالطہ دیا گیا ہے۔ بے اختیارانہ میری زبان سے نکل گیا ع

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

خصوصاً وہ عظمت اور جمعیت کی خدمت کی قوت جو کہ ہندوستان میں ہم اپنے خیالات میں پرورش کر رہے تھے اس جگہ آ کر دیکھا کہ اس کا کوئی بھی اثر نہیں ہے اور اپنی لمبی چوڑی کوششوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کی جماعتوں کی مالی اور جانی قربانیوں کو ایک دو شخصوں کی ذاتی اغراض پہ قربان ہوتے دیکھ کر اگرچہ میں بے حد متاثر اور ملول ہوا۔ مگر ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوا تازہ مطالعہ شروع کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پہ پہنچا کہ۔

اصلاحی پروگرام

ہمارے پرانے خیالات کا اس علاقہ میں جاری ہونا ایک ناممکن بات ہے اور ہمارے مجاہدین کی جماعت کسی قسم کے تعمیری پروگرام کی اصلاً اہلیت اور لیاقت نہیں رکھتی کیونکہ ان لوگوں میں کوئی بھی اہل قلم اور علم اور صاحب ہنر وفن نہیں تھا۔ وہ لوگ جو اپنی خوش عقیدگی کی بنا پر مجھ سے پہلے اس جگہ پہنچے تھے تو مولوی صاحب کی خودغرضی نے انکو یہاں ٹھہرنے کا موقع ہی نہ دیا اور ان کو اس حد تک تنگ کیا گیا کہ انہوں نے غیرت اور خودداری کی وجہ سے سوائے ہندوستان یا افغانستان کو بھاگ جانے کے اور کوئی نجات کی جگہ نہ پائی اور بعض لوگ مولوی صاحب کے زیر عتاب آئے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو

بیٹھے۔ میرے سننے کے مطابق مولوی عبداللہ بی۔اے اور مولوی عبدالرحمن بی۔اے دونوں ہی مولوی صاحب کے خود غرضی کے بوجھ تلے ہیں ذبح ہو گئے واللہ اعلم بالصواب۔
غرضیکہ تمام موجودہ اور سابقہ حالات کا میں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا اور اپنے اوپر لازم کر لیا کہ جمعیت کی ذہنیت کو تازہ ترقی کے خیالات میں بدل کر ان کے جمود کو مندرجہ ذیل عملیات سے تبدیل کر دوں۔

(۱) جمعیت اپنے سیاسی وظائف میں مجاہدین کی تعلیم اور قبائل سرحد آزاد کے بچوں کو تربیت کو عملی اور لازمی طور پر داخل کرے اور اپنی زیادہ سے زیادہ اخلاقی اور مادی طاقت کو اسی اہم مقصد پر صرف کرے اور ابتدائی (پرائمری) اور درمیانہ درجہ (ہائی) کے سکولوں کو سرحد آزاد کے طول و عرض میں مرکزی مقامات پر کھولا جائے اور ہندوستان سے با اخلاق استادوں کو منگایا جائے اور اس خاک آزاد کو دینی اور دنیاوی معلومات سے نور اور تقدس کا ٹکڑا بنا دیا جائے اور ان کے اندر اجتماعی زندگی کا احساس پیدا کر کے توہم پرستی اور شخصیت پروری کو دور کیا جائے۔

(۲) جمعیت چمرکند اپنے مرکز میں ایک بہت بڑا مدرسہ جامعہ دیوبند اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے اصولوں پر بنائے تاکہ منتہی طالب علموں کی تعلیم کو کفیل ہو سکے اور ہر فن کے استادوں کو ہندوستان سے بلا کر کام شروع کیا جائے۔

(۳) جمعیت چمرکند ایک کتب خانہ تعمیر کرے جو کہ وسیع پیمانہ پر دینی اور عصری ہر قسم کی کتابیں رکھتا ہو۔

(۴) بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے بالعموم اور ہندوستانی مجاہدین اور سرحدی طلباء اور آزاد قبائل کے لیے بالخصوص ایک ہسپتال بھی تعمیر کیا جائے جو کہ جمعیت کی نیک نامی اور ہر دلعزیزی کا سبب بھی ہو گا اور اس سے سرحدی بھائیوں سے روابط اور تعلقات بھی مضبوط ہو جائیں گے۔

(۵) ایک اخبار بنام "المجاہد" فارسی یا پشتو (افغانی) زبان میں شائع کیا جائے اور مرکز کی طرف سے قبائل میں مفت تقسیم کیا جائے۔ تاکہ آزاد قومیں دنیا کے سیاسی حالات اور

Marfat.com

عالم اسلام کے حوادث سے باخبر رہیں اور ان کی ہمدردی کے جذبات اور زیادہ ہوں اور دشمن کی تدابیر سے غافل اور بے خبر نہ رہیں۔

(۶) چھپائی کے سامان کو حکومت افغانستان اور ہندوستان سے منگایا جائے۔

(۷) نئی قسم کا اسلحہ بندوق، رائفل، مشین گن اور دستی بموں کے گولے وغیرہ ضرورت کے مطابق جمعیت فراہم کرے جو کہ اس سے پہلے اس کے پاس نہیں ہے تاکہ ہماری جمعیت غیور اقوام ہند اور باجوڑ میں عزت اور رعب کی نظر سے دیکھی جائے۔

(۸) ہر فن اور ہنر کے استاد ہندوستان سے منگائے جائیں اور اپنی جمعیت کے پروگرام میں صنعت وحرفت کو بھی داخل کیا جائے اور بندوقیں بنانے کا ایک کارخانہ جو کہ ملت افغان کی زندگی کے لیے نہایت لازمی ہے اور کپڑا بننے اور لکڑی کا کام کرنے اور لوہے کے کام اور جوٹ سازی وغیرہ کے لیے فیکٹریاں بنائی جائیں جن سے نہایت مختصر طریق پر ممکن الحصول چیزیں تیار کی جائیں تاکہ ایک طرف تو جمعیت مجاہدین ہندوستان کی امداد کی محتاجی سے فارغ البال ہو جائے اور پوری تسلی سے اپنی اصلاح اور تعلیمی پروگراموں وغیرہ کی تعمیل میں مشغول رہ سکیں اور دوسری طرف اقوام سرحد میں تجارت وطنی کا شوق پیدا ہو کہ ان کی اقتصادی قوت کو درستی اور ترقی کا موقع بہم پہنچ سکے۔

(۹) اسمست کے مرکز کو بھی اتحاد اور اخوت کے سلسلہ میں لا کر اسی پروگرام کو ان کے اندر بھی رواج دیا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے۔ تاکہ ان کا جمود پوری طرح سے دور ہو جائے اور ان کے اندر زندگی اور بیداری کی روح پیدا ہو جائے اور سرحد بعید کی تمام قومیں (بونیر چملہ، مداخیل، حسن زائی، اکازائی اور اقوام کوہ سیاہ اور اقوام کوہ اباسین) مذکورہ مرکز سے مستفید ہو سکیں اور ریاست کشمیر اور پنجاب اور سرحد ہزارہ کے پہلو بہ پہلو آزاد قوموں کے برابر ہو کر اخوت اور وحدت اسلامی کی لڑی میں پروئے جا سکیں اور ضرورت کے وقت ان کی قوت کام آسکے۔

(۱۰) جب چمرقند کے مرکز کی اقتصادی طاقت اس حد تک ہو جائے کہ اقوام آفریدی اور مسعودی اور وزیری میں تعلیمی مرکز اور مدرسے قائم کر سکے تو اس وقت ان خدمات کو

پوری طرح بجالائے۔

(۱۱) مرکز افغانستان (کابل) میں ایک وکیل مقرر کیا جائے جو کہ دولت اسلامی کے ساتھ خصوصی تعلقات کو قائم رکھے اور آپس کے تعلقات کو تازہ کرتا رہے اور حکومت افغانستان کی ہدایات اور ارشادات کی مرکز کو اطلاع دیتا رہے کہ ان ہدایات کے مطابق سرحدات آزاد اور صوبہ پشاور میں ایک فکری وحدت اسلامی و افغانی کو پیدا کر کے تربیت دی جا سکے کہ یہ لوگ دلی اور جسمانی نفاق کو چھوڑ کر اپنی پہلی فرصت میں اپنے یگانہ مرکز افغانی و اسلامی (کابل) سے مربوط اور وابستہ ہو کر ایک متحدہ افغانی دولت کی تشکیل کر سکیں تاکہ یہ لوگ مسلمانان پنجاب اور ہندوستان کے لیے جایہ اور سرکش دشمن کے مقابلہ میں ایک طاقتور پشت پناہ ثابت ہو جائیں اور وہ بے انداز اور بے حساب سرمایہ جو کہ دو سو سال کے عرصہ سے سرحد کے رہنے والوں کی تالیف قلبی کے لیے صرف کیا جا رہا ہے اس کے نہایت پر معنی اور مقصد بر لانے والا ثابت ہو سکے گا

تعمیری کام

جبکہ اصلاح وارتباط وروابط مرکز اسمست نہایت ضروری تھی۔ مذکورہ بالا پروگرام کے ماتحت دفعہ آٹھ کے مطابق غفران پناہ مولانا عبدالکریم صاحب نے چمرکنڈ کے مرکز مجاہدین کو راقم الحروف کے سپرد کر دیا اور خود مرحوم بجانب اسمست تشریف لے گئے۔ میں نے اس فرصت کو غیبی انعامات میں سے سمجھا۔ فی الفور بغیر کسی دیر اور توقف کے اپنے کام کو باقی ماندہ مجاہدین میں خصوصاً نئے جوش سے کام شروع کر دیا۔ چمرکنڈ کا محل وقوع پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ میدان بہت کمیاب ہے لہذا پتھر ملے پہاڑوں کو اکھاڑ کر پروگرام کے مطابق اولاً ہم نے زمین کو پیدا کیا اور تمام عمارتوں کو بڑی جلدی صحت کے اصولوں پر کھلی فراخ ہوادار اور روشنی والی مدرسے، کتب خانے، شفاخانے، اسلحہ، کپڑا اور چمڑے کے کارخانوں کے لیے تیار کر دیا۔ ضروری مشینیں جو اس کام کے لیے ضروری تھیں اور دوسرا کام مبلغ بتیس ہزار (۳۲۰۰۰) روپیہ کو خرید کر لیا اور ہر فن اور پیشے کے مطلوبہ استادوں کو

پنجاب کے مختلف اضلاع سے جمع کیا اور دینی اور دنیاوی تعلیم کے رواج کے لیے اہل علم وفضل کو دعوت دی اور دن رات ہم نے اپنے ہاتھوں سے مشقت افزا اور محنت طلب کاموں کو انجام دینا شروع کیا اور بڑی جلدی پشتو زبان کو سیکھ کر قبائل سرحد کی اولاد کو بنفس نفیس خود علوم دینی اور عصری کی تعلیم دینا شروع کیا۔ چنانچہ سولہ طالب علم میرے پاس تھے۔ انہی میں سے محمد شعیب خاں اور میاں گل لیسراں خورد ملا صاحب باڑہ بھی میرے درس میں شامل تھے اور دو طالب علموں نے ابتدائی تعلیم کو پورا کر کے میرے انتظام اور خرچ سے دہلی کے مدارس میں داخلہ لیا تھا اور اب وہ فارغ التحصیل ہونے والے ہیں اور کوائی اور کوٹ کئی کی بستیوں میں دینی اور دنیاوی مدارس کی تشکیل کر کے رئیس خہر سے بھی اس مخصوص معاملہ میں گفتگو کی کہ آخر اس نے بھی ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی

بہت بڑا صدمہ

لیکن ہماری بدقسمتی سے اکبر نامی ایک شخص نے عقاید کفریہ روسیہ کو جامعہ اسلامیہ میں پوشیدہ طور پر جو روس کی حکومت سے مقرر تھا پھیلانا شروع کیا۔ وہ چمرقند میں وارد ہوا اس کے ساتھ دو آدمی (عطاء اللہ خاں اور عبدالوحید خاں) انگریزوں کے مخبر بھی تھے۔ محمد اکبر ہندوستان کی سیاحت کے ارادے سے چمرقند سے چلا گیا اس کا نکلنا تھا کہ اس کے پیچھے اکبر کو پکڑنے کے بہانے سے عطاء اللہ بھی دفعتہً غائب ہو گیا اور ادھر ایشیاور کی جانب سے اونٹ لوہے اور کپڑے کے کارخانوں کی مشینیں اور اٹھارہ ہزار روپیہ نقد بصورت نوٹ لے کر سرحد کی طرف رواں تھے۔ ہمارا وہ تمام مال واسباب اور نقدی اور آدمی عطاء اللہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے اور قید کی سزا ایک سال سے لے کر اکیس سال تک کے مستوجب قرار دیے گئے اور ہمارے راستے جو پہلے کافی آزاد اور لمبے خطر اور برطانوی حکام کی توجہ کا مرکز نہ تھے اور ہمارے آدمیوں کی آمد ورفت بالکل آزاد تھی اب محمد اکبر خاں کی وجہ سے زیر قانون ناکہ بندی آ گئے اور نہایت چالاک اور ہوشیار پولیس کے ایک سو آدمی خفیہ طور پر ہر وقت حرکت میں رہنے لگے ان کو پنجاب وغیرہ سے طلب کر کے استول

Marfat.com

کی حفاظت اور مجاہدین کی گرفتاری کے لیے مقرر کر دیا گیا جو کہ اب تک بھی موجود اور متعین ہے۔

ہر چند کہ یہ ہوشربا صدمہ ہمارے عقیدہ اور ارادے کو متزلزل کرنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن ہم نے آسمانی سچی تعلیم فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا اور اسی پروگرام کی تعمیل میں بھرکوشش کرنے لگے۔

غم بالائے غم

مگر وہی وقت تھا کہ مولوی بشیر صاحب وزیرستان کے مرکز سے کابل واپس آئے اور چمرکند میں پہنچ کر اپنی ریاست اور صدارت کا اعلان کر دیا اور چمرکند کی جمعیت کے بھائیوں میں اس طرح کا فتنہ وفساد شروع کر دیا کہ فداکار بھائیوں کی گرفتاری اور مال واسباب کی ضبطی اس نئی مصیبت کے سامنے کوئی وزن نہیں رکھتی تھی۔ ہمارا تعمیری کام پھر معرض التوا اور تعطل میں آگیا اور یہ بیقراری اس حد تک بڑھی کہ میں خود جو فتنہ وفساد سے ہزار فرسنگ دور رہتا ہوں اور مسلمانوں کے آپس کے فتنہ کے مقابلہ میں عزت اور مال سے دستبردار ہو جانے کو بدرجہا ترجیح دیتا ہوں میں اس فتنہ وفساد کی آگ کو بجھانے کے لیے اپنے اختیارات اور صدارت سے دستبردار ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود فتنہ وفساد ختم نہ ہوا اور کسی نے بھی مولوی صاحب کی ریاست اور صدارت کی طرف رجوع نہ کیا بلکہ جمعیت کے تمام بھائیوں نے ان پریشان کن حالات کو دیکھ کر ہندوستان واپس چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب اس نے مہاجرین کی پراگندگی اور انتشار کو اپنی آنکھوں سے یقیناً ملاحظہ کر لیا تو۔

اصلاح حال اور وعدہ تلافی مافات

جمعہ کے دن مورخہ ۲۷ رمضان سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق مارچ سنہ ۱۹۲۲ء کو چمرقند کی جامع مسجد

میں مجاہد بھائیوں کی موجودگی میں جو کہ اس وقت قریباً اسّی آدمی کے قریب تھے قرآن مجید کو سات بار شفیع اور سفارشی بنا کر مجھ بدبخت کو ریاست مجاہدین کے منصب ریاست پر پھر رضا مند کر لیا اور قرآن مجید کی قسموں سے ہم کو تسلی دی کہ آئندہ میں کبھی تمہارے ساتھ منافقت اور دورنگی کی چال نہیں رکھوں گا اور جتنی جلدی ہو سکا حکومت افغانستان کی معرفت کے دروازہ کو جمعیت کے تمام کارکنوں کے لیے کھول دوں گا۔ اور بالکل آزاد کر دوں گا اور جمعیت کی خاطر خواہ میں تلافی مافات کی کوشش کروں گا۔

خود میں نے بھی اور جمعیت نے بھی اس کی مضبوط قسموں پر اعتبار کر لیا اور جمعیت کی سفارت اور وکالت کا منصب بدستور سابق مشروط طور پر اسی کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ سابقہ پروگرام کی دفعات پانچ اور چھ کے ماتحت میں نے "المجاہد" اخبار کو شائع کیا۔ خود مولوی صاحب ہمیشہ کابل میں رہتے اور اکثر بار اس کی مضمون نویسی اور طباعت اور اشاعت میرے ذمہ ہی رہتی اور اس کے علاوہ برادران مجاہدین اور سرحدی بچوں کی تعلیم بھی میرے ذمہ ہوتی۔ جبتک اس کام کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں رہی اخبار "المجاہد" بڑی صفائی اور باقاعدگی سے ضروری مضامین کے ساتھ شائع ہوتا رہا اور اس کی بروقت اشاعت میں کبھی تاخیر نہ ہوئی۔ "المجاہد" کے مضامین کو اس زمانہ میں نہایت فخر سے افغانستان اور ہندوستان کے اخبارات مثلاً زمیندار اور مدینہ وغیرہ نقل کرتے تھے اور چمرکنڈ کے نام کو بڑی عزت سے تمام عالم اسلام اور یورپی ملکوں میں مشہور اور معروف کر دیا۔ ہندوستانی اور افغانستانی اخبارات نے اخبار "المجاہد" کے جاری ہونے پر تبصرے اور ریویو لکھے۔

وعدہ خلافی اور نئی غدّاری

اس نئے معاہدہ کے چند ماہ بعد جب مولوی بشیر کابل پہنچا تو ایک قاصد سلیمان نامی کو وزیرستان کے راستہ ہندوستان کی طرف روانہ کر دیا اور میرے برخلاف پروپاگنڈا شروع کر دیا کہ مولوی فضل الٰہی نے بھی مولوی نعمت اللہ خاں رئیس

Marfat.com

مجاہدین اسمست) مرحوم کی طرح عیاشی اور بدمستی کو اپنی زندگی کا دستور بنا لیا ہے۔ اور مجاہدین کی تربیت اور غور و پرداخت سے بالکل ہاتھ کھینچ لیا ہے اور ہندوستان کے مال سے باجوڑ اور کنڑ کے علاقوں میں زمین کی جائداد قریبًا دو ہزار جریب زمین اچھی اور زرخیز اور آباد خرید لی ہے اور مولوی محمد بشیر اور مجاہدین کی جماعت مسعود اور وزیرستان کے علاقہ میں ہوائی جہازوں کی گولہ باری کے نیچے ہیں اور اس کڑاکے کی سردی اور برف باری میں بغیر کسی معاش اور گزارہ کے دن گذار رہے ہیں۔ چونکہ ہندوستان کے آدمی اس کی وزیرستان سے واپسی اور چمرقند میں ورود سے باخبر نہیں تھے اور خیال کرتے تھے کہ ابھی تک مولوی بشیر صاحب اقوام مسعود میں مشغول جہاد ہے۔ لہٰذا مولوی صاحب کی تحریر اور ان کے قاصد کی زبان پر اعتبار کر کے قریبًا دس ہزار روپیہ قاصد کو دینے کا وعدہ کیا لیکن ضلع فیروزپور کے چند ہشیار آدمیوں نے جب قاصد کی زبانی تمام ماجرا سنا تو اس داستان کو جھوٹ پر محمول کیا اور تحقیق حال کے لیے کوشش کرنے لگے اور یہ راز مجھ پر اور دوسرے مجاہد بھائیوں پر سلیمان نامی آدمی اور ہندوستانی کارکنوں کی طرف سے کھلا اور اس پر بھی اس نے اکتفا نہ کیا بلکہ ہندوستانی اخبارات میں ایک مضمون شائع کرایا اور اپنے حق میں خوب پروپاگنڈا کیا اور کہا کہ چمرکند اور اسمست کے دونوں مرکز میرے ماتحت ہیں ان دونوں مرکزوں نے میرے اقتدار کو تسلیم کر لیا ہے اور تمام اختیارات کلی اور جزئی میرے ہاتھ میں آچکے ہیں۔

مرکز اسمست کے بائیکاٹ کے متعلق شرعی فتویٰ

ان تمام معاہدات کے توڑنے کے باوجود میں نے اپنے تمام معاملات کو رب واحد قہار کے سپرد کیا اور تعلیمی پروگرام کے متعلق کوشش کرتا رہا۔ انہی دنوں میں چونکہ مرکز اسمست نے کارکنان ہند کی مرضی کے خلاف مولانا نعمت اللہ خاں صاحب مرحوم کے زمانہ میں انگریزی حکومت کی طرف دوستی اور اتحاد کا ہاتھ بڑھایا تھا اور اکابرین ہند اور جمعیت چمرکند کے کارکنوں کی کوشش کے باوجود اصلاح کا مسئلہ ناممکن الحل رہا تھا آخر اکابر علماء ہند نے

Marfat.com

اپنے کسی رسمی اجلاس میں اکٹھے ہو کر بالاتفاق جمعیت اسمست کے برخلاف فتویٰ دیا اور محبت اور مدد کے رشتہ کو منقطع کرنے کو از روئے شرع شریف جائز سمجھتے ہوئے فتویٰ مذکور کو تمام مذہبی اخباروں مثلاً "اہلحدیث" امرتسر اور "محمدی" دہلی وغیرہ میں خاص و عام کی اطلاع کے لیے چھاپ کر نشر کر دیا۔ میرے پاس اس فتویٰ کا جواب جو کہ اسمست کے مرکز کے بعض مریدوں اور تعلق داروں کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ چمرقند کے مقام میں موجود ہے۔ اور انشاء اللہ اصل فتویٰ کو بھی اگر ضرورت ہو تو میں مہیا کر سکتا ہوں۔ اس فتوے کی اشاعت کے بعد میں نے مرکز اسمست کی اصلاح کے مسئلہ کو اصلاح ناپذیر سمجھتے ہوئے اس کی چنداں ضرورت نہ سمجھی اور خود مستقل طور پر کام کرنے کو بہتر اور مناسب خیال کیا جب یہ سب کچھ ہو گیا تو مولوی بشیر صاحب نے چمرقند کے استقلال میں کامیابی اور اصلاح اور ترقی کو یقینی دیکھتے ہوئے مترک مرکز اسمست کے اتحاد کے لیے دوبارہ اپنی کوشش شروع کر دی۔

جنگ منگل اور نئی غداریاں

انہی حالات میں منگل کی شورش کی آگ بھڑک اٹھی۔ میں خادم دین و دولت نے تیئیس آدمی مسلح باسلحہ جدید ذوالقرنین نامی آدمی کے ماتحت اپنا خط دے کر سردار علی احمد خان شہید کے پاس جلال آباد میں بھیجے اور ان کو ایک سو پونڈ خرچ کے لیے دیئے اور کہا کہ ان میں سے نصف (پچاس پونڈ) جمعیۃ مجاہدین وزیرستان کے لیے بھیجے جا رہے ہیں اور اس جگہ مجاہدین کی نفری کے لیے ایک روپیہ روزانہ کے حساب سے خرچ مقرر ہوا۔ تین چار دن بعد مولوی محمد بشیر صاحب ان کے پیچھے چلے گئے اور روپے ان کے ہاتھ سے لے لیئے جمعیۃ کا دو وقتہ خرچ روزانہ کل آٹھ نو روپے لیتا تھا۔ شائد دس گیارہ ماہ ہماری نفری جلال آباد میں مقیم رہی ہر دو ماہ کے بعد سردار مرحوم جو کہ مجاہدین کی جماعت سے بڑے خوش تھے کبھی دو سو تین سو روپیہ انعام دے دیتے تھے۔ جب ہماری اس نفری کا حساب کیا گیا تو قریباً سات ہزار روپیہ بچت میں آتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد اطلاع ملی کہ جمعیت مجاہدین وزیرستان

Marfat.com

کے اخراجات کے لیے روپیہ ضروری اور فوری درکار ہے جو کہ ایک ہزار سے کسی طرح بھی کم نہ ہو۔ چنانچہ ایک ہزار روپیہ کے نوٹ ان کے لیے بابا عبدالصمد اور عبدالمجید اور سعد بھائی کے ہاتھ میں نے بھیجا۔ میاں معاذ صاحب نے جو کہ ان دنوں میں جمعیت وزیرستان کے امام اور سرکردہ تھے۔ مجھ سے کہا کہ مجھ کو ان میں سے تین سو روپیہ ملا تھا۔

مولوی بشیر نے میری اطلاع کے بغیر اسمست کی جمعیت کو بالا بالا جلال آباد میں مدعو کیا اور ان کے ساتھ اتحاد اور صلح صفائی کی بات پختہ کر لی اور مجھ کو سردار مرحوم کی طرف سے احکام بھیج دیے گئے کہ اسمست کی جمعیت کے ساتھ صلح ضروری ہے آپ جیسا بھی ہو ضرور اتحاد کریں۔

منصب صدارت سے میری علیحدگی

جب مجھ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ مخالفت میں وقت تلف اور بے نتیجہ ضائع ہوتا چلا جائے گا اور مستقبل بالکل موہوم ہے تو میں اس خیال پر کہ میں صدارت کی خدمت کے بوجھ سے سبکدوش اور روزانہ مخالفت کے مخمصوں سے کنارہ کش ہو کر تمام وقت اور اپنی ہمت کو مجاہدین اور آزاد وطن کے لوگوں کے بچوں کی تعلیم میں تمام وقت صرف کر سکوں گا اور اپنے پروگرام کا ایک حصہ پورا کر لوں گا) اتحاد پر راضی ہو گیا اور تعلیمی خدمت اور اس کے اخراجات کی آزادی کی شرط کے بعد میں چرقند کی جمعیت کی صدارت سے اسمست کے حق میں دستبردار ہو گیا اور مبلغ چھ سو چھپن (۶۵۶) پونڈ نقد اور بارہ ہزار روپیہ افغانی اور تینتیس رائفلیں جو مہیا روسی تین مشین گنیں اور کارتوسوں کے تین صندوق اور ایک لائبریری جس کی قیمت چھ ہزار روپیہ اور پانچ عدد چھپائی کی مشینیں اور چھاپنے کا دوسرا سامان اور چھ راس خچر اور گھوڑے اور ہزارہا روپیے کی غلہ کی جنس اور چرکند کی تمام نفری اور کارخانوں کا سامان اور آباد مکان بونیر کے مرکز کے سپرد کر دیں اور اپنے لیے محض تعلیمی پروگرام کو مکمل کرنے کے لیے فقیری کو قبول کر لیا۔ میری طرف سے دو مکتوب اس مضمون کے بھیج دیے گئے کہ آئندہ کوئی قاصد مولوی فضل الٰہی کی طرف سے روپئے پیسے کی وصولی

کے لیے نہیں آئے گا اور اگر کوئی اپنے آپ کو مولوی فضل الٰہی کی طرف نسبت کر کے روپیہ طلب کرے تو وہ کذاب اور بہتان تراش اور ناقابل اعتبار ہے اس مکتوب کا مضمون بھی اس مسودہ سے منسلک کر دیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

امیر بونیر کی طرف سے عہد شکنی

امیر المجاہدین بونیر بسبب کاروبار معلومہ افغانستان کی سخت ضرورت سے مجبور تھے کہ چمرقند کو تا وقتیکہ وہ خود کہہ کامیاب نہ بنالیں مولوی محمد بشیر کے سپرد کریں مولوی فضل اللہ صاحب مرحوم کو اسی مقصد کے لیے کابل میں بھیجا گیا لیکن وہ اسی جگہ جا کر فوت ہو گئے ان کے بعد بونیر کے آدمیوں میں کوئی اس قسم کا آدمی ہی نہیں تھا جو کچھ لکھا پڑھا یا مجاہدین یا اقوام سرحد مشرق اقصیٰ میں صاحب اثر و رسوخ اور قابل اعتبار ہوتا۔ لہٰذا یہ مسئلہ بدستور ناحل اور مولوی صاحب کے ہاتھ ہی میں رہا۔ چونکہ بونیر کا مرکز بوجہ اپنے جمود کے تحریکات حاضرہ ہند کی موجودگی میں ہندوستان میں بہت سے اعتبار کھو چکا تھا اور آزادی خواہان ہند کی کسی امید کا محل نہیں رہا تھا اور اس کے علاوہ ریاست ہیال گل دالیے سوات کی سیاست سے جو کہ برطانیہ کا سب سے بڑا حلیف ہے چاروں طرف سے ان کا مرکز محدود اور محصور تھا اور کسی تعمیری کام کے قابل بالکل نہیں رہا تھا اور اقوام سرحدات آزاد میں اس کی عزت صرف افغانستان کے تعلقات کی بقا پر ہے اور افغانستان کا کام جزواً و کلاً سارے کا سارا مولوی بشیر کے ہاتھ میں ہے۔

ان حالات میں امیر بونیر مولوی محمد بشیر صاحب کی مرضی کے برخلاف کسی صورت بھی کوئی کام نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ اس کے ہاتھ سے کام کی باگ ڈور چھوڑی یا نہ یا وہ لے لی جائے گی پھر معلوم ہو گا کہ ان کے دلوں کی پوشیدگی میں کیا کیا گلہ گذاری مخفی ہے غرض چمرقند کے مرکز کی باگ ڈور افغانستان کے تعلقات کی وجہ سے مولوی صاحب مذکور کے ہی سپرد کر دی گئی۔ بلکہ تعلیمی شرائط کو جو کہ جماعت اور ملک میں زندگی اور فکر پیدا کر سکتی تھیں ان پر بالکل عمل نہ کیا۔ بلکہ مولوی محمد بشیر صاحب کے اشارہ پر دو تین طالب علموں کو نکالنے پر

(جو کہ میرے پاس باقی رہ گئے تھے اور میری مالی قوت بمشکل ان کے گذارے کفیل تھی اور ان کا کوئی بوجھ مجاہدین کے سر پہ نہیں تھا) بار بار زور اور اصرار کرتے رہے۔

مجھ خادمِ دین و ملّت کو چمرکند سے نکالنے کے لیے مولوی بشیر صاحب کی کوششیں

اگرچہ مجھ پر جمعیت اسمست اور چمرقند کی طرف سے تعلیمی پروگرام کی تعمیر کے لیے وہ تمام ذرائع جو درکار تھے بند کیے جا چکے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ میرے لیے بہت مفید ثابت ہوا کیونکہ میں سرحدات کے دورہ اور سیر اور تبلیغ احکام اسلام اور تحریک تنظیم و تعلیم کی پالیسی کے لیے ہمہ تن فارغ ہو گیا۔ چنانچہ کئی دفعہ میں نے سرحد آزاد کے طول و عرض (باجوڑ، اتمان خیل دیر، صوات، کوہستانہا، اقوام سرحد اقصیٰ) کی سیاحت کی اور ان کے درمیان مرکز قائم کرکے تحریک اتحاد اور تنظیم کی توسیع کی۔ چنانچہ رؤسائے سوات کے بعض کاغذوں سے یہ حقیقت واضح ولائح ہو جائے گی جو کہ مجھ کو اعلیٰ حضرت غازی کے لیے دیئے گئے تھے۔

لیکن میری یہ خدمت بھی مولوی صاحب کو پسند نہ آئی۔ جناب حاجی ترنگزئی اور گل صاحب پسر ملا صاحب باڑہ اور علمائے مہمند اور باجوڑ کو کہ جن کے عوام اور خواص کی نفری چار سو سے بھی زیادہ تھی چمرقند میں اکٹھا کیا اور میرے نکالنے کے لیے بہت سی کوششیں کی گئیں۔ وہ لوگ جب حقیقت حال سے باخبر ہوئے تو اس کی منشا اور توقع کے خلاف فتویٰ دیا کہ جس کی نقل جناب کے ملاحظہ کے لیے مسودہ کے ہمراہ لگا دی گئی ہے۔

پہلی مرتبہ بھی یہی مولوی صاحب تھے کہ جنھوں نے اپنی حرکتوں سے مجھ کو ترک وطن اور گھر کے لیے مجبور کر دیا اور اس مسافری کے عالم میں بھی اس نے مجھ کو آرام سے نہ بیٹھنے دیا اور ایک دوسری ہجرت کے لیے مجبور کیا اور مجبور کر رہا ہے۔

چمرکند کے سامان کا بونیر کے مرکز کی طرف منتقل کیا جانا

بونیر کے آدمی بھی مولوی صاحب کی ان حرکتوں سے تنگ آ چکے تھے اور بونیر واپس جانے

Marfat.com

کے لیے مشورے کرنے لگے۔ یہی وقت تھا کہ آدھا مال اور اسباب جو کہ حاجی صاحب کے فیصلہ میں اس کے ہاتھ میں رہا تھا فی الحال اس کو بونیر کے مرکز میں پہنچایا جا دے اور پھر ان کو چمرکند کے قیام پر راضی اور متفق کر لیا۔

میرے اور میرے اہل و عیال کے قتل و غارت کی سازش

جب میرے نکالنے کی مولوی صاحب کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہ گئیں تو چند آدمیوں کو جو کہ اخلاقی مجرم تھے اور ناحق قتل میں ہندوستان سے فرار ہو کر چمرقند میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔ ان لوگوں کو مولوی صاحب نے میرے اور میرے اہل و عیال کے قتل پر ترغیب دے کر آمادہ کیا اور سازش مکمل کر لی گئی۔ لیکن یہ سازش بر وقت منکشف ہوگئی اور ہم اس کے ظلم کے ہاتھ سے محفوظ رہ گئے فالحمد للہ۔

اس سازش کے بعد مولوی صاحب نے ہمارے پینے کے پانی میں زہر ڈلوا دیا کہ جس سے میں خود اور میرے اہل و عیال اور تین کس یتیم بچوں نے پانی پیا۔ لیکن فضل خداوندی ہم مظلوموں کے شامل حال تھا۔ ہم میں سے ہر ایک کو خود بخود دستے اور دست جاری ہو گئے اور چند روز بیمار رہ کر ہم نے پھر سے دوسری زندگی حاصل کر لی اور ہمیشہ اپنے حسب حال یہ شعر یاد رکھتا ہوں ؎

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نہ بود — ورنہ از دل بے رحم تو تقصیر نہ بود

البتہ اس زہر کا اثر میرے دانتوں پر بہت بری طرح پڑا کہ ہمیشہ یا اکثر اوقات میں ان کی تکلیف پاتا ہوں۔

امان اللہ خاں کے تاریک عہد میں صدائے احتجاج

ہمند کے وکلاء ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ کو مرکز میں بلائے گئے۔ یہ لوگ میری مظلومیت اور میری خدمات سے واقف تھے۔ ان لوگوں نے حاجی محمد اکبر خاں رئیس قبائل سرحد کے ذریعہ تقریراً و تحریراً میری خدمات اور جفاکشی کی تصدیق کی اور امان اللہ کے تاریک عہد میں مولوی صاحب مذکور کے برخلاف ان لوگوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اس وجہ سے تھوڑا بہت حکومت

Marfat.com

کے ذہن میں مولوی صاحب کی طرف سے تغیر پیدا ہوا۔ میرے حقوق کو تسلیم کیا گیا اور مولوی صاحب کو متنبہ کہہ دیا گیا۔ لیکن آخر میں وزیر صاحب جنگ جو کہ مولوی صاحب کی ذات کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب کی فرمائش کے مطابق مدعیٰ علیہ کا بیان سننے کے بغیر مولوی صاحب کے دعوی کو سچائی اور راستی پر محمول فرماتے ہوئے مجھ کو آمادہ کیا کہ میں خواہ مخواہ ان کے فیصلہ کو تسلیم کردوں میں نے ان بے بسی کے حالات کو دیکھا تو اپنے مال وجان اور حال اور استقبال ہر چیز اس واحد قہار ذات کے سپرد کیا اور اس مرض کو لاعلاج سمجھتے ہوئے جو کچھ انہوں نے فرمایا اس کو میں نے جاری کر دیا گویا کہ اپنی سیاسی زندگی کے فنا پر اپنے ہاتھ سے خود دستخط کر دیئے اور جو کچھ انہوں نے فرمایا اس پر میں نے عمل کیا اسلحہ اور کتابیں اور باقی تمام چیزیں بھی جو کہ حاجی صاحب کے فیصلہ کے مطابق میری متعلقہ جمعیت کو دی گئی تھیں وہ بھی مولوی صاحب کے سپرد کر دی گئیں اور معاہدہ اور قانون عرفی اور شرعی کے برخلاف وہ قرضہ جو اس افراتفری کے دوران میں میری جمعیت کے متعلق عائد ہوا تھا اس کی ادائیگی میرے ذمہ ڈال دی گئی۔ معاہدہ مذکور کے مطابق میری حیثیت اول درجہ کی تسلیم کر لی گئی اور میرے اخراجات بھی اول درجہ کے مقرر ہوئے لیکن یہ عجیب قسم کی ستم ظریفی ہے کہ میں تمام جمعیت مجاہدین میں قانون حقہ شریعت کے مطابق نماز کی امامت کا بہت زیادہ حقدار تھا آسمانی حق کو بھی پامال کر کے مجھ کو اس حق عطیہ خداوندی سے بھی محروم کر دیا۔ اور میرے اخراجات نہایت درجہ ذلیل یعنی تین روپے ماہوار اور میرے بچہ کے لیے دو روپے ماہوار خرچ مقرر کیا گیا جو کہ اس وقت سے لے کر اس وقت تک ایک پیسہ بھی بیت المال سے میں نے نہیں لیا۔ جب تک میرے گھر کے خاندان والوں کو خبر نہ تھی میں نہایت تنگی اور محنت و مشقت میں رہا۔ اس سیر و سفر کے تمام اخراجات جو کہ میں نے سرحدات کے طول وعرض میں حکومت کی خدمات کے لیے وہ بھی اپنے ذاتی خرچ پر طے کئے تھے۔ البتہ غلے کا آٹا جو کہ اس علاقہ میں بغیر چکی کے بہت ہی مشکل الحصول ہے وہ میں نے مجاہد بھائیوں کے جرگہ کی درخواست پر قبول کر لیا۔ ان تمام مشکلات کے باوجود میں نے کبھی اپنے مجاہد بھائیوں کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔

Marfat.com

بونیر کی سیاست اور مرکز کی اصلاح بصورت قیام مجلس شوریٰ اور اس کی بربادی

ماہ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ میں مجاہدین بونیر کے امیر صاحب اور برادران اسمست کو اپنے امور داخلہ کی اصلاح کے لیے میں نے بلایا۔ چنانچہ میں بھی اس جگہ گیا اور بالاتفاق یہ طے پایا کہ جمعیت کے انتظام کو ایک مجلس شوری کے ہاتھ میں دیدیا جائے۔ اس مجلس کو ہندوستانی کارکنوں نے بھی تسلیم کر لیا اور پھر مجاہدین کی امداد کے ہاتھ کو کھول دیا لیکن اس قسم کا وجود چونکہ نہ تو امیر مجاہدین بونیر کی مطلق العنانی کے لیے اور نہ ہی مولوی بشیر صاحب کی یکتائی کے لیے مؤید اور مفید تھا۔ لہذا اسی وقت مداخیل کے سربرآوردہ لوگوں کو خفیہ طور پر بلا کر اور ترغیب دے کر اس مجلس[1] کو پراگندہ اور منتشر کر دیا گیا۔ مجاہدین بنگال و ہندوستان کے آدمی کہ جن کی ہجرت کو تیس تیس اور پچاس پچاس سال ہو چکے تھے ایک سو پانچ آدمیوں کی تعداد عین ان دنوں میں کہ تحریک جہاد سرحدات کے کل مقامات پر ۱۳۴۹ھ (۱۳۴۸) میں پورے عالم شباب پر پہنچی ہوئی تھی۔ ہندوستان کی طرف کوچ کر آئی اور احتجاجی طور پر اکٹھے ہی اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئے اور اپنے مذہبی اور سیاسی عقائد کے برخلاف بڑی خوشی سے پولیٹیکل ایجنٹ پشاور سے اجازت لیکر سرکاری اخراجات پر اس سفر واپسی کو انجام دیا گیا کوئی آدمی ایسا ہے جو کہ اس واقعہ سے انکار کر سکے۔

امیر صاحب و شہزادہ صاحب بونیر کا مکتوب بھی ملاحظہ کے لیے پیش کیا گیا ہے

مجلس شوریٰ کو توڑنے کے نتائج اور ہندوستان کے مہاجرین کی واپسی

مجلس شوری کے توڑنے اور مہاجرین کے واپس ہو نے کے بدترین نتائج میں سے

[1] اسی مجلس میں میرے معاملات بھی تحقیق اور تنقیح کے لیے پیش ہوئے اور مجھ کو دشمنوں کے تمام الزامات اور پروپاگنڈا سے بے گناہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس تصدیق نامہ کی نقل اس کے ہمراہ منسلک کر دی گئی ہے ۱۲

Marfat.com

یہ بھی ہیں۔ کہ

(۱) صوبہ بنگال پورے کے پورے نے اور صوبہ بہار نے جزوی طور پر مجاہدین اسمست کی مدد سے پھر اپنے ہاتھ کو چھوٹا کر لیا۔

(۲) وہ تھوڑا بہت اعتماد دیکھ کر یاغستان کے مہاجرین کے حق میں ہندوستان کے خاص و عام مسلمانوں کے دلوں میں باقی رہ گیا تھا وہ اب چراغ سحری کی طرح آخری سانس لے رہا ہے۔

(۳) امیان گل والے صوات نے اپنے وزیر ملک کے ذریعہ جو کہ اقوام بونیر و چملہ سے اسلحہ کی فراہمی کے لیے ان اطراف میں آیا ہوا تھا۔ شہزادہ صاحب مولوی برکت اللہ خاں کو اپنی خدمت میں بلایا اور ان کو تنبیہ کی کہ اپنے ٹھہرنے کے لیے کوئی اور جگہ تجویز کر دو۔ یہ سب کچھ مجاہدین کی نفری کی کمی کی وجہ سے واقع ہوا ورنہ وزیر ملک کی کیا طاقت تھی کہ اس قسم کی تہدید ایک پناہ گزین طائفہ کو جو کہ دوسری قوم کے علاقہ میں متوطن ہیں کہہ سکے۔ ۱۸۲۳ء اور ۱۹۳۲ء کے زمانہ میں یہ فرق قدرت بے نیاز کے عجائبات میں سے دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے کے لائق ہے۔

سالہا اندیشہ مے پختیم کز دور سپہر | کارہا آخر چنیں تا آنچناں خواہد شدن
یا بریں منوال گنج سیم و زر خواہیم یافت | یا دراں اقلیم حکم ما رواں خواہد شدن
عاقبت معلوم شد کیں ہیچ ہم از ہوائے نیست | آنچہ ما پنداشتیم غیر آں خواہد شدن

غالب کا کلام قدرتاً ہمارے حال سے کیسی موافقت رکھتا ہے جو کہ ماضی اور موجودہ حال کی ترجمانی اپنی فراست سے مندرجہ ذیل کے کلمات سے کرتا ہے۔

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل | زنہار اگر تمہیں ہوس نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو | میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط | دامان باغبان و کف گلفروش ہے
یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں | نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی | اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

Marfat.com

مولوی بشیر صاحب کی ریاست کی برکات

(۱) نئی اور پرانی پارٹیوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے چمرکنڈ کے مرکز کو اپنی امیدوں کا محل سمجھ رکھا تھا اور اس کی سرپرستی اور حمایت میں دلچسپی رکھتے تھے اور عملاً ہمدردی کرتے تھے اس دن سے کہ مولوی بشیر صاحب نے اپنے آپ کو مرکز بونیر سے وابستہ اور ملحق کر لیا ہے تمام کے تمام بائی کاٹ کر گئے ہیں اس لیے کہ ان کی معلومات کے مطابق بونیر کا مرکز بدستور سابق بلکہ پہلے سے بھی زیادہ برطانوی حکومت سے اتحاد قلبی اور معاہدہ رکھتا ہے اور مسلمانان ہند کے مفاد اور تحریکات یا در وطن کے لیے کوئی کام نہیں کر سکتا۔

(۲) صاحب تقوی و طہارت آدمیوں اور لائق کار اور معتبر شخصوں نے اس کی بیکاری اور جمود سے تنگ آکر وطن کی واپسی کو وہاں بیکار بیٹھنے پر ترجیح دی اور ان میں سے اکثر ہندوستان کو چلے گئے اور بعض حجاز کی جانب اور بعض دوسرے اطراف و اکناف میں پراگندہ حال ہو گئے اور چمرکنڈ کے مجاہدین کی قوت دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے پہلے زمانہ میں ان کی تعداد ستر اسی تک پہنچی ہوئی تھی اور اب بارہ اور پچیس کے درمیان ہے۔

(۳) چمرکنڈ کے رہنے والے اور جہندار باجوڑ کے قبائل مولوی صاحب اور ان کے رفقاء کار کے کام اور رفتار سے کشیدہ خاطر رہتے ہیں اور کئی دفعہ فریقین کے درمیان جنگ و جدال ہو چکا ہے اور دونوں فریقوں کے نقصان کا باعث ہوا ہے۔

(۴) مجاہدین اور غیر مجاہدین کی تعلیم و تربیت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور اسلام اور اقوام افغانستان کی اصلی خدمت موقوف ہو چکی ہے۔ اقوام کو اس جمعیت سے کوئی فائدہ اور نفع ہاتھ نہیں آ سکتا اس جمعیت کا وجود اور عدم وجود بلحاظ منافع اقوام اور بہ تقاضائے دولت اسلام بالکل برابر ہو چکا ہے۔

(۵) اخبار "المجاہد" جو عہد ماضی میں بلاناغہ اور بلاتاخیر ہمیشہ مہینہ میں دو بار مقررہ وقتوں پر شائع ہوتا تھا اب پورے سال میں بمشکل دو دفعہ شائع ہوتا ہے حالانکہ سامان طباعت کے ذخیرے از قسم کاغذ، سیاہی، موم کا غذ نہیں کئی سال کے استعمال کے لیے چمرکنڈ میں موجود ہیں۔ ان

Marfat.com

سب باتوں کے باوجود اخبار مذکور بہت کم اشاعت پاتا ہے۔

باوجودیکہ مجاہدین کی نفری نہایت تھوڑی اور جماعت کے اخراجات نہایت محدود اور انتہا درجے کی کفایت شعاری ہے اور دولت اسلامیہ کی طرف سے چمرقند کے مرکز کو مادی امداد بے حساب کبھی چوبیس ہزار روپیہ اور کبھی چودہ ہزار روپیہ اور باجوڑ کے علاقے کا غلہ نہایت ارزاں نرخ پر ان کو ملتا ہے اور دو دو مہینے تک مجاہدین کی نفری کو گوشت کی خوراک نہیں دی جاتی صبح و شام سوائے مسور کی دال کے کوئی چیز نہیں پکائی جاتی کوئی مدرسہ نہیں بنایا گیا کہ اس سے اخراجات زیادہ ہو گئے ہوں کوئی دوسرا مرکز بھی نہیں ہے کہ پہلے کی طرح وزیرستان یا آفریدستان میں ہو اور اخراجات کی زیادتی کا باعث ہو۔ کوئی اسلحہ ایسا نہیں ہے جو قیمتاً خریدا گیا ہو اور کوئی مہم ایسی نہیں آئی جو زیادہ خرچ کا باعث ہو گئی ہو، ادویات کے ذخیرے بھی کوئی نہیں ہیں جو مجاہدین کے علاج معالجہ کے لیے خریدے گئے ہوں۔ کوئی جہاد اور غزا نہیں ہے کہ اس میں اخراجات کی ضرورت پیش آئی ہو اس لیے کہ سرحد کے آدمی غازیوں کو نہایت کشادہ دلی سے روٹی اور اخراجات بہم پہنچاتے ہیں۔ کوئی فیکٹری ایسی نہیں ہے جو اخراجات کی محتاج ہو کوئی جلسہ یا محفل ایسی نہیں ہے کہ جس پر دولت خرچ ہو گئی ہو کوئی ملازم یا تنخواہ نہیں ہے کہ اس کی تنخواہوں کی ادائیگی میں روپیہ خرچ ہو گیا ہو۔ راقم الحروف کے لیے تین روپے ماہوار مقرر کئے گئے تھے اور میں نے روز اول سے لے کر اس وقت تک ایک پیسہ بھی بیت المال سے نہیں لیا ہے جبکہ مجھ کو اول درجہ کا رکن تسلیم کر کے میرے اخراجات کے لیے تین روپے ماہوار مقرر ہوئے ہیں تو اسی حساب سے باقی نفری کے اخراجات کا بھی جو کہ درجہ اول کے رکن نہیں ہیں اندازہ کیا جا سکتا ہے پس کیسے ممکن ہے کہ ان ناقابل برداشت حالات میں کوئی صاحب علم و قلم چمرکند کے مرکز میں اقامت گزین ہو سکے چنانچہ کئی سال کے عرصے سے کوئی صاحب علم و فضل اگر بدقسمتی سے چمرکند میں وارد ہوا ہے تو ... بیزاری اور نفرت سے وہ یہاں سے گیا ہے کہ اس کو اگر چمرکند کا نواب بھی بنا دیا جائے تو وہ اس کو دیکھنے کا بھی روادار نہ ہو گا۔ لیکن کس مقام اور محل پر یہ بے حساب سرمایہ جو کہ حکومت افغانستان سے جمعیت کے لیے دیا جاتا ہے خرچ ہو جاتا ہے۔ اس

Marfat.com

کفایت شعاری اور کم خرچی اور تنگ گیری کے باوجود مولوی صاحب ہمیشہ شاکی رہتے ہیں کہ بیت المال میں روپیہ نہیں رہا۔ قرض کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہر سال ایک دو بندوقیں ناخوانده اور بے خبر اور ساده لوح نیاجرین کے شکوک وشبہات کو رفع کرنے کے لیے رہن رکھ کر قرضہ حاصل کیا جاتا ہے تاکہ کوئی آدمی بھی مولوی صاحب کے سامنے اپنی حاجت بیان کر کے مادی امداد کی درخواست نہ کر سکے اکثر مجاہد مرد اس مفلوک الحالی اور پریشانی سے متاثر ہو کر بعضے تو کابل کو اور بعضے ہندوستان کو چلے گئے ہیں۔

پس اس قدر سرمایہ بیت المال سے کہاں جاتا ہے یہ ایک سوال ہے کہ اس کا حل محتاج تحقیقات دقیق دولت افغانستان ہے اور بس۔

بیت المال کا روپیہ خرچ کرنے کے مقامات کی تشریح کے وجوہات

ان تمام تشریحات اور توضیحات کی علت غائی صرف یہ ہے کہ ذات شاہانہ اعلیٰ حضرت نے اسی سوال کو کئی دفعہ زیر بحث لا کر معلومات حاصل کرنا چاہا ہے پس حکومت کے تمام ارکین بہت زیادہ ذمہ وار ہیں کہ اس مسئلہ پر گہری توجہ فرمائیں اور کسی تسلی بخش اور صحیح حل کو تجویز کریں۔

ان مسائل کے متعلق عدم استفسار ہی نے مولوی بشیر صاحب کو مطلق العنان بنا دیا ہے اور اس کے ہاتھ کو ظلم اور ستم پر دراز کر دیا ہے۔ اور جمعیت کی سو سالہ نیک نامی اور ہر دلعزیزی کو رسوائے عالم کر دیا ہے اور ارباب بصیرت وہوش کا طبقہ اس دولت کے داد و دہش کو محل استہزا اور مضحکہ میں لا کر حکومت کی مآل اندیشی اور تدبر پہ زبان لعن وطعن دراز کرتا ہے۔

یہ ہے حال نکبت مآل جمعیت مجاہدین لونیر و چمرکند کا جو کہ مادر وطن کی آزادی اور خدمت اسلام کا دعوی سرحد اور غیر سرحد کی تمام جمعیتوں سے بڑھ کر کرتی ہے۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد بالکل سچ ہے اور ہمارے موجودہ حال کے بالکل مطابق۔

(۱) فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ

(سورہ محمد)

Marfat.com

(۲) فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ٥
(سورۃ الحدید)

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی | اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
میخانے نے رنگ و روپ بدلا ایسا | میکش میکش نہ رہا نہ ساقی ساقی

حلّ مشکلات

مرکز اسمست چونکہ جمعیت مجاہدین بونیر پر شروع سے لے کر ہندوستان کا روپیہ اور افغانستان کا سرمایہ بے حساب خرچ ہو چکا ہے اور جمعیت ابھی تک اپنے نام کو ایک حد تک عالم وجود میں سنبھالے ہوئے ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ جمعیت مذکور ختم ہو جائے اس لیے کہ ایک مدعی اسلام آدمی کو ختم کرنے کی سزا ابدیہ جہنم ہے تو اگر ہم پوری ایک جمعیت کو معدوم کر دیں تو وہ کس قدر عذاب الیم کو ہمارے لیے منسوب قرار دے گی؟ اس بنا پر ہم اصلاح کے خواہشمند ہیں اور بس تاکہ جمعیت مذکور موت سے ملتی جلتی زندگی سے خلاصی پا کر اسلامی اور کام کی زندگی سے مشرف ہو جائے اور ملک کی اور خود مجاہدین کی ایک صحیح راہنمائی کر سکے۔ میرے ناقص فکر میں اس کی اصلاح کی یہ صورت ہے کہ۔

(۱) مولوی محمد بشیر صاحب کو جو کہ حکومت افغانستان اور جمعیت مجاہدین کے درمیان ایک بہت بڑا حجاب اور سدّ سکندری بنے ہوئے ہیں۔ درمیان سے ہٹا دیا جائے۔ اور حکومت عالیہ اپنے تعلقات کو سرے سے مرکز بونیر کے ساتھ قائم اور استوار کرے۔

(۲) حکومت کا وظیفہ امیر مجاہدین اسمست بونیر کے نام پر جاری کیا جائے اور اسی کو دیا جائے اور یہ طے کر لیا جائے کہ امیر مجاہدین بونیر ہر سال اپنے ایک خاص وکیل کو جو کہ مولوی محمد بشیر صاحب کے علاوہ کوئی اور شخص ہو، بھیج کر وظیفہ کو وصول کیا کرے۔

(۳) افغانستان کے علاقہ میں داخل ہونے کے لیے راہداری امیر مجاہدین بونیر کی مہر اور اجازت اور منظوری سے قابل اعتبار سمجھا جائے۔

(۴) حکومت عالیہ اس لیے کہ جمعیت مجاہدین میں روح کار اور از سر نو زندگی عود کرے ایک

پروگرام جو کہ قبائل سرحد آزاد کی اولاد کے لیے تعلیم پر مشتمل ہو ترتیب دے کر اس جگہ تربیت دے تاکہ وہ روپیہ جو حکومت دیتی ہے ضائع نہ جائے اور نیز ایک مرکز کہ جس کی بنیاد سادات بزرگان دین دور دراز کے ملکوں میں رکھی گئی ہے کہ جس کا اثر کشمیر تک بھی پہنچ سکتا ہے بہتر یہ ہے کہ حکومت اس کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔

اصلاح چمرکند

چمرکند ایک ایسا مرکز ہے کہ جس کو جمعیت مجاہدین نے سرحد مہمند و باجوڑ کے اندر حکومت افغانستان کے پہلو میں بنایا ہے چونکہ اس جگہ سے حکومت عالیہ مہمند، باجوڑ، دیر اور اتمان خیل کے علاقہ میں صحیح خدمات مرکز چمرکند کے نام پر ہی سرانجام دے سکتی ہے اور لونیر کا مرکز ابھی تک اپنے وجود میں اپنی زندگی بھی پیدا نہیں کر سکا ہے اس لحاظ سے چمرکند کے مرکز کو لونیر کے ہاتھ میں دیدینا ایک صحیح کام کرنے والے عضو کو مفلوج کرنے کے مترادف ہے۔

مجھ خادم دین و دولت کی تجویز یہ ہے کہ موجودہ حالات میں چمرکند کے مرکز کو حکومت علیہ جمعیت مجاہدین اسمست سے لے کر مجھ خادم کے پر لئے بنائے ہوئے پروگرام کو اس میں جاری کرنے کا حکم صادر فرمائیے اور اس خادم کے اخلاص اور فداکاری کا تجربہ کرنے کے لیے اس کی خدمت کو اگرچہ آپ کے حضور میں یہ نہایت درجہ کی جسارت اور گستاخی ہے مجھ بندہ کے سپرد کیا جائے۔

تقسیم وظیفہ

اسمست کا وظیفہ حکومت کی طرف سے صرف چار ہزار روپیہ سالانہ تھا اور چمرکند کی کوشش سے اس کو بڑھا کر بارہ ہزار تک کر دیا گیا اور یہ بھی ہے کہ تعلیم کا جاری کرنا اور نفاق کو دور کرنا اور خلوص کو پیدا کرنا بہت طویل محنت چاہتا ہے ہو کہ سوائے کثیر روپیہ اور سرمایہ خرچ کیے ممکن نہیں ہے پس یہ مفاد ملی کے منافی نہیں ہوگا اگر حکومت بحالت موجودہ کہ اسمست جمود کی حالت میں ہے اور چمرکند وقف عمل ہو رہا ہے اسمست کے لیے تو وہی اس کا پرانا وظیفہ چار ہزار

ہی رکھا جائے اور نیا آٹھ ہزار روپیہ چمرکند کے مرکز کو مرحمت فرمایا جائے تو یہ بہت زیادہ موزوں اور نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔

اگر اس کے بعد مرکز اسمست چمرکند کی فداکاری سے سبق حاصل کر کے حکومت کے پروگرام کے مطابق اپنی رفتار بنالے اور اپنی زندگی کے فائدہ کو ثابت کر دے تو حکومت وظیفہ کی تقسیم اور دونوں مرکزوں کے اتحاد میں اختیار رکھتی ہے۔ میرا مقصد صرف کام ہے اور بس۔ جبکہ بحالت حاضرہ مرکز جاہد لونیر اور مولوی محمد بشیر صاحب کی شرکت سے جو کہ بے تعلیمی اور بے کاری کا حامی ہے (کہ خود وہ اور امیر اسمست دعوی کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ سرحدات آزاد میں کوئی ایک آدمی بھی اس کے شاگردوں اور فیض یافتگان علوم میں سے موجود ہے) پہلا تجربہ شہادت دیتا ہے کہ کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔

اپنی جدائی کہ میں مخلص فداکار ہوں اور چمرکند کے مرکز کی جدائی کو دولت مجاہد وقف کار کے ساتھ اتصال رکھتا ہے اور وظیفہ کی تقسیم کو مجبوری کے ساتھ لازم سمجھتے ہوئے میں عرض کرتا ہوں کہ اگر حکومت عالیہ خادم کی تجویز کو شرف قبولیت بخشے تو دوسرے صنعتی اور تعلیمی اور اولاد سرحد کی روحانی تربیت میں دوسرے پروگرام کو آگے بڑھا کر اس کے متعلق حکومت کی لازمی ہدایات کو حکومت سے حاصل کروں گا انشاء اللہ۔

غیر ضروری درخواست

اگر حکومت عالیہ کے بے دریغ سرمایہ خرچ کرنے کا مقصد صرف سخاوت اور بخشش ہے تو میں عرض کرتا ہوں کہ خداوندی حکم کے مطابق شاہی سخاوت کے لیے موزوں ترین حقدار صرف وہی لوگ ہیں کہ جن کا حال اس آیت مذکورہ کے ذیل میں آتا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا

(سورۃ البقرہ ۳۷)

(۲) اور اگر یہ بخشش دعاگوئی اور مسافر نوازی کے اصول پر ہے تو ہو سکتا ہے کہ

کوئی دوسرا دعاگوئی اور غائبانہ خیر خواہی میں اپنے ہم زمانہ اور ہم عصروں سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہو۔

(۳) اور اگر یہ نوازشات اور مرحمات حکومت کی خدمات کے صلہ میں ہیں تو عقلمندی اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ خدمات کا موازنہ کیا جائے۔ کہ کس آدمی نے اپنے گھر اور اپنے دوستوں کے گھروں سے مال اکٹھا کیا اور حکومت کی خدمت میں اس کو خرچ کر ڈالا اور اس کے ساتھ ہی کسی معاوضہ کی کوئی درخواست نہ کی اور کس آدمی نے بیت المال سے اپنی جیبیں پر کر لی ہیں۔

کس آدمی کا خاندان دین و دولت کی خدمت کے صلہ میں برباد اور پراگندہ ہوا اور ناقابل برداشت قرضہ کے بوجھ تلے آیا اور وہ کون آدمی ہے جس کے پاس پہلے کوئی جائداد نہ تھی اور مقروض تھا اور اب ایک وسیع جائداد اور بہت بڑے سرمایہ کا مالک ہے جو کہ اس کی کئی پشتوں تک کو کافی ہو سکے گا۔

مختصر یہ کہ دیکھا جائے کہ بن کون گیا ہے اور تباہ کون ہوا ہے؟

(۴) اور اگر یہ داد و دہش صرف محبت قلبی کے نتیجہ کے طور پر ہے تو پھر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ کسی نے کہا ہے کہ ؎

گورے کالے پہ کچھ نہیں موقوف　　دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

دلی محبت پر جس قدر بھی نوازشیں فرمائی جائیں وہ تھوڑی ہیں۔

مقام شکر

خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اس ستم رسیدۂ روزگار کو آج تک نہ تو بادشاہ واجب الاتباع کے سامنے اور نہ ہی اپنے دوستوں کے سامنے شرمندۂ احسان کیا۔ میرا اعمال نامہ اور ہسٹری شیٹ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے دوستوں کے احسانات سے بالکل خالی ہے۔ میں نے ظلم و ستم کے علاوہ ان کے ہاتھوں سے اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حالانکہ ان لوگوں نے میرے ہاتھ سے سوائے مروت اور برادر نوازی کے اور کوئی چیز نہیں

Marfat.com

دیکھی ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ سرحد آزاد اور کابل میں میرے اپنے بھیجے ہوئے ہیں اور میں ان کے ہاتھ سے دربدر آوارہ ہوں۔ جبکہ یہ تمام رنج و راحت خدائے واحد وقہار کی جانب سے ہے تو مجھ کو حق نہیں پہنچتا کہ میں شکایت کو زبان پر لاؤں ؎

چگونہ شکوۂ عالم کنم بہ پیش طبیب که آنچہ بر سرم رود ہمہ از طرف اوست

صبر ایک بہت بڑی نعمت ہے جو کہ صرف خوش قسمت لوگوں کو دی جاتی ہے۔ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ۔

اگر میرا پروگرام مقاصد دولت کا مؤید ہوگا اور شاہانہ ہمدردی کا مستحق سمجھا جاؤں گا۔ تو مجھے خدمت کا ایک موقع فراہم کیا جائے گا۔ ورنہ میں جناب عالی سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو بیت اللہ شریف اور دیگر مقامات مقدسہ اسلامی کی زیارت کے لیے مع واپسی کے حق کے اجازت عنایت فرمائی جائے کہ جس وقت بھی اس دوردراز کے سفر میں میرے حالات موافق ہوں میں یہاں واپس آسکوں۔ ہاں البتہ اگر کوئی اہم خدمت اس طرف ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ بدستور سابق اعزازی طور پر اپنی طاقت کے مطابق اس کی انجام دہی میں پوری پوری کوشش کروں گا ؎

آہ یونہی بک بک کے عبث جان کھپائی منزل عقبیٰ کا دیا مجھے راستہ دکھائی
اب جی میں ہے کہ یہ سب چھوڑ کے بیہودہ دہائی ملکا ذکر تو گو ئم کہ تو پاکی و خدائی

نروم آں راہ کہ تو آں راہ نہ نمائی

بے غرض خیر اندیش ابو سعید فضل الٰہی عفی عنہ

چٹھی نمبر ۵۰۲۔ مورخہ ۲۴ صفر سنہ ۱۳۵۱ھ مئی سنہ ۱۹۳۲ء

Marfat.com

ایک درخواست

حبیبی وصدیقی، سردار والاتبار، جناب محترم اللہ نواز خاں یاور

حضور والا بالقابہ

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ!

ہندوستانی مہاجرین میں سے اللہ پاک نے آپ کو جیسا نوازا۔ وہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ گویا اسم بامسمیٰ فرمایا۔ مسلمانانِ ہندوستان آپ کے وجود پر جتنا بھی فخر کریں۔ کم ہے۔ جو ہندوستانی مادر وطن کی خدمت کے جرم میں دربدر پریشان حال ہیں۔ خدا پاک نے ان کی امید کی جگہ اور فریاد کا مقام بھی آپ ہی کی ذات کو بنایا ہے۔ اس لیے ہر ایک تکلیف زدہ کا اور خاص کر میرا فرض ہے کہ مجھ پر جو جو واقعات پیش ہوئے یا ہو رہے ہیں وہ آپ تک پہنچاؤں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں آپ کو مظلوموں کا ہمدرد اور اپنا خیر اندیش نہیں سمجھتا۔ اور میری مثال بعینہٖ اس مریض کی ہوگی جس کا اپنا بھائی ڈاکٹر ہو اور وہ اس کے وجود سے استفادہ نہ کرے اور یہ صریح کفرانِ نعمت ہے۔ العیاذ باللہ

محترما! میرے انتہائی صبر نے میرے بھائی مولوی محمد بشیر صاحب کے حوصلہ کو بہت بلند کر دیا اور اس آخری حصہ عمر میں وہ وہ ظلم کرنے شروع کیے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ میں ان تمام قدیم اور جدید واقعات کو نہایت اختصار کے ساتھ آپ کے روبرو بیان کروں۔ میں آپ کے اخلاق اور جذبہ ہمدردی سے امید رکھتا ہوں۔ کہ اگر آپ میری کوئی بھی خدانخواستہ مدد نہ کریں تو کم از کم ان کو ایک مرتبہ ضرور پڑھ لیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) مہربانا! یہ تو آپ کو خوب معلوم ہے کہ میں برادرم مولوی محمد بشیر صاحب کی ۱۹۱۵ء والی

Marfat.com

سب سے پہلی ملاقات سے سالہا پیشتر سرحد والوں سے مل کر نہایت پوشیدہ حالت میں کام کر رہا تھا۔ اور اس بلند درجے پر کہ کسی دوسری انجمن اسلامی کے بڑے سے بڑے شخص کو وہاں تک پہنچنا بہت کم حاصل تھا۔ سب سے آخر میں جب مولوی محمد بشیر صاحب کو سرحد پار کروایا تو اس کا بہت بڑا صدمہ میرے غریب خاندان کو پہنچا۔ ایک شخص کو اپنی معقول ملازمت سے معزول ہونا پڑا جس کو حاصل کرنے کے لیے آج کل اڈنبرا یونیورسٹی کی سند حاصل کرنا شرط ہے۔

(۲) تین سال پرایہ مجھ عاجز کو گوجرانوالہ، جالندھر، لاہور جیل میں سختی کے دن گذارنے پڑے جس کا تحمل انسانی طاقت سے باہر ہے۔

(۳) والد بزرگوار علیہ الرحمۃ میری جدائی کے ناقابل برداشت صدمہ سے فوت ہو گئے۔ بھائی بھی اس وقت تک بحال نہ ہوئے تھے۔ خاندان کا سارا بوجھ والد مرحوم کے سر پہ تھا۔ خاندان کو وہ صدمے اور زحمتیں دیکھنی نصیب ہوئیں جس کے بیان سے قلم عاجز ہے۔

جن دنوں آپ حضرات نے مادر وطن کی خدمت کی راہ میں قدم اٹھایا تھا۔ وہ زمانہ اور تھا اور اب بالکل اس کے برعکس ہے۔ اس زمانہ میں حکومت کے رعب کا یہ حال تھا کہ ساتویں کوٹھڑی میں بیٹھ کر حکومت کے برخلاف بولنا گویا آگ کے ساتھ کھیلنا تھا۔ حکومت کے خوف سے میرا دوست اور عزیز گھر پہ پھٹک نہ سکتا تھا۔ کوئی شخص اپنا پرایا انسا نہ تھا کہ میرے خاندان کی بیمار پرسی تک کر سکے۔

(۴) برادران گرامی مولوی عبدالقادر مرحوم ایم اے، شجاع اللہ خاں، عبدالباری، عبدالحق وغیرہم کی گرفتاری اور شہادت سے میرا مقدمہ نہایت سنگین ہو گیا۔ عذاب کا ہتھوڑا اب دوگنی اور چوگنی طاقت سے میرے سر پہ پڑنے لگا۔

(۵) ترکوں کے ہتھیار رکھنے کی برکت سے جہاں اور لوگ جیل سے رہا کر دیئے گئے ہندوستان کے داخل اور خارج میں اس رعایت کا مجھے بھی فائدہ دیا گیا۔ گورنر پنجاب میکائیل اڈوائر بذات خود جالندھر جیل میں آیا اور مجھ سے مخاطبہ کیا، پانچ ہزار کی ضمانت مجھ سے لی، گھر کی چار دیواری کے اندر اور پولیس تھانہ کی حاضری کی شرط پہ مجھ کو چھوڑ اگیا۔

Marfat.com

(۶) جماعت مجاہدین کی بالعموم اور تحریکات سرحد آزاد کی بالخصوص قلبی خدمت خداوند تعالیٰ نے مجھ سے جیل کی چار دیواری کے اندر کرائی اتنی باہر نکل کر نصیب نہ ہوئی۔ میں جیل کے اندر ہی تھا کہ سننے میں آیا کہ مرکز اسمست نے انگریزوں سے مصالحت کر لی ہے۔ میرا گھر پہنچا تھا کہ مولوی محمد بشیر صاحب کا خط اور پیغام پہنچا کہ۔

(۱) اسمست نے انگریزوں سے صلح کر لی ہے۔

(۲) چمرکند کا توڑ نا شرائط صلح نامہ کی تیسری دفعہ ہے۔

(۳) اسمست نے چمرکند پر خرچ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

(۴) چمرکند اب مستقل اور علیحدہ مرکز ہے جس کا کوئی تعلق اسمست سے نہیں۔

(۵) خدا اور رسول کی خاطر چمرکند کی خبر لو اور اس کے حق میں پروپاگنڈہ کرو۔

(۶) چمرکند کے پروگرام کے واسطے تین لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے وہ جلد سے جلد بہم پہنچاؤ وزیرستان کا جنگ شروع ہو گیا اس کے اخراجات علیحدہ بکار ہیں۔ خدا کے فضل سے میں نے نئی ہمت اور جوش سے اس کام میں حصہ لیا۔

اور یہ وہ زمانہ تھا کہ مارشل لا پنجاب میں جاری ہو گیا تھا۔ میری نقل و حرکت پر بہت زیادہ پابندی کر دی گئی۔ ۱۵-۲۳ آدمی میرے شہر میں سے گرفتار کئے گئے۔ وزیر آباد کا اسٹیشن ڈاکخانہ ڈاک بنگلہ۔ پادری کا مقام جلا دیئے گئے تھے۔ بہت سے آدمی عبور دریائے شور ہوئے۔ لمبی قید والوں کا تو شمار نہیں۔ چند ایک گوروں کے ہاتھ سے نشانہ تفنگ بنے۔ مہربانا! ایسی سخت اور نازک حالت میں یہ عاجز چمرکند کی خدمت کر رہا تھا۔ آج جس کا مجھے یہ عوض مل رہا ہے۔

(۷) اقبال شیدائی کو تسلی بخش پیغام دے کر مولوی محمد بشیر صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ مولوی صاحب موصوف نے امیر مولانا نعمت اللہ صاحب مرحوم کے تمام کاغذات جو انہوں نے وقتاً فوقتاً انگریزوں کو ملے اور معاہدہ کی نقل دیکر واپس بھیجا۔ بیس ہزار روپیہ تقد مع دس بارہ آدمیوں کے مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجے۔ بھائی محمد حسین خان مقیم کابل انہیں آدمیوں میں سے ہے۔

مولوی صاحب نے لمبے گولے اور روسی لٹریچر اور پروپاگنڈہ کی کتابیں میرے پاس بکے

Marfat.com

بعد دیگرے بھیجیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پکڑے گئے۔ بہترین ہستیاں کام کرنے والی قید ہوئیں بڑی بڑی جائیدادیں ان کی ضبط سرکار ہو گئیں۔ میری جائداد ضبط اور خود میں بدبخت فرار ہونے میں کامیاب ہو کر چمرکند بحیثیت ایک پناہ گزین کے داخل ہوا جس کی اب یہ بے آبی ہو رہی ہے۔ میرے عیال کو گھر سے نکال دیا وہ بیچاری یہاں پہنچیں۔ سات برس تک برابر یہاں تمام مجاہدینوں کے کپڑے مشین کے ساتھ سی کر دیتی رہیں۔ آج اس پر انھیں لوگوں نے پتھر مارکے ڈاکہ کی دھمکیاں میری غیر حاضری میں دیتے رہے۔ اور اب آخر میں اس کو ہاتھ سے پکڑ وا باہر نکلوایا۔ اس کا آئندہ ذکر آئے گا۔

(۸) چمرکند اس وقت نہایت کمزور ہو چکا تھا۔ مولوی محمد بشیر صاحب کی قتل امیر کی سازشیں مرکز اسمست میں پکڑی جا چکی تھیں اور وہ بھاگ کر کابل پہنچ گئے تھے۔ امیر مرحوم کی زندگی میں ان کا چمرکند واپس آنا ناممکن تھا۔ آدمیوں کے گروہ کے گروہ اس فتنہ سے متاثر ہو کر اسمست بھاگ رہے تھے۔ اسلحہ بھی ساتھ لے جا رہے تھے۔ خدا کی مہربانی سے میرے پہنچنے سے چمرکند اکھڑتا اکھڑتا سنبھل گیا۔ جس مرکز کو مولوی محمد بشیر کے کردار نے جڑھ سے اکھاڑا اسی مرکز کو اللہ پاک نے اس عاجز کے ہاتھ سے نئی زندگی بخشی آج اسی مرکز میں فضل الٰہی کو انگریز کا ایجنٹ اور کافر بنا کر وہاں سے نکالا جا رہا ہے۔

(۹) حضرت مولانا عبدالکریم مرحوم نے بھائی محمد یوسف مرحوم کے ساتھ مجھے کابل بھیجا۔ مولوی صاحب نے کابل میں جو قرضہ اٹھا رکھا تھا اس کو پاک کیا۔ ہر چند آپ صاحب اور مولوی ظفر حسن خان نے جلال آباد میں۔ مولانا عبیداللہ صاحب نے کابل میں مولوی محمد بشیر صاحب کی چالبازیوں سے مجھ کو آگاہ کیا اور اچھی طرح متنبہ کیا۔ مگر میری بدبختی کچھ ایسی میرے سر پر سوار تھی کہ میں نے ان کی بات پر عمل نہ کیا۔ سب دوستوں کو ناراض کر لیا لیکن مولوی بشیر صاحب کو نہ چھوڑا۔ آج مجھے یہ دن اس کے ہاتھ سے اسکی رفاقت اور وفاداری کے جرم کے عوض میں دیکھنے نصیب ہوئے۔

(۱۰) میں کابل پہنچا۔ گویا مولوی بشیر کی تمام دشمنیاں جو دوسروں کے ساتھ تھیں ان کی خرید کے واسطے پہنچا۔ وہاں مولوی صاحب نے مجھے ترغیب دی کہ امیر نعمت اللہ خان مرحوم کو میں

قتل کروں جس کو میں نے نہ مانا تو کھلم کھلا دشمنی اور عداوت پر اتر آئے۔

(۱۱) چمرکند سے سب لوگ بنگالی تنا ولی بھاگ کر چلے گئے۔ یہاں تک کہ مولوی عبد الکریم صاحب بھی جانے پر تیار ہو گئے تھے کابل سے چمرکند واپس جانا پڑا۔ آخر مولوی صاحب موصوف اسمست چلے گئے۔ اور سارا بوجھ مجھ پر ڈال گئے۔

(۱۲) مولوی محمد بشیر صاحب چونکہ امیر نعمت اللہ صاحب مرحوم کی زندگی میں چمرکند واپس نہیں آسکتے تھے۔ وزیرستان سے مولوی محمد یعقوب خاں کی معرفت مولوی یوسف صاحب مرحوم کو خط لکھا۔ کہ قچ کا خاتمہ کرنا ضروری ہے۔ میں اس اصطلاح کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مولوی یوسف صاحب مرحوم کو میں نے اس قصد سے منع کیا۔ کہ اس کا نتیجہ چمرکند کے حق میں مضر ثابت ہو گا۔ مذہب پرست پارٹی ہندوستان میں چمرکند کے استقلال کو پھر تسلیم نہ کرے گی۔ مجبور کرے گی کہ اسمست کے ساتھ مل جاؤ۔ مولوی محمد یوسف صاحب مرحوم اس وقت رک گئے۔ ولیکن کچھ مدت کے بعد چلے گئے۔ وہاں تین آدمی جان سے مارے گئے۔ اب دنیا اور آخرت میں اس قتل کی ذمہ داری اور جماعت کی بدنامی کا بوجھ کس کی گردن پر ہو گا۔ آپ انصاف فرمائیں سردار محمد اسلم خاں مرحوم بلوچ فوت ہو گئے۔ جناب مصری خاں صاحب زندہ ہیں اگر وہ بھول نہیں گئے تو وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ مولوی بشیر صاحب نے وزیرستان میں ان کے روبرو امیر صاحب مرحوم کے قتل کے متعلق فخریہ ان کے سامنے کیا بیان کیا تھا۔

(۱۳) مرکز اسمست نے ہزاروں روپیہ میرے قتل پر برباد کیا۔ وہ مال بھی حقیقت میں ہمارا چمرکند ہی کا نقصان تھا۔ اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟

(۱۴) میرے اوپر تین مرتبہ گولی چلائی گئی۔

(۱۵) اسمست کو جب کامیابی نہ ہوئی تو حافظ اسحق کو بھیج کر ہمارے بہترین آدمی گرفتار کرائے۔ ۳۲ ہزار روپے کا مال اور نقد ضبط سرکار ہوا۔ کئی آدمی جیل میں مر گئے۔ جس مرکز نے چمرکند کو اتنا نقصان پہنچایا۔ پنجاب کے لب لباب اشخاص نے اس کے ہاتھ سے زخم اٹھایا۔ مولوی بشیر کی خود غرضی اور میری ذات کے ساتھ عداوت کا یہ نتیجہ ہوا کہ پھر انہی کے ساتھ رابطہ اتحاد پیدا کیا۔ کاش اس میں بھی وہ کامیاب رہتا اور اسمست چمرکند کے غم میں ایک مرتبہ بھی شریک

Marfat.com

ہونا۔ بڑی بڑی تنگی پہنچی۔ اسمست نے شاید ہی کوئی مالی امداد کی ہو۔ ان تمام حالات کے اندر اس عاجز بندہ نے جمرکند کو سنبھالا اور انہی حالات کے اندر پہاڑ کاٹ کاٹ کر مکان بنائے۔ اسلحہ جمع کیا۔ اخبار نکالا۔ مدرسہ بنایا مگر مولوی بشیر کی خود غرضی نے ساری محنتوں پر پانی پھیر دیا۔

(۱۶) وزیرستان میں آپ کی معرفت اور براہ راست روپیہ بھیجا۔ جبتک جنگ رہا برابر امداد کرتا رہا۔

(۱۷) عبداللہ مرحوم کو میرے برخلاف پروپاگنڈا کرنے کے لیے یہاں بھیجا ایسے وقت میں جبکہ ہم پر ایک طرف سے اسحاق بھائی کے ہاتھوں گرفتار ہو رہے تھے اور دوسری طرف مرکز اسمست سے دن رات فیر ہو رہے تھے۔ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ مولوی بشیر صاحب کی ہمدردی کا یہ معاوضہ مل رہا تھا۔

(۱۸) وزیرستان سے واپس تشریف لانے پر سب سے پہلے صدارت کا دعوی کیا۔ نہ کسی مرنے والے کا فاتحہ نہ گرفتار شدہ بھائیوں کے حق میں اظہار ہمدردی۔ نہ اسمست کی طرف سے چمرکند والوں کو جو زحمتیں پہنچیں۔ ان کا احساس تھا اور کہا تو یہ کہا کہ صدارت میرا حق ہے جب ناکامی ہوئی تو ابراہیم نامی ایک شخص کو میرے قتل پر مامور فرمایا۔ مولوی یاسین مرحوم اس سازش میں سخت حائل ہوئے۔ میں بچ گیا۔ آخر سات مرتبہ قرآن مجید کو شفیع گردان کر اتفاق کیا مگر محض دھوکہ دینے کے لیئے۔

(۱۹) عبداللہ مرحوم جس نے مولوی صاحب کی بڑی بڑی خدمتیں کی تھیں اس بیچارے کو عدم کی راہ دکھائی یہ اس کی نیکیوں کا معاوضہ اس کو دیا۔

(۲۰) باوجود قرآن مجید کی ہفت بار قسم اٹھانے اور اعتماد دلانے کے پھر سلیمان نامی ایک کشمیری کو میرے خلاف ہندوستان و پنجاب میں پروپاگنڈہ کرنے کے لیے بھیجدیا۔ اس نے ایمان اور اسلام کو بالائے طاق رکھ کر وہاں یہ تبلیغ کی کہ مولوی فضل الٰہی نے تین نکاح کیے ہیں۔ باجوڑ میں جائداد یں خرید کی ہیں۔ مولوی بشیر وزیرستان میں انگریزوں کے برخلاف جنگ کر رہا ہے حالانکہ بشیر مدت پہلے وزیرستان سے واپس آچکے تھے۔ اس طرح پنجاب کے لوگوں کو چمرکند کے

Marfat.com

امداد کرانے کی بجائے ان کی حوصلہ شکنی کی۔

(۲۱) زمیندار، سیاست میں سب مجاہدینوں کو بدنام کر کے اپنے حق میں پروپاگنڈہ کروایا کہ چمرکند۔ وزیرستان۔ اسمست، تینوں مراکز کی پوری ذمہ واری لبشیر کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ہے جذبہ صدارت اور امارت کا جس کے واسطے ہر حرام حلال ہو سکتا ہے۔

(۲۲) مرکز اسمست جس کو لبشیر صاحب ہمیشہ انگریزوں کا غلام ثابت کرتے رہے امارت کی ہوس نے ایسا اندھا کیا۔ کہ ان کے ساتھ ہاتھ جوڑ لئے۔ بر افغانستان سے احکام حاصل کیے۔ چمرکند کی آبرو کو ہندوستان کی آزادی خواہ پارٹیوں کی نظر میں خاک میں ملا دیا۔ پنجاب کے سرمایہ سے جتنا سامان اسلحہ وغیرہ جمع کیا تھا وہ سب اس کے حوالے کر دیا۔ اور ان حضرات سے صدارت، امارت، رشادت کی سند حاصل کی۔ گویا مولوی یوسف مرحوم عبدالکریم مرحوم، امیر نعمت اللہ صاحب مرحوم کے قتل۔ پنجاب میں متعدد لوگوں کی گرفتاریاں مال کی ضبطی، چمرکند کے بھائیوں کی گرفتاریاں ان سب کا مقصد صرف مولوی لبشیر صاحب کے نزدیک یہ تھا کہ وہ امیر بنیں اور ان کو خلافت رشدی اسمست کے دربار سے نیابت کی سند حاصل ہو۔

(۲۳) اس اتحاد کے اندر پنجاب کے بھائیوں پر غصوں نے اپنا خون سینچ کر چمرکند کو آباد کیا۔ دشمن کے شر سے بچایا۔ ستاستا کر چمرکند سے نکلنے پر مجبور کیا اور بعضوں کو پیار دلاسہ دے کر۔ یہاں تک کہ اس آخری دور میں پنجاب کے صرف چند بھائی رہ گئے تھے۔

(۲۴) اسمست کے اتحاد نے مجھے پیغام دیا۔ یعنی خلافت رشدی کے دربار سے یحییٰ بھائی کی زبانی مجھے یہ پیغام ملا کہ مولوی لبشیر صاحب کی غیر حاضری میں سارا مال ومتاع چمرکند سے خچروں پر لاد کر اسمست لے آؤ اور خود تم کو انگریزوں سے معافی دلادی جائے گی۔ پنجاب گھر پہ جا کر گھر کی خدمت کرو۔ جب یہ واجب الاتباع حکم خلافت کے دربار کا میں نے قبول نہ کیا تو متعدد کوشش سے نکالنے کی کوشش کی۔ حاجی صاحب اور گل صاحب، میاں صاحب سرکاتی مرحوم کے بھتیجے کو، مہند باجوڑ کے لشکر کو بلایا گیا۔ کہ فضل الٰہی کو نکال دیں انہوں نے مولوی لبشیر صاحب کی شرارت سے واقف ہو کر بہ خبر دے

Marfat.com

حقوق کی زبردست حمایت کی۔ آدھا مال مجھ کو دلا کر آدھی تنخواہ بھی میرے لیے مقرر کرادی۔

(۲۵) موجودہ وزیر صاحب حربیہ بالقابہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے تسلیم شدہ فیصلہ کے برخلاف اپیل کی انھوں نے مجھے اس فیصلہ کو کالعدم سمجھنے اور صلح کرنے کو کہا۔ میرے بزرگ تھے۔ ان کی بات کو زمین پر پھینک نہیں سکتا تھا۔ میں نے مان لیا۔ دوبارہ بھائی چارہ کی نیت سے اور وزیر صاحب حربیہ کے فرمان کی بجا آوری کے خیال سے مال واپس دیدیا۔ مجھے جماعت کا درجہ اول کا زبانی لیکن تسلیم کیا گیا۔ عملاً میرے ساتھ وہی عداوت رہی وہی دشمنی برابر جاری رہی۔ تین روپے ماہوار میرے لیے مقرر کیے گئے۔ غرض میں نے مولوی صاحب کے مسئلہ کو محض خدا کے حوالے کر دیا۔

(۲۶) دو دفعہ مہندیوں کا لشکر مولوی بشیر صاحب کی عداوت کی وجہ سے چمرکند کو لوٹنے کے لیے آیا۔ خدا پاک نے اس شہر کو اس عاجز کے ہاتھ سے دفع کرا دیا۔

(۲۷) چمرکند والے لوگ جن کی زمین میں ہم مفت رہتے ہیں، ہزاروں روپے کی سال بھر میں لکڑی جلاتے ہیں۔ ان کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ ان کے بائیس گھر جلوا دیئے ایک عورت مروا دی اور ایک نوجوان کو زخمی کروا دیا۔

(۲۸) عہد نادری میں مولوی بشیر اپنی بہن کو ملنے کے لیے کابل گیا۔ اعلیٰ حضرت نے چھ ہزار روپیہ تنخواہ سالانہ میرے لیے مقرر کرنی چاہی۔ مولوی بشیر صاحب نے کابل میں حکومت کے خیالات کو اول تو بدلنے کی کوشش کی۔ جب اس میں ناکام رہا تو کابل سے واپس آ کر یاد میں ٹھہرے میری غیر حاضری میں ایک فتویٰ کفر، ارتداد اور بغاوت کا میرے حق میں یاغستان کے اندر تقسیم کرایا اور اپنی جماعت کا رہا سہا وقار اپنے ہاتھ سے برباد کرایا۔

(۲۹) کابل سے واپسی کی خبر پا کر زادہ کے جنگل میں سات آدمی میرے قتل کے لیے مقرر کیے۔ حسن اتفاق سے وہ میرے ساتھی کے آ نکلنے پر وار خطا گیا۔

(۳۰) سیدال خان ساکن چارمنگ کو مبلغ چار ہزار روپے میرے قتل کے واسطے موعود فرمائے۔ وہ راز بھی طشت از بام ہوا۔ جب یہ وار بھی خطا ہوا تو۔

Marfat.com

(۳۲) ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ کو میرے گھر پہ آدھی رات کو مسلح ڈاکہ ڈلوایا مجھے اور میرے عیال کو بے آب کیا۔ سارے گھر پہ متصرف ہو گیا۔ اس پہ بھی بس نہ کی اور چار منگ کا لشکر منگوایا کہ فضل آلہی اکیلا آدمی ہے اس کو نکال دو اور ہمیں اس کے کوٹھے دلا دو۔ لیکن انہوں نے نہ مانا۔

(۳۳) اتہام۔ افترا۔ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ جب یہ تمام وار خطا گئے تو اس آخر وقت میں جب کہ میں موت کی بیماری میں مبتلا ہو رہا تھا۔ افترا اور بہتان باندھا کہ فضل آلہی افغانستان کا دشمن ہے۔ امان اللہ خاں کے بیٹے کو یہ لایا ہے۔

آہ افسوس! امان اللہ خاں تو سرحد آزاد میں ساری عمر سوا مولوی بشیر کے کسی کو پہچان نہ سکا۔ اب وہ کیسے میرا آشنا بن گیا۔ خدا لعنت کرے جھوٹوں، کذابوں اور مفتریوں پہ۔ جو پاک۔ بے گناہ اور بے خبر لوگوں کو اور خاص کر افغانستان کے بے غرض اور دل سے خیر خواہ دوستوں کو بدنام کر کے خود نیک نام بننا چاہتے ہیں۔ مولوی بشیر صاحب نے افغانستان کا لاکھوں روپیہ کھایا

(۳۴) یہ چیز مولوی بشیر کے خمیر میں داخل ہے کہ وہ اپنے ہر محسن کے ساتھ بدی کرتا ہے۔ اسی طرح اس نے ایک جھوٹی بات کو شہرت دے کر افغانستان کو پریشان کر دیا ہے۔

(۳۵) گل صاحب کو اپنی حمایت پہ کھڑا کر کے جو ہمیشہ سے جناب حاجی صاحب ترنگزئی مد ظلہ کی وجہ سے میرا دشمن رہا ہے۔ ۲۶ صفر کو میرے نکالنے کی خاطر ملایا۔ مولوی بشیر کے اشارے پر اس نے مجھے اور میرے بیمار گھر والوں کو گھر سے باہر نکال دیا۔ ایک حد تک سامان بھی تاراج ہوا۔ یہ اس شخص کے فعل ہیں جو ہندوستان کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ قسم بخدا مولوی بشیر صاحب نے افغانستان کے وقار پہ افغانستان کی نظر میں سخت دھبہ لگایا۔ ہندوستان کو بدنام کیا۔

مہربانا! اگر آپ ایک سچے خادم اسلام کے سچے فرزند ہندوستان کے صمیمی فداکار، دولت افغانستان کے ہمدرد ہیں تو ضرور بالضرور ایک غیر جانبدار تحقیق کرائیں۔ اور یقیناً آپ کے دل میں اسلام، ہندوستان اور افغانستان کی سچی ہمدردی موجود ہے۔ خداوند تعالے ہمیشہ

Marfat.com

آپ کو باعزت اور سلامت رکھے۔

دعا گو فضل الٰہی عفی عنہ

چٹھی نمبر ۵۹۹ - مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

روئداد جرگہ اقوام سرحد

جرگہ کے انعقاد کے اسباب

(منعقدہ جمعۃ المبارک ۱۸ ذی قعد ۱۳۵۳ھ - فروری ۱۹۳۵ء شہادت سے ۲½ ماہ بعد)

تاریخ سرحد کم ہی نشان دیتی ہے کہ اس قسم کی مصیبت عظمی جو کہ کچھ مدت سے احرارستان کے گرداگرد محیط ہو کر قبائل کو اپنی آماج گاہ بنائے ہوئے ہے۔ زمانہ ماضی میں کسی نے دیکھی ہو یا سنی ہو۔ ایسے وقت میں کہ برطانوی تحریکات کل سرحدات کے طول و عرض میں بالعموم اور علاقہ مہمند و باجوڑ میں بالخصوص برق رفتاری کی سی تیزی سے جاری تھی اور ملت غیور افغان دن رات ان کی مدافعت کی تدابیر میں پوری مصروفیت رکھتی تھی۔ ناگہاں طور پر ہماری بدبختی کی وجہ سے مجاہدین چمرقند کے مرکز کے چند ایک واقعات ہائلہ رونما ہوئے اور ان پر از روئے آزادی حقوق مہاجرت و مسافری و پناہ گزینی و مہمانی جتنا بھی ہم حسرت و افسوس کے خون کے گھونٹ پئیں اور اندوہ و ملال کے جتنے بھی آنسو ان پر بہائیں کم ہیں۔ لیکن اس قسم کے حوادثات سرحد آزاد کے علاقہ میں عجائبات کے قبیل اور جاذب توجہ شمار نہیں کیے جاتے کیونکہ یہ چیزیں اس علاقہ کے روزمرہ کے معمولات میں سے ہیں وہ لوگ بہت ہی خوش نصیب سمجھے جاتے ہیں جو یا تو میدان جہاد میں قتل ہو جائیں یا اپنی طبعی موت سے مر جائیں بسینکڑوں ہتنین اور قیمتی آدمی جو کافی خدم و حشم رکھتے ہیں دن رات بندوق اور پستول کی گولیوں کا نشانہ بنتے رہتے ہیں اور کوئی بھی ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن وہ حاشیہ آرائی جو ہندوستان کے بعض اخبارات نے رجماً بالغیب کے طریق پر پروپیگنڈے کی غرض سے ان پر کی ہے اور ہمارے علاقہ میں ان کی اشاعت ہوئی ہے ان میں ایک حد تک اہمیت پیدا کر کے وطن کی مشکلات کو زیادہ کر دیا گیا ہے۔ اور ایسے نازک وقت میں کہ قوم و ملت اپنے داخلی اتفاق و اتحاد کی پہلے

سے بہت زیادہ محتاج تھی۔ اس کو انتشار اور پراگندگی کے خطرہ سے دوچار کر دیا اور ہماری دین وملت کے خادموں کی جمعیت کو جو کہ علماء۔ قاضی اور وطن کے سادات ہیں اور ہماری زندگی کا یگانہ مقصد شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ کے لیے پاسداری ہے اور خیر خواہی ملت افغانستان اور ملت مظلومہ ہندوستان کی ہمدردی اور غم شریکی ہماری زندگی کی جان ہے) آمادہ ہوئی کہ اس نئے فتنہ کو بند کرنے کے لیے اور دوسری مشترکہ وطنی مہمات کو حل کرنے کے لیے کسی راہ عمل کو جلد از جلد تجویز کریں۔ چنانچہ بروز جمعۃ المبارک مورخہ ۱۸ ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ کو اقوام مہمند۔ صافی۔ شنواری۔ باجوڑ کے تمام نمائندوں اور کار مختار لوگوں کو مقام کوز بیخاوری (علاقہ صافی) میں ہم نے جمع کر کے ایک ملی مجلس کا انعقاد کیا اور مندرجہ ذیل مسائل کو جرگہ کے مشورہ اور باہمی تعاون سے مندرجہ ذیل طریق پر ہم نے انجام دیا۔

مسئلہ اول۔ تحریکات دولت برطانیہ کے انسداد کے لیے وحدت ملت کے میثاق کی تجدید

چونکہ برطانیہ کی حکومت نے مہمند قوم کو دھمکی دی ہے کہ سرکار آئندہ وادی گنداب کو لشکری بیڈ کے لیے بطور میدان استعمال میں لانا چاہتی ہے اور آزاد علاقہ کے اندر دریائے پنجکوڑہ سے ادھر تک موٹروں کے لیے سڑک تیار کرے گی اور چند ایک نئے فوجی اڈوں کی تعمیر بھی زیر تجویز رکھتی ہے اور کوہ کا مراقی یہ جو کہ ماہرین جنگ کی نظر میں ممالک باجوڑ اور المان خیل کی تسخیر کے لیے ایک فوق العادت اہمیت رکھتا ہے اور شاہ سابق شاہ امان اللہ خان کی یورپ کے سیاحت کے وقت پہاڑ مذکور کے معائنہ کے لیے گورنر صوبہ سرحد۔ سپہ سالار افواج یہاں تک کہ خود وائسرائے ہند بھی یکے بعد دیگرے آئے تھے ایک قلعہ بنانا چاہتے ہیں اور اس تدبیر سے علاقہ مہمند و باجوڑ کو چاروں اطراف سے محصور اور آزادی اقوام کو محدود کرنا شروع کیا اور ہمسایہ بھائیوں آفریدستان کو بھی کچھ اسی قسم کی صبر آزما اور محنت طلب مصیبتیں پیش آئی ہوئی ہیں۔ دشمن کی یہ تمام تحریکیں ملت کے ہر فرد کو پیش اندیش اتفاق اور اتحاد کی دعوت دیتی ہیں پس چاہیئے کہ ہر قسم کے افتراق افزا کاموں

Marfat.com

سے پہلو تہی کرکے پوری توجہ اور ہمت کو اس سیلاب کے انسداد کے لیے ہم وقف کردیں تاکہ وطن کی آزادی محفوظ اور اسلاف کی روایات زندہ رہیں۔ تمام اقوام کے نمائیندوں نے اس ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ اور آپس میں بھائی چارے کا عہد و پیمان باندھ کر وحدت قومی کے وعدہ کو از سرنو پختہ اور مضبوط کیا۔

اس وعدہ کی تازہ برکات میں سے یہ بھی ہے کہ موسیٰ خیل اور صافی اقوام میں کچھ مدت سے بعض وجوہات کی بنا پر ایک قسم کی آزردگی اور منافرت پیدا ہو چکی تھی اور دشمن کے مقاصد کے لیے زمین ہموار کر رہی تھی اور کسی تدبیر سے بھی اس کا اثر زائل نہیں ہو رہا تھا۔ اس جرگہ کی کوشش سے پھر دونوں ہمسایہ قومیں مواخات کے رشتہ میں ایک روح اور دو قالب کی مثال بن گئیں۔

دوسرا مسئلہ بعض ضروری اصلاحات

کچھ مدت سے ڈاکوؤں اور چوروں کی ایک جماعت نے وطن کے اطراف و اکناف میں قتل و غارت۔ لوٹ مار۔ نقب زنی شبخون اور دھاڑا کا طریق اختیار کر رکھا ہے اور رستوں کو پر خطر اور امن عامہ کو درہم برہم کرکے رکھ دیا گیا ہے اس جرگہ کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ جو شخص بھی اس اخلاق سوز کام میں مبتلا یا معاون پایا جائے گا اس سے مبلغ دس ہزار روپیہ بطور جرمانہ اور اس کی قوم کے دس گھر اس سے جلانے کے لیے وصول کیے جائیں گے۔

چونکہ نامعلوم طریقہ سے چلنے والی نوشی کی کثرت کا رواج آزاد علاقہ میں اس طرح نفوذ واقتدار پاتا جارہا ہے۔ جیسا کہ چین کے علاقہ میں افیون اور اس زمانہ میں افیون کا نقصان بین عالمگیر الخطر پایا جاتا ہے۔ یہ سرحدی لوگوں کے حال کے بالکل مطابق نہیں ہے کیونکہ قلیل الذرائع لوگ ہیں یہ لوگوں کی املاک کو فرضہ کے تخت لاکر لوگوں کی معیشت کو اور تنگ کرتی جارہی ہے اور کم حوصلہ لوگوں کے لیے وطن فروشی اور اغیار کی دوستی کے لیے ایک ذریعہ ہے قرار پایا کہ علمائے وطن اس بیماری کے برخلاف تبلیغ کریں اور وطن کو اس

Marfat.com

عظیم مصیبت سے محفوظ کریں

تیسرا مسئلہ یعنی مولوی محمد بشیر صاحب علیہ الرحمۃ کے قتل کا المناک واقعہ

چونکہ اس اشتہار کا اصل محرک وہ پروپیگنڈا ہے جو اس خاص مذکورہ واقعہ کے متعلق سرحد آزاد میں کیا گیا۔ ہمارے خیال میں ہندوستانی اخبارات کو اس علاقہ کے واقعات کے متعلق صحیح معلومات کے چنداں ذرائع حاصل نہیں ہیں اور تنقید کے مرتبہ تک تو کیا پہنچیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے اخبارات میں سے بعض اخبار اس قدر غیر محتاط ہیں کہ ہر رطب و یابس کو جو کہ ان کے پاس پہنچ جائے اس کے نتائج اور عواقب کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی اشاعت سے دریغ نہیں کرتے۔ جیسا کہ واقعہ مذکورہ کی صورت میں وقتاً فوقتاً ہندوستان کے بعض اخبارات میں چھپے ہیں وہ ہمارے اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ بہر صورت یہ امر دو حال سے خالی معلوم نہیں ہوتا یا تو ان اخباروں کے خود نامہ نگار حضرات اس قسم کے آدمی ہیں کہ گندبازی کے جذبات سے متاثر ہیں اور وہ لوگ اپنے اس گند کی حمایت اور پشت پناہی کے لیے صورت حالات کو دیدہ دانستہ بگاڑ کر اخبارات کو اشاعت کے لیے بھیج دیتے ہیں اور ہندوستانی اخبارات بوجہ تحقیق و تنقید کے اسباب اور ذرائع نہ ہونے کے انہی مراسلات کو اصل اور صداقت پر محمول کرتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک اصلاحی اور وطنی جماعت کی ہمدردی کے طور پر شائع کر دیتے ہیں۔ یا پھر نامہ نگاروں نے ایک چیز بنا کر بھیجی اور خود اخبارات مذکورہ نے اپنی اثرات کے ماتحت اس طرز کو اختیار کر لیا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

پروپیگنڈا کا طریقہ یہ بتلا رہا ہے کہ اس تحریک کے حامیوں نے برِ اعظم ہند کے لیے پایاں میدان کو ناکافی سمجھتے ہوئے سرحد آزاد کے محدود رقبہ کو بھی جو کہ اس زمانہ میں برطانوی تحریکات کی کثرت کی وجہ سے کسی شغل کی فرصت نہیں رکھتا اپنے

رنگ میں رنگنا چاہا ہے تاکہ اس کو اپنی اغراض کا آلہ کار بنا کر فریق ثانی کو بالکل محو اور ناپید کر دے اس تحریک کے حامیوں نے ہندوستانی اخبارات کے ٹکڑے ہاتھوں میں لیے ہوئے بستی بستی کا دورہ کیا ہے اور ان کے مندرجہ مضامین کو افغانی زبان میں ترجمہ کر کے سمجھلاتے ہیں ان کے اس رویہ سے بجائے اس کے کہ سرحد کے رہنے والوں کے دلوں میں جو کہ جمعیت مہاجرین کے تمام حالات کے علی وجہ البصیرت شاہد ہیں جمعیت مذکور کے حق میں ہمدردی اور دلسوزی کا جذبہ زیادہ ہوتا الٹے نتائج پیدا ہوئے اور ان برے نتائج نے بعض بیماریوں اور بدبہی علیتوں کے ساتھ مل کر جو کہ فیصلہ سابقہ میں موجود اور بجائے خود اشتعال اور جراحت جذبات کا ایک سبب تھے اہل سرحد کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ آپس میں مختلف اور دست وگریبان ہو جائیں یا اقلیت مجبوری کی وجہ سے اکثریت کی اتباع میں چلی جائے اور جمعیت مذکور کو کلی طور پر تاخت وتاراج میں لا کر اس کے نام ونشان کو سرحد کے علاقہ سے محو کر دے۔

دوران تحقیقات ہم خادمان دین وملت کا باقرار صالحہ رویہ

جنت آشیان مولانا محمد بشیر صاحب نے مورخہ یکم رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ کو آدھی رات کے بعد اپنے کمرہ میں لباس شہادت کو زیب تن کر کے عالم ملکوت کا سفر اختیار فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْعِلِّیِّیْنَ امین۔

مولانا مرحوم کے بعض ملازموں نے مولوی فضل الٰہی صاحب نامی مہاجر ہندی کو اس حادثہ کا ذمہ دار قرار دیا اور بذریعہ طاقت بعض مشائخ وطن اس پر حملہ کیا گیا اور دو دوسرے غیر معروف مہاجروں کو مسمّٰی مذکور کے ہمراہ شریک کار بتلاتے ہیں۔

ہم خادمان دین وملت جو کہ عرصہ بیس سال سے نہایت دل سوزی کے ساتھ جمعیت مہاجرین کی امداد کے حقوق کو بجا لاتے ہیں اور بجا لا رہے ہیں اور ماضی کے تمام حالات اور اس کے حال سے بھی جزءًا وکلاً باخبر ہیں اور دن رات اسی جیسے پیچیدہ مقدمات

Marfat.com

اور عقدہ ہائے لاینحل کے فیصلوں کا شغل رکھتے ہیں اور کافی تجربہ رکھتے ہیں ہم افرار صالحہ کے ساتھ کہتے ہیں کہ۔

اس مسئلہ کی تحقیق میں ہم خادمانِ دین وملت نے لوگوں کی تحسین وآفرین اور نفرین سے خوف ورجا (امید) کی آنکھیں بند کر کے محض خوشنودی خدا و رسول پاک اور جوابدہی آخرت کو اپنے دل کے پیش نظر رکھا ہے اور حسب ارشادات واوامر کتاب وسنت کہ

(۱) وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

(۲) يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ)

(۳) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ .... تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ (النحل)

(۱) من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام (شعب الايمان عن ابی ھریرۃؓ)

(۲) من التمس رضى الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس ومن التمس رضى الناس بسخط الله وكله الله الى الناس (الترمذی عن معاویہؓ)

اول سے آخر تک غیر جانبداری اور حق جوئی اور حق بینی کا شیوہ اختیار کیا ہے اور اس مسئلہ کے ہر ہر پہلو کو نہایت غور وخوض سے برابر پچھتر روز تک شرعی اور عرفی اصول کے مطابق فرداً فرداً اور اب آخری وقت میں اجتماعی طور پر سنجیدگی سے غور کیا ہے اور ہمت اور کوشش کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ تحقیقات میں ہم نے فروگذاشت نہیں کیا۔ ہماری یہ دماغ سوزی اور تمام عرق ریزی جس قطعی نتیجہ پر پہنچی ہے اور جس کی قوم اور وطن کے معززین نے جو کہ دنیا کے امور میں نہایت عقلمند اور معاملہ فہم اور صاحب رائے

ہیں کلی اتفاق سے تائید کی ہے۔ مندرجہ ذیل ہے۔

اجتماعی اور انفرادی تحقیقات کا نتیجہ

مولوی فضل الٰہی مذکور مولانا محمد بشیر صاحب مرحوم کے قتل کی تمام تر ذمہ داریوں سے بالکل پاک اور بری ہے۔ اشارۃً یا کنایۃً۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ واقعہ زیر بحث سے وہ کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا اور یہ اس کو قتل یا قتل کی سازش سے جو متہم کیا گیا ہے یہ صرف گند بازی اور شخصی عناد پر مبنی ہے اور بس۔ اور وہ جو دو عدد دوسرے مہاجرین کو بھی مسمّٰی مذکور کے ہمراہ قتل کی سازش میں متہم کیا گیا ہے وہ بھی محض اسی طریق سے بے دلائل شرعی اور قوانین عرفی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ تہمت زدہ نفری میں سے کوئی آدمی بھی نہ تو انفرادی حیثیت سے اس فعل شنیع کا مرتکب ہے اور نہ ہی بصورت اجتماعی اس اجمال کی پوری شرح مندرجہ ذیل ہے۔

تصریحات فیصلہ

ہماری ذاتی معلومات کی بنا پر ان دونوں مشائخ میں سے کہ جنہوں نے مولوی فضل الٰہی صاحب کے برخلاف فیصلہ کیا ہے ہر ایک کو مسمّٰی مذکور سے علیحدہ علیحدہ وجوہات کی بنا پر ذاتی عداوت ہے۔ ایک ان میں سے اس لیے دشمنی رکھتا ہے کہ

چمرکند کا مرکز

ہندوستانی مجاہدین کا مستقر (ٹھکانہ) چمرکند ایک ایسا مقام ہے جو کہ افغانستان اور سرحد آزاد (مہمند و باجوڑ) کی حدود کو آپس میں باہم ملاتا ہے اور ایک ایسے پہاڑ کے دامن میں واقع ہے کہ نقاش ازل نے اس کی پتھریلی تختی پر قدرت کی قلم سے کچھ ایسے زیبا اور دلفریب نقش کندہ کیے ہیں جو دنیا بھر کے احاطہ میں نہیں سما سکتے۔ باغ ارم بھی اسی کی طراوت اور نزہت سے رشک کھا کر بوسیدگی کے نقاب میں اپنا منہ چھپا لیتا ہے اور اس کا کوثر نما

Marfat.com

پانی اور اس کی نسیم عنبر شمیم مایوس العلاج بیمار دل کو تازہ زندگی کا مژدہ سناتی ہے۔ شیخ طریقت قطب الاقطاب ملا نجم الدین خان صاحب علیہ الرحمۃ والغفران نے جو کہ تقریباً تمام مملکت افغانستان اور سرحدات آزاد اور صوبہ سرحد پشاور کا تمام علاقہ ان کی حلقۂ ارادت سے وابستہ ہے اپنی مسافری اور ہجرت کے دنوں کو اسی جگہ میں گذارا تھا۔ اس فردوس مکانی کے چند سالہ قیام نے اس کے رفعت کے سر کو آسمان کی چوٹی پہ پہنچا دیا ہے اور اس کو زمانہ بھر میں مشہور اور تمام خلقت کا مرجع بنا دیا ہے۔

مرکز مذکور پہ قبضہ کرنے کے لئے رقیبانہ کوششیں

پہلی مرتبہ جنگ عالمگیر کے زمانہ میں جب جنگ عظیم کے زمانہ میں ہندوستانی مہاجروں کی مختلف پارٹیاں اس علاقہ میں پہنچیں اور ہر ایک کو ٹھکانے کی ضرورت پیش آئی جو کہ صحت بخش آب وہوا اور پانی اور لکڑی کی کثرت اور اسباب معاش کے حصول کے لیے آسان ترین ذرائع کا مالک ہو اور اس کا محل وقوع بھی افغانستان کے گرد و نواح میں نزدیک تر ہو تو ہر ایک کی نظریں اسی مرکز پہ پڑیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اس پہ قبضہ کرنے کے لیے صبر کی لگام کو ہاتھ سے دیدیا اور اس طرح دیوانہ وار کوشش کی کہ ہجرت کے مقاصد اور برادری اور ہم وطنی کے حقوق کو بھی ایک حد تک طاق نسیان پر رکھ دیا۔ چونکہ حضرت شیخ طریقت مرحوم یعنی سید السادات الحاج حضرت اسلام پور بادشاہ صاحب اور فریدون زمانہ حضرت میاں صاحب سرکانی اور رئیس الخیرات حضرت ملا صاحب باڑہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جانشینوں کی نظر عنایت ہندوستانی مجاہدین کی جمعیت کے شامل حال تھی۔ لہذا جمعیت مذکور کامیاب ہوگئی اور چونکہ جمعیت کی طرف سے مقابلے کے تمام میدانوں میں مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم پیش پیش تھے۔ لہذا مہاجرین کی تمام پارٹیوں نے آپس میں اختلاف کے باوجود مولوی صاحب مرحوم کی عداوت اور جمعیت مجاہدین کی بربادی پہ عہد موافقت اور کمر ہمت باندھی۔

Marfat.com

یورپ کی نگاہ میں سرحد کی اہمیت

دارالسلطنت کابل میں دول موتلفہ کے وفود

ان دنوں میں جنگ عظیم اپنی پوری شدت سے جاری تھی اور مشرق کی مظلوم اقوام میں سے ہر ایک یہ امید رکھتی تھی کہ دُول مُوتلفہ مشرق کی خواہش کے مطابق حکومتوں اور ملتوں کی قسمت کے نئے قالب میں تشکیل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ اسی نقطۂ نظر سے تمام سرحد آزاد ہتھیلی پر جان رکھ کر سرحد کے ہر مقام پر دولت برطانیہ سے دست و گریباں رہی۔ چونکہ تمام مشکلات کے حل کا راز صرف ہندوستان کے انقلاب میں مضمر تھا اور بحری راستے ایتلافیوں کے اس مقدس مقصد میں چونکہ چنداں فائدہ بخش نہ تھے لہذا انہوں نے خشکی کے راستہ کو تجویز کیا اور ایک مخصوص وفد فوق العادت اختیارات دے کر کابل کی طرف بھیج دیا۔ چونکہ اس زمانہ میں سلطنت کی باگ ڈور برطانوی حلیف (امیر شہید حبیب اللہ خاں مرحوم) کے ہاتھ میں تھی۔ لہذا براہ راست کام نکلنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تو پھر وفد مذکور کی نگاہیں اس طرف سے پھر کر سرحد آزاد پر پڑنے لگیں ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید   قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

یہ پہلا موقع تھا کہ مغربی حکومتوں کو سرحد آزاد کی اہمیت محسوس ہوئی اور ہر ایک نے ان کی تربیت میں اپنی عدم توجہ پر کف افسوس و حسرت ملنا شروع کیا۔

ہندوستانی مہاجرین کی پارٹیوں میں رسہ کشی کا نتیجہ

جمعیت مہاجرین ہندی مقیم کابل نے اگرچہ بوجہ اپنی مرکزیت کے دُول مُوتلفہ کے وفد استقبال اور اس کی ہمدردی حاصل کرنے میں دوسری پارٹیوں سے ضرور سبقت کی لیکن اس کے ہاتھ میں سرحد آزاد کے علاقہ میں کوئی خالص ہندی جمعیت نہ تھی کہ اس کے ذریعہ وفد کے مقاصد کو ہندوستان کی سرزمین میں جاری کیا جا سکے۔ اس لئے کوشش

Marfat.com

کی کہ مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کے ذریعہ اور بصورت ناکامی ہندوستان کے مجاہدین جمعیت مقیم سرحد آزاد کے رسوخ کو براہ راست وفد مذکور کی اغراض کی تکمیل کے لیے استعمال میں لائے۔ لیکن وہ جمعیت کامیاب نہ ہو سکی۔ مولوی صاحب مرحوم کا مقصد یہ تھا کہ جمعیت مجاہدین کے تعلق کو براہ راست وفد مذکور کے ساتھ مربوط کیا جائے۔ مولوی صاحب مرحوم اگرچہ کابل کی پارٹی کے مقابلہ میں ایک حد تک کامیاب ہو گئے لیکن یہی کامیابی فی الحقیقت ہزار ہا نامرادیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو گئی۔ ایک طرف تو جمعیت مجاہدین کے حق میں جو کہ اپنی پشت پر اسلاف کی روایات کا ایک بے بہا خزانہ رکھتے تھے بمنزلہ پیام موت ابدی ثابت ہوئی اور اس کی قسمت کا ستارہ زوال اور پوشیدگی کی پستی میں اس طرح اتر گیا کہ ظاہری اسباب کی بنا پر اب اس کے دوبارہ طلوع کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔

عبداللہ اور عبدالرحمن بی اے مہاجرین ہندی کا قتل

افسوس ہزار افسوس کہ کابل کے مہاجرین کی جمعیت میں سے دو حقیقی بھائی عبداللہ اور عبدالرحمن (دونوں بی۔ اے اور نہایت قیمتی آدمی تھے اور اس رسہ کشی میں مولانا محمد بشیر صاحب مرحوم کو تنہا انہی دونو جوانوں نے کامیابی کا شرف حاصل کرایا تھا) یکے بعد دیگرے بھیڑ بکری کی طرح نہایت بے رحمی اور سنگدلی سے باجوڑ کی حدود میں کسی ناسپاس اور احسان فراموش آدمی کے ہاتھ سے قتل ہو گئے۔ زمانہ اس راز کی تفصیلات کو شاید قیامت کے دن تک بھی ظاہر نہ کر سکے لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔ یہ ایک دور دراز کی حکایت ہے اور دقائق حقیقت اور حقائق مجاز کا ایک قصہ ہے کہ بہ سبیل ایجاز و اختصار بھی ہم اس کا ایک شمہ نہیں دکھا سکتے اور نہ ہی ہر ایک کان کو اس کے سننے کا ہوش ہے۔

ہندوستانی مہاجرین کی پارٹیوں میں اختلاف اور مسابقت کا نتیجہ

دوسری طرف اسی مسابقت بازی کے سبب وہ تمام امیدیں جو کہ مشرق کی آزادی

Marfat.com

کے متعلق اس جنگ سے وابستہ تھیں نامرادی کی قبر میں دفن ہو گئیں۔ کیونکہ بہت ممکن تھا کہ اگر ہندوستانی پارٹیاں جو کہ ہر ایک ان میں سے اپنی پشت پر قوم اور دولت افغانستان کی طرف سے ایک بہت بڑا گروہ اور جماعت رکھتی ہے۔ متحدہ طور پر کوشش کرتیں تو مسیح صفت حضرت خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی کے وفد کے متبرک انفاس کی برکت ان کے لیے کافی محل امید ہوتی کہ افغانستان پہلے مرحلہ میں جنگ میں شریک ہوتا اور اس کا انجام تمام عالم اسلام اور اقوام شرق کی آزادی کی صورت میں ظاہر ہوتا۔ کیونکہ اس زمانہ میں ہر طرف سے اتحادیوں کے لیے نکبت کے آثار اور پوری شکست آنکھوں کے ساتھ دیکھی جا سکتی تھی اور اتیلافیوں کی فتح اور فیروزی اور انقلاب ہند بدیہی اور یقینی امور میں سے تھے۔ عالمگیر جنگ کا خاتمہ اقوام شرق کی تباہی اور عالم اسلام کے تجزیہ پر ہوا۔ مظلوم قومیں پہلے سے بھی زیادہ سرمایہ داروں کی قید کے شکنجہ میں کس دی گئیں۔ اس قسم کے نادر اور قیمتی موقع کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے عمر نوح اور صبر ایوب درکار ہے۔ اس کے ضائع ہو جانے پر ہم جتنی بھی حسرت کی انگشت افسوس کے دانتوں سے کاٹیں کم ہے۔ اس دکھ کے زخم کسی کی مرہم سے مندمل ہونے والے نہیں ہیں اور جب تک ان پارٹیوں میں سے کوئی موجود ہے اس حسرت اور رنج کا داغ وہ ہمیشہ تک اپنے سینہ پر رکھے گا اور دل کے انتہائی سوز و گداز اور روح کے اضطراب سے اپنا سر پتھروں پر مارے گا اور پتھر اپنے سر پر مارے گا نہ کوئی اس کے کہنے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ کوئی سنتے گی۔

اگرچہ مؤتلفہ حکومتوں نے اہل مشرق کی توقعات کے برخلاف یورپ کے میدان میں شکست کھائی اور ان کے لیے کوئی راستہ باقی نہ رہا کہ دولت افغانستان یا سرحدات آزاد یا ہندوستانی جمعیتوں کو کوئی قیمتی امداد پہنچا کر حکومت برطانیہ کے محل کو ہندوستان کی مملکت میں منہدم کر دیتیں لیکن وہ لوگ جو بین الاقوامی سیاسیات پر نظر رکھتے ہیں اس امر میں ہم خدام دین و دولت سے یقیناً ضرور اتفاق کریں گے کہ دول مؤتلفہ کی شکست کے باوجود مشرق کی آزادی کے حصول کے لیے ابھی کافی فرصت اور پوری امید باقی تھی کیونکہ ترکان احرار اور روس کے بولشویکوں نے حکومت جرمنی کے اعلان متارکۂ جنگ

کے بعد بھی کئی سال تک متحدہ دولت کو اور خصوصاً حکومت برطانیہ کو جنگ میں مشغول رکھا۔ اور برطانیہ کی حکومت عالمگیر جنگ سے اس قدر عاجز اور مصیبت زدہ ہو چکی تھی کہ ہندوستان کی سرحدات پر وہ کسی جنگی مہم کی بالکل طاقت نہیں رکھتی تھی۔ اگر ان دنوں میں حکومت افغانستان سرحدات آزاد پر عمومی جنگ کی نفیری بجانے میں کچھ تھوڑی سی بھی موافقت کرتی تو کم از کم ہندوستان کا انقلاب جو کہ مشرق کی تمام مشکلات کے حل کرنے کی چابی ہے یقیناً وقوع میں آ جاتا۔

جمعیت مجاہدین ہند کے زوال کے اسباب میں اضافہ

انہی حالات میں چند ایک ہندوستانی نوجوان جو کہ ملازمت کے سلسلہ میں دارالسلطنت کابل میں پہلے ہی سے اقامت رکھتے تھے۔ مذکورہ بالا کشمکش کے سلسلہ میں اس جگہ سے نکال دیئے گئے۔ مؤتلفہ حکومتوں کے وفد کی طرف سے فوق العادت امداد کی توقع پر ہندوستانی مجاہدین کے صدر مرکز مقام اسمست (بونیر) میں پہنچ گئے اور جمعیت مذکور کے اثنا کی برکت سے ایک وقت تک انہوں نے قابل تحسین خدمات سرانجام دیں لیکن بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس کے بعد اپنے مستقبل سے یا سرحد کے مستقبل سے مایوس ہو کر اپنے مزید قیام کو سرحد آزاد میں خلاف مصلحت سمجھنے لگے اور چونکہ ہندوستان کے علاقہ میں ان کا داخلہ قانونی طور پر بند تھا لہذا بہت تنگ دل اور پریشان ہوئے آخر جمعیت مجاہدین ہندی کو چند شرطوں سے جو کہ انکی شخصی آزادی کو بھی شامل تھیں بر شتہ معاہدۂ دولتی مربوط کر کے اس حیلہ سے اپنے لیے مخلصی کی راہ پیدا کر لی۔ اس معاہدہ سے جمعیت کے سو سالہ سیاسی وقار کا پارہ پارہ پاش ہو گیا اور دشمنوں کی پارٹیوں نے جو کہ ہمیشہ مذکور کی بربادی کے درپے تھیں ادنیٰ ترین موقع سے بھی استفادہ کرنے سے دریغ نہ کرتی تھیں اس برطانوی معاہدہ کو انتقام کا ایک آلہ بنایا اور اس کی بدنامی اور بربادی میں کوئی دقیقہ ہمت اور کوشش کے دقائق میں سے فروگذار نہ کیا۔ اور اتنے بڑے بڑے صدمے ایک ہندوستانی ٹھکانے کو جو کہ کل سرحد میں صرف ایک ہی ہر مظلوم اور فداکار اور ہر بے پناہ کا وطن تھا پہنچائے

کہ ان کی تلافی کسی وجہ سے بھی ممکن نہ تھی چند اہم واقعات مناسب موقع پر مختصر طور پر آجائینگے۔

دونوں مرکزوں کی علیحدگی اور چمرکند کا استقلال

امیر المجاہدین اسمست برطانوی معاہدہ کے مطابق چمرکند کے مرکز کو چھوڑنے پر مجبور تھا۔ اس نے مجاہدین کی نفری کو بلطائف الحیل واپس بلانا شروع کیا ان میں سے اکثر لوگ چلے گئے اور بعض لوگ حضرت مولانا عبد الکریم صاحب کی سرکردگی میں اپنی جگہ پر بدستور ڈٹے رہے اور انھوں نے برطانوی معاہدہ کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ جب ان پر مدد کی رقوم بند کردی گئیں تو انہوں نے انصار ہند سے مدد کی درخواست کی۔ اور الگ ہو گئے۔

دوسری طرف مولوی محمد بشیر صاحب نے مخالفین کی تحریکات کو ختم کرنے کے لیے رنگا رنگ کے حیلے اختیار کیے لیکن کسی بھی تدبیر کا کوئی تیر مقصود کے نشانہ پر نہ بیٹھا۔ بالآخر دونوں مرکزوں کی علیحدگی کو قرین مصلحت سمجھ کر چمرکند کو اسمست کے صدر مرکز سے علیحدہ کردیا گیا اور حضرت مولانا عبد الکریم صاحب کو مستقل طور پر امیر المجاہدین قرار دے کر چمرکند کے استقلال پر اتفاق کر لیا گیا اور ہندوستان کے اعوان اور انصار کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے جگہ جگہ پیغامات اور مکتوبات روانہ کر دیے گئے۔

جب ہندوستان کی طرف سے کسی حد تک فراغت اور اطمینان حاصل کر لیا تو افغانستان میں کوشش شروع کر دی۔ آخر امیر حبیب اللہ خاں کی وفات کے بعد مولوی محمد بشیر خاں صاحب نے ایک خصوصی فرمان نمبر ۲۸ مورخہ ۲۲ قوس ۱۲۹۸ھ مطابق ۸ رجب ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء کو خاص اپنی ذات کے لیے وزارت خارجہ سے حاصل کر لیا۔ کہ جس میں چمرکند کے استقلال کی زبردست تائید اور تاکید کی گئی تھی۔

مولوی محمد بشیر صاحب کے فوق العادت اثر و رسوخ کے اسباب

مولوی صاحب مرحوم کو شاہی خاندان کے اکثر اعضا د ارکین کے دلوں میں ایک

فوق العادت اعتماد حاصل ہو چکا تھا کہ جو اس قسم کا خاص فرمان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کیونکہ

(۱) مولوی صاحب کی قسمت کی خوبی سے اس زمانہ میں جبکہ افغانستان کا میدان ہندی مہاجرین کے وجود سے ابھی خالی تھا وہ دار السلطنت کابل میں وقتاً فوقتاً آمد و رفت کے مواقع پاتے رہتے تھے اور چند ایک ہندوستانی مہاجرین جو کہ مختلف راستوں سے کابل میں پہنچ گئے تھے۔ امیر شہید حبیب اللہ خاں علیہ الرحمۃ کے حکم سے وہ زیر حراست اور پہرہ شدید کے ماتحت تھے کہ ان کی نقل و حرکت کسی طرح سے بھی ممکن نہ تھی۔ آخر کچھ مدت کے بعد بڑی جمعیت ہندی مجاہدین کی سفارش سے انھوں نے اس بلا سے رہائی پائی۔

(۲) یورپ کی جنگ کے آغاز کا زمانہ تھا اور ایشیا کی تمام حکومتیں اور قومیں جو کہ یورپ کی طویل قید کی سختیوں سے جان بلب ہو چکے تھے وہ دل کی پوری گہرائیوں سے یورپی حکومتوں کی بربادی چاہتے تھے اور خصوصاً حکومت برطانیہ کی بربادی اور قوم افغان اور سرحدات آزاد نے برطانیہ کے ہاتھ سے بے شمار تکلیفیں اٹھائی تھیں وہ ہزار شوق سے اس کی شکست کا انتظار کر رہے تھے۔ اور اس کی مشکلات کو زیادہ کرنے کے لیے اپنی جان و مال کی بازی لگانے میں پوری طرح سرگرم کار تھے۔

(۳) اس زمانہ میں افغانستان میں سردار نصر اللہ خاں جب برطانیہ کا ایک طاقتور دشمن تحریکات اسلام کی حوصلہ افزائی اور امور دین کی پابندی کرنے میں شاہ اورنگ زیب خاں کا نمونہ موجود تھا۔

(۴) نائب السلطنت مذکور کی روح رواں حاجی عبد الرزاق خاں کی طرح کا ایک اہم شخص تھا جو کہ افغانستان کے علماء اور فضلاء کے طبقہ میں اپنی کوئی مثال اور نظیر نہیں رکھتا تھا۔ جہان کی سیاسیات کا ماہر، بذات خود غازی اور غازیان اسلام کا فدائی اور شیدائی جمعیت مجاہدین ہندوستان کا عاشق اور ان کے بزرگوں کی ارادت اور عقیدہ میں پوری طرح غرق تھا

(۵) خود جمعیت مجاہدین ہند اپنی بنیاد کے زمانہ سے لے کر دولت اور ملت افغانستان کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ سیاسی اور تاریخی حلیف چلی آ رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان

Marfat.com

ہمیشہ تعلقات اس حد تک محکم اور مضبوط چلے آ رہے تھے کہ سرحد آزاد میں یہ عزت اور یہ شرف کسی کو بھی حاصل نہ تھا۔ خصوصاً خاندان محمد زائی کی غم شریکی اور ہمدردی کی وجہ سے جو کہ امیر کبیر دوست محمد خاں اور امیر شیر علی خاں اور غازی محمد اکبر خاں کے عہد میں ادر تمام سوز انقلاب ۱۲۵۳ھ اور ۱۲۵۸ھ کے واقعات میں اور انہی جیسے اور واقعات میں جو کہ برطانوی اقدامات و تحریکات کی مدافعت کے سلسلہ میں مقامات قندھار اور غزنی اور کابل وغیرہ کے معرکوں میں پیش آئے۔ جمعیت مجاہدین دولت و ملت افغانستان کا دایاں بازو شمار کیا جاتا رہا۔ اور اسی زمانہ سے اس کے لیے ایک اعزازی وظیفہ ہمیشہ تک کے لیے مع قیمتی تحائف کے مقرر ہو چکا تھا جو سال کے سال اس کو پہنچتا تھا۔ یا جمعیت کے نمایندے کسی موزوں موقع پر دار السلطنت کابل میں حضور کی شرف یابی حاصل کر کے وصول کر لیا کرتے تھے۔

(۶) خود مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم حسب ضروریات زمانہ ایلچیوں اور سفیروں کے تمام اوصاف و کمالات سے متصف تھے۔ ان کی حاضر جوابی اور شیریں کلامی سے حاضرین مجلس مسحور ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی مجلس کے ارد گرد اگر رنج و غم کے لیے بالکل کوئی جگہ نہ تھی۔ ان کی کلام ان کے اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی ہنسنے اور غم غلط کرنے کا سرمایہ تھی۔ غصہ اور حوصلہ۔ محبت اور قہر۔ خطاب و عتاب کا جوہر اور پھاڑنے اور سینے اور باندھنے اور کھولنے اور بنانے اور چلانے کا مادہ ایک دنیا کو آپس میں لڑانے اور ایک خلقت کو دوستی میں لانے۔ سیاسی پیچیدگیوں اور ملکی عقدوں کو سمجھنے اور سمجھانے کی یہ تمام صفات بیک وقت ان کے وجود گرامی میں موجود تھیں۔

قصہ مختصر یہ کہ دولت افغانستان کی فضا اور احرارستان کا مطلع تمام تر مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کے موافق حال اور مزاج کے مطابق تھا۔ جب پہلے پہل جمعیت عالیہ مجاہدین ہندیہ اسمست کا فوق العادت وکالت نامہ لے کر افغانستان کے علاقہ میں داخل ہوئے اور حکیم ملت حضرت حاجی صاحب عبد الرزاق خاں مرحوم کے ذریعہ سے دربار فیض آثار سرپرست احرار یعنی نائب السلطنت صاحب میں پہنچے تو ہم دین اور دولت

Marfat.com

کے خادموں میں سے اس وقت بذات خود کچھ لوگ وہاں موجود تھے۔ جناب حاجی صاحب ممدوح نے ان ہمت افزا الفاظ سے جو کہ کسی بندہ بشر کے کان میں کبھی نہ پڑیں ہوں گے۔ مجاہدین کے وکیل کا نائب السلطنت اور بعض شاہزادگان عالی تبار اور عمائدین سلطنت و ملت سے تعارف کرایا۔ عالمگیر جنگ کے مقتضیات نے مولوی صاحب موصوف کو افغانستان میں آمدورفت کے مواقع پے در پے مہیا کر دئے اور وہ لحظہ بہ لحظہ ہم مجلسوں کی جماعت اور نائب السلطنت کی بارگاہ کے مقربین اور حریت پسند شہزادوں کے درمیان ان کے دلی اور قلبی اعتماد کے زیادہ سے زیادہ مالک اور متصرف ہوتے گئے ؎

یک بار رخ نمودی و دل رفت و عقل و ہوش	این بار جاں بہر کہ متاعے دگر نماند

جمعیت مجاہدین کی طرف سے بے شاب اور بافراغ اخلاقی اور مادی تائیدات ہمیشہ ان کے شامل حال رہیں۔ جناب حاجی صاحب موصوف کی متواتر سفارشوں سے تقویت اور پشت پناہی پا کر مسمی مذکور اس اثر و رسوخ کے مقام پہ پہنچ گئے کہ طائرِ فکر کے لیے بھی اس مقام تک رسائی محال ہے۔ حاجی صاحب ممدوح کی کوششوں سے جمعیت کا وظیفہ بھی چار ہزار روپیہ سالانہ سے بڑھا کر بارہ ہزار روپیہ تک کر دیا گیا۔

ان دنوں میں جبکہ مولوی صاحب مرحوم نے چمرکند کے استقلال کے بارے میں اپنے خاص نام پہ فوق العادت فرمان حاصل کیا تھا ان کے اعمال محاسبہ اور تنقید سے بالاتر اور ان کی ذات ساتھیوں کی مدح و ذم سے مستغنی اور بے نیاز ہو چکی تھی۔ اور ان کی سیاسی حیثیت افغانستان کے راعی اور رعیت دونوں کے نزدیک مسلم ہو چکی تھی۔ اور ان کی تمام حرکات و سکنات۔ اقوال و افعال بنظر پسندید گی اور قدر سے دیکھے جاتے تھے۔

وزارت خارجہ کے فرمان کے نتائج اور مولوی صاحب کا مسلک

؎ نیست در قانون حکمت ضعف قسمت را علاج	طشت فکر بو علی انجاز بام افتادہ است

افسوس ہزار افسوس کہ وہ مسلک جو مولوی صاحب مرحوم نے اپنے خیال میں حسن نیت

اور خالص دل سے جمعیت کی اصلاح کی امید پر اختیار کیا تھا اور اس کی تائید میں ایک فوق العادۃ فرمان وزارت خارجہ سے حاصل کر لیا تھا اس نے جمعیت کو کوئی نفع نہ بخشا۔ بلکہ اس کو حوادث اور مصائب کے گرداب میں ایسا مبتلا کر دیا کہ اس دم تک اس سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا نہ ہو سکا اور اس کی مشکلات پہلے سے کئی گنا بڑھ گئیں۔ ظاہر چیز کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور بزبان حال جمعیت کہتی ہے کہ ؎

اندر جہاں ہمہ کہ محیط غم مرا — پایاں پدید نیست چہ پایان کنارہم

گفتم بصر ساحل دریا شود پدید — اکنوں شکست کشتی صبر و قرار ہم

مسلک مذکور اور فرمان زیر بحث کے اہم ترین نتائج اس طرح ہیں

(۱) مجاہدین اسمست کے لیے افغانستان کے علاقہ میں آمد و رفت کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے اور دوسرے قانونی روابط بھی پوری طرح ختم ہو چکے ہیں۔ مولوی محمد بشیر صاحب کی راہداری اور اجازت نامہ کے بغیر مجاہدین کے سب چھوٹے بڑے آدمی دولت افغانستان کی قانونی قبولیت سے محروم ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے اتفاق سے کسی کام کے لیے کابل چلا بھی گیا تو اس نے جتنی بھی کوشش کی قانونی طور پر اس کی پہچان نہ ہو سکی چند روز کس مپرسی اور پریشانی کی حالت میں رہ کر بغیر مقصد حاصل کیے واپس آ گیا۔

(۲) ہمیشہ کا وظیفہ حاصل کرتے ہیں جو کہ امیر کبیر دوست محمد خاں کے زمانہ سے خاص جمعیت مجاہدین بونیر کے نام پر مقرر تھا اور کبھی بھی ان پر وہ بند نہیں کیا گیا تھا۔ اب کوئی بھی مجاہد صدر مرکز اسمست میں سے اس فرمان کے صدور کے بعد اس کو حاصل نہیں کر سکا۔ وظیفہ مذکور کو اگر جمعیت مجاہدین میں سے کسی نے آخری دم تک خزانہ عامرہ سے وصول کیا ہے تو وہ صرف ایک مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کی ذات تھی اور بس۔

(۳) سامان خوراک اور دوسری ضروری اشیاء کی افغانستان کے علاقہ سے خرید و فروخت کا حق مولوی صاحب موصوف کے مہری اجازت نامہ کے بغیر جمعیت مجاہدین میں سے کسی کو بھی نہیں رہا۔

(۴) قانونی طور پر خط و کتابت کا حق خاص مولوی صاحب کی ذات تک محدود ہو گیا۔

Marfat.com

(۵) جمعیت مجاہدین میں سے کسی چھوٹے بڑے کو یہ حق نہیں رہا کہ براہ راست وہ اپنے آپ کو ارکین دولت سے پہچان کرا سکے اور خود شناسائی حاصل کر سکے ہر ایک کی حس نظریہ سے بھی مولوی صاحب نے پہچان کرانی چاہی اسی طرح کرائی اور اس کی ذات کے لیے کوئی عرفی حیثیت باقی نہ رہ گئی۔

(۶) چونکہ جمعیت پر آمد و رفت کے تمام دروازے بند ہو گئے ہیں لہٰذا کوئی بھی مولوی صاحب کے اعمال پر صدائے احتجاج بلند کر کے حکومت کے کانوں تک نہیں پہنچا سکتا۔ جو کچھ مولوی صاحب نے چاہا مجاہدین نے طوعاً و کرہاً اس پر عمل کیا۔

(۷) جمعیت مجاہدین موجودہ زمانہ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی امداد سے محروم ہو گئی جو لوگ خود مرکز جمرقند میں موجود تھے وہ میدان عمل کے محدود ہو جانے اور ہاتھ پاؤں اور زبان بند ہو جانے کی وجہ سے جمعیت کو اپنے حال پر چھوڑ کر جس طرف بھی ان کو راستہ ملا چلے گئے۔

(۸) دونوں مرکزوں میں بے اتفاقی اور نفاق ابدی کا دروازہ کھل گیا اور دشمنوں کو پروپیگنڈہ اور چغلخوری اور لگانے بجھانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔

(۹) جمعیت کا وقار گھٹنا شروع ہو گیا اور برطانوی مقاصد خود بخود پورے ہونے لگے۔ جن میں برطانیہ کئی لاکھ پونڈ کا سرمایہ اور ہزارہا مردان جنگی کی میدان جنگ میں قربانی دینے کے باوجود بھی اس طویل مدت میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

(۱۰) جمعیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ حالانکہ اس کی بنیاد اور استحکام اور بقا کے لیے ہندوستان کے ہزارہا فرزندوں نے جو کہ پوری قوم کے لب لباب تھے اپنے خویش و اقارب اور وطن مالوف کو ترک کر دیا تھا اور غریب الوطنی کی ہزارہا زحمتیں اٹھا کر اپنے جان و مال کو قربان کر دیا تھا۔

مختصر یہ کہ فرمان مذکور نے تمام ہندوستانی مجاہدین کی شاہ رگ خواہ وہ کسی مرکز میں بھی تھے اکیلے مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کے ہاتھ میں دیدی۔ بجائے اس کے کہ ہندوستان کے آزادی خواہوں کو آزادی کا سبق پڑھایا جاتا۔ آزادی زبان اور آزادی قلم وغیرہ کو ان پر

Marfat.com

بند کر دیا گیا اور جمعیت مجاہدین ہندی کو اپنے تمام خارجہ اور سرحدی امور کی سرانجام دہی میں صرف مولوی محمد بشیر صاحب کے رحم اور نظر عنایت کا متنظر اور محتاج بنا دیا اور جمعیت کے تمام سرکردہ لوگوں کے ہاتھ میں یہاں تک کہ صدر مرکز کے ہاتھ میں بھی سوائے جمعیت کے خورد و نوش اور چندی انتظام کے اور کوئی چیز باقی نہ رہ گئی۔

مولوی صاحب مرحوم کے مسلک پر تبصرہ

وہ مسلک جو مولوی محمد بشیر صاحب نے جمعیت کے مستقبل کی اصلاح اور تلافی مافات کے لیے اختیار کیا تھا۔ اگر صرف دونوں مرکز دل کی علیحدگی تک محدود رہتا اور وزارت خارجہ سے فرمان حاصل کرنے میں احتیاط کو ملحوظ رکھا جاتا اور مندرجہ مراعات کو کسی خاص نام کے ساتھ مخصوص نہ کیا جاتا۔ بلکہ اس کو مطلق بغیر کسی قید اور تخصیص کے صرف سرکردہ چمرکند کے لیے عام چھوڑ دیا جاتا اور اگر خصوصیت نام خواہ مخواہ ضروری سمجھ لی گئی تھی تو اس فرمان کو حضرت مولانا عبد الکریم صاحب کے نام پر حاصل کیا جاتا جو کہ ان دنوں جمعیت مجاہدین چمرکند کے صدر تھے اور بلحاظ زہد و تقوی اور شوق جہاد اور خیر خواہی اسلام اور ہندوستان کی تحریکات آزادی کی حمایت میں ایک اسلاف کا نمونہ تھے اور سب سے پہلا شخص جمعیت مجاہدین کے سرکردہ حضرات میں سے جس نے معاہدۂ برطانوی کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اس کی تنسیخ کے لیے ہندوستان کے تمام اخوان و انصار کو ہم آہنگ اور متفق بنایا وہ حضرت مولانا صاحب کی ذات ستودہ صفات تھی اور بلحاظ عمر، بلحاظ ہجرت اور بلحاظ خدمات اسلام کوئی بھی جمعیت مجاہدین میں سے ان کے پلہ کا نہ تھا تو اس صورت میں مولوی صاحب مرحوم کا مسلک مستحسن اور محمود شمار کیا جاتا اور ان کی ذات بالکل محل طعن و تشنیع اور مورد الزامات دوست و دشمن نہ ہوتی اور ان تمام مصیبتوں اور اضطراب انگیز اور ہلاکت افزا دکھوں کی ذمہ داری کہ جن سے جمعیت مجاہدین اس وقت تک دوچار ہے اس درجہ تک ان پر عائد نہ ہوتی۔ اس فرمان کا راز اور اس کی پوری حقیقت ہم خادمان دین اور ہندی

مجاہدین کے خیر خواہوں کے علم میں پہلے پہل ماہ شعبان ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں آئی۔ چونکہ مولوی صاحب مرحوم نے اہالی سرحد سے بعض داخلی معاملات کے حلّ کرنے میں مدد حاصل کرنا چاہی تھی۔ تو ہم نے اس فرمان کے بارے میں سینہ کی پوری فراخی کے ساتھ مذاکرہ اور مباحثہ کیا تھا ہم نے ان کے دلائل کو سنا اور ان کی نقدی کو انصاف کی کسوٹی پر پرکھا اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کام حسن نیت اور خالص جمعیت کی اصلاح کے مقصد کے پیش نظر اور اس کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے کیا گیا ہوگا۔ البتہ ان کا اس فرمان کو اپنے نام کے ساتھ مخصوص کرانا یہ ایک اجتہادی غلطی تھی۔ اگرچہ بعد کے واقعات نے اس کی بالکل تائید نہ کی اور تمام انفرادی نقصانات اور اجتماعی مصیبتیں شروع سے لے کر اس وقت تک جو کہ جمعیت مجاہدین کو پہنچی ہیں وہ تمام اسی فرمان کے پیٹ سے اور اسی مسلک سے پیدا ہوئی ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر ہم مجبور ہیں کہ ان دونوں چیزوں کو تمام خرابیوں اور برائیوں کی علت العلل اور اصلی منبع قرار دیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال و جواب

اس مضمون کو ہم چند سوالوں اور ان کے جوابوں پر ختم کرتے ہیں

س:۔ ان تمام فسادات اور تکالیف کا منبع جو کہ جمعیت مجاہدین کو پہنچیں کیا ہے؟

ج:۔ مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کا مسلک اور وزارت خارجہ کا ان کے نام سے مخصوص فرمان۔

س:۔ مولوی صاحب مرحوم نے اس مسلک کو کیوں اختیار کیا؟

ج:۔ دشمنوں کے پروپیگنڈے اور تحریکوں کو رد کرنے کے لیے جو کہ برطانوی معاہدے سے پیدا ہو گئی تھیں۔ لیکن بد قسمتی سے گوہر مقصود ان کے ہاتھ میں نہ آسکا۔ بلکہ سراسر جمعیت کی بربادی اور ہلاکت کا سبب بن گیا۔ عقلمندوں نے خوب کہا ہے ؎

به آرزو و ہوس رہ نمی تواں پیمود | بزور عربده کارے نمی تواں پرداخت
ہزار کس بہ تمنائے خام سوختہ شد | کہ روزگار یکے را بکام دل نہ نواخت

س :- اس معاہدۂ برطانوی کے اسباب کیا تھے؟

ج :- بعض ہندوستانی پناہ گزینوں کے شخصی مفاد کہ جن کو دارالسلطنت کابل سے خارج کردیا گیا تھا اور وہ خدمت وطن کے خیال سے سرحد آزاد میں آئے ہوئے تھے۔

س :- ہندوستانی پناہ گزین کن حالات میں شخصی مصالح کی طرف متوجہ ہوئے؟

ج :- مجاہدین کے بعض قاصد مع سرمایۂ کثیر عالمگیر جنگ کے زمانہ میں ہندوستان کی سرحد کو عبور کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے تھے اور آنے جانے کے تمام راستے زیر حراست اور شدید ناکہ بندی کے تحت آگئے تھے اور مالی مدد حاصل کرنے کے راستہ میں بعض لاینحل مشکلات پیدا ہوگئی تھیں۔

قضا و قدر

اہل جہان کے کام خدائے رحمان کے فرمان کے مطابق (وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ) تقدیر کے موافق ہی وجود میں آتے ہیں کہ ان میں تقدیم و تاخیر اور کمی بیشی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ جمعیت مذکور کی بربادی حوادث اور مصائب مذکورہ کے تحت ہوجانے والے کاموں میں سے تھی۔ اس کے رکنے کی طاقت کسی بھی مخلوق کی طاقت وقوت میں نہ تھی (وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ) اس کے برخلاف کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا ؎

ہر آتش کہ دست قضا برفروخت ہمہ فکر و تدبیر ہا را بسوخت

ایک ہوشیار اور دانا آدمی اور ایک نادان اور ناتجربہ کار تقدیر کا حکم جاری ہونے میں بالکل ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔ عقلمند کہتے ہیں کہ جب تقدیر الٰہی عالم ملکوت سے عالم شہود میں جلوہ گر ہوتی ہے تو نہ دیدۂ بصیرت میں کوئی روشنی باقی رہتی ہے اور نہ تدبیر و حکمت کچھ نفع دیتی ہے ؎

چوں قضا بیروں کند از چرخ سر عاقلاں گردند جملہ کور و کر

ہر نیرنگ نے اپنے خیال میں ہر وہ تدبیر جو اختیار کی اور ہر قدم جو اٹھایا وہ مسلمانوں

کی جماعت کی فلاح و بہبود کے لیے تھا لیکن منشائے ازلی دوسری چیز ہے جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ ہمیشہ وہی چیز پیش آئی جو اس کی تقدیر میں مقدر تھی۔

دونوں مرکزوں کے درمیان افتراق کی سازشیں

وہ مسلک جو مولوی محمد بشیر صاحب نے ازراہ مصلحت اختیار کیا تھا۔ دشمنوں کی پارٹیوں نے اس کو سخن چینی اور نفاق انگیزی اور فتنہ پردازی کا ایک حربہ بنا لیا۔ اس زمانہ میں بعض ہندوستانی مہاجرین جو کہ کابل میں مقیم تھے اور اپنی پارٹی سے بعض وجوہات کی بنا پر آزردہ خاطر اور علیحدہ ہو چکے تھے اور مولوی صاحب مرحوم کے ساتھ بھی مندرجہ بالا رسہ کشی کے دوران میں ان کے تعلقات ہموار نہیں رہے تھے انھوں نے آپ کے ساتھ اختلاط اور دوستی کا راستہ پیدا کر لیا۔ مولوی صاحب موصوف دشمنان زخم خوردہ کی فریب آمیز دوستی پر اعتماد کر بیٹھے اور ان کو مرکزی جمعیت کی اصلاح اور پوشیدہ حالات کی خبر رسانی کے لیے اسمست کی طرف روانہ کر دیا۔

ان لوگوں نے وہاں جا کر انتہائی تیز رفتاری سے امیر المجاہدین اور بارگاہ امارت کے مقربین اور ندماء کے ساتھ نیازمندی کی زبان اور دلی خلوص سے کلی یگانگت اور اعتماد پیدا کر لیا اور اپنے آپ کو نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے ایک طرف کر کے اپنے طرفدار کے ذریعہ مولوی صاحب مرحوم کے مسلک کے برخلاف انتہائی سخت پراپیگنڈا شروع کر دیا اور ان کے کاموں کی تعبیر بغاوت، خود غرضی اور اقتدار پرستی سے کی اور دونوں مرکزوں کے درمیان فتنہ و فساد کی ایسی آتش روشن کی کہ سات سمندروں کے پانیوں سے بھی اس کے بجھنے کا احتمال عقل کی رسائی سے بعید اور عجیب معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ انتہائی حسد کا تقاضا ہوتا ہے کہ محسود کو ہر تدبیر سے معرض ہلاکت میں لائے ہیں ان لوگوں نے بھی ایک خفیہ سازش کی تشکیل کی کہ جس کا مقصد برطانوی معاہدہ کی تکمیل تھا۔ لیکن اس میں ذریعہ امیر المجاہدین کا قتل تھا اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لیے دونوں مرکزوں میں بہ سمِ خط مخفی خط و کتابت کی۔ جب یہ خانماں سوز سازش پایۂ تکمیل کو پہ

Marfat.com

گئی اور کوئی کسی قسم کی کسر اور قصور اس میں نہ رہ گیا تو ناگہانی طور پر انہوں نے وہ تمام خفیہ خط و کتابت نہایت راز داری سے امیر المجاہدین کے ہاتھ میں دیدی اور سازش مذکورہ کو کسی بیرونی شہادت کا محتاج نہ رہنے دیا اور ان کو مولوی محمد بشیر صاحب اور ان کے فرزند معنوی مولوی محمد یوسف صاحب کے خون کا پیاسا بنا دیا۔ امیر المجاہدین اس کے بعد نہایت وضعداری اور خاموشی سے مرکز چمرکند کے استیصال اور قلع قمع اور دونوں مولوی صاحبان کی زندگی ختم کرنے میں مشغول ہو گئے اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔

امیر حبیب اللہ خاں کا قتل اور مہاجرین ہندی مقیم دار السلطنت پارٹی کے فوق العادۃ غلبہ کے اسباب

ہم عصروں کی عداوت کی قینچی جمعیت مجاہدین ہندی کے غیر محدود اقتدار کی بساط کی قطع و برید میں برابر سرگرم عمل رہی۔ انہی حالات کے دوران میں افغانستان کے احرار کے ہاتھ سے امیر حبیب اللہ خاں قتل ہو گئے اور حکومت مذکورہ نئے اصولوں پر تشکیل ہوئی جس نے دار السلطنت کابل کو تمام عالم کی سیاسی تحریکات کا مرجع بنا دیا خصوصاً تحریکات مخالف برطانیہ کی تربیت و پرورش کے لیے وہ مرتبہ آغوش مادر پر فائز ہو گئی اور ہندوستان کے آزادی خواہوں کو ہر قسم کی حوصلہ افزائی اور پردلی کا سامان بہم پہنچایا دولت بولشویک (روس) کے نمائندے ایک بلند مرتبہ پر کامیاب ہو گئے کہ تمام حکومتوں کے سفیر ان پر رشک کرنے لگے۔

اسی دوران میں جمال پاشا سابق امیر البحر دولت ترکیہ کا وفد فوق العادت قبولیت کے ساتھ دار السلطنت کابل میں وارد ہوا اور برطانیہ کی مخالف تحریکوں کو منظم کرنا شروع کیا اور جمعیت مہاجرین ہندی مقیم کابل بلا شرکت غیرے دولت افغانستان۔ دولت بولشویک اور وفد جمال پاشا کی سرپرستانہ نوازشات اور مورد یگانہ الطاف ٹھہری اور اس کی مزید خوبی قسمت سے امور سرحد آزاد کا شعبہ بھی ان ارکین دولت کے ہاتھ آ گیا جو کہ قدیم الایام

سے اس کے طرفدار اور خیر خواہ تھے۔

سرحد آزاد میں حکومت افغانستان وغیرہ کے سرمایہ سے جمعیت مجاہدین ہندیہ (اسمست و چمرکند) کے مقابلہ میں مہاجرین کی پارٹی کا قیام

کابل کی پارٹی نے مہاجرین کی ایک دوسری پارٹی کو سرحد آزاد میں مندرجہ بالا کے حساب ذرائع سے اخلاقی اور مالی تائید بہم پہنچا کر مولوی محمد بشیر صاحب اور جمعیت مجاہدین ہندی کے مقابلہ میں قائم کر دیا اور تمام سرحدی امور کی باگ ڈور اس اکیلی پارٹی کے ہاتھ میں دیدی۔ اور وہ عزت و اقتدار اور شرف و اختیار میں سرحد آزاد کی اقوام اور اپنے اقران و اماثل میں اس طرح ممتاز ہوئی کہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سرحد کی بے تاج بادشاہ تھی جس پہ کوئی نگران نہ تھا۔

ظاہر بینوں کی نگاہیں جو اس کمینی دنیا کے نظام کے اسرار کے ادراک اور اس جہاں زبون کے درجات معیشت کے اختلافات کے رازوں کے مطالعہ سے محجوب رہتی ہیں جس کسی کو بھی ظاہری طمطراق کے براق اور مجازی زرق برق کی سواری پہ سوار دیکھتے ہیں تو آیت اِنَّہٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ کے مطابق اس کو خداوندی عنایتوں اور مہربانیوں کا مورد سمجھتے ہوئے اس کی ارادت مندی کے حلقہ کو اپنی فرمانبرداری کے کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور اس کے اقبال کی شمع پہ پروانہ وار پھرتے ہیں اور اس کے فرمان پر کان رکھتے ہیں۔

ڈائس مشن کا کابل میں ورود اور جمعیت مجاہدین ہندیہ کے وفاق کے محل میں زلزلہ

مجاہدین ہندیہ کی انتہائی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں انگریزی حکومت کی طرف

Marfat.com

سے ایک وفد بنام ڈالس مشن شرائط صلح کے تصفیہ کے لیے کابل میں وارد ہوا اور دوسرے سیاسی مسائل کے مذاکرہ کے تحت سرحد آزاد کے مسائل بھی دونوں حکومتوں کے نمائندوں کے زیر بحث آئے۔ ہر ایک حکومت نے دعوی کیا کہ علاقہ آزاد پر اس کے حقوق کو تسلیم کیا جائے اور ہر ایک نے ترجیح حقوق کے اثبات میں اپنے دلائل پیش کیے۔ جس وقت کہ مذاکرات اعتدال کی حد سے گذر کر خصومت اور جدال تک پہنچ گئے اور ہر ایک فریق نے اپنے مقابل کو تلوار کی زبان سے تنبیہ اور تہدید کرنا شروع کیا تو ناگہانی طور پر یہ پراپگنڈا کیا گیا کہ دولت برطانیہ کے نمائندوں نے اپنے دعاوی کی حمایت میں امیر المجاہدین اسمست کے بعض کاغذات کو اس زمانہ میں اس کی سیاسی حیثیت تمام قوائے سرحد کے مقابلہ میں بلند اور بزرگ تر تسلیم کی جاتی تھی سند کے طور پر پیش کر دیا ہے اور یہ بحث برطانیہ کے حق میں ختم ہو گئی ہے۔

امیر المجاہدین اسمست کی شہادت کا ہولناک واقعہ

اس پروپیگنڈے کی بنیاد کہاں تک صداقت پر مبنی تھی ہمیں معلوم نہیں ہو سکا البتہ سرحد کے رہنے والوں کے عقاید کی بنیادیں جمعیت مجاہدین کے تقدس اور پاکبازی کی نسبت ایک بہت بڑا خلل پیدا ہو گیا اور طعن و تشنیع کی زبان عوام اور خواص کی مجالس میں دراز ہونے لگی۔ خصوصاً مولوی محمد بشیر صاحب کی ذات جو کہ اپنے آپ کو ہر مقام میں بہ حیثیت خود مختار وکیل اور جمعیت مجاہدین ہند یہ کے یگانہ سربراہ کی حیثیت سے اپنا تعارف کراتے تھے ہر قسم کے عتاب اور خطاب کی آماجگاہ بن گئی۔ مولوی صاحب ڈالس مشن کے آنے سے چند روز پہلے وزیرستان کے علاقہ میں گئے تھے۔

جب دشمنوں کے پروپیگنڈا اور اس کی فوق العادت کامیابی اور مذکورہ بالا حکومتوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے موقع کے ضائع ہو جانے کا ان کو علم ہوا تو بہت متاثر اور بہت دکھی ہوئے اور بے پایاں غم و اندوہ کی شدت سے زندگی کی شیرینی ان پر تلخ ہو گئی۔ چنانچہ کئی دفعہ ہم خادمان دین و ملت کے سامنے ان کی فصاحت بیان اس

باب میں ہندی بھائیوں کی شکایت اس سوز و گداز سے جاری ہو جاتی تھی کہ سننے والے بھی اس سے متاثر ہوتے تھے انھوں نے تدارک کی جتنی بھی کوششیں کیں مرض کے مطابق کوئی علاج نہ پا سکے آخر انہی مولوی محمد یوسف صاحب مذکور کو جو کہ اس علاقہ میں ان کے معنوی فرزند شمار کیے جاتے تھے اور زیور علوم اور اخلاق عالیہ سے پوری طرح آراستہ تھے لکھا کہ امیر المومنین کی خدمت میں خود حاضر ہو کر ان کو دشمنوں کی تمام تحریکات اور ان کے ہلاکت افزا پروپیگنڈے کے کوائف سے پوری طرح بالتفصیل مطلع کرے اور جلد از جلد جمعیت کی اصلاح کے لیے کوئی صورت تجویز کریں تاکہ اس بدنامی کا داغ ان کی پیشانی اور جمعیت کی پیشانی سے دور ہو سکے اور اپنے ہم عصروں اور ساتھیوں میں نیکنامی سے زندگی گذارنا نصیب ہو جائے۔ مولوی محمد یوسف مذکور مولوی صاحب مرحوم کی ہدایت کے مطابق کچھ مدت کے بعد امیر المجاہدین اسمست کی خدمت میں پہنچا اور نہایت نیازمندی اور خلوص قلبی سے ان کو تمام ضروری حالات اور پروپیگنڈے کے نتائج سے مطلع کیا اور ان کی توجہ کو فوری اصلاح کی طرف مبذول کرایا۔

کہتے ہیں کہ امیر المجاہدین مولوی نعمت اللہ صاحب شہید علیہ الرحمۃ بذات خود ایک بہت بڑے عالم، حساس، عاقبت شناس۔ رحمدل۔ حق پرست اور بلند اخلاق کے مالک تھے۔ دشمنوں کی کوششوں اور ان کے پروپیگنڈے کے کوائف سن کر بہت زیادہ متاثر ہوئے اور پکا اور پختہ ارادہ کر لیا کہ جمعیت مجاہدین کے حالات کی داخلی اور خارجی اصلاح اور مرکز چمرکنڈ کے استحکام اور جہاد وزیرستان کی تائید کے لیے تمام ہمت اور کوشش وقف کر دیں گے لیکن خود غرض ہم مجلسوں نے جو کہ دشمنوں کے طرفدار اور حیلہ خور تھے اور یوسفی پروگرام کو شخصی خواہشوں اور آرزوؤں کے باغ کے حق میں ایک جھٹکہ تصور کرتے تھے امیر المجاہدین کے قتل کی سازش اور بعض دوسرے گذشتہ واقعات کو نہایت رنگ آمیزی سے ان کے سامنے پیش کرنا شروع کیا اور اس نیک بندے کو انہوں نے فرصت ہی نہ دی کہ مذکورہ پروگرام کے مطابق تلافی مافات اور مستقبل کی کامیابی کے لیے کوئی سرمایہ ہاتھ میں لا سکیں۔ آہ بدقسمتی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ عقلمندوں نے کہا ہے۔

Marfat.com

بہ آب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

جمعیت مجاہدین کی بدبختی کی رات سیاہ یوسفی وعظ کی مشعل سے روشن ہونے والی نہ تھی۔ نہ ہوئی اور وہ کدورت جو دوستوں کے دلوں میں ہیزم کش سخن چینیوں نے بٹھادی تھی اس کی نصیحت کی روشنی سے صاف نہ ہو سکی۔ مختلف حیلوں حوالوں سے طبیعتوں کو ایک دوسرے سے متنفر کر دیا اور دنیاوی سامان حاصل کرنے کے لیے ان یوسف کے بھائیوں نے اس یوسف کو بڑی مضبوط اور پختہ قسمیں کھا کر یقین دلادیا کہ امیر صاحب ممدوح اس سے اور مولوی محمد بشیر صاحب سے نہایت درجہ ناراض ہیں اور ان کے انتقام طلب دل کی پیاس ان کا خون پئے بغیر ہرگز بجھنے والی نہیں ہے اور پہرے داروں نے اس کے لیے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے۔ چاہیے کہ اپنے آپ کو نظر بند اور زیر حراست سمجھے۔ البتہ اگر نقد روپیہ ان کو دیا جائے یا وعدہ کر دیا جائے تو وہ اس کو اہل ملک پر خرچ کر کے اس کی سلامتی کے لیے ایک راہ پیدا کر سکتے ہیں۔ مولوی صاحب مذکور ان کی سخن سازی سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ زندگی کی بقا سے ناامید ہو گئے اور سعدی علیہ الرحمۃ کے قول کو اپنا دستور العمل بنایا ؎

وقت ضرورت چو نماند گریز دست بگیرد سر شمشیر تیز

اس سے پہلے کہ خود موت کا مزہ چکھتا امیر المومنین پر قاتلانہ حملہ کر دیا اور روز روشن میں اس بے گناہ کو پستول سے قتل کر دیا اور خود بھی اسی جگہ ان کے قصاص میں مارا گیا۔ اس ہوشربا واقعہ سے پہرے دار مخبوط الحواس ہو گئے۔ اور ایک معصوم اور بے خبر مجاہد نامی کو جو کہ پن چکی کی خدمت پر مامور تھا اور دن رات دریا کے کنارہ پر نماز اور دعا میں مشغول رہتا تھا اس کو محض مولوی محمد یوسف کا ہموطن ہونے کے جرم میں پن چکی سے نماز پڑھتے ہوئے کشاں کشاں لے آئے اور بغیر حقیقت حال کا پتہ کیے اس کو بندوق کا نشانہ بنا دیا۔ ۲ شعبان سنہ ۱۳۴۱ھ کی تاریخ مجاہدین میں ایک حسرت افزا یادگار رہے گی

ان مندرجہ بالا ہوشربا واقعات سے جمعیت مجاہدین کے تقدس کا محل رفیع پوری طرح منہدم ہو گیا۔ بدبختی اور بدنصیبی نے ان کے سر پر ادبار کی خاک ڈالنی شروع کیا اگر مجاہدین

Marfat.com

میں سے ہر فرد صبر کے دامن کو لے صبری کے ہاتھ سے چاک کر کے ہر لحظہ دن رات اپنی ندامت کے چہرے کو ذلت کی خاک سے ملے۔ تو یہ اس کے حال کے لائق ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ جَمِیْعًا۔

شدت قحط سالی میں دوسری مرتبہ مرکز چمرکند پر قبضہ کرنے کے لیے مخالف پارٹی کی کوششیں

اسمست، چمرکند اور پارٹی مہاجرین کابل کے درمیان مندرجہ بالا کشمکش کا سلسلہ پوری شدت سے جاری تھا کہ اسی اثنا میں مولوی فضل الٰہی مذکور تحریکات سرحد اور جنگ استقلال افغانستان کی امداد اور مجاہدین ہندی کی ہمدردی کے جرم میں جیسا کہ ہندوستانی اخبارات سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کے ہاتھ سے بھاگ کر چمرکند پہنچ گیا اور اس جرم میں اس کے چند ایک ساتھی لمبی لمبی قیدوں میں جو بیس بیس سال اور اس سے کم تھیں سزایاب ہو گئے اور ان کا تمام مال اور املاک نقد اور ہزارہا روپیہ کی زمین سب کچھ بحق سرکار ضبط ہو گیا۔

کابل کے مہاجرین کی اکثر نفری مولوی فضل الٰہی صاحب کے آشناؤں بلکہ خود ان کے بھیجے ہوئے لوگوں پر مشتمل تھی اس نے اپنی پرانی خدمات اور دیرینہ حق گذاریوں کا واسطہ دے کر آپس کی اصلاح کے لیے بہت زیادہ کوشش کی۔ لیکن پارٹی مذکور مولوی محمد بشیر صاحب کی طرف سے ایسی مجروح دل ہو چکی تھی کہ کسی بھی عذرخواہی سے ان کے زخم مندمل نہ ہو سکے۔ اسی زمانہ کے دوران میں خداوند تعالےٰ کا قہر قحط شدید کی صورت میں جس کی سرحد کی تاریخ کم ہی کوئی مثال پائی جاتی ہو گی ظاہر ہوا اور آزاد علاقہ کے طول و عرض میں ایک قیامت صغریٰ کا نمونہ قائم ہو گیا۔ بھوک کی شدت سے آدمی مخبوط الحواس ہو گئے اور ان کا کام جان تک اور ان کی چمڑی ہڈیوں تک پہنچ گئی۔ سینکڑوں مرد اور عورتیں اپنے چھوٹے اور شیرخوار بچوں کو راستوں میں لاوارث چھوڑ گئے جو کہ بھوک کی قربان گاہ پر قربان ہو گئے۔ غلہ اور سامان خوراک افغانستان کے علاقہ کے سوا کہیں سے ہاتھ نہیں آتا تھا۔ مہاجرین کابل کی پارٹی کے بعض ممبروں کے اشارہ پر جمعیت مجاہدین ہندیہ پر غلہ اور کھانے پینے کی چیزوں کی خرید و

فروخت بند کر دی گئی۔ اس مشکل وقت میں جب مولوی فضل الٰہی صاحب نے صدائے احتجاج بلند کی تو ان کو غیر مبہم الفاظ میں صاف صاف کہہ دیا گیا کہ جبتک تم مولوی محمد بشیر صاحب کی دوستی اور رفاقت سے دستبردار نہیں ہو جاؤ گے اور جب تک مرکز چمرقند کو مجاہدین سرحد کی پارٹی کے ہاتھ میں نہیں دے دو گے ہماری دوستی اور ہمدردی سے آپ امید کا رشتہ منقطع کر لیں۔ چنانچہ اس پر بھی اکتفا نہ کیا گیا بلکہ امدادی رقوم اور سالانہ وظیفہ جو کہ فخر الغزاۃ امیر شیر علی خاں بادشاہ افغانستان کے زمانہ سے جمعیت مجاہدین کے لیے جاری تھا وہ بھی ایک طویل عرصہ تک بند کر دیا گیا۔

مولوی فضل الٰہی صاحب کا شدید امتحان

مولوی فضل الٰہی مذکور نے اس باب میں جتنا بھی غور کیا۔ مندرجہ بالا دونوں مطالبات سے موافقت کی کوئی راہ نہ پائی۔ پہلے مطالبہ کے ساتھ اس وجہ سے کہ شرعی منصوصات اس کی بالکل اجازت نہیں دیتے کہ اس زمانہ میں مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کی حمایت اور رفاقت سے ہاتھ اٹھالیں۔ کیونکہ مسمی مذکور مجاہدین کی ایک تعداد کے ساتھ اس وقت جہاد وزیرستان میں مشغول تھا اور اسمست اور چمرکند کے درمیان اسباب منقطع ہو جانے کی وجہ سے جمعیت چمرکند اور جمعیت وزیرستان کے جملہ مصارف کو پورا کرنے اور جنگی اخراجات فراہم کرنے کا بوجھ خاص مولوی فضل الٰہی کے ذمہ تھا۔

کمینوں اور خسیس لوگوں کے خصائل میں سے ہے کہ شدت ضرورت اور نکبت کے وقت ایک دوست کی طرفداری کو موہوم منافع کی امید پر چھوڑ دیا جائے۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ وَّلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

دوسرے مطالبہ سے مولوی فضل الٰہی اس لیے موافقت نہ کر سکے کہ یہ کام ان کے حدود اختیار سے باہر تھا۔ اس امر میں ہندوستان کے مددگاروں کی رائے کا پتہ کرنا بھی ضروری تھا کیونکہ وہ فداکار اپنے جان و مال کو نہایت خطرہ اور ہلاکت کے میدان میں ڈال کر سو سال

Marfat.com

سے بھی زیادہ جمعیت مجاہدین کو اپنے فرزندوں سے بھی زیادہ عزیز رکھ کر پرورش کرتے رہے اور کر رہے ہیں اور اس کے علاوہ اس کام میں جمعیت چمرکند کے اراکین سے مشورہ کرنا بھی ضروری تھا۔

بہرصورت اگر خداوندی توفیق جمعیت چمرکند کی صبر جمیل اور استقامت علی الدین کے ساتھ اس مشکل وقت میں دستگیری نہ کرتی تو یقیناً بھوک کے عذاب سے جمعیت کا شیرازہ کلی طور پر منتشر ہو جاتا اور مجاہدین کا ایک بچہ بھی چمرکند میں باقی نہ رہتا اور چمرکند کا ٹھکانہ بغیر کسی سوال کی زحمت اور بغیر کسی کوشش کے خود بخود دوسروں کے ہاتھ میں چلا جاتا۔

تیسری مرتبہ چمرکند پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے کوشش

اس آخری وقت میں یعنی ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں جب اراکین جمعیت چمرکند کے درمیان کچھ دل آزردگی پیدا ہوئی اور مولوی فضل الٰہی کی مظلومی کی حالت اہل سرحد کی امداد کے میدان میں آگئی تو سرحدی مہاجرین کی پارٹی کے بعض اراکین نے اس موقع کو غنیمت سمجھا تو نہایت دلسوزی اور ہمدردی کے لباس میں مولوی فضل الٰہی صاحب سے تقاضا کرنے لگے کہ ان کی رہائش کے لیے اپنے مکان میں سے ان کو ایک کمرہ دیدیں تاکہ آپ کو داخلی اور خارجی تکلیفوں اور مضرتوں سے ایک طرح کی امداد حاصل ہو جائے لیکن مولوی صاحب مذکور نے مجاہدین بھائیوں کی تکلیف اور پریشانی کے اندیشہ سے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ جب ان کے گرم انفاس ان کے ٹھنڈے لہے میں کوئی اثر نہ پیدا کر سکے تو کینے کے کیڑے جو کہ ان کے سینہ کی کانوں میں بصورت فرسنگی پوشیدہ تھے اور کسی نئی وجہ کے شرارہ کا انتظار کر رہے تھے۔ مولوی محمد بشیر صاحب کے قتل کے واقعہ نے انکے اشتعال کے لیے ایک موزون موقع بہم پہنچا دیا۔

مولوی فضل الٰہی صاحب کے ساتھ چارمنگ لیڈر کے جھگڑے کے وجوہات

فیصلہ کرنے والے مشائخ میں دوسرا آدمی چارمنگ کا لیڈر ہے کہ اس کے والد بزرگوار

سرحد آزاد اور دولت افغانستان میں ایک بہت بڑا اقتدار اور رسوخ رکھتے تھے۔ لیڈر مذکور نہایت چھوٹی عمر میں پدری محبت کے سایہ سے محروم ہوگیا اور اس کے لیے کوئی لائق سرپرست مہیا نہ ہوسکا کہ اس کے حقوق کو افغانستان میں محفوظ اور اس کے تعلقات کو جاری رکھتا۔ ہم عصر لیڈروں نے جب تک کہ وہ رشد و تمیز کی عمر کو پہنچا دولت افغانستان میں انہوں نے اس قدر اقتدار اور رسوخ پیدا کرلیا کہ اس کے لیے کوئی مدخل اور کوئی گذرگاہ باقی نہ چھوڑی گئی۔

لیڈر مذکور ہمیشہ اس قسم کے وسائل کا محتاج اور متلاشی رہا کہ اس کے راستہ سے موانعات کو دور کرکے اس کے باپ کے مراسم کو پھر از سرِنو دولت اسلام سے مربوط اور جاری کردے۔ چونکہ مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم اس کے مدعا کے لیے موثر ترین ذریعہ کار تھے۔ لہٰذا مسمّٰی مذکور ہمیشہ ان کی رعایت کو ملحوظ خاطر رکھتا اور ہر وجہ اور ہر تدبیر سے ان کو راضی رکھنے اور ان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے سعی بلیغ بجا لاتا اور جو کچھ وہ چاہتے بغیر کسی چون و چرا کے اس پر عمل کرتا چمرکند کی بستی چارمنگ کے علاقہ اور اس کے حلقۂ اثر میں داخل ہے۔ کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ بستی والوں اور مجاہدین آدمیوں کے درمیان نہایت معمولی وجہ سے لڑائی شروع ہوگئی۔ اور اگرچہ ان لڑائیوں میں پہل اور زیادتی خود مجاہدین کی طرف سے ہوتی رہی لیکن لیڈر مذکور نے مولوی صاحب کا زیادہ رعب اور ہیبت ڈالنے کے لیے بغیر کسی تمیز نیک و بد اور رطب و یابس کے تمام بستی کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ حالانکہ اس قسم کی حرکات مجاہدین کے امن کے لیے مہلک تھیں اور انہی وجوہات کی بنا پر وہ مولوی فضل الٰہی صاحب کو ہمیشہ زیر عتاب اور پریشان رکھتا۔

ان پچھلے دنوں میں ماہ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء کو مولوی صاحب مرحوم کی حمایت میں چارمنگ کے لشکر سمیت چمرکند آیا تھا اور مولوی فضل الٰہی صاحب کی بربادی میں جتنی بھی کوشش اس سے ہوسکی وہ بروئے کار لایا لیکن اتنا ہی ناکام رہا۔ بلکہ معاملہ الٹ ہوگیا اور اس واقعہ نے اس کو ہمیشہ انتقام کے درپے رکھا۔

لہٰذا اس قسم کے آدمیوں سے عدل اور انصاف کی توقع کس طرح ممکن تھی اس کی تو یہی

Marfat.com

مثال ہے جیسے کوئی سراب سے پانی تلاش کرے اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے پھول ڈھونڈے سے

امید دوستئ توز دشمنان کہن   چناں بود کہ طلب کردن گل از گلخن

چونکہ دونوں لیڈر ہمیشہ درپئے انتقام اور وقت کے منتظر رہتے تھے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے دونوں نے آپس میں مولوی فضل الٰہی کے قلع قمع کرنے پر عہد موافقت مضبوط کیا اور باوجود اصرار بسیار اور بے انداز منت وزاری کے اس کو حجت گوئی کی کوئی مجال اور عذرخواہی کی کوئی فرصت اور صفائی کا کوئی موقع نہ دیا اور جس حد تک بھی ان کے ظلم کے ہاتھ نے ان پر قدرت پائی متحدہ طاقت سے انکی بے آبروئی اور بربادی میں کوتاہی نہ کی۔ ان کا رویہ اول سے لے کر آخر تک انہی جذبات واحساسات کا مظہر ہے جو کچھ سالوں سے ان کے ضمیر میں پوشیدہ تھا اپنی پوری طاقت سے بروئے کار لے آئے۔

(۱) اس جرگہ میں علماء وطن کو نہ بلایا گیا۔

(۲) لیڈروں کے سامنے کوئی آدمی بہ حیثیت مدعی یا وکیل مدعی مولوی صاحب کے برخلاف پیش نہ ہوا۔

(۳) مولوی صاحب مذکور پر کوئی شرعی یا عرفی شہادت پیش نہ کی گئی۔

(۴) ملزم کو جرگہ کے روبرو نہ بلایا گیا۔

(۵) ملزم کو صفائی کا کوئی موقع نہ دیا گیا۔

(۶) ملزم کو بے خبری کی حالت میں رکھ کر اس کے گھر جا کر فیصلہ سنایا گیا اور اس کی تعمیل پر اس کو مجبور کیا گیا۔

(۷) باوجود اسلامی حقوق کے مطالبے کے احکام فیصلہ سنانے کے بعد حجت گوئی کا کوئی موقع نہ دیا گیا۔

(۸) اس کو اتنی بھی مہلت نہ دی گئی کہ اپنے بیوی بچوں کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا سکے حالانکہ موسم سردی اور سخت برف باری کا تھا اور مولوی صاحب مذکور ایک مسافر اور بے وطن آدمی تھے۔

Marfat.com

یہ تمام چیزیں ان کی گندہ بازی، گند پردری۔ انتقام گیری، کینہ کیشی اور ان کے ذاتی عناد کی ناقابل انکار شہادتیں ہیں۔ چنانچہ اخبار "شعلہ" کے ایڈیٹر نے اشاعت نمبرا مورخہ ۶ رمضان ۱۳۵۴ھ میں یہ لکھا تھا کہ "اس فیصلہ کے احکام مولوی فضل الٰہی کو ان کے گھر جاکر پڑھ کر سنائے گئے" (روزنامہ انقلاب مورخہ ۲۷ جون ۱۹۳۶ء مطابق ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ)

ملزم کو صفائی کا موقع نہ دینا صریحاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کے برخلاف ہے۔

(۱) جب تیرے پاس دو آدمی جھگڑا لے کر آئیں تو پہلے کے حق میں اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک کہ دوسرے کی بات بھی نہ سن لو اس سے تجھ پر حق واضح ہو جائے گا اور فیصلہ کرنے میں آسانی رہے گی (مشکوٰۃ المصابیح باب العمل فی القضا۔ بلوغ المرام کتاب القضا۔ عن علیؓ رواہ الترمذی والبوداؤد وابن ماجہ وصححہ ابن حبان)

(۲) قاضی کسی غیر موجود آدمی کے متعلق فیصلہ نہ کرے مگر اس صورت میں کہ کوئی اس کا وکیل موجود ہو (ہدایہ آخرین ص ۱۲۵)

منصب قضا کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی کسی آدمی مدعی علیہ کے متعلق فیصلہ دینا چاہے تو اسے چاہیئے کہ مدعیٰ علیہ مذکور کو مدعی کے روبرو طلب کرے اور اس کو صفائی کا پورا موقع دے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی بے گناہی کو مدلل کرکے محکمہ قضا کی تعزیرات سے رہائی حاصل کرلے۔

(۳) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ دونوں جھگڑا کرنے والے حاکم کے سامنے بٹھائے جائیں (ابوداؤد احمد، مشکوٰۃ کتاب الاقضیہ والشہادات)

(۴) نہ تو کسی خیانت کار آدمی کی شہادت قبول ہے نہ خائنہ عورت کی اور نہ کسی ایسے آدمی کی جو کسی کے متعلق ذاتی بغض رکھتا ہو اور جو آدمی کسی گھر والوں کے پاس رہتا ہو اس کی گواہی ان کے حق میں مردود ہے (عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن

Marfat.com

جلدہ مشکوۃ المصابیح باب الاقضیہ والشہادات)

(۵) عمرو بن شعیب اپنے باپ کے ذریعہ پردادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دلیل لانا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعیٰ علیہ پر ہے (رواہ الترمذی مشکوٰۃ باب الاقضیہ والشہادات)

(۶) جو صحاح میں ذکر کیا گیا ہے اس کے مطابق شہادت ایک قطعی خبر ہے اور اسی لیے گواہی دینے والے میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ کسی ایسی چیز کی شہادت دے جو اس کے نزدیک یقینی طور پر ثابت ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تو سورج کی طرح روشن اور صاف علم رکھتا ہے تو پھر شہادت دے سوا گر کوئی شخص ایسی چیز کی شہادت دے جو اس کے نزدیک یقینی طور پر ثابت نہ ہو تو وہ شہادت جھوٹی ہوگی اگرچہ وہ حقیقتاً سچ ہی کیوں نہ ہو (مجالس الابرار ص۹۶ مصنفہ نواب قطب الدین خاں)

دوسرا سقم

عام علمائے وطن سے نہ تو کسی کو بروقت اس واقعہ کی اطلاع دی گئی اور نہ ہی کسی کو ان میں سے جنازہ میں شرکت کرنے کے لیے اور نہ ہی کسی کو فیصلہ کرنے کے لیے بلایا گیا۔ اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں

(۱) اس لیے کہ جمعیت مجاہدین ہندی کے تعلقات قریہ چمرکند کے رہنے والوں سے خراب چلے آرہے تھے اور نا قابل اصلاح حد تک پہنچ چکے تھے کہ ان کی تفصیل آئندہ مذکور ہوگی۔ جمعیت مذکور غلبۂ خوف اور مال کی لوٹ اور جانوں کے اتلاف کے ڈر سے جو کہ اس قسم کے مواقع میں اکثر پیش آجاتے ہیں کسی کو کانوں کان اطلاع نہ دی اور اس ہولناک واقعہ کو مخفی رکھنے میں اتنا مبالغہ اور احتیاط اختیار کی کہ سوائے مشائخ میں سے دو آدمیوں کے کسی کو خبر نہ دی اور مولوی بشیر صاحب علیہ الرحمۃ کی لاش ان کے کمرہ میں مقفل اور محفوظ رہی کہ ان مذکورہ لیڈروں میں سے ایک اس جگہ پہنچا اور بغیر خاص و عام کی اطلاع کے خود اس نے چند نفر مجاہدین اور چمرکند کے چند آدمیوں کے ہمراہ کہ جن کو بعد

Marfat.com

میں اطلاع ہو گئی تھی تجہیز و تکفین اور تعزیت وغیرہ کا انتظام کیا۔

(۲) چونکہ علمائے دین مجبور ہیں کہ ہر واقعہ اور حادثہ کی پرکھ کو اور ہر قسم کی شہادت کو کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کی کسوٹی پر پیش کریں اور بغیر تمیز دشمن اور دوست کے اور بلا لحاظ حاکم اور محکوم کے اور بغیر فرق امیر اور غریب کے حق کو حق اور باطل کو باطل کہیں اور مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کے ملازموں کا مقصد صرف مولوی فضل الٰہی صاحب کی خرابی اور بربادی تھا کہ اس میں باوجود بہت سی جدوجہد کے اس کے ہر موقع پر ناکام رہے تھے اور یہ دونوں مشائخ بھی اس مقصد میں ان کے ہمنوا تھے لہٰذا دونوں پارٹیوں میں سے کسی نے بھی علمائے دین اور علاقہ کے قاضیوں کو نہ تو خبر دی اور نہ جنازہ اور فیصلہ میں شرکت کی دعوت دی۔

(۳) چونکہ علمائے وطن کو نہ تو کسی نے اطلاع دی اور نہ خود ہی وہ بروقت اطلاع پا سکے کیونکہ ان کو رمضان شریف کے مؤکدہ مشاغل یعنی تراویح باجماعت درپیش تھے اور بعض ان میں سے قرآن مجید کے ختم میں جیسا کہ اس علاقہ کی عادت ہے کہ قرآن کریم دو تین راتوں میں ختم کر دیا جاتا ہے منہمک تھے۔ لہٰذا کوئی بھی علماء معروف اور غیر معروف میں سے جنازہ کے موقع پر یا فیصلہ کے وقت پر حاضر نہ ہو سکا اور اگر کسی عالم دین نے بوجہ نزدیکی مکان نماز جنازہ میں شرکت کی بھی ہو گی تو وہ بھی پھر نماز تراویح کے لیے فوراً واپس چلا گیا ہو گا۔

تیسرا سقم

مقتول کی طرف سے نہ تو کسی وارث نے اور نہ اس کے کسی ولی نے اور نہ بحیثیت اس کے وکیل کے کسی دوسرے آدمی نے ملزم پر قتل کا دعویٰ کیا۔

چوتھا سقم

مجاہدین ہندی کی نفری میں سے یا چمرکند کے رہنے والوں میں سے کہ بعض ان میں سے

Marfat.com

بالکل ہمسایہ اور مجاہدین کے ہم دیوار ہیں اور دن رات ان کے ساتھ اور ان کے درمیان نشست و برخاست رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے معمولی حالات سے بھی ہر وقت اور ہر آن خبردار ہوتے رہتے ہیں۔ کسی نے یا کسی دوسرے آدمی نے مذکورہ لیڈروں میں سے کسی کے سامنے جو کہ معاً اسی دن عین موقع پہ پہنچ گئے تھے اور متوفی کی تجہیز و تکفین کے وظائف بجالاتے تھے یا ہم خادمانِ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہادت شرعی یا دلیل عرفی ملزمان پہ پیش کی گئی ہو کہ اس کے سبب سے ان کو مستوجب تعزیر قرار دیا گیا ہو۔

شرعی شہادت

الشهادة = هي اخبار عن مشاهدة وعيان لا عن تخمين وحسبان (كنز الدقائق جلد اخر ص ۲۵۴/۲۵۵)

الشهادة = هي اخبار بحق شخص على غيره عن مشاهدة القضية التي يشهد بها بالتحقيق وعن عيان اي معاينة تلك القضية والاشارة اليه بقوله عليه السلام اذا علمت مثل الشمس فاشهد والا فدع) ثم اكد معنى المشاهدة بقوله لا عن تخمين وهو قول بالحدس. والحدس لا يفيد التحقيق واليقين (عيني ص ۳۰۵/۳۰۶) كما قال الله تعالى ان الظن لا يغني من الحق شيئا (سورة نجم)

شہادت عرفی

(۱) ملزموں میں سے کسی کی کوئی چیز جو ان کی مملوکہ اور خاص ان کی چیز ہو مثلاً بندوق یا پستول، چھری، جوتی، چادر وغیرہ وغیرہ حادثہ کے مقام پہ دیکھی یا سنی نہیں گئی ہے۔

(۲) ملزموں میں سے کوئی آدمی بھی زخمی نہیں ہے کہ اس قسم کے واقعات میں اس کا کافی احتمال ہوتا ہے۔

(۳) کوئی آدمی ان میں سے مردہ یا زخمی محل وقوعہ میں پایا گیا یا پکڑا گیا ہو۔ ایسا

ہرگز نہیں ہے۔

پانچواں سقم

ملزمین کو صفائی اور حجت گوئی کا کوئی موقع نہیں دیا گیا ہے۔

چھٹا سقم

سب سے بڑے ملزم (مولوی فضل الٰہی) کو جس کو اس سازش کا سرغنہ قرار دیا گیا ہے نہایت بیخبری کی حالت میں رکھا گیا ہے اور خود ساختہ فیصلہ خاص اس کے مکان کی چار دیواری میں اس کو سنایا گیا ہے۔ چنانچہ اخبار "شعلہ" کے ایڈیٹر نے اپنی اشاعت مورخہ ۶ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ میں جو کہ بذات خود اس جرگہ اور مشورہ میں شریک تھا اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔

ساتواں سقم

مولوی فضل الٰہی نے جب حقوق اسلام کی بنا پر صفائی اور حجت گوئی کا مطالبہ کیا تو اس کو قطعاً موقع نہ دیا گیا۔ بلکہ اس کو اتنی فرصت بھی دینے کے لیے تیار نہ ہوئے کہ وہ فراغت سے اور دلجمعی سے اپنے پردہ نشین اہل و عیال کے لیے اپنی رہائش کا کوئی بندوبست کر سکتا۔

مولانا مولوی فضل الٰہی کی حمایت میں ناقابل انکار شواہدات کی تشریح

دلیل اول

مولوی فضل الٰہی مذکور حافظ قرآن مجید ہے۔ گل صاحب لیڈر چارمنگ نے مسمّٰی مذکور کو بطور سامع قرآن مجید اور بعض دوسری اغراض کے لیے اپنے پاس بلایا تھا۔ مولوی صاحب مذکور حسب ہدایت گل صاحب موصوف رمضان شریف کے مہینہ

Marfat.com

سے چند روز پہلے اس کے پاس پہنچ چکے تھے اور اس رات میں کہ یہ ہولناک واقعہ ظہور پذیر ہوا وہ ایک کثیر مجمع کے ساتھ جو کہ دو صد آدمیوں پر مشتمل ہوگا چارمنگ کی جامع مسجد میں مصروف عبادت تھے۔ مدیر "شعلہ" نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔

دلیل دوم

دو مہاجر آدمیوں محمد اور محمد دین نامی کو بھی مولوی فضل الٰہی کے ایماء سے شریک قتل بیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں سے ایک تو چمرکند میں موجود ہی نہ تھا۔ ان تمام شہادتوں کے مطابق جو ہم خادمان دین و ملت نے چمرکند اور مجاہدین کے ہمسایہ لوگوں کنڑ، سرحد مہمند و باجوڑ سے فراہم کی ہیں حالات یہ ہیں کہ:-

محمد نامی ایک مہاجر جمعیت مجاہدین میں عرصہ بیس سال سے موجود ہے۔ زہد و تقویٰ عبادت و مناجات اور ذکر و فکر میں وہ اپنی کوئی مثال اور نظیر نہیں رکھتا۔ اس کی خاموشی کی وجہ سے اس کو لوگ گونگا کہتے ہیں۔ مشہور صاحب کرامت اور بزرگ آدمی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار چمرکند کے بعض آدمیوں نے اس کی بے ادبی کی تھی جس کسی نے بھی یہ جرأت کی تھی وہ چند ہی دنوں میں عذاب الیم اور قہر عظیم میں مبتلا ہو گیا۔ بعض تو ان میں سے بندوق سے اور بعض تلوار سے موت کے گھاٹ اتر گئے اور بعض لوگوں کو مال و جان میں پے در پے ہلاکت اور نقصان پہنچا۔ مسمّٰی مذکور نے ایک مہاجر زکریا نامی کی منکوحہ بیوی کی حمایت میں صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ جب کسی نے بھی اس کی آواز پر کان نہ رکھا تو غیرت ایمانی کی بنا پر قریب ایک سال کا عرصہ ہوا کہ وہ جمعیت کو چھوڑ کر چلا گیا۔ کچھ مدت تو حصارہ کی بستی میں رہا اور خیاطی (کپڑے سینا) کے پیشہ سے اپنی گذر اوقات کرتا رہا۔ پھر اپنے وطن کو چلا گیا۔ اور پھر وہاں سے واپس نہ آیا۔ چونکہ مہمند اور باجوڑ اور کنڑ کے علاقہ میں بچہ بچہ اس سے واقف اور اس کی دعاؤں کا خواستگار تھا۔ لہٰذا اگر وہ اس عرصہ میں اس علاقہ میں کبھی آمد و رفت کرتا تو یقیناً جہان اس سے واقف ہو جاتا۔ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ وہ لوگ جنہوں نے اس کے حق میں زبان دراز کی ہے یقیناً انہوں نے اسی اختلاف کو مد نظر رکھا ہے جو کہ

Marfat.com

اس ذکریا نامی آدمی کے بارے میں وقوع میں آیا تھا۔

اور محمد دین کے متعلق ان شہادتوں کے مطابق جو ہم خادمان دین وملت نے حاصل کی ہیں یہ ہے کہ مسمّی مذکور ایک عیالدار آدمی ہے اور جوتا سینے (کفش دوزی) کا پیشہ کرتا ہے اور اپنی گذر بسر کرتا ہے۔ وہ غلہ اور ضرور سامان خوراک جو کہ ماہ رمضان شریف میں ہر مسلمان کے لیے ضروری ہوتا ہے خریدنے کے لیے کنر گیا ہوا تھا اور وہ رات کہ جس میں یہ حادثہ پیش آیا مسمّی مذکور بستی گنجگی میں تھا اور اپنی ضروریات سے بمشکل فراغت حاصل کر کے دوسرے یا تیسرے روز چمرقند میں پہنچا تھا۔ مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کے بعض ملازم البتہ مسمّی مذکور سے مستورات کے بعض مسائل کے تحت یقیناً ذاتی عناد رکھتے تھے انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اس بے گناہ پر تہمت لگا کر اس کو پریشان کر دیا۔

سازش ترتیب دینے کا مقصد

اس سازش کے ترتیب دینے کا مقصد صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ باقی دنیا میں ان کے ہم خیال اور ہم آواز پیدا ہو جائیں اور مولوی صاحب مذکور کو زیادہ سے زیادہ بے عزت کیا جائے اور اس کے دشمنوں کو خوش کیا جائے واللہ اعلم۔

اگر دشمن اپنے دشمن کے متعلق کوئی شہادت بھی دے تو اس کی شہادت جرح کے قانون کے تحت (لا یقبل شہادۃ العدوّ) آ جائے گی اور سننے اور قبول کرنے کے حق سے محروم ہو جائے گی۔ پھر ایسی صورت میں دشمنوں کے ظن و تخمین اور خیال آرائی کی قیمت کیا باقی رہ جاتی ہے۔ یہ محض دین کے ساتھ ایک مذاق ہے یہ انصاف کے قوانین کی توہین ہے، یہ صرف ایک سینہ زوری کا مظاہرہ ہے اور بس۔

تیسری دلیل حکومت افغانستان کا دوبارہ انتباہ

حکومت افغانستان کا انتباہ

حکومت افغانستان کہ جس کی خبر رسانی کا ادارہ بڑا وسیع اور موجودہ زمانہ کے تمام ضروری

سامان سے منظم اور مکمل ہے نے اپنی صحیح اور معتبر معلومات کی بنا پر دونوں مولوی صاحبان (مولوی محمد بشیر و مولوی فضل الٰہی) کو اس قسم کے جانکاہ حوادث کے وقوع سے بہت پہلے پے در پے اطلاعات بھیج کر ان کو متنبہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اس بیان کی مزید تائید اور تصدیق کے لیے ہم حکومت کے مکتوبات میں سے چند ایک ضروری اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اقتباس از مکتوب مورخہ ۱۲ر ثور ۱۳۱۳ھ

ف:۔ مولوی فضل الٰہی خاں مہاجر باشندہ چمرکند سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس حکومت کے فداکار کو یہ خاص اطلاع ملی ہے کہ کسی دین کے دشمن نے بعض غرض پسند اور فساد پرور آدمیوں کو نقد روپیہ دے کر مولوی محمد بشیر خاں اور مولوی فضل الٰہی کے قتل کے اقدامات پر تیار اور آمادہ کیا ہے اس سبب سے فضائل آگاہ کی اطلاع کے لیے میں نے تحریر کیا ہے کہ اپنے متعلق انتہائی ہوشیاری اور احتیاط سے کام لو کیونکہ لازم ہے کہ فسادی آدمی اس دین کے دشمن کی تحریک پر قتل کا اقدام کرے اور خدانخواستہ آپ لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچ جائے .... اور مولوی محمد بشیر خاں صاحب کو میں نے ایک علیحدہ مکتوب روانہ کیا ہے اور موضوع مذکور کو واضح طور پر میں نے بیان کر دیا ہے۔ نہایت تاکید سمجھیں۔ تحریر ۱۲ر ثور ۱۳۱۳ھ والسلام

(دستخط محمد ہاشم۔ حاکم کنڑہا وغیرہ)

نقل مکتوب نمبر ۱۱۴۲ مورخہ ۲۶ر ثور ۱۳۱۳ھ

حکومت کلاں کنڑہا (دائرہ تحریرات) (مخصوص و ضروری)

ف:۔ مولوی فضل اللہ خاں مہاجر باشندۂ چمرکند

مکتوب ۲۹۵/۲۱۸ مورخہ ۲۲ر ثور۔ دائرہ ارکان شعبہ نمبر ۲ فرقہ مشرقی بعنوان حکومت کلاں، اصلاً و ذیلاً حکم دیتی ہے۔ ایک نہایت ضروری اور خاص اطلاع ۱۳/۷ مورخہ ۱۶ر ثور

Marfat.com

فوری اور ضروری۔ وکیل تجارت افغانی مقیم پشاور۔ آپ کے ذیل میں میں لکھتا ہوں کہ فیض طلب نامی شنواری ساکن بہادر کلی حکومت برطانیہ کی طرف سے مولوی محمد بشیر اور فضل الٰہی مجاہدین چمرکند کے قتل کرنے کے لیے آج چمرکند کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس مذکورہ اطلاع کے بعد آپ کو ٹیلیفون پر یہ خبر دی گئی تھی وہ مندرجہ بالا خبر آپ سے تذکرہ کرتے ہوئے ظاہر ہو گئی پھر فوری صورت میں معتبر ذریعہ سے یہ اطلاع بھیجی گئی کہ مندرجہ قضیہ سے مجاہدین مذکور مطلع کر دو تاکہ وہ اپنی حفاظت کر سکیں۔ نہایت تاکید ہے۔ تاکہ وہ بے خبر نہ رہیں۔

لہٰذا حضور والا حضرت ع۔ش تو ماندار صاحب فوجی حاکم مشرقی کی ضروری تحریر کی بنا پر مندرجہ بالا مذاکرہ سے آپ کو اطلاع دی جا رہی ہے کہ مندرجہ بالا ہدایت کو ہمیشہ مد نظر رکھیں اور مندرجہ حکم کی ہدایت کے مطابق تعمیل کریں اور خط پہنچنے پر ہم کو جواباً اطمینان دلائیں نہایت تاکید ہے اور اس کے علاوہ ایک علیحدہ مکتوب بھی پہلے آپ کو موضوع مذکور کے متعلق اطلاع دی جا چکی ہے امید ہے کہ پہنچ گیا ہو گا۔ انشاء اللہ

(دستخط محمد ہاشم)

نوٹ:۔ وہ کاروائی جو اس ضمن میں فیض طلب خاں شنواری مذکور سے صادر ہوئی اس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا:

چوتھی دلیل۔ دشمن کے اشارہ پر سیاسی اموات کی نظیریں

مورخہ ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ کو بعض حرام خور ایمان فروشوں نے دین کے دشمنوں کے ایما پر دو مہاجر آدمیوں (صوبہ سرحد پشاور میں) صاحبزادہ محمد اسلم اور مولوی عبدالستار بی۔ اے پر بمقام سوال قلعہ علاقہ آزاد سمو زائی میں آدھی رات کے وقت بندوق کی گولی سے ان کے قتل کرنے کے لیے اقدام کیا تھا۔ ان میں سے مولوی عبدالستار خاں اسی وقت اپنی نیند کی حالت ہی میں شہید ہو گئے اور صاحبزادہ موصوف کچھ مدت کے بعد جلال آباد کے مقام پر زخموں کی تکلیف سے بندوق کی گولی سے

مرتبہ شہادت پر فائز ہوا۔

دونوں مسیمیان مذکورہ ابتداء ۱۳۵۰ھ سے سرحد آزاد میں داخل ہوکر اسلامی تحریکات کو منظم کرتے تھے اور انھوں نے مقام الشہید (علاقہ بابوقرہ سالارزائی) کو اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا اور اس علاقہ میں بذریعہ تحریر و تقریر دولت برطانیہ کے برخلاف خوب پروپیگنڈا کرتے تھے۔

اسی طرح بدبختوں کے گروہ نے کئی دفعہ حکومت برطانیہ کے اشارہ پر فقیر صاحب علینگار پر قتل کا اقدام کیا اس لیے کہ مذکور موصوف سرحد آزاد کے تمام لیڈروں میں سے سب سے زیادہ برطانوی اقتدار کو ختم کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور کئی دفعہ اس نے حکومت مذکورہ کو بے نہایت مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے اور اس کام کے علاوہ اس کا دوسرا کوئی شغل نہیں ہے۔

اسی طرح مولوی فضل الٰہی پر بھی اس کے قتل کرنے کے لیے سنہ ۱۳۳۹ ۱۹۴۰ء سنہ ۱۹۴۱ء میں پے در پے حملے ہوتے رہے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں موصوف ہندوستانی مہاجرین میں سے جنگ وزیرستان کی جان ومال سے بے حساب اور بے دریغ امداد کر رہا تھا۔ جنگ مذکور نے دولت برطانیہ کو اس قدر جانی اور مالی نقصان پہنچائے ہیں کہ سرحدی جنگوں کے ابتداء سے لے کر اس زمانہ تک کے نقصانات ان کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتے۔ مولوی مذکور کے قتل کے اقدامات کے علاوہ اس کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور طویل قید کی سزائیں ان کو دی گئی ہیں کہ آج تک بھی بعض نے ان میں سے رہائی حاصل نہیں کی ہوگی۔

اسی قسم کے ہوشربا حالات مولوی محمد بشیر صاحب کو بھی ان دنوں میں پیش آئے جبکہ وہ وزیرستان میں قیام رکھتے تھے اسی طرح دوسرے لوگوں کو بھی پیش آئے ہونگے۔

سرحد کے سیاسی دشمنوں کے متعلق حکومت برطانیہ کا معمول

حکومت برطانیہ کا معمول یہ ہے کہ دشمن خواہ بہت ہی چھوٹا اور نادان اور کمزور ہو اس کو حقیر نہیں سمجھتی۔ چہ جائے کہ کوئی آدمی نکتہ سلیم اور رائے صائب اور قوت عملی کا مالک ہو

ہزاروں تلوار چلانے والے مردوں کی تلوار زنی سے وہ اتنا خائف اور متاثر نہیں ہوتی جتنا کہ ارباب قلم و دماغ کی زبان کی تلوار سے خائف رہتی ہے۔ سینکڑوں توپیں اور مشین گنیں اور ہزاروں بندوقیں اس کی سیاسی زندگی کو ہلاکت اور فنا کی تنگی میں اس قدر مبتلا نہیں کر سکتیں۔ جتنا کہ ایک صاحب دماغ کا پروپیگنڈا۔ حکومت برطانیہ پہلے پہل تو زرپاشی (دولت دینا) اور عزت افزائی کے حیلوں حوالوں سے کوشش کرتی ہے کہ سیاسی دشمنوں اور حریفوں کو فرمانبرداری اور طرفداری کے جال میں لا کر رام کرے۔ مگر جب دیکھتی ہے کہ اس کی مہربانی اور چاپلوسی سے سرکشوں کے سر اس کے آستانۂ سرکارِ عالی تبار پر اپنی پیشانی کو نہیں رگڑتے تو پھر جس تدبیر سے بھی ممکن ہو اس کو اپنے راستہ سے ہٹا دیتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جیسا کہ حکومت افغانستان نے اطلاعات بھیجی تھیں اور مندرجہ بالا واقعات بھی حکومت کے بیان کی تائید کرتے ہیں اور اس کو تقویت پہنچاتے ہیں اس کے مطابق سیاسی آدمیوں اور کام کرنے والوں کی زندگیاں ہمیشہ خطرات اور ہلاکت کے بھیں ان میں مبتلا رہتی ہیں۔

پانچویں دلیل۔ دونوں مولوی صاحبان کی آپس میں مخاصمت کی بنا پر قیاس کی تردید

فیصلہ کرنے والے لیڈروں نے اپنے فیصلہ کی بنیاد اس چیز پر رکھی ہے کہ مولوی محمد بشیر مرحوم اور مولوی فضل الٰہی میں کچھ مدت سے چمرکند کی ریاست اور امارت کے مسائل کے متعلق کچھ شکر رنجی اور دل آزردگی جاری تھی اس سبب سے مؤخر الذکر نے اپنے حریف کو ختم کرنے کے لیے قتل کی سازش کو ترتیب دیا ہے یا دیا ہوگا۔ وہ لوگ جو جمعیت کے داخلی حالات سے بے خبر ہوں گے اس قسم کے خیالات سے ایک حد تک ان کی طفل تسلی کا سامان تو فراہم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ہم خادمانِ دین و ملت جو کہ جملہ حالات سے پوری طرح باخبر ہیں بلاخوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام خیالات شیطانی وساوس کے قبیل اور نادانی اور پریشان خیالی کے

Marfat.com

دفاتر میں سے ہیں۔ سچائی اور حق کے ساتھ ان کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ:۔

جن دنوں میں مولوی محمد بشیر صاحب وزیرستان میں تھے۔ مولوی فضل الٰہی صاحب نے ایک مولوی صاحب محمد یاسین نامی بی۔ اے سینئر کیمبرج اور ہم خادمان دین وملت کی جمعیت کے سرکردگان کے مشورہ سے جمعیت مجاہدین کے جمود کو ختم کرنے کے لیے ایک لائحہ عمل (پروگرام) تیار کیا تھا۔ جو کہ سرحد کے مرکزی مقامات میں مدارس اور اسلحہ ساز فیکٹریاں بنانے اور پارچہ بافی اور تجارت وغیرہ مشتمل تھا اور جب وہ ضروری تعمیرات تیار کرنے سے فارغ ہوئے تو ناگہانی طور پر مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم وزیرستان سے واپس تشریف لے آئے کچھ مدت تک تو انھوں نے مذکورہ پروگرام سے کوئی تعرض نہ کیا لیکن بالآخر اس پروگرام کے بعض حصوں سے سخت اختلاف کرنا شروع کر دیا۔ مولوی فضل الٰہی صاحب نے جب اپنی جانی اور مالی محنتیں جو کہ مکانات کی تیاری اور اسباب کی فراہمی میں کی تھیں ضائع اور بے نتیجہ ہوتے دیکھیں تو ہزار ہا روپے کا نقد سرمایہ اور سامان جنگ وغیرہ اور ایک بہت بڑا کتب خانہ اور دستی چھاپہ خانہ کی مشینیں کہ جن کی مالیت انگریزی روپیہ کے حساب سے ایک لاکھ روپے سے بھی زائد تھی اراکین جمعیت کے ہاتھ میں دیدیں اور ان سے باقاعدہ رسیدیں حاصل کر کے کہ جن کو ہم نے بھی ماہ شعبان ۱۳۴۵ھ میں دیکھا تھا مجاہدین کے عہدۂ صدارت سے برضاء ورغبت بغیر کسی جبر اور اکراہ کے مستعفی ہو گئے اور اپنے شغل کے لیے بعض سرحدی کارکنوں کے اشتراک سے ایک وسیع میدان جو کہ کوہستان صوات وبابا سین اور آفریدستان اور احرارستان کے بعض دوسرے حصوں پر مشتمل تھا، تیار کر لیا۔ ان معلومات کی بنا پر جو ہم خادمان دین وملت اس کے ارادوں کے متعلق رکھتے ہیں بلاخوف تردید ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہی نہیں ہے کہ جمعیت مجاہدین کی سرداری اور برتری کے سودا کا خیال خام اس کے دماغ میں راہ ہی نہیں پا سکتا اور وسیع تجربہ کی موجودگی میں اس کے دل میں اس خانہ کعبہ کے طواف کی آرزو پیدا ہی نہیں ہو سکتی وہ سختیاں جو اس نے اس راہ میں جھیلی اور اٹھائی ہیں اس کو کب اجازت دے سکتی ہیں کہ زندگی کا پانی جب تک اس کے بدن کی رگوں میں جاری

ہے۔ مجاہدین کی امارت اور ریاست کے دسترخوان سے پھر ذلت آمیز لقمے اٹھائے یومن آدمی ایک بل سے دوسری دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔ عقلمندوں نے کہا ہے ؎

مرغے کہ رمیدہ گردد ز دام — من بعد بہ دانہ کے شود رام

چھٹی دلیل۔ اہل وطن سے لڑائی جھگڑا

اس قسم کے قیاسات کو اگر اس جیسے مقدمات کے ثبوت میں جائز شمار کیا جائے تو چاہیئے کہ اس میدان میں ان خونخوار اور بے رحم اور وحشی سرحدی دشمنوں کا نام پہلے لیا جائے جو کہ فی الحقیقت مولوی صاحب مرحوم کے ہاتھوں سے ایسے زخم کھا چکے تھے کہ ان کا کسی بھی مرہم سے مندمل ہونا ممکن ہی نہ تھا اور وہ ہمیشہ انتقام کے درپے رہتے تھے ان کے وجود کو ختم کرنے کی تدبیروں میں دنوں کو راتوں تک پہنچا دیتے تھے اور راتوں کو ان کی ذات کو فنا کرنے کے لیے دن میں تبدیل کر دیتے تھے۔ اس فہرست میں سب سے پہلے اول نمبر پہ چمرکند کے رہنے والے ہیں۔ ان کی لڑائی کی شرح کچھ اس طریق پہ ہے۔

مولوی محمد بشیر صاحب اور اہالی چمرکند میں دشمنی کی بنیاد

اس لڑائی کی ابتداء عیدین کے کھانے کی خرابی سے ظاہر ہوئی۔ چمرکند والے چلنا چاہتے تھے کہ عیدین کی دعوت کے غلہ کو موزوں صورت میں ان کو دیا جائے۔ چاول کچے نہ ہوں۔ شوربہ بے نمک نہ ہو وغیرہ وغیرہ اتنا ہی وہ اپنے خیال کے مطابق اس خواہش میں ناکام رہے۔ آخر خفگی کا اظہار کرنے کے لیے انھوں نے عیدین کی دعوت مسترد کر کے آمد و رفت کے سلسلہ کو ملتوی کر دیا۔ چونکہ اس دستور کا ترک کرنا جمعیت کے عام مصالح اور مفاد کے لیے مضر اور مہلک تھا۔ لہذا مولوی صاحب نے جرگہ بھیج کر ان کو رضامند کر لیا اور ان کی شرطوں کو تسلیم کر لیا۔ عید الفطر ۱۳۵۹ھ کے دن وہ لوگ دعوت کے مطابق جامع مسجد چمرکند میں حاضر ہوئے۔ لیکن بدقسمتی سے شدت بیماری کے سبب کوشش لیبا کے باوجود خوراک کا غلہ نسبتاً بہت خراب تھا اس وجہ سے

Marfat.com

لڑائی چھڑ گئی اور پتھروں اور کلہاڑیوں تک نوبت پہنچ گئی کہ اس میں مجاہدین کے چند آدمی زخمی بھی ہو گئے۔

مولوی صاحب کی ہمدردی میں گل صاحب چارمنگ کا اشتراک

بجائے اس کے کہ مولوی صاحب مرحوم چمرکندی آدمیوں کے عذر کو شرف قبولیت بخشتے اور ہمسائیگی کے حقوق کی رعایت کو ترجیح دیتے اور معاملہ کو رفت گذشت کر دیتے انہوں نے اس حادثہ میں چارمنگ لیڈر سے مدد مانگی۔ گل صاحب موصوف نے اس قسم کے موقع کا انتظار مدت سے شروع کر رکھا تھا اسی وقت اس نے قوم ایلال خیل کا بے حساب لشکر تیار کر کے جو کہ چمرکندی آدمیوں کے دیرینہ دشمن تھے چمرکند پر چڑھائی کر دی اور بستی کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا اور غلے کے تمام ذخیرے جلا کر خاکستر بنا ڈالے۔ اس کشمکش میں چمرکند کے کچھ آدمی قتل اور زخمی بھی ہوئے اور معاملہ نہایت سنگین ہو گیا اور چمرکند کے تمام مرد اور عورتیں مولوی صاحب کے خون کے پیاسے ہو کر انتقام کے در پے ہوئے اور ان کی اور ان کے ساتھیوں کی تباہی اور بربادی کے لیے تجویز سوچنے لگے۔

تلافی مافات سے بے پروائی اور سیاست کے پہلو کی ترجیح

انتقام کا جذبہ افغان قوم کی سرشت میں سمویا گیا ہے خصوصاً خون اور زخم کے بدلہ میں یہ لوگ دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ نہایت متعصب اور کینہ ور واقع ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی آدمی کسی وقت اپنی کمزوری یا کسی دوسرے سبب سے انتقام نہیں لے سکے گا تو وہ ایک وقت تک دل کے پیالہ میں جگر کا خون پیتا رہے گا اور جب اس کو موقع ملے گا اگرچہ سو سال بعد ہی کیوں نہ ہو تو عذر خواہی کی کوئی فرصت نہ دے گا اور اپنے مدعا کا اظہار بندوق کے منہ سے کرے گا اور بہت سی آنکھوں اور خاندانوں کو روتا ہوا چھوڑ دے گا۔

اوراس علاقہ میں چمرقند کے رہنے والے دوسری اقوام سرحد کی نسبت زیادہ سخت اور سنگین واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان کے اسی جذبہ کے متعلق سرحد آزاد میں ایک ضرب المثل مشہور ہے۔

(کافر مہمند علیکنڈی دی یا برچمکنڈی دی)

بجائے اس کے کہ مولوی صاحب مرحوم بے غرض دوستوں اور حقیقی خیر خواہوں کی نصیحتوں کو گوش حق نیوش سے سنتے اور مصالحت کے پہلو کو اختیار کرتے اور اہل ملک کے جذبۂ انتقام اور زخموں اور قتل کے بدلہ کی عادت کو جن کو رہ دن رات اپنے قرب و جوار میں دیکھتے تھے سمجھتے ہوئے عبرت اور سبق حاصل کرتے اور چمرکند کے جاہل اور متعصب لوگوں کی روز افزوں آتش کدورت کو حکمت اور تالیف قلبی کے پانی سے بجھا دیتے اور بے باک اور وحشی دشمن کو مروت اور لطف کے فنون سے دوستی کے جال میں پھنسا لیتے اور تھوڑے سے سرمایہ کو بطور عذر یا دیت مقتول اور مجروح لوگوں کے وارثوں کو دے دیتے اور اس روز افزوں فساد کو ختم کر دیتے۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ بے حساب سرمایہ کو جو دولت اسلام ان کو محض مجاہدین کی پرورش اور تربیت کے لیے دیتی تھی اس کو چمرکند کے دشمنوں پر بے دریغ خرچ کر ڈالا گیا اور چارمنگ لیڈر کی طاقت کے ذریعہ ان کو پریشانی اور شدید قسم کی تعزیر کے تحت لایا گیا اور ان کو مقہور اور غلام پیشہ بنانے کی کوشش شروع کر دی اور سیاست اور تادیبی کاروائی کے پہلو کو آخر دم تک ترجیح دی۔

چمرکندی آدمیوں کو اول اول تو مجاہدین کے مال و مویشی پر قتل و غارت کا ہاتھ لمبا کرنے کی جرأت ہوئی۔ بہت سی خچروں کو ہلاک کر ڈالا۔ مولوی صاحب مرحوم نے ان حوصلہ شکن واقعات سے بھی عبرت حاصل نہ کی بلکہ چارمنگ لیڈر کے ذریعہ سابقہ دستور کو بروئے کار لائے اور اہل ملک کی آتش انتقام کے لیے تیل اور لکڑیاں اکٹھی کر لیں ایک طرف تو چمرقند والے انتقام کے درپے رہنے لگے اور دوسری طرف چارمنگ لیڈر کی سیاست اور دباؤ بڑھنے لگا۔

Marfat.com

فیض طلب شنواری کا اشتراک کہ جس کا دولت افغانستان نے اپنے مکتوب میں نشان دیا تھا

چمرکند کے رہنے والوں نے اشرار کے رئیس فیض طلب شنواری کو جو کہ ان دنوں میں حکومت افغانستان کے علاقہ میں شبخون مارتا پھرتا تھا۔ اپنی انتقام گیری میں شریک کر لیا اور مل کر انہوں نے تین چار مرتبہ شبخون اور ڈاکے کی تجویزیں کیں کہ جن میں سے ہر ایک حملہ مولوی فضل الٰہی کی فداکاری کی وجہ سے نامرادی کی خاک میں چلا گیا۔ لیکن اس قسم کی تحریکات کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اس آخری زمانہ میں ماہ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں چمرکندی آدمیوں نے علانیہ اور روز روشن میں راہزنی اور ڈاکہ ڈالنے کا پیشہ اختیار کر لیا اور مولوی صاحب کو بے حساب نقصان پہنچایا۔ لیکن مولوی صاحب مرحوم آخری وقت تک خانماں سوز سیاست اور ڈانٹ، ڈپٹ کا دستور ہاتھ سے نہ دیا اور برابر گل صاحب چارمنگ کی طاقت اور اقتدار کو کام میں لاتے رہے اور چمرکندی آدمیوں کے گھروں کو نذر آتش کیا۔ بھی ان کو قرار حاصل نہ ہوا اور اہل ملک کا جذبۂ انتقام بھی مطیع اور فرمانبردار نہ ہوا۔

اس کشمکش کا روح فرسا نتیجہ

بالآخر مولوی بشیر صاحب مرحوم جمعیت مجاہدین چمرکند کے سفینہ کو حوادث اور نوائب اور ہلاکت و نکبت کے گرداب میں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا اور اس کا انجام کیا ہو گا؟ یہ صرف خداوند عالم الغیب ہی جانتا ہے۔ لیکن آثار اور قرائن بالکل جمعیت کے حالات کے موافق نہیں ہیں۔ وطن کے لیڈروں نے اور خصوصاً فیصلہ کرنے والوں نے کسی لئے بھی جمعیت کے مستقبل اور حال کی نزاکت کو مآل اندیشی سے نہیں سوچا کہ اپنی حسن تدبیر سے چمرکند والوں اور

جمعیت مجاہدین میں مصالحت اور موافقت کرا دیتا بلکہ وہ بھی مولوی صاحب کو راضی کرنے کے لیے یا اس خیال سے کہ دولت اسلام مجاہدین ہندی کی تربیت میں پوری توجہ اور دل بستگی رکھتی ہے اپنے اہل وطن کے اوپر ہی شدید تعزیرات عائد کرتے چلے گئے۔

اگر شرع شریف کے قوانین کا احترام ہم خادمان دین وملت کے ضمیروں کے ارد گرد نہ ہوتا اور ہمارے نزدیک قصاص طلب معاملات کا فیصلہ صرف عقل اور دستور وطن کی ترازو پر ہوتا۔ تو ہم پہلے ہی دن تیرہ (۱۳) ہزار کا مسلح قومی لشکر لاکر جمبر کند کی بستی کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالتے اور مولوی صاحب جیسی ایک قیمتی جان کے عوض جو کہ ہمارے دوست بھی تھے نہ معلوم کس قدر جانی نقصان اور خونریزی کرتے اس لیے کہ ظاہری اسباب کی بنا پر کسی کو بھی بمقابلہ جمبر قند والوں کے مولوی صاحب مرحوم ممدوح کی ذات سے کوئی عداوت اور دشمنی نہ تھی۔

بہرصورت ہماری تحقیق ابھی تک جاری ہے اگر شرعی طور پر کچھ تھوڑا سا سراغ بھی ہم لوگوں کو ہاتھ آگیا تو ہم ان شاء اللہ ضرور بالضرور اصل مجرموں کو لازمی سزا دے کر چھوڑیں گے۔

اگر یہ ہوشربا واقعہ واقف کار آدمیوں کے خیالات کے مطابق جمبر قند والوں کے ہاتھ سے وقوع پذیر ہوا ہے تو یقیناً اس کو ایک قدرتی نتیجہ ان حالات کا جو پہلے تحریر ہو چکے ہیں جان لینا چاہیئے۔ جذبات عامہ کو ٹھکرانے کے لیے اس سے زیادہ موثر ترین جواب تصور میں بھی نہ آتا تھا۔ سو نہ آیا۔

تمام اثرات اور حالات قومی کا اندازہ کرتے ہوئے عقلمندوں نے کیا خوب کہا ہے ؎

که کرد در همه عالم کمان ظلم بزه | که تیر لعنت جاوید را نشانه نه شد
که نهاد در زمانه بے اعتبار طرح ظلم | خیال نیست که خود عبرت زمانه نه شد

مولوی صاحب مرحوم کے دشمنوں کی فہرست میں دوسرا نمبر

وہ بمباری جو برطانوی ہوائی جہازوں نے ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء کو چارمنگ کے علاقہ پر کی تھی اور حکومت برطانیہ نے اس لحاظ سے ایک موقع براہ راست امور سرحد میں مداخلت کرنے کے لیے پیدا کر لیا تھا اور سرحد کی آزادی کو معناً اور عملاً غلط قرار دیدیا گیا اور سرحد کے وقار کو درہم برہم کر دیا گیا۔ اہل سرحد کے عام لوگوں کے خیال کے مطابق اس کی اصلی علت اور حقیقی سبب وہ جھوٹی اطلاعات اور غلط پروپیگنڈا تھا جو کہ مولوی صاحب مرحوم کی زبان اور قلم سے وقوع میں آیا اور اس واقعہ نے چارمنگ کے بعض سرکردہ لوگوں کو ان کے خون کا پیاسا بنا دیا۔

ساتویں دلیل۔ اقتصادیات وطن کی شکستہ حالی

تمام دنیا کی اقتصادی حالت تباہ ہو چکی ہے اور ادنیٰ اور اوسط درجے کے آدمیوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا ہے۔ چنانچہ یورپ کے ممالک میں سے مہذب ترین ملک بھی اقتصادی حالت سے جان بلب ہو کر قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کو پیشہ کے طور پر اختیار کرنے لگے ہیں۔ علاقہ سرحد آزاد جو دنیا کے تمام ممالک سے اس کی اقتصادیات نہایت نازک ہو چکی ہیں اور وہ چند سال سے بہت زیادہ کمزور ہو چکا ہے اس علاقہ میں بھی جگہ جگہ جیسا کہ پہلے تحریر ہو چکا ہے اس قسم کے حوادثات اور واردات شروع ہو چکی ہیں۔

اس سال مولوی محمد بشیر صاحب شہزادہ صاحب کی ہمراہی میں جو کہ امیر المجاہدین بونیر کا حقیقی بھتیجا ہے کابل گئے تھے۔ جب واپس آئے تو مشہور ہو گیا کہ شہزادہ صاحب کی معیت کی وجہ سے افغانستان کے خزانہ سے مولوی صاحب بے حساب سرمایہ لے کر آئے ہیں۔ ممکن ہے کہ اہل وطن میں سے بعض شریر لوگوں نے چند گندی آدمیوں کے ساتھ مل کر یا خود چند والوں نے اپنے مالی اور جانی نقصانوں کی تلافی کے لیے بطریق ڈاکہ مولوی صاحب کو قتل کر دیا ہو اور جو مال ان کے ہاتھ آیا ہو وہ لے کر چلے گئے ہوں۔

Marfat.com

واللہ اعلم بالصواب

آٹھویں دلیل پہرے دار کا غائب ہو جانا

پہرہ دار جو اس رات پہرہ پر متقرر تھا۔ اسی وقوعہ کی رات سے غائب ہے۔ خاص اس کے معاملہ میں آدمیوں کے خیالات رنگارنگ قسم کے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ

افواہ اول

وہ پہرہ دار شہزادہ صاحب کے ندیموں میں سے تھا۔ چونکہ شہزادہ صاحب اپنی سیاحت کے مقاصد میں جو کہ مولوی صاحب مرحوم کے متعلق رکھتے تھے کامیاب نہ ہوئے تھے۔ یعنی شہزادہ یہ چاہتا تھا کہ دولت افغانستان کا ہمیشہ کا وظیفہ امیر دوست محمد خاں اور امیر شیر علی خاں اور امیر عبدالرحمان اور حبیب اللہ خاں کے سابق زمانہ کی طرح خاص امیر المجاہدین بونیر کے نام پر مقرر کیا جائے اور اختیارات خط و کتابت اور حقوق راہداری دولت افغانستان کے اداروں میں امیر المجاہدین کے نام تسلیم کیے جائیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ شہزادہ صاحب کا مقصد ان حقوق فوق العادت کی تنسیخ تھا جو کہ مولوی صاحب مرحوم کو فرمان وزارت خارجہ × مورخہ کے ذریعہ امانی عہد میں حاصل ہو گئے تھے۔ لیکن مسمیٰ مذکور اس مقصد میں بالکل کامیاب نہ ہو سکا۔ شہزادہ صاحب نے بظاہر دنیا کی وضعداری کے آداب سے اپنے باطنی اختلاف سے بالکل اطلاع نہ ہونے دی اور درپردہ ناکامی کے صدمہ سے پہلے کے جذبات انتقام مشتعل ہو گئے اور اس کو مولوی صاحب کے پوری طرح ختم کر دینے پر آمادہ کیا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ مولوی صاحب کے فوق العادت اختیارات کی تنسیخ کے لیے مجاہدین کے تمام امیروں نے بہت کوششیں کی تھیں لیکن مراد کا چہرہ دیکھنا کسی کو بھی نصیب نہ ہوا تھا اور ناکامیوں کے سینکڑوں داغ حسرت دل میں رکھ کر اس دنیا سے رحلت کر چکے تھے اور ان کے برخلاف مولوی صاحب مرحوم ہمیشہ اپنے اختیارات کے استحکام کے لیے پوری جد و جہد کرتے رہے چنانچہ اخبار زمیندار لاہور

Marfat.com

نے اپنی اشاعت ۱۲ جولائی ۱۹۲۴ء اور ۲ دسمبر ۱۹۲۷ء میں اور اخبار سیاست لاہور نے اپنی اشاعت ۲۰ جولائی ۱۹۲۷ء میں مولوی صاحب کے شخصی اقتدار کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔ موجودہ امیر المجاہدین صاحب بونیر نے بھی ایک بار اس سے پہلے اس باب میں پوری کوشش کی تھی۔ سید فضل اللہ صاحب نامی بونیر کی جمعیت کے ایک بہت بڑے بزرگ آدمی کو ۱۳۴۶ھ میں اسی مقصد کے لیے کابل میں بھیجا تھا۔ لیکن سید صاحب موصوف اسی جگہ انتقال فرما گئے اور یہ مقصد بدستور سابق نامکمل رہ گیا۔ اب اسی مقصد کی تکمیل کے لیے اپنے بھتیجے کو بھیجا ہوگا۔ واللہ اعلم

قیاس اس خیال کی مزید تائید کرتا ہے۔ اس وجہ سے کہ مولوی صاحب مرحوم کا کمرہ مجاہدین کے مستقر میں اس موزونیت کے محل پر واقع ہے کہ دو دو تین تین گز کا فاصلہ چاروں طرف سے مسلح مجاہدین کے کمروں سے محصور اور گھرا ہوا ہے اور دن رات باقاعدہ پہرہ رہتا ہے۔ اگرچہ پہرہ دار رات کے وقت اکثر غافل اور بعض تو بالکل ہی خواب خرگوش میں چلے جاتے ہیں اور اس وجہ سے ایک ایک پہرہ کی بجائے دو دو پہرے مقرر کیے ہوئے تھے اور خصوصاً اس وقت سے پہرہ میں زیادہ بے پرواہی کی جاتی تھی جبکہ انہی وجوہات کی بنا پر پہرے داروں کی حمایت کے لیے بھیڑیا خصلت کتوں کے رکھنے سے امداد حاصل کر لی گئی تھی۔

مولوی صاحب مرحوم بذات خود ایک نہایت دلیر شخص اور اس قدر بلند آواز تھے کہ ان کی آواز کی بلندی ایک نوجوان آدمی کو بھی آدھی رات کے وقت بیدار کر دیتی تھی۔ نہ معلوم اس موقع میں اپنے قاتل کے مقابلہ میں انھوں نے کیا کیا فریادیں کی ہوں گی۔ اور کس کس طرح زمین و آسمان کی فضا کو وہ زلزلہ میں لائے ہوں گے اور کس طرح در و دیوار کو اپنا ہم آواز بنا کر دور و نزدیک کے دوستوں کو پیغام پہنچایا ہوگا ؎

خبر من برسانید بہ مرغانِ چمن   کہ ہم آوازِ شما در قفسے افتاد است

مجاہدین کی مسلح نفری میں سے کوئی بھی ان کی فریاد پر نہ پہنچا اور نہ ہی قاتل یا قاتلوں پر کسی نے گولی چلائی اور نہ ہی اس کے یا ان کے تعاقب میں اسی وقت فوری طور پر روانہ

Marfat.com

ہوا اور نہ ہی اس کے بعد حالانکہ تجسس اور تعاقب اور مجرموں کی گرفتاری کے لیے مجاہدین کے پاس کافی وقت اور پورا سامان تھا۔

مجاہدین کی نفری کہتی ہے کہ ان کو اس ہوشربا واقعہ کی اطلاع سحری کی روٹی تقسیم ہونے کے وقت ہوئی۔ کوئی صاحب ہوش اور گوش کسی طریقہ سے بھی اور کسی حال میں بھی ان کے اس خیال سے اتفاق نہیں کر سکے گا۔ خیر ہم تھوڑی دیر کے لیے ان کے خیال سے اتفاق کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس اس اعتراض کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی صاحب عقل و ہوش کو مطمئن کر سکتے ہیں

اعتراض اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ ہوشربا واقعہ مجاہدین کے بعض مخصوص اراکین کی سازش اور مشورہ سے وقوع میں نہیں آیا تھا اور خود مجاہدین کی نفری مفرور پہرہ دار کے ساتھ اس قتل میں شریک نہیں تھی تو کیوں انہوں نے پہرہ دار اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب اور تلاش میں پوری پوری جدوجہد نہ کی۔ کونسی چیز اور کونسے اسباب ان کو اس اہم فریضہ کی بجا آوری سے مانع ہوئے؟

اسباب تلاش و وسائل گرفتاری مجرم یا مجرمین

(۱) جمعیت مجاہدین میں بہت سے دلیر اور ہوشیار آدمی موجود ہیں جو تیز رفتاری میں ہوا کے گھوڑے کو بھی سبق دیتے ہیں۔

(۲) جمعیت مجاہدین کے پاس تیز رفتار گھوڑے موجود تھے۔

(۳) مجاہدین میں ایک بھی بچہ ایسا نہیں ہے جو کہ ایک ایک پتھر اور ایک ایک درخت اور قرب و جوار کے علاقہ کے ایک ایک پہاڑ اور پیچیدہ اور غیر پیچیدہ راستوں سے واقف اور پوری طرح ماہر نہ ہو۔

(۴) چمرکند اور اس کے ہمسایوں میں ایسے آدمی موجود تھے جو کہ دل کی گہرائیوں سے ان کے خیر خواہ تھے اور ہمیشہ ان کی امداد کے محتاج اور مرہون احسان تھے۔

(۵) پہرہ دار قاتل مجاہدین کے کہنے کے مطابق افغانی زبان سے چنداں آشنا

Marfat.com

نہیں تھا اور نہ ہی اس نے کبھی دور و نزدیک آمد و رفت کی تھی اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا کہ اس وقت میں آزاد علاقہ سے رجال الغیب کی طرح غائب ہو جاتا اور مجاہدین میں اور چمرکند کے رہنے والوں میں سے ہر آدمی اس کو بڑی اچھی طرح جانتا اور پہچانتا تھا۔

(۶) مجرم یا مجرمین کی تلاش اور دریافت کے لیے رات کا کافی حصہ باقی تھا۔

(۷) اس رات میں کہ یہ واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد بھی چند روز تک برف اور بارش میں سے کوئی چیز نہ پڑی کہ کسی کو راستہ چلنے سے مانع ہوتی اور اگر اس قسم کی کوئی رکاوٹ موجود ہوتی تو خود پہرہ دار کس طرح سے پہاڑی راستوں میں دراں حالیکہ مسمیٰ مذکور اس علاقہ میں نووارد تھا، جا سکتا تھا۔

(۸) جمعیت کے پاس بیت المال میں نقد سرمایہ کافی موجود تھا اور وطن کی اقتصادی حالت بڑی نازک تھی اگر جمعیت مذکورہ پہرہ دار اور اس کے فرضی ساتھیوں (محمد اور محمد دین) کی گرفتاری کے لیے ایک انعام مقرر کر دیتی تو بہت سے محتاج آدمی ان کے تعاقب میں روپیہ کے لالچ سے چلے جاتے اور بغیر کسی مزید تکلیف کے تھوڑے ہی وقت میں ان کو گرفتار کر کے جمعیت کے سپرد کر دیتے اور پہریدار اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری سے ہر راز اور ہر حقیقت منکشف ہو جاتی۔ جمعیت کو راز کے افشا ہو جانے کا خوف اس امر میں ہرگز مانع نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ پہرہ دار کی گرفتاری کے لیے بغیر راز کو ظاہر کیے بھی کافی بہانے موجود تھے۔ مثلاً یہ کہا جا سکتا تھا کہ پہرہ دار مذکور بندوق اور دوسرا سامان لیکر روپوش ہو گیا ہے اگر کوئی اس کو گرفتار کر کے لے آئے گا تو اس کو اس قدر انعام دیا جائے گا۔

(۹) مجاہدین کے پروپیگنڈے کے مطابق محمد اور محمد دین مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کے قتل میں شریک تھے۔ ان کا یہ پروپیگنڈا دونوں حضرات کی قتل کے وقت اور کچھ وقت قتل سے پہلے اور کچھ قتل کے بعد موجودگی کو خاص چمرکند کے مرکز میں مستلزم ہے۔ اگر مجاہدین کی ضمیر کے نزدیک دونوں حضرات اس قتل میں شریک ہوتے تو بھی بھی یہ لوگ ان کی گرفتاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے اور پوری پوری جدوجہد

Marfat.com

کرتے خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ بعض مجاہدین ان دونوں آدمیوں سے جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے ذاتی عداوت رکھتے تھے۔ لیکن ان کے نزدیک ان دونوں کی موجودگی اس وقت میں اور اس مقام میں بالکل مسلم نہیں تھی۔ دونوں کو کامل یقین تھا کہ محمد نامی آدمی بہت مدت سے جمعیت کو چھوڑ چکا تھا۔ کچھ مدت تو اس نے عصارہ میں قیام کیا اور پھر اس جگہ سے وطن کی طرف چلا گیا ہے اور محمد دین سامان خوراک کے انتظام اور خریداری کے لیے پشاور دکنٹر کی طرف گیا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی تلاش کرنے والا ان کے پیچھے نہ گیا۔

مذکورہ بالا مندرجات کا نتیجہ

چونکہ جمعیت مجاہدین نے پہرے دار اور اس کے دوسرے ساتھیوں کی گرفتاری کے متعلق اس وقت فی الفور یا اس کے بعد بھی مطلق کوشش نہیں کی ہے اور مندرجہ بالا اسباب میں سے کسی چیز کو اس نہایت اہم اور ضروری مقصد کے راستہ میں استعمال نہیں کیا ہے۔ اس مواد سے جو ہم دین کے خادموں نے ہر صاحب فکر سلیم ہر معاملہ شناس ہر نکتہ رس اور فراست و کیاست کے مالک کے سامنے رکھا ہے اس چیز کو جو مجاہدین کے ضمیر میں پوشیدہ اور پنہاں ہے خود بخود بہ رنگ و صورت اصلی ہر مبصر اور محقق کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے اور دماغ سوزی کی کاوشوں کا محتاج نہیں چھوڑتا اور تمام ارباب بصیرت و تدبر اس ہولناک واقعہ کی ذمہ داری شروع سے لے کر آخر تک خود مجاہدین کی نفری پر عاید کریں گے اور مجاہدین سے علی الاعلان ہم خادمان دین و ملت کی طرح پوچھیں گے کہ اگر تم لوگ اس قتل کی سازش میں شریک نہیں تھے تو کیوں تم نے دیدہ دانستہ تمام ضروری اسباب و سامان کی موجودگی میں پہریدار اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری اور ان کے تعاقب میں تہاون اور سستی کی؟ اور کیوں تم نے مجرموں کو روپوشی اور بھاگ جانے کا موقع بہم پہنچایا؟ اور کیوں ان آدمیوں کو سرحد کے دور دراز راستوں سے گذرتے ہوئے کسی سرحدی آدمی کی آنکھ نے نہیں دیکھا؟ ان ھذا الشئی عجیب۔

Marfat.com

الزام تراشی اور افترا پردازی کے وجوہات

مجاہدین کی نفری کو کس چیز نے آمادہ کیا کہ یہ تمام افترا پردازی اور الزام تراشی کریں ؟ جواب یہ ہے کہ اس سبب سے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے اس قتل کی سازش کو سرانجام دیا تھا اور اس سبب سے اپنی ضمیر کے نزدیک بھی اور ارباب عقل واجتہاد کے نزدیک بھی یہ لوگ مورد عتاب وملامت تھے۔ لہذا اپنے نہ کرنے والے کام کا الزام بے گناہوں پر چڑھا دیا اور اپنے جرائم کے صحیفہ کو پاک کر لیا اور اصل مجرم یعنی پہریدار کو اپنی خاص مدد سے سلامتی اور نجات کے ساحل پر پہنچا دیا اس کے اور اپنے معاوضہ میں مولوی فضل الٰہی اور اپنے دشمنوں کو افترا پردازی اور تہمت کے گرداب میں لے آئے اور اپنی خیانت اور غداری کو امانت اور خیر خواہی کے لباس میں ظاہر کیا ؎

بے گناہ دل شکستہ در زندان   مجرم از دور خرم و خندان

صاحبزادہ صبغۃ اللہ کو مولوی فضل الٰہی کی تربیت اور شاگردی میں سپرد کرنے کی اصل وجہ

ان کے پروپیگنڈا اور افترا پردازی سے ایک یہ امر بھی ہے کہ شہادت امیر المجاہدین اسمست مولانا نعمت اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کا واقعہ بھی مولوی فضل الٰہی کے ایماء پر پیش آیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیلات گذشتہ اوراق میں ذکر ہو چکی ہیں۔ اس باب میں ارباب بصیرت اور معاملہ فہم حضرات کی توجہ کے قابل یہ امر ہے کہ خدانخواستہ اگر امیر المجاہدین موصوف کا قتل مولوی فضل الٰہی کی سازش یا اشارہ یا دلالت سے وقوع میں آتا تو امارت کے خاندان کے تمام ارکان اور اسمست کے دوسرے معززین مولوی صبغۃ اللہ کو جو کہ امیر المجاہدین مذکور کا درمیانہ بیٹا ہے پورے اتفاق سے مولوی فضل الٰہی مذکور کی تربیت اور شاگردی میں کبھی نہ دیتے۔ بلکہ خاندان امارت نے اپنے نور چشم اور جگر گوشہ کو محض اس لیے مولوی فضل الٰہی کی سرپرستی میں دیا کہ دنیا جان لے کہ اس کا دامن قتل اور سازش قتل امیر المجاہدین کے الزام

کی گندگی سے بالکل پاک وصاف ہے۔ صاحبزادہ مذکور برایہ سات ماہ تک مولوی فضل الٰہی کے گھر میں رہا اور اپنی تعلیم اور تربیت کے نقصان کو پورا کرتا رہا اور جب مولانا فضل الٰہی صاحب کو جہادی ممد ۱۳۴۹ھ/۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۰/۱۹۳۱ء کے مشاغل درپیش آئے تو اس وقت چونکہ مرکز چمرکند کے سرکردگان میں سے کوئی بھی پیچھے موجود نہیں تھا لہٰذا صاحبزادہ صاحب مذکور واپس اسمست چلے گئے۔

چمرکند کے مجاہدین کی پیشانی ۔غداری، نمک حرامی، فرض ناشناسی، بزدلی، شرکت سازش قتل مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم جیسے مربی آدمی کے داغوں سے داغدار ہو چکی تھی لہٰذا اس کے اچھے افعال کو بھی برے لباس اور بدصورت میں لوگوں کو دکھا کر اس کے ناموس اور صلاحیت کو توڑا گیا تاکہ لوگوں کا اعتقاد اس کے حق میں بگڑ جائے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔

پہرہ دار کے متعلق دوسری افواہ

یہ بھی افواہ ہے کہ پہرہ دار مذکور جاڑامیاں مشہور فاسق فاجر، اسلام کو برباد کرنے والے اور ملت افغانیہ کی پیشانی کے بدنما داغ سے تعلقات تھے۔ جاڑامیاں کا بھائی مجاہدین کی ڈاک لوٹنے کے سلسلہ میں جبکہ وہ انگریز کی طرف جارہا تھا۔ راستے میں مولوی صاحب مرحوم کے انعام کے وعدہ کی کوشش سے پکڑا گیا اور علاقہ ناگئی کے آدمیوں سے اس کو سخت مار پڑی اور بہ مشکل جانبر ہوا تو جاڑامیاں نے دولت برطانیہ کے مشورہ اور اشارہ سے ازراہ انتقام اس کو اپنے ساتھ لاکر جمعیت مجاہدین میں بھیج دیا اور وہ جمعیت میں داخل ہو گیا اور اپنے آشناؤں فیض طلب شنواری اور چمرکند کے کچھ آدمیوں کی امداد سے جو کہ مولوی صاحب پر خون اور بے حساب نقصانات کا دعویٰ رکھتے تھے اس نے مولوی صاحب کے قتل کی سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور پہرہ دار کو حدود سرحد سے صحیح سلامت گذارنے میں کامیاب ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

Marfat.com

پہرہ دار کے متعلق تیسری افواہ

مجاہدین میں سے بعض آدمی پہرہ دار کے متعلق یہ شبہ بھی کہتے ہیں کہ مسمّٰی مذکور عبداللہ نامی مجاہد کا کوئی رشتہ دار تھا جو کہ مولوی صاحب مرحوم کے اشارہ سے قتل ہوا تھا اس اجمال کی شرح ہم نے اس طرح سنی ہے۔ کہ

عبداللہ نامی ایک مہاجر نہایت دلیر اور آزمودہ کار مجاہدین میں سے تھا اور ان کا قاصد تھا۔ عالمگیر جنگ کے زمانہ میں اس نے بونیر، مہمند۔ تیراہ، ڈکہ، وزیرستان کے علاقہ میں بہت بڑی خدمات سر انجام دی تھیں اور محمد یوسف کے کسی لڑکے کے سلسلہ میں جو کہ اس کا ہم وطن تھا اس کے تعلقات مولوی صاحب مرحوم سے منقطع ہو گئے اور نوبت زد و کوب تک پہنچی مسمّٰی مذکور کے حالات سے جو کہ جمعیت مجاہدین میں کافی اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ مولوی صاحب مرحوم نے وہ چیزیں دیکھیں اور سنیں کہ جن کے سننے اور دیکھنے کے لیے ان کے کان اور آنکھیں تیار نہیں تھے۔ مسمی مذکور کو آخر کار جمعیت مجاہدین سے علیحدہ کر دیا گیا اور اس نے اپنا اتحاد مہاجرین کابل کی پارٹی سے پیدا کر لیا۔ مذکور موصوف اپنی پارٹی کی طرف سے ایک ابراہیم نامی مہاجر مقیم سیدہ شاہ کے حالات پوچھنے کے لیے سرحد آزاد کی طرف روانہ ہوا۔ آدھی رات کے وقت وہ اپنے ایک بے وفا ساتھی کے ہمراہ چمرکند میں پہنچا اور مجاہدین کے ٹھکانے سے باہر ایک پہاڑ پر سو گیا اور اپنے ساتھی مورخہ ۲۷ رمضان ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو سحری کی روٹی لانے کے لیے روانہ کیا۔ اس نے آکر مولوی صاحب کو اطلاع دیدی۔ مولوی صاحب نے اسی وقت اپنے بعض مخصوص آدمیوں کے ذریعہ اس کو نیند کی حالت ہی میں آبدار تلوار سے بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا اور پھر اسی طرح کا واقعہ مولوی صاحب کو بھی پیش آگیا۔ عقلمندوں نے کہا ہے ؎

این جہاں کوہ ست و فعل ما ندا — سوئے ما آید ندا ہا را صدا
گرچہ دیوار افگند سایہ دراز — بار گرد د سوئے او آں سایہ باز

واللہ عندہ حسن المآب۔

Marfat.com

نویں دلیل مولوی فضل آلہی کی نکوکاری و خوش رفتاری

مولوی فضل آلہی صاحب کی نسبت ذاتی معلومات اور مشاہدات کی بنا پر جوکہ پندرہ سال سے ہم دیکھ رہے ہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے برے اور قبیح کام جیسے آدمی کا قتل کردینا اور جمعیت اسلام کی بدخواہی کو اس کی طرف منسوب کرنا روز روشن کو رات کہنے کے مترادف ہے کیونکہ مسمیٰ مذکور مکارم اخلاق، استقامت، سخاوت، حسن نیت، توکل خیر خواہی اسلام اور وطن و ملت کی راہ میں شوق قربانی کا ایک قابل تقلید و اتباع نمونہ ہے کہ اس کی مثال اس قحط الرجال کے زمانہ میں شاذ و نادر ہی دیکھی جائے گی۔ اس نے حسن سلوک اور نیک اور پاک وضع سے اس طرح سرحد کے رہنے والوں میں گذارہ کیا ہے کہ کبھی اس قسم کی بدگمانی سرحدی لوگوں کے اعتقاد میں راہ نہیں پا سکتی۔

مولوی محمد بشیر صاحب کے زمانہ میں جمعیت کی خیر خواہی

جمعیت مجاہدین کو اہل سرحد آزاد کے متواتر لوٹ مار کے حملوں سے جوکہ بعض حملے رئیس الخزرات ملک موسیٰ خاں جبکہ وہ ماہ صفر اور ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ میں چمندیوں کا دس ہزار کا لشکر اور پھر دوبارہ ماہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں آیا تھا اور فیض طلب شنواری کے لوٹ مار کے متواتر اقدامات سے جبکہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت ماہ رمضان، ذیقعدہ اور ذی الحج ۱۳۵۲ھ میں آتا رہا۔ ان کے مقابلہ میں تنہا مولوی فضل آلہی سینہ سپر ہوتے رہے اور ان تمام مصیبتوں کو خداوندی توفیق سے جمعیت مجاہدین سے ٹالتے رہے اور ہمیشہ کے رنج و غم میں شریک ہوتے رہے اور خیر خواہی کے حق کو پوری طرح بجا لاتے رہے۔

مولوی محمد بشیر صاحب کی عدم موجودگی میں جمعیت کی خیر خواہی

مجاہدین کی جمعیت مولوی فضل آلہی کے سرحد آزاد میں آنے سے پہلے ایک مسافرانہ حیثیت رکھتی تھی۔ سابق الذکر برطانوی معاہدہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۷ء مطابق ۱۳۳۵ھ کے مطابق

مجاہدین کی اکثر نفری مع سامان اسلحہ وغیرہ ان کے پہنچنے سے پہلے اسمست واپس جا چکی تھی اور مرکز بالکل ختم ہونے کے قریب تھا کہ ناگہاں مولوی فضل آلہی پہنچ گئے اور اسکو برطانوی تحریک کی دستبرد سے محفوظ کر لیا اور نقد سرمایہ اور موجودہ زمانے کے مطابق اسلحہ اور کتب خانہ اور نئی قسم کی عمارتیں اور کام کرنے والے آدمی اور اہل علم اور صاحب فن لوگ اکٹھے کر لیے اور مرکز مذکور کو ایک نئی روح اور دوامی رنگ بخش دیا اور جب تک اس مرکز کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں رہی مرکز مذکور رو بترقی رہا اور مجاہدین کی جماعت سرحد کے رہنے والوں کے دلوں میں نہایت محبوب اور منظور نظر بن گئی۔

اکابر اور عمائد مجاہدین کے بیان کے مطابق جمعیت اور تحریکات جہاد سرحدیہ کی خیر خواہی

اکابر مجاہدین جیسے مولوی عبدالکریم صاحب اور جمعیت چمرکنڈ اور مولوی محمد بشیر صاحب حال وکیل جمعیت مذکورہ و دیگر مجاہدین بونیر و چمرکند کی متواتر شہادتوں کے مطابق جو کہ ہمیں دفعۃً وقتاً فوقتاً ملتے رہے ہیں یہ بات تصدیق ہو چکی ہے کہ گذشتہ پچیس سال کے عرصہ میں سرحد آزاد کے ہر نقطہ اور خطہ میں (کوہستان سیاہ۔ بونیر۔ صوات۔ باجوڑ۔ مہمند۔ تیراہ۔ اور وزیرستان مع جنگہائے ڈکہ افغانستان) جہاں بھی جمعیت مجاہدین نے کوئی اسلام کی خدمت بصورت جہاد وغیرہ سرانجام دی ہے اس میں سب سے زیادہ مالی اور اخلاقی امداد کا حصہ اسی مولوی فضل آلہی کی طرف سے پہنچتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ امیر المجاہدین مولوی نعمت اللہ صاحب شہید علیہ الرحمۃ اور موجودہ امیر المجاہدین بونیر نے بھی بذریعہ تحریر نہایت پرجوش اور پرخلوص الفاظ میں مسمّی مذکور کی خدمات کا اعتراف اور صفت بیان کی ہے۔ ان کی تصدیقی تحریریں بھی ہماری نظر میں آ ئی ہیں۔

تعلیم اور ہمدردی کے رنگ میں اہل سرحد کی خیر خواہی

ہندی مہاجرین میں سے سب سے پہلا شخص جس نے سرحد آزاد کے آدمیوں کو علوم

Marfat.com

تفسیر و حدیث حاصل کرنے کے لیے شوق اور رغبت دلائی اور اقوام سرحد کو اہل ہند کی مصیبتوں میں عملاً غم شریک ہونے کی دعوت دی اور خود ان کی مصیبتوں میں خصوصاً مصائب آفریدی و کوہستان صوات خود اشتراک کیا وہ یہی مولوی فضل الٰہی تھے اور یہ ہمیشہ تعمیری پروگرام کی تعمیل میں کوشاں رہے ہیں اور رہتے ہیں۔

حکومت افغانستان کی خیر خواہی

دولت و ملت افغانستان کی خیر خواہی کے سلسلہ میں جو کچھ مولوی فضل الٰہی نے زمانہ انقلاب سے پہلے اور زمانۂ انقلاب کے دوران اور زمانہ مابعد میں خدمات سرانجام دی ہیں وہ آج کسی کی تصدیق کی محتاج نہیں ہیں۔ صدارت عظمیٰ سے لے کر تمام دوسرے عمائدین دولت تک نے ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور نہایت حوصلہ افزا الفاظ میں انکو تصدیقی سرٹیفکیٹ مرحمت فرمائے ہیں۔

خلاصہ اس طول طویل تحریر اور جرح و تعدیل کا جو کہ مذکور ہوئی خلاصہ یہ ہے کہ مولوی فضل الٰہی ایک کام کرنے والا آدمی ہے ملت کی عمارت کا معمار ہے۔ فتنہ فساد اور تمام قسم کی تکالیف پہنچانے سے دور بھاگنے والا اور کمالات کا جامع اور افغانستان ہندوستان اور سرحد آزاد کا خادم اور خیر خواہ ہے۔ اخلاق و ایثار کا مجسمہ۔ دینی اور عصری علوم کا واقف اور سرحدی لوگوں کے دلوں کا محبوب ہے اس کی یہی خوبیاں اور کمالات اس کے لیے وبال جان اور موجب بربادی ہو گئیں۔ قطعہ

وبال او آمد ہمہ دانش او   چوں روباہ لہ موئے طاؤس را پر
ہنر او عیب شد دگر نہ سرش را   نہ از خاک بلکہ از گوہر بود سے افسر

ہم عصر لیڈروں نے ذاتی خصومت اور گٹ بازی کی وجہ سے اس کی حالت کو بگاڑ کر پیش کرنے میں جو کچھ کوششیں کی ہیں ان کا گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔ لیڈروں کا رویہ شروع سے لے کر آخر تک جذبات حسد و بغض کا آئینہ دار ہے اور جو کچھ ان کے متعلق مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کے قتل کے بارے میں کہا یا لکھا گیا ہے وہ محض ظن اور گمان کی

بنا پر کہا گیا ہے۔ ورنہ کوئی شرعی یا عرفی روشن ثبوت اس کے لیے موجود نہیں ہے لہٰذا ان کی کارگذاری نہ تو فتویٰ کے طریق سے درست ہے اور نہ ہی قاعدۂ عرفی کے مطابق مستحسن ہے۔

دونوں مذکورہ لیڈروں نے سوائے گمان اور ظن کے کوئی چیز ضروری دلائل اور قرینہ سے جو کہ تقین سے آراستہ ہو اور شریعت یا عرف کی ٹکسال میں قبولیت کا حق رکھتی ہو بیان نہیں کی ہے اور نہ ہی ملزم کو صفائی کا حق دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کے فیصلہ یا رویہ کو عدل وانصاف سے تعبیر کرنا صریحاً انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ یقیناً وہ ایک استبدادیت اور ظلم وستم کا مظاہرہ ہے اور بس۔ مولوی فضل الٰہی ہم خادمان شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمام الزامات قتل یا سازش قتل یا جماعت مسلمین کی بدخواہی وغیرہ وغیرہ سے اسلامی قوانین اور وطنی قواعد کے لحاظ سے بالکل پاک ومبّرا ہے اور ہر فرزند وطن اور ملت اسلام کی دلسوزی اور ہمدردی کا انتہا درجہ کا مستحق ہے۔ فقط والسلام۔

جمعیت علمائے دین کی دوسری مجلس منعقدہ مورخہ ۷؍ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ ہجری میں اس مسودہ کو اول سے لے کر آخر تک دوبارہ پڑھا گیا اور جمعیت علمائے دین کے فتوے کے مطابق یہ بالکل درست اور صحیح ہے۔

Marfat.com

درخواست

بحضور آغائے نامدار ع ۔ ع ۔ ص ۔ حاکم اعلیٰ سمت مشرقی

ہم سفید ریشان قوم شنواری کی درخواست اس مضمون پر مشتمل ہے کہ

ہم اگرچہ مردم شماری اور مادی قوت میں مہمند اور صافی کے مقابلہ پر تھوڑے ہیں لیکن میدان شجاعت اور مردانگی اور اپنے وطن کی آزادی اور دولت افغانستان کی خیرخواہی میں بہ نسبت تمام ہمسایہ قبائل کے پیش پیش گنے اور شمار کیے جاتے ہیں نہ صرف دوستوں بلکہ دشمنوں نے بھی اس حقیقت کا کئی بار اقرار کیا ہے۔ ہم خدا اور اس کے رسول اور خاندان شاہی کے بزرگوں کی ارواح جناب کی خدمت میں اور صدر اعظم صاحب کے حضور میں سفارشی لاکر التجا کرتے ہیں کہ اگر ہماری خدمات جو کہ ہم وطن اور دولت کے حق میں ہمیشہ اور ہر زمانہ میں بجا لاتے رہے ہیں منظور نظر شاہانہ ہوں تو ہم ان کا کوئی معاوضہ سوائے اس کے دولت اسلام سے نہیں چاہتے کہ۔

اوّل:۔ یہ کہ مولوی فضل الٰہی صاحب مہاجر کی پریشان حالی پر رحم کیا جائے اور اس کو پہلے کی طرح الطاف شاہانہ سے نوازا جائے کہ مسمّٰی مذکور عرصہ تین سال سے زائد گذر رہا ہے کہ ہم شنواریوں کے علاقہ میں پناہ گزین ہے اور دن رات دولت افغانستان کی خیرخواہی اور بچوں اور قوم کی تعلیم اور غریب غرباء کی اللہ کے لیے خدمت وغیرہ کا شغل رکھتا ہے اور ہمیشہ ہم لوگوں کو دولت اسلام کی دوستی اور وطن کی عزت کی حفاظت اور آزادی قوم کی ترغیب دیتا رہا ہے اور اب بھی دیتا ہے۔ چنانچہ جنگ نادگی کے وقت اس سال بھی مسمّٰی مذکور نے خاص چمرکندی آدمیوں کو اسلحہ اور سامان جنگ سے پوری طرح لیس کر کے امداد کی تھی اور مولوی صاحب مذکور کے وجود سے ہم لوگوں کو بے حساب فائدے پہنچتے ہیں اور پہنچے ہیں چونکہ وہ کچھ ماہ سے قسم قسم کی خانگی بیماریوں اور خارجی عوارضات سے راہ اور اس

کے ساتھی اور اس کے اہل و عیال نہایت درجہ کی پریشانی تک پہنچ چکے ہیں۔ لہذا ہم عرض گذار ہیں کہ اس کے حال پر از راہ مسافر پروری رحم کیا جائے اور مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کے قتل کے سلسلہ میں ہم خدا کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے یقین دلاتے ہیں کہ مولوی فضل الٰہی صاحب مذکور اس گناہ سے بالکل پاک اور بری ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب مرحوم کے خود چیر کند کے رہنے والوں میں سے کافی دشمن تھے۔ جو کہ اس پر عورت کی موت اور خانماں کی تباہی اور بے آبروئی کا بیان سے زیادہ دعوی رکھتے تھے اور ہمیشہ اس کی موت کے لیے کوشش کرتے رہتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

دوسری گذارش یہ ہے کہ ہم شنواری قوم کے لوگوں کے ذرائع معاش نہایت ہی تھوڑے ہیں۔ ہماری تمام تر زمین یا تو پتھریلی ہے اور یا پھر بارانی اس میں پیداوار نہایت کم ہوتی ہے جو کہ مشکل سے ہماری چھ ماہ کی خوراک کے لیے کفایت کرتی ہے بشرطیکہ بارش وقت پر بارش ہو جائے۔ ورنہ برابر بارہ مہینے تلاش معاش کے سلسلہ میں ہمارے سر پر پریشانی اور سرگردانی مسلط رہتی ہے اور عموماً پچھلے چھ ماہ کی روٹی مہیا کرنے کے لیے ہم لوگ اپنے باپ دادا کی طرح محنت مزدوری کرتے ہیں۔ ہمارا عام طور پر پیشہ نمک کی تجارت ہے جو کہ ہم افغانستان کی سرزمین میں لا کر فروخت کرتے ہیں اور بصد مشکل اپنے گذارہ کو پورا کرتے ہیں۔

پرانے زمانہ میں چنگی کا محصول برائے نام تھا اور وہ یقیناً افغانیت اور خویشگی اور ہمسائیگی کے حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ہماری غریبی پر توجہ کرتے ہوئے ہی مقرر کیا گیا ہوگا۔ اس زمانہ میں اس محصول کی مقدار اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ آبائی تجارت کو چھوڑ کر تباہی کی حالت میں آہستہ آہستہ نچلے علاقوں میں ہجرت کر کے جا رہے ہیں۔ جس صورت میں کہ نمک خاص افغانستان کے علاقہ اضلاع کوہاٹ کی پیداوار ہے جو کہ ہم ملت افغانیہ کے لوگوں کی کم ہمتی کی وجہ سے انگریز کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ لہذا افغانی نمک کی تجارت پر محصول بڑھانا حقوق افغانیت کے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔ اگر انگریزی مشینری پر محصول بڑھایا جاتا تو محل اعتراض نہ ہوتا۔ اس

Marfat.com

ناقابل برداشت بوجھ کی موجودگی میں ہم شنواری قوم کے لوگوں کے سر پر چند ایک اخراجات اور دوسرے تاوان وغیرہ بھی ہیں۔

(۱) ناڈگی کے جنگوں کے اخراجات

(۲) موسیٰ خیل اور صافی اور خانزادگوں کے تاوان جو کہ ہر سال ہزار ہا روپے تک پہنچتے ہیں

لہٰذا ہم عرض گذار ہیں کہ ہماری غریبی اور ہمسائیگی اور ہماری افغانیت کو خدا اور رسول کے لیے بلحوظ رکھتے ہوئے پہلے ہی کی طرح محصول مقرر کیا جائے تاکہ ہماری پریشان حالی میں کچھ تخفیف ہو جائے اور ہم لوگ فراغت کے ساتھ خدمت وطن و ملت اور خیر خواہی دولت اسلام میں مشغول ہو سکیں۔

العبد ـــــــ العبد ـــــــ

ملک آزاد خان ولد ملک شبیر زمان خان ساکن چمرکند (۲) ملک شبیر احمد چمرکند۔

العبد ـــــــ العبد ـــــــ

ملک محمد غوث شیخ بہ مہر خود علاقہ شیخ بابا درہ رئیس قوم شنواری دستخط حبیب اللہ بابا

العبد ـــــــ العبد ـــــــ العبد ـــــــ

عبد الغفور بابا احمد ملک اعتبار خان چمرکند ملک شبیر ساکن کوز چمرکند

العبد ـــــــ العبد ـــــــ العبد ـــــــ

ملک زکریا ساکن کوز چمرکند فیض علی بقلم خود سکنہ چمرکند ملک احمد گل ساکن کوز چمرکند

العبد ـــــــ العبد ـــــــ العبد ـــــــ

ملک منور خان ساکن کوز چمرکند ملک میر افضل خان ساکن کوز چمرکند۔ ملک جانس خان

العبد ـــــــ العبد ـــــــ

ساکن کوز چمرکند ملک خان جان ساکن علینگار ملک محمد امین خان ساکن علینگار

العبد ـــــــ العبد ـــــــ العبد ـــــــ

ملک سبیل خان ساکن علینگار ملک امیر جان ساکن علینگار۔ ملک ظریف خان ساکن علینگار

Marfat.com

العبد ——— العبد ——— العبد ———

ملک ہارون خاں ساکن علینگار۔ ملک دلاور خاں ساکن علینگار۔ ملک فردوس خاں ساکن علینگار۔

العبد ——— العبد ———

ملک محبوب ساکن علی نگار۔ ملک سید جان ساکن علی نگار۔ ساکن علینگار۔

العبد ——— العبد ———

مولوی محمد راضی خاں ساکن علی نگار فارغ التحصیل مولوی صاحب پاچہ ساکن علی نگار۔

العبد ——— العبد ———

ملک بلند خاں ملک محمد شاہ ساکن شیخ بابا درہ ہندوستان دار العلوم اجمیر شریف

العبد ——— العبد ———

ملک چاڑا ساکن شیخ بابا درہ ملک میاں سید ساکن شیخ بابا درہ ساکن علی نگار۔

Marfat.com

دولت افغانستان کی خدمت میں

درخواست

ہم فدویان اقوام مہمند و صافی و شنواری و چہار منگ و ماموند اس طرح عرض گذار ہیں کہ:۔

بیس سال کے عرصہ سے فضائل ہمراہ مولوی فضل الٰہی صاحب اس علاقہ میں ہجرت کر کے آئے ہوئے ہیں اور دن رات دولت افغانستان اور قبائل سرحد آزاد کی خدمت میں کوشاں ہیں۔ پہلے کچھ سال تک جمعیت مجاہدین چمرکند کی سربراہی پر بھی فائز رہے ہیں اور وظیفۂ خدمت گذاری کو ادا کرتے رہے ہیں۔ جمعیت کا کام ان کے زمانہ میں رو بہ ترقی تھا۔ جب وہ مستعفی ہو گئے تو اگرچہ جمعیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ لیکن مولوی صاحب مذکور جمعیت کے داخلی امور سے فارغ ہو کر ہمہ تن دولت کی خیرخواہی اور قبائل کی تعمیر میں مصروف ہو گئے لیکن زمانہ کی عادت کو کیا کہا جائے کہ وہ کسی کو بھی اپنے حال پر نہیں چھوڑتا اور شاہ کو بندہ اور بندہ کو سرفگندہ بنا دیتا ہے۔

مولوی صاحب مذکور بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہ رہے چنانچہ اس آخری زمانہ میں مسمّٰی مذکور بعض اہل غرض کی افترا پردازیوں پر قسم قسم کی پریشانی اور سرگردانی سے دوچار ہے۔ اور نہایت تنگی اور تکلیف سے اپنی گذر اوقات کر رہے ہیں ہم اقوام مندرجہ بالا کے سفید ریش اور معتمدین ان کے مصائب اور آلام فوق العادت سے بے حد متاثر ہوئے ہیں۔ اور از راہ خدا ترسی اور ننگ افغانی درخواست کرتے ہیں کہ:۔

شخص مذکور ایک مہاجر ایک عالم دین اور حافظ قرآن اور یگانہ مجسمہ اخلاق اور مصدر افادات وحسنات ہے۔ ہمیشہ دولت اسلام کی دوستی خصوصاً عہد حاضرہ کے لیے کوشش

کرکے دولت علیئہ کی دوستی کی تبلیغ کو نہایت اخلاصمندی اور سرگرمی سے اس حصہ سرحد آزاد کے انتہائی اطراف و اکناف میں قبائل کے کانوں میں پہنچاتے رہتے ہیں اور ان کو دولت کی خیر خواہی پر آمادہ کرتے رہے اور کرتے رہتے ہیں اور ہر بار جب بھی بعض شریر لوگ اس وطن میں کفار بدنہاد کے پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر دولت افغانستان کے خلاف شورش برپا کرتے ہیں تو ان کی ذات فساد کی آگ کو بجھانے کے لیے پوری پوری کوشش کرتی ہے اس کے علاوہ کئی قسم کے فوائد اور منافع مثلاً بچوں کی تعلیم، مدارس اور مکاتب اور مطبع اور اخبار کی تاسیس کہ ان کے آنے سے پہلے کوئی بھی سرحدی آدمیوں میں سے ان چیزوں کے نام سے آشنا نہیں تھا۔ یہ چیزیں اہل سرحد کو انہی کی ذات ستودہ صفات سے حاصل ہو گئیں اور ان کی ترغیب اور تحریک سے ہر جگہ میں مدرسے اور مکتب اس علاقہ میں جاری ہو گئے اور پڑھنے لکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کا شوق ان اطراف و اکناف میں روز بروز اس علاقہ میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے اور وطن کے بچے جو کہ اس سے پہلے آوارہ گردی اور بانسری بجانے کا پیشہ رکھتے تھے اور اپنی جہالت اور بداخلاقی پر فخر کرتے تھے اب ان میں سے اکثر انہی مکاتب اور مدارس کی بدولت تہذیب اور اخلاق سیکھ رہے ہیں اور والدین اور قوم اور ملک کے لیے مفید ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن نہایت افسوس ہے کہ زمانہ کی گردش اور انقلابات سے جو کہ کچھ مدت سے اس کے حال پر رونما ہو چکے ہیں۔ یہ ذات گہرے احسان رکھنے والی خود اور اس کے اہل و عیال اور چند مہاجرین ساتھی نہایت پریشانی اور تلخی سے دولت افغانستان کے پہلو میں جو کہ دین پرور مشہور رہے اپنی زندگی گذار رہے ہیں۔ حالانکہ ان تکالیف اور مصائب و شدائد کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہزارہا شائقین علم اپنی سرحدات آزاد اور خود حکومت افغانستان کے اندر سے سینکڑوں سال سے ہندوستان جاتے ہیں اور ہندوستان کے آدمی کس قدر ان کی ہمدردی اور تعلیم پر اپنا مال و زر خرچ کرتے ہیں اور کس قدر جانفشانی سے ان کی پرورش کرتے ہیں کہ ان کو تشویق کی برکت سے ان میں سے ہر ایک متبحر عالم اور فاضل روزگار ہو کر واپس آ کر اپنے ابنائے وطن کو جہالت کی تاریکی سے باہر نکالتا ہے اور اسی طرح ہزارہا آدمی اپنی بے علاجی

Marfat.com

اور مفلسی کی وجہ سے ہر سال تلاش معاش کے لیے اس ملک میں جاتے ہیں اور ہندوستان والے ازراہ کمال شفقت و ہمدردی افغانی آدمیوں کی اپنی آغوش میں تربیت کرتے ہیں اور ان کے لیے ذرائع معاش مہیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے اکثر سرمایہ بے حساب جمع کر کے اپنے وطن کو واپسی کرتے ہیں اور اہل وطن کو اپنے روپے سے مدد دیتے ہیں غرض ہندوستانی آدمیوں سے بے حساب فوائد کیا مادی اور کیا اخلاقی ملت افغانیہ کو ہمیشہ پہنچتے رہتے ہیں۔

اللہ اللہ! کیا یہ انصاف کی جگہ ہے کہ اس قدر احسانات اور مہربانیوں کے مقابلہ میں ملت افغانی کی طرف سے ایک شخص عالم۔ فاضل مہاجر اور مجاہد فی سبیل اللہ کو اس قدر تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچ رہی ہیں کہ ان کے بیان سے قلم کا جگر پاش پاش ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے وطن کی راہ میں اپنے تمام مال و اسباب کو کفار کے ہاتھ میں برباد کر کے محض دولت افغانستان کی سرپرستی کی امید پر سرحدات آزاد میں کہ وہ بھی دولت افغانستان کا ایک جزو ہے آ کر پناہ لی ہے اور دن رات دولت افغانستان کی خیر خواہی اور قبائل کی تعمیر اور ان کی آزادی کی حفاظت میں مصروف ہے۔

قطع نظر اس کی سابقہ خدمات کے فقط نادگی کے معرکہ میں مسمیٰ مذکور نے تین رائفلیں معہ کارتوس احرار کی حمایت میں دن رات وقف کر رکھی ہیں۔ بہر تقدیر اس قسم کا آدمی اور صاحب ایثار جو کہ دولت اور سرحد آزاد کا حقیقی خیر خواہ ہو۔ دولت اسلام کے پہلو میں اگر اتنی مصیبتوں اور سرگردانیوں میں گرفتار ہو اور کوئی توجہ اس کے حال پر اور اس کے ساتھیوں کے حال پر مبذول نہ کی جائے تو یقیناً یہ شاہانہ الطاف اور کرم سے بعید ہوگا۔ اور ملت افغانیہ کی پیشانی پر ایک بدنما داغ رہ جائے گا۔

اگر کوئی آدمی مولوی محمد بشیر صاحب کے قتل کا الزام اس پر عائد کرتا ہے تو یہ محض سینہ زوری اور افترا پردازی ہے اس لیے کہ اس کا قاتل ایک معلوم اور مقر شخص ہے جس نے ہر مجلس اور اجتماع عام میں علی الاعلان کہا ہے کہ میں نے اپنے بھائی کا بدلہ لالی خان چمرکندی کے ذریعہ مولوی محمد بشیر کو قتل کر کے لے لیا ہے اور قرآن پاک میں آیا ہے

کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ کس طرح اس کو ایک دوسرے آدمی کے عوض پکڑتے ہیں اور ہم لوگ پوری واقفیت رکھتے ہیں کہ مولوی صاحب مذکور اس تہمت سے اور ان تمام دوسرے الزامات سے جو کہ ان پر چسپاں کیے گئے ہیں پاک اور بری الذمہ ہیں۔ کسی نے بھی اس کے برخلاف اس چالیس ماہ کے عرصہ میں ایک بھی شرعی اور عرفی شہادت مہیا نہیں کی ہے۔ خدانخواستہ اگر ہماری دولت اسلام مسمیٰ مذکور کے غرض پرستوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کہ یا کسی دوسری وجہ سے جو کہ ہم کو معلوم نہ ہو آزردہ خاطر ہو تو ہم مسمیٰ مذکور کی طرف سے صدق دل سے معافی کے خواستگار ہیں اس لیے کہ اس کی اور اس کے عیال اور مہاجرین و مسافرین ساتھیوں کی پریشانی اور سرگردانی کو ہم تمام ملت افغانی کے لیے موجب ننگ اور باعث شرم سمجھتے ہیں۔ یہ مسئلہ اس وجہ سے بھی ملت افغانیہ کی توجہ کا مستحق ہے کہ مولوی صاحب مذکور کے لیے اب یہ ممکن ہی نہیں رہا ہے کہ اپنی ذات کو بونیر کے مرکز کے ساتھ جیسا کہ مرکز کی خواہش بھی ہے وابستہ کر سکیں اور اپنے معاملہ کو آپس میں سلجھا سکیں۔ کیونکہ سلطان خیل اور پایندہ خیل قوموں کی شورش کے وقت ۱۳۵۱ھ سے ان کا داخلہ حدود ریاست جندول اور بونیر میں پولیٹیکل ایجنٹ مالاکنڈ اور نواب دیر کے حکم سے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لہذا مسمیٰ مذکور کے لیے دولت اسلام کے سوا اور کوئی پناہ کی جگہ نہیں رہی ہے۔

پس ہم قبائل آزاد کے سفید ریش اور نمایندگان دولت افغانستان سے خود ملتجی ہیں کہ از راہ دین پروری و مسافر نوازی اور عام عفو اور معافی کی بنا پر مشار الیہ کو شاہانہ مہربانیوں سے نوازا جائے اور اس کو مثل سابق تربیت اور نوازش کی آغوش میں لے کر خدمتگزاری کا موقعہ مرحمت فرمایا جائے

ہندوستانی مہاجر دعاگوئے دولت افغانستان فضل الٰہی عفی عنہ کی ایک مؤدبانہ

درخواست

بحضور

قائد اعظم ملت اسلام - والاحضرت ع - ج - ا - آقائے محترم صدر اعظم صاحب دولت افغانستان مدظلہ -

بذریعہ

ع - ج - ا - ا - المرنشان - وزیر صاحب جنگ وسیاست در ع - ص - سردار معظم محمد قاسم خان حاکم سمت مشرقی -

مندرجہ ذیل بیان کے مطابق ہے

اے والاحضرت ! اگرچہ نفس الامر میں بات نیک اور مفید ہو لیکن قائل کی آلودگی کے سبب سے صفائی کا نتیجہ نہیں پیدا کرتی - کہ کہا ہے ؎

دامن آلودہ اگر خود ہمہ حکمت گوید　　بسخن گفتن نہ بپاش بداں بدنشنوند
وانکہ پاکیزہ دل ست بنشیند خاموش　　ہمہ از سیرت صافیش نصیحت شنوند

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بعض غرض پرستوں کی کوشش اور خود اس بندۂ نابکار کی بد قسمتی سے حکومت کے نزدیک میرا وہ مقام نہیں ہے کہ میرا کوئی مشورہ اگرچہ وہ مخلصانہ اور وزن دار ہی کیوں نہ ہو کوئی تاثیر پیدا کر سکے لیکن دولت اسلام کے دامن کو تھامنے والوں کا یہ فرض ہے کہ عرض و معروض سے کسی وقت بھی اپنی زبان بند نہ کریں خواہ وہ شرف قبولیت حاصل کر سکے یا نہ کر سکے -

---

Marfat.com

مرکز چمرقند اور حکومت افغانستان

والاحضرت! فردوس مکانی مولوی محمد بشیر خاں صاحب شہید مرحوم نے شوق کے گوشہ میں بیٹھنے والوں کے دلوں پر اپنی جدائی کا داغ رکھا اور جمعیت مجاہدین چمرکند کو ایک ایسی حالت میں جو بالکل ایک یتیمی کی حالت سے ملتی جلتی ہے۔ محض سرپرستی دولت اسلام کی امید پر چھوڑ کر اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ نہیں نہیں بلکہ اس مرکز کی بنیاد کو بھی فقط دولت مذکورہ کے غیر محدود فیوض پر رکھی تھی۔ اور جبتک وہ عالم ملکوت کا مسافر زندہ تھا مرکز مذکورہ کی فقط حکومت افغانستان کی امداد کے ذریعہ تربیت کرتا تھا اور لیس اور اخلاص مندی کے جوش کے سبب جو کہ دولت اسلام کے ساتھ تھا ہے وسیلہ مہاجروں کے دل دولت مذکورہ کے احسانات سے اس درجہ بھرے ہوئے تھے کہ ان لوگوں نے اس مرحوم کی پیروی کرتے ہوئے پوری بے نیازی کا اظہار کر دیا تھا اور اس بے حساب مالی امداد سے جو کہ مادر ہند سے براہ راست زمانہ استقلال اور حریت مرکز چمرکند میں ان کو پہنچتی تھی یہاں تک کہ مسلمانوں کے درمیان اتفاق اور اتحاد کے خیال سے ان لوگوں نے اپنے آپ کو مرکز اسمست دیوبند سے اپنے آپ کو مربوط کر لیا۔

والاحضرت! ابھی مولوی صاحب مرحوم کی شہادت کے واقعہ کا زخم مندمل بھی نہیں ہوا تھا کہ اچانک یہ حوصلہ شکن آواز کانوں میں پہنچنے لگی کہ مرکز مذکور حکومت کی سرپرستی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس ہمیشہ کے تعلق کے منقطع ہو جانے پر جو کہ درانی حکومت کے ابتدا ہی سے جمعیت مجاہدین ہندی کے ساتھ نسلاً بعد نسل جاری تھا اور ہمیشہ رو بترقی چلا آتا تھا میں جتنا بھی خون جگر پیوں جائز ہے۔ قلم کی زبان میرے دردمند دل کے جذبات کو کبھی ادا نہیں کر سکتی ؎

شرح ایں غم چہ نویسم کہ قلم می شکند　　وصف ایں حال چہ گویم کہ زباں می سوزد

کیونکہ اسلامی حکومت کے سایہ سے جو کہ اس دنیا میں خداوندی سایہ ہوتا ہے محروم

Marfat.com

ہونا ہماری بدبختی کی ایک صریح دلیل ہے۔ پس اس بدبختی پہ جتنا بھی ہم افسوس اور دکھ اٹھائیں ہمارے حال کے موافق ہے۔

ناشائستہ حرکتوں کا تقاضہ

والاحضرت! دشمنی کے اوضاع کا تقاضا ہے کہ جمعیت مذکور اپنی کوتاہ اندیشی سے محض غرض پرستوں کا آلۂ کار بن کر ایک اپنے پرانے جاں نثار خادم کی بربادی اور مجھ جیسے ضعیف العمر آدمی کے اہل وعیال کی بے آبروئی کے متعلق جو اختیار کر رکھا تھا یہ تھا کہ میں بھی ان کی پریشانی روزگار اور ان کی جمعیت کے شیرازہ کو بکھرتا ہوا اطمینان کی نظر سے دیکھتا رہتا۔ لیکن علوم آسمانی جو مجھ بندۂ ذلیل اور بے مقدار کے سینہ میں محفوظ ہیں اور اس کے علاوہ اسلام کے عمومی مصالح کی رعایت حکومت برطانیہ کے مقابلہ میں نہ صرف یہ کہ اس امر سے مانع ہے بلکہ اس امر پر بھی آمادہ کرتی ہے کہ ہزار منت اور زاری سے بھی دولت بہیہ کی توجہ کو جمعیت کی امداد کی طرف مبذول کردں۔ کیونکہ جمعیت جمرکتد کی پراگندگی سے خدا ورسول کا دشمن (برطانیہ) بہت خوش اور مطمئن ہوگا اور اس کے علاوہ دوسرے بھی بے شمار بدنتائج کو مستلزم ہوگا کہ ان کی شرح کی اس مختصر سے کاغذ میں گنجائش نہیں ہے۔

والاحضرت صدارت پناہ کا نظریہ

اگر میرا حافظہ خراب نہیں ہو چکا ہے تو میں والاحضرت اس صدارت پناہی کے نظریہ کو جو کہ مجاہدین کی امداد کے متعلق انھوں نے ایک خاص مجلس ارگ شاہی میں شمالی برج میں بیٹھ کر اس میں خود راقم الحروف بھی ع۔ ج وزیر صاحب خارجہ حاجی الحرمین سردار فیض محمد خاں اور مولانا منصور اور مولوی محمد حسن خاں کے ہمراہ شامل تھا۔ مولوی صاحب شہید مرحوم کو مخاطب کر کے ظاہر فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ۔

"حکومت کسی خدمت کی امید پر یہ وظیفہ (ہمیشہ کی تنخواہ) نہیں دیتی بلکہ اسلاف کرام رحمہم اللہ کی ارواح کا صدقہ ہے"۔

والاحضرت! اگر یہ نظریہ صحیح تھا اور یقیناً صحیح ہے تو آپ کی مہاجر پروری اور مسافر نوازی کے اخلاق سے امید ہے کہ آپ مالی امداد کو بدستور سابق چمرقند کے مرکز کے حال پر جاری رکھیں گے۔ کیونکہ مرکز مذکور پر جب سے یہ اسمس کے مرکز کے ساتھ مربوط ہوا ہے ہندوستان کی طرف سے امداد کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے اور اسمست کی طرف سے بھی اتنی امداد نہیں پہنچتی کہ ان کا خاطر خواہ گذارا ہو سکے۔ ان مایوس کن حالات کی موجودگی میں اگر دولت بہیہ افغانستان بھی اپنا شفقت کا ہاتھ ان کے سر سے چھوٹا کر لے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

سلاطین کشور کشا اور ملوک جہاں آرا کی عادات سے یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی رحمت اور مہربانیوں کی نگاہوں کو فقیروں کے حال پر ڈالتے رہتے ہیں اور اللہ کے دروازہ پر بیٹھنے والوں کو اپنے دم قدم سے نوازتے اور پرورش کرتے رہتے ہیں اور اس کو اخلاق عالیہ کا ایک حصہ سمجھتے ہیں ؎

نظر کردن بدرویشاں بزرگی را بیفزائد سلیماں باہمہ حشمت نظرہا بود بامور ش

کوئی ڈر نہیں ہے اگر مجھ کو اس وظیفہ سے حصہ ملے یا نہ ملے۔ میرے نزدیک مرکز مذکور کا حکومت افغانستان کے زیر سایہ مثل سابق اس زمانہ میں بھی باقی رہنا حکومت کی نیکنامی کا باعث اور غریب پروری کے اخلاق کو مستلزم ہے اس دعاگو کا مخلصانہ مشورہ یہی تھا جو کہ میں نے عرض کر دیا۔ آیندہ اختیار حکومت کے ہاتھ میں ہے میرے غمگین دل کی تسلی کے لیے تو یوسفی نمونہ کافی ووافی ہے۔

تعمیری پروگرام

اگر حکومت کے پیش نظر سرحد آزاد کے متعلق کوئی تعمیری پروگرام ہو تو میں اپنی خدمات کو حکومت کے حضور اعزازاً (بے تنخواہ) پیش کرتا ہوں اور عرض گذار ہوں کہ ہماری حکومت ایسے لوگوں کی تربیت پر بے حساب روپیہ خرچ کر چکی ہے کہ ان کے ہاتھ سے خلاف توقعات دولت وملت افغانستان اور سرحد آزاد کو سوائے ضرر اور نقصان کے کوئی فائدہ اسکی تعمیر

اور اس کے قویٰ کی تنظیم میں نہیں پہنچا ہے۔ اور ان کا نقصان اور ضرر اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی تلافی ناممکن ہے۔ اگر تھوڑی سی توجہ اس فقیر حقیر اور ذرہ بے مقدار کے حال پر ملتفت ہو جائے تو کیا تعجب ہے کہ سرحد کی تعمیر کے پروگرام میں کوئی ادنی سی خدمت بجا لاسکے جو کہ حکومت اور سرحد کی تقویت کا باعث ہو۔ کیونکہ جو آدمی کہ شاہ اسلام کی توجہ اس کے حال کی رفیق ہو۔ اس کی بلندی کا سر ستاروں کی بلندی سے بھی اونچا ہو جاتا ہے اور جو آدمی اس شرف سے محروم ہو جائے اس کی قسمت کا ستارہ گمنامی کی پستی اور گہرائی میں جا پڑتا ہے اور اس کے لیے آسان ترین کام کرنا بھی پہاڑ اکھاڑنے اور دودھ کی نہر بہانے کے برابر ہو جاتا ہے۔ اگر امیر المسلمین کے لطف کی نسیم شورستان پر چلے تو اس کو رشک گلستان ارم بنا دے اور اگر اس کے قہر کی بجلی کسی پر گرے تو اس کے سو سالہ اعتبار اور اقتدار کے خرمن کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالے۔

Marfat.com

مورخہ یکم رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۴ھ — از چمرکنڈ سرحد آزاد

نقل مکتوب عـ ۱۱۶۱ یکم رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۴ مطابق دسمبر سنہ ۱۹۳۵ء

دین و دولت کے خادم کا

ایک عریضہ

بحضور

ع۔ ص۔ محترم آقا۔ سردار محمد قاسم خاں حاکم اعلیٰ سمت مشرقی اعلی اللہ مراتبہ

اس طرح پر ہے کہ:۔

وہ اخلاصمندی جو یہ خدا کا بندہ دولت افغانستان اور خاندان ذی شان اعلیٰ حضرت شاہ شہید علیہ الرحمۃ رکھتا ہے ان خدمات سے جو زمانۂ انقلاب میں اور اس کے بعد اس دم تک بجا لاتا رہا ہے۔ سردار معظم کی ذات گرامی سے مخفی نہیں ہے۔ والاحضرت صدر اعظم اور دوسرے اراکین حکومت اس حقیقت کی کئی بار تصدیق فرما چکے ہیں اور ہر ایک نے ان میں سے مجھ کو رضامندی اور خوشنودی کے سرٹیفکیٹ عطا فرمائے ہیں اور حال یہ ہے کہ اس خادم اور حکومت افغانستان کے درمیان کوئی بھی لینے دینے کا معاملہ نہ رہا ہے نہ اب ہے یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ دولت مذکورہ کے ساتھ میرا تعلق محض خدا تعالیٰ کے لیے ہے اس میں کوئی کسی قسم کی شخصی غرض نہیں ہے۔

سیاسی عقائد

میرے سیاسی عقاید مذہب حقہ اسلام کی بنیاد پر مبنی ہیں کہ جن پر رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغام ضامن ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن امت مرحومہ کو دیا تھا اور وہ یہ ہے کہ:۔

Marfat.com

الدین النصیحۃ - الدین النصیحۃ - قالوالمن یارسول اللہ ؟ قال للہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین (بخاری)

یعنی دین اسلام صرف خیرخواہی کا نام ہے - دین اسلام فقط خیرخواہی کا نام ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ کس کی خیرخواہی تو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالے اور اس کے رسول اور شاہان اسلام کی خیرخواہی -

اسی مضمون کی تائید قرآن مجید نے بھی کی ہے - جب تک میرے جسم میں زندگی کا پانی جاری ہے اس سچے عقیدہ میں سر مو فرق نہیں آئے گا - خواہ حکومت شاہانہ نوازشات سے سرفراز کرے یا خدانخواستہ مورد خطاب وعتاب میں لے آئے دونوں برابر ہیں وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ؎

من نہ آنم کہ سر از خط وفا بر دارم گرچہ سازند جدا چوں قلمم سر ز بدن

علاوہ ازیں مسلمانان ہند پر بیک وقت دو مہیب دشمن مسلط ہیں ایک سیاسی اور دوسرا اقتصادی - سیاسی دشمن سے مراد انگریز ہے اور اقتصادی ہندو بیت پرست قوم کے سرمایہ دار لوگ - ہندوستان کے مسلمان اس کتاب کی طرح جو شکنجے میں جکڑی ہوئی ہو ان دونوں دشمنوں کے آہنی پنجہ میں بندھے ہوئے ہیں اور جان کنی کی حالت میں ہیں - انگریز حکومت کے زیر سایہ ان کی اقتصادی نجات ہندو سرمایہ داروں کے ہاتھ سے ناممکن ہے - انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہندو اور مسلمان کا اتحاد لازمی ہے - لہذا ہندوستان کی مسلمان امت مجبور ہے کہ اپنا کوئی دستگیر اور فریادرس اپنے ہاتھ میں رکھے یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے صحیح مسلمان دل کی پوری گہرائیوں سے اس چیز کے خواہشمند ہیں کہ ان کی ہمسایہ حکومت افغانستان اور قبائل آزاد اس درجہ کے طاقتور ہوں کہ موزوں وقت پر ان کی مدد سے وہ دونوں مندرجہ بالا دشمنوں سے نجات حاصل کرسکیں۔

دشمنوں کی کوشش فساد

چونکہ حسد کرنے والوں اور شعبدہ باز چغل خوروں سے کبھی دنیا خالی نہیں رہی ہے - ہر

لحظہ کوئی نیا افسانہ تراشتے ہیں اور ہر وقت کوئی نیا خطرہ بنا کر سامنے لاتے ہیں اور مخلصوں کو تہمت کے میدان میں لے آتے ہیں اور ذاتی خیانت کو امانت کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں اس شقاوت پژوہ گروہ کی کوششوں سے بہت سے بے گناہ لوگ مصیبت کے بھنور میں گرفتار ہیں۔ بڑا اچھا کہا گیا ہے ؎

بے گناہ دل شکستہ در زندان　　　مجرم از دور خرم و خندان

صدارت مآب مدظلہ اور شاہ شہید علیہ الرحمۃ نے اسی مندرجہ بالا سچے عقیدہ کی وجہ سے میری خدمتگذاریوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا۔ مگر بعض وجاہت پرست اور خود غرض آدمیوں نے کہ جن کی زندگی کی تعمیر کا راز دوسروں کی تخریب پر مبنی ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے سوا کوئی بھی نیک نامی اور کارگذاری سے سرحد آزاد میں یاد کیا جائے اور دولت اسلام کی نگاہ میں اعتبار حاصل کرے۔

اور اس دعا گو کو مختلف قسم کے الزامات بے بنیاد سے متہم کیا اور اس قسم کے واقعات کو میری طرف منسوب کیا کہ مجھ کو ان سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اور روپے پیسے اور حکومتی اقتدار کے ذریعہ جو کہ ان کو حاصل ہے سرحد کے نامہ نگاروں کو اپنی طرح بنا کر میرے خلاف پروپیگنڈا کیا اور مجھ کو حکومت کا بدخواہ اور دشمن مشہور کر دیا تاکہ حکومت سے میرے تعلقات منقطع ہو جائیں اور میں سرحد آزاد میں ساقط الاعتبار ہو جاؤں۔ چنانچہ پہلے غلام دستگیر خاں المعروف صاحبزادہ محمد اسلم خاں باچہ کے مسئلہ میں ان لوگوں نے یہی شیوہ اختیار کیا کہ حکومت کو ایک تنکے کا پہاڑ بنا کر دکھایا۔ ایک طرف تو مجھ کو روحانی صدمہ پہنچایا اور دوسری طرف حکومت کو اس قسم کے نقصانات اخلاقی و مادی پہنچائے کہ ان کی تلافی کے لیے ایک زمانہ کی ضرورت ہے۔ حالانکہ مسمیٰ مذکور اس سے زیادہ نہیں تھا کہ میں نے بذریعہ مکتوب ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷ مورخہ ۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۲ھ کو صدارت عظمیٰ (وزیر اعظم) وزارت جنگ اور اعلیٰ حکومت کو خبر دی تھی۔ لیکن حکومت کو اس وقت اعتبار آیا کہ جب مسمیٰ مذکور خود کابل کے مرکز میں حاضر ہوا۔

اور ان آخری دنوں میں پھر اس دعا گو کو فردوس مکانی مولوی محمد بشیر خاں شہید مرحوم

Marfat.com

کے قتل سے متہم کیا اور اپنے اعمال نامہ کو سیاہ کیا اور اس سلسلہ میں شرعی اور عرفی تحقیق کو بالکل ملحوظ نہ رکھا اور اپنی ہوا پرستی اور اخلاق سوزی کا دنیا کو ایک تازہ ثبوت دیدیا اور اپنے انتقام اور کینہ کی آتش کو اس ذریعہ سے بجھانا چاہا۔ فالی اللہ المشتکی۔ میری سچائی اور واقعۂ قتل مذکور سے میری بے قصوری اور دیگر الزامات سے میری بریت محض اللہ تعالےٰ کی غیبی تائید سے آفتاب عالمتاب کی روشنی کی طرح ان علاقوں میں چھوٹے بڑے سب کو معلوم ہو گئی اور میرے متعلق اس علاقہ کی ہمدردی دو چند سہ چند بڑھ گئی اور وہ وقت کچھ دور نہیں ہے کہ اراکین دولت بھی اس حقیقت کا اقرار کریں گے۔ دولت اسلام نے اس حادثۂ جانکاہ کے متعلق چند بار پیشتر راقم الحروف کو اور مولوی صاحب مرحوم کو بھی علیحدہ علیحدہ متواتر اطلاع دی تھی (مکتوب نمبر $\frac{۲۹۵}{۲۱۸}$ مورخہ ۲۲ ثور ۱۳۱۳ دائرہ ارکان شعبہ نمبر ۲ فرقہ قوماندانی مشرقی اور مکتوب ۳۷ مورخہ ۲۱ ثور اور ۱۱۴۳ مورخہ ۲۶ ثور ۱۳۱۳ و دائرۂ تحریرات حکومت کلان (مسکلی) میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں) یہ خدا کا بندہ بھی اس وقت سے لیکر اس دم تک چار مرتبہ خونخوار دشمنوں کے زیر نشانہ آچکا ہے۔ یہ محض خدا تعالےٰ کا احسان تھا کہ میں محفوظ رہا۔

دولتِ اسلام کے ساتھ تعلقات کی شدت کی ضرورت

جبکہ اسلامی حکومت مسلمانوں کے لیے اس دنیا میں حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان السلطان ظل اللہ فی الارض۔ الحدیث رواہ البیہقی فی شعب الاسلام عن ابن عمر) آسمانی برکات کا منبع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شاہ اسلام کی عنایت سے محروم ہوا وہ فی الحقیقت خداوند تعالیٰ کی رحمت سے بے نصیب ہوتا ہے۔ پس ہر فرزند اسلام کا یہ وظیفہ ہے کہ دولت اسلام کے ساتھ اپنے تعلقات مخلصانہ اور پائیدار رکھے۔ میرا مقصد اسی نظریہ کو اس وقت ثابت کرنا ہے۔ میرے ہم عصر جتنا بھی زیادہ میری رقابت اور عداوت کی بنا پر مجھ کو اس مقدس مقصد کے حصول سے روکنے کی کوشش کرینگے میرے مجاہدہ کی رفتار اتنی ہی زیادہ تیز ہوتی چلی جائے گی تاکہ میں اپنے

خالق کے پاس اجر پا سکوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ؎

تا دامن کفن نہ کشیم زیر پائے خاک — باور مکن کہ دست ز دامن بدارمت

معذرت

خدانخواستہ اگر مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو جو کہ آپ کی طبیعت کے خلاف ہو اور اس بندہ کو کہ خدا اور رسول و اولی الامر کی رضامندی کا متلاشی ہے قیمتی حکومت کی نگاہ میں محل خطاب و عتاب میں لے آئی ہو تو اس غلطی کے لیے سب سے پہلے میں اپنے خالق سے معافی کی درخواست کرتا ہوں اور پھر ندامت اور خجالت کا سر دولت اسلام کی چوکھٹ پر رگڑتے ہوئے بصد منت و زاری معافی چاہوں گا۔ شاہاں عالی ہمت کے اخلاق سے یہ بھی ہے کہ ہمیشہ نالائق آدمیوں کے عذر کو شرف قبول عطا فرماتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کے گناہ کے صحیفہ کو پانی سے دھو دیتے ہیں بلکہ شاہانہ تقربات اور ہدایا اور تشریفات سے زیادہ سے زیادہ نوازتے ہیں۔

مہاجرین فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں خداوند تعالیٰ کا خاص ارشاد

اگر اس موقع پر خداوندی ارشاد کو جو مہاجرین فی سبیل اللہ کی حمایت کے سلسلہ میں ہر ذی اقتدار اور ذی اختیار آدمی کے لیے سورہ نور میں زیر آیت ۲۲ میں خاص طور پر وارد ہوا ہے جناب کی خدمت میں پیش کروں تو یقیناً یہ بے محل نہ ہو گا۔

ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربیٰ والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللہ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم

معتبر مفسرین نے اس آیت کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت مسطح جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھانجے تھے نے کچھ دوسرے مہاجرین صحابہ کرام کے ہمراہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت کے متعلق دشمنان رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم اور منافقوں کی دیکھا دیکھی کچھ گفتگو کی۔ مہاجرین کی اس

Marfat.com

جماعت کی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے مال سے تربیت کرتے تھے۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر ان سے بائیکاٹ کر لیا اور دست شفقت کو کوتاہ کر دیا تو اللہ تعالے نے ان کے اس سلسلہ میں یہ آیت نازل فرمائی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ کسی حال میں بھی اپنے لطف و کرم کو مہاجرین سے کم نہیں کریں گے۔

مؤدبانہ التجاء

اس سردار معظم کے کریمانہ اخلاق سے امید ہے جو کہ دل کی پوری گہرائیوں سے مذہب مقدس اسلام کے فدائی ہیں اور خود مجھ کو شخصی طور پر بھی جانتے ہیں کہ میرے مسئلہ میں مندرجہ بالا ارشاد خداوندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے اثر و رسوخ کو پوری طرح کام میں لاکر اس بندۂ سرفگندہ کے تعلقات کو دولت اسلام سے از سر نو تازہ اور مضبوط کر کے مجھ کو اور میرے اہل و عیال کو اس ضعیف العمری اور غریب الوطنی میں اپنے ہمیشہ کے احسان کا ساتھی بنا دیں اور اگر ضرورت ہو تو اسی درخواست کو والاحضرت صدر اعظم صاحب کی خدمت میں اپنی سفارش کے ہمراہ پہنچا دیں۔ وہ تعلقات جو والاحضرت صدارت مآب اور اس ستم رسیدۂ روزگار کے درمیان تھے وہ اس طرح کے تو نہیں تھے کہ کسی خود غرض کی کوشش سے اس میں استرخاء (ڈھیلا پن) اور شکست کی گنجائش پیدا ہو سکتی۔ لیکن تقدیر کی لکھی کو کیا کیا جائے۔ جف القلم وبما انت لاق تمام حوادث اور مصائب میں میری زندگی کا وظیفہ ہے

نیست در قانون حکمت ضعف قسمت را علاج ۔۔۔ طشت فکر بوعلی این جا بام افتادہ است

میں نے اس مکتوب کی تحریر کے لیے رمضان المبارک کے مہینے کا انتخاب کیا تھا اور اس کے انتظار میں دن اور رات کو ایک ایک سال کی طرح بسر کیا۔ الحمد للہ کہ اس مبارک مہینہ کو میں نے اپنی زندگی کی قید میں پا لیا۔ اس مہینہ میں گنہگار اور عاصی بندوں پر اللہ تعالی کی طرف سے معافی اور رحمت کا نزول بے حساب ہوتا ہے۔ امید ہے کہ دولت علیہ بھی اپنی معافی کو اپنی دولت علیہ کے ارکین یا تمکین کے حال پر غیر محدود طور پر ارزانی فرمائے گی۔

فقیر الی اللہ فضل الٰہی عفی عنہ

Marfat.com

صدارتِ عظمیٰ

کی مہربان بارگاہ میں میں عرض گذار ہوں کہ

عابد اور معبود کے درمیان تعلق

وہ چیز جو معبود دو جہاں کی بارگاہ میں قابلِ قبولیت ہے وہ ہر زمانہ اور ہر عصر کے صحیح الوجدان تمام فیلسوفوں کے نزدیک جو صدق اور تحقیق کے بعد ثابت ہوئی ہے وہ صرف یہی چیز ہے کہ آدمی عذر تقصیر کرے۔ بندہ اپنی غلطی سے خبر رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو گناہ اس سے صادر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو انسان کی عبودیت کیشی اور شانِ بندگی کا تقاضا فقط یہی ہے کہ بہرحال اور ہر آن اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تقدس اور کبریا کے مقابلہ میں ایک گنہگار ناقابلِ معافی اور مجسمۂ تقصیرات سمجھے اور ہمیشہ نیازمندی اور عاجزی کا اظہار کرتا رہے کہ انسان ضعیف البنیان وہ خدمت جو اس کی شانِ عظمت وجلال کے لائق ہو کب بجا لاسکتا ہے۔ پس اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے عاجز بندوں کے ہاتھ میں اس سے بہتر کوئی وسیلہ اور حیلہ نہیں ہے ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش　　عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش　　کس نتواند کہ بجا آورد

الوہیت کا مظہر اور ظل خداوندی کا تاج

دستِ قدرت نے بمصداق حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ خلق آدم علی صورتہ اکثر اوصاف الوہیت کی مظہریت کا تاج اسی انسان کے سر پر رکھا ہے اور آیت وافی ہدایت کے مطابق کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے وَفَضَّلْنَا

بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ انسانی طبقات کے درمیان بلحاظ قوت وشوکت مدارج ومراتب فوقیت وافضلیت قائم کرکے اس سلسلہ کو باحشمت بادشاہوں کی ذات پر ختم کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان وحی ترجمان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنس انسانی کو ظل اللہ فی الارض (زمین میں خدا کا سایہ) کے خطاب سے یاد کیا ہے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

شاہی خدا تعالےٰ کا خاص عطیہ ہے

از قسمت بندگی و شاہی — دولت تو دہی بہر کہ خواہی
توفیق تو گر نہ راہ نماید — ایں راہ بہ عقل کے کشاید

نوع انسانی میں سے سینکڑوں افراد ہر وطن اور ہر مملکت میں دیکھے اور سنے جاتے ہوں گے کہ یہ لحاظ عقل وفکر، شجاعت اور کفایت کے اپنے زمانہ میں افلاطون اور اسفندیار کے مثیل اور ہم پلہ ہوں گے۔ لیکن سلطنت اور عزت ازلی عنایت اور لم یزلی موافقت ہی سے ہے اور عام حصہ نہیں ہے ؎

تخت ودولت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قانون قدرت کے لحاظ سے بادشاہوں کا افضل ترین خُلق

مندرجہ بالا قانون فطرت کی شہادت اس پر دلالت کرتی ہے کہ شاہان باقتدار کے اعلیٰ ترین اخلاق میں سے یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے اخلاق کی اتباع میں کہ (وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ) آیت (ان رحمتی سبقت غضبی) حدیث۔ عفو کو سزا پر ترجیح دیتے ہیں اور گناہ بخشانے والوں کی درخواست اور عذر کرنے والوں کے عذر کو بڑی فراخ دلی اور پوری خندہ پیشانی سے قبول فرماتے ہیں تا کہ ظل اللہ کے معانی ان کے وجود میں ثابت ہوں اور درگذر اور معاف کر دینے میں اس طرح لذت پاتے ہیں کہ تمام جسمانی اور روحانی لذتیں اس لذت کے مقابلہ میں ان کو حقیر معلوم ہوتی ہیں اور اپنے مزید لطف اور شاہانہ عنایت سے خطا کی یاد کو بھی خطاکار کے سینہ کے صفحہ سے مٹا دیتے ہیں۔

آخری معذرت

پس عذر خواہوں کو قبول کر لینا اور عفو اور احسان کا اس بندۂ سرفگندہ فضل الٰہی اور اس کے اہل و عیال اور متعلقین کے حال پر خرچ کرنا اور پھر ان بڑھاپے کے دنوں میں اور ان غریب الوطنی اور بے کسی کے ایام میں اچھی خصلتوں والے اور گہرے احسان والے آقا نے محترم سردار محمد ہاشم خاں صدر اعظم دولت افغانستان بالقابہ کی جانب سے نہایت متوقع اور ان کی شاہانہ شان کے لائق ہے کہ اس صدارت پناہ کے نعمت بے پناہ کے دستر خوان سے ہر سرحدی آدمی اگرچہ اس نے کوئی خدمت نہ کی ہو اپنی حیثیت اور حوصلہ کے مطابق نوالہ کھاتا ہے اور کھاتا رہے گا۔ اگر ایک مظلوم و جفاکش بے زور و بے زر وہی فضل الٰہی بدنصیب ہے کہ اس کی صحبت و ارادت کے دامن سے بڑی مدت سے پیوستہ اور وابستہ ہے اور ہمیشہ اس کی دعا گوئی اور اس کے خاندان کی دعا گوئی میں شاغل اور مشغول ہے اور کوئی دنیا دی خواہش اور مدعا نہیں رکھتا۔

ان دو قطعوں کے بعد عذر خواہی اور معافی کے لیے حضور آقائے نامدار کی خدمت میں میں نے ایک عریضہ بھیجا تھا لیکن کسی ایک کے جواب سے بھی مشرف نہیں ہوا۔ یہ عریضہ بذریعہ برادر گرامی کرنیل امیر محمد خاں حاکم خوگیانی کی معرفت جناب کی خدمت میں میں بھیج رہا ہوں تاکہ کرنیل صاحب موصوف کو میری طرف سے وکیل اور سفارشی سمجھتے ہوئے اس منتظر راہ کو جواب باصواب دے کر تازہ زندگی بخشیں تاکہ اس احسان کے بدلہ میں دونوں جہانوں کو پیدا کرنے والی ذات بھی قیامت کے جانگداز معرکہ میں اس مہربان کے ساتھ لطف اور عفو کے لحاظ سے معاملہ کرے فقط والدعاء

(عارض فقیر الی اللہ فضل الٰہی عفی عنہ)

Marfat.com

نوٹ: حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب کا ایک تفصیلی مکتوب جو کہ جرگہ کے فیصلہ کی روشنی میں لکھ کر حکومت افغانستان کو بھیجا گیا تا کہ مولانا محمد بشیر صاحب کی شہادت کے واقعات کی تفصیل ان کے کاغذات میں آجائے۔

(غلام محمد ہاشمی)

ایک اہم مسئلہ

غفران پناہ مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کا قتل

بحضور ہز میجسٹی اعلیٰ حضرت غازی محمد نادر شاہ بادشاہ افغانستان مدظلہ العالی

(نوٹ:- نقل مکتوب نمبر ۵۱۸ مورخہ ۱۴ر شوال ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء جو کہ صدارت عظمیٰ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ ضبط اموال کے محکمہ سے اس کی باقاعدہ رسید مجھ کو پہنچ چکی ہے)

وہ اخلاص جو یہ خدا کا بندہ عالی خاندان سے رکھتا تھا اور رکھتا ہے۔ ان خدمات سے جو زمانۂ انقلاب کے بعد اپنی کابل کی حاضری تک میں نے سرانجام دی ہیں ذات ہمایونی کو معلوم اور روشن ہیں۔ حالانکہ وظیفہ خوری کے معاملات اور لینے دینے کے تعلقات ذات محترم اور اس خادم کے درمیان نہیں تھے۔ ان چیزوں سے میرے تعلق کا خدا کے لیے ہونا اور ان کا دل کی گہرائیوں سے ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں وہ مہربانیاں جو کہ خود ذات شاہانہ اس بے غرض خادم سے رکھتی تھی وہ بھی مجھ کو بھولی نہیں ہیں لیکن ان خدا واسطے کی توجہات میں جو ذات محترم کی طرف سے چند روز سے پیش آ رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض جاہ طلب خائنوں کی تحریک سے جو کہ نہیں چاہتے کہ ان کے سوا کوئی دوسرا بھی حکومت کی نگاہ میں اعتبار پیدا کرے۔ مگر الحمد للہ کہ ذات مخلص شناس شاہی نے اس پر دوام نہ فرمایا اور اپنے مخلص کے حال پر پہلے کی طرح متوجہ اور مہربان ہو گئے ہیں۔

اب میں پھر ڈرتا ہوں کہ وہی خود پسند اور اختلاف ڈالنے والے ارباب دولت کی مہربانیوں سے واقف ہو کر ہر طرح سے اس توجہ کو ہٹانے کے لیے پیشقدمی اور کوشش کریں گے اور بعض ایسے واقعات جن سے اس مخلص کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہوگا میری طرف

نسبت کرکے میرے مرتبہ کو ذات معظم شاہانہ کے دل محبت منزل میں کم اور نابود کریں گے اس بنا پر میں لازم جانتا ہوں کہ اپنے ایک عریضہ کو جو بعض حالات اور اپنے واقعات پر مشتمل ہو جو کہ مدت مدید سے مہاجرین اور مجاہدین کے برخلاف عموماً اور مولوی محمد بشیر صاحب کی ضد میں خصوصاً ہمیشگی رکھتے ہیں۔ میں ان کو شاہانہ ریکارڈ میں رکھنا چاہتا ہوں تاکہ مذکورہ فتنہ جوؤں کی کوششوں کو دفع کرکے اس خادم کے بے غرضانہ اخلاص کی جو کہ شاہی ذات کے ساتھ ہے حفاظت کرے۔

اعلیٰ حضرت! سرحد آزاد میں (مہمند باجوڑ وغیرہ) مہاجرین اور مجاہدین اور خود مولوی صاحب موصوف کی حرکات نے اقوام آزاد کے خیالات کو ان کی طرف سے بدل کر رکھ دیا ہے اور کتنی بار کوشش ہو چکی ہے کہ مہاجرین اور خصوصاً جمعیت مجاہدین اور خود مولوی صاحب موصوف کو آزاد علاقہ میں پھرنے سے محو اور نابود کر دیں مثلاً

واقعہ اول

سلطان میرزا دہلوی نے غلام محمد عزیز ہندی کی معرفت روس کے سفارت خانہ سے تعلقات پیدا کرلیے اور غازی آباد کے مقام پر اپنا مرکز بنا لیا اور اس جگہ ایک بڑا قلعہ بھی تعمیر کرلیا اور اقوام مہمند و باجوڑ کو دولت اشتراکیہ کے زیر اثر منظم کرنے کے لیے آزادانہ کارروائی شروع کر دی اور اپنے حالات و عملیات کو اپنی مخصوص ڈاک عزیز ہندی کی معرفت کابل کے مرکز میں بھیجتا تھا۔ اتفاقاً اس کا ایک خط جلال آباد کی حدود میں پکڑا گیا اور حکومت کے ہاتھ آگیا۔ تمام راز طشت از بام ہو گیا۔ اس واقعہ سے آزاد اقوام بہت متاثر ہوئیں اور خیال کرنے لگے کہ مہاجرین اور مجاہدین کا وجود ہمارے وطن کے لیے سخت مضر ہے اور ان میں سے بعض ہمارے وطن کو انگریز کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتے ہیں اور بعض بدست روس۔ چنانچہ ایک بہت بڑا لشکر اپنے ملک کے مشہور لیڈر ملک محصل خان مرحوم کی سرکردگی میں جمع ہوا وہ چاہتے تھے کہ تمام مہاجرین اور جمعیت مجاہدین کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیں۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان میرزا نے لشکر اور اقوام میں

Marfat.com

پیسے بھی زیادہ خرچ کئے اور معززین اور سفید ریش بزرگوں کے سامنے تو یہ بھی کی اور کہا کہ میں اس علاقہ سے چلا جاؤں گا اس کو تاخت و تاراج کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس تدبیر سے اس نے اپنی جان چھڑائی اور چونکہ مولوی محمد بشیر صاحب اور سلطان میرزا کے درمیان ایک زبردست تعلق موجود تھا اور سرحد کے رہنے والوں کو اس تعلق کا پہلے سے علم تھا وہ یہ سمجھنے لگے کہ یہ تمام لوگ مہاجریت اور مجاہدیت کے پردہ میں حقیقت میں روس اور انگریز کے آلہ کار ہیں۔ ان سب کو ختم کر دینا چاہیے۔ چنانچہ یہ لشکر جمعیت مجاہدین کے پاس پہنچا اس وقت مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم اس جگہ حاضر نہیں تھے۔ میں لشکر کے سامنے گیا اور تمام کو اطمینان دلایا کہ چمرکند کے مرکز کو میں نے خود بنایا ہے۔ مولوی محمد بشیر صاحب اس کے ساتھ اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتے اور میری سچائی اور اخلاص اور میرے خداواسطے کے جذبات سے جو کہ میں آپ کے بچوں کو تعلیم اور تربیت دے کر آپ لوگوں سے رکھتا ہوں تم لوگ بڑی اچھی طرح واقف ہو تو اس وجہ سے اپنے خیر خواہوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ البتہ جب بھی مولوی محمد بشیر صاحب آئیں تو آپ ان سے سوال و جواب کر سکتے ہو میری اس گذارش کو معززین اور قوم کے بزرگوں نے قبول کیا اور جمعیت مجاہدین چمرکند کو تاخت و تاراج کرنے سے باز رہے۔ سو اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔

دوسرا واقعہ

جس وقت شاہ امان اللہ خاں یورپ کی طرف گئے تو جلال آباد میں معززین اور معتبرین سمت مشرقی کو وداع کرنے کے لیے اکٹھا کیا ان سے رخصت ہونے لگا تو مولوی محمد بشیر صاحب نے لوگوں کے سامنے ایک لمبا تاثیری بیان دیا تھا۔ اس اجتماع میں مہمند اور باجوڑ کے بعض حضرات بھی حاضر تھے اور امان اللہ خاں کے یورپ جانے کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے تو ان لوگوں پر مولوی صاحب موصوف کے بیان نے بہت بڑا اثر ڈالا۔ پھر جب امان اللہ خاں یورپ سے واپس اور سرحد آزاد کے اکابرین شاہ مذکور کی رسم "ماندہ باشی" ادا کرنے کے لیے کابل میں حاضر ہوئے تو پھر مولوی صاحب موصوف نے

معاندین مذکور کے سامنے زیادہ تائیدات امان اللہ خاں کے حق میں کیں کہ ان تائیدات میں سے بعض تائیدیں منشائے اسلام کے خلاف تھیں چونکہ اس وقت امان اللہ خاں نے سرحد آزاد کے آدمیوں کو کچھ بھی وقعت اور اہمیت نہ دی تھی بلکہ اس کے برخلاف ان کے علماء اور مذہبی پیشواؤں کی معاشرت اور حالات کے متعلق بہت کچھ برا بھلا کہا تھا اور اپنی بعض حرکتوں اور بعضے بیانات سے کچھ اس طرح ظاہر کیا تھا کہ معاذ اللہ یہ دین مقدس آسمانی نہیں ہے تو مولوی صاحب مذکور کی تائیدات نے بہت سا الٹا اثر ڈالا اور آگ پر تیل ڈالنے کا کام کیا چنانچہ مہمند کے اکابرین نے کابل میں آپس میں پختہ عہد باندھ لیا تھا کہ مولوی صاحب موصوف کو جو کہ وطن کے منافع اور شرعی مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ دشمنان اسلام کے سامنے اسلام کے برخلاف کوشش کرتے ہیں ان کو اپنے وطن میں نہیں رہنے دیں گے۔ وہی بات ہوئی کہ مولوی صاحب موصوف کے چمرکند پہنچنے کے بعد مہمندیوں کا لشکر جمع ہو کر چمرکند کو برباد کرنے کے لیے حرکت میں آگیا۔ اس وقت بھی میں پہلے کی طرح سامنے چلا گیا اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے اس فتنہ کو مولوی صاحب کے سر سے میں نے رفع کیا۔ سو اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔

تیسرا واقعہ

چمرکند کے رہنے والے کہ جمعیت مجاہدین ان کے علاقہ میں سکونت رکھتی ہے مولوی محمد بشیر خاں کے توہین آمیز طریقوں سے اچھی خاصی لمبی مدت سے ناراض ہیں۔ پچھلی عید الفطر ۱۳۴۹ھ کے روز عید کی مبارک باد دینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اور مولوی صاحب موصوف نے ان کو کوئی اچھی طرح خوش آمدید نہ کہا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے درمیان زبانی شکوہ شکایت سے بات گذر کر نوبت لڑائی اور ہاتھا پائی تک پہنچ چکی تھی اور اس لڑائی میں دونوں طرفوں کے کچھ آدمی زخمی ہوئے تھے۔ اس واقعہ کی جب حضرت حاجی صاحب ترنگزئی کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے فوراً اپنے آدمیوں کو بھیج کر چمرکند والوں اور جمعیت مجاہدین میں صلح کرادی۔ مگر مولوی صاحب نے اس پر قناعت نہ کی کہ صاحب

Marfat.com

پس نفران پناہ حضرت ملا صاحب باڑہ مرحوم کے پاس چلے گئے اور اس کے ذریعہ ایک قومی لشکر کو چمرکند کی بستی کو تباہ کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے آئے۔ اور مذکورین کے اٹھارہ مکانوں کو گرا دیا۔ ایک عورت قتل ہو گئی اور ایک جوان آدمی زخمی ہو گیا اور غلہ، نقد و جنس کے ذخیرے جو آدمیوں کے پاس تھے سب کچھ لوٹ کر لے گئے۔

اس بدترین واقعہ نے چمرکند کے رہنے والوں اور مولوی صاحب موصوف کے درمیان ایک دشمنی کی بنیاد قائم کر دی۔ اقوام کی عام ناراضگی کے علاوہ ایک مستقل اور پائیدار دشمنی مولوی صاحب کی ذات کے ساتھ بھی قائم ہو گئی۔ چمرکند کے رہنے والے ہر وقت فرصت کے انتظار میں رہتے ہیں کہ مولوی صاحب موصوف اور جمعیت مجاہدین سے اپنا انتقام لیں۔ چنانچہ کئی دفعہ ان لوگوں نے شبخون کے طور پر ڈاکے ڈالے اور مجاہدین کے خچروں کو جو کہ چرنے کے لیے پہاڑ پر جاتی تھیں روز روشن میں زخمی کر دیئے اور انکے درمیان کشمکش کا ایک مستقل سلسلہ جاری و ساری ہے۔

پانچواں واقعہ

محمد دین نامی ایک مجاہد اپنی عورت کی بے عزتی کے ایک واقعہ کی وجہ سے مولوی صاحب موصوف سے بدرجۂ غایت ناراض ہے اور ایک بہت لمبی مدت سے مولوی صاحب سے انتقام لینے کے درپے ہے اور ہر وقت اس چیز کا خطرہ ہے کہ اپنی عورت کی بے عزتی کی وجہ سے انتقام کے طور پر مولوی صاحب اور ان کے ساتھیوں کو کسی وقت قتل نہ کر دے۔

یہ وہ واقعات ہیں کہ بندہ نے وقتاً فوقتاً ان کی اطلاع حضور صدارت پناہی اور ریاست قبائل کو بھیجی ہے۔ یقین ہے کہ دفتر کے ریکارڈ میں تمام کاغذات مذکورہ ضرور موجود ہوں گے۔

چونکہ یہ واقعات اور لڑائیاں اور جھگڑے آزاد علاقہ میں اور چمرکند کی بستی میں اور مجاہدین کی جماعت میں خود مولوی صاحب مذکور کے اعمال اور حرکات نے پیدا کئے ہیں اور میں سوائے

Marfat.com

اس کے کہ ان کو کم کرنے اور روکنے میں اپنی پوری کوششیں کرتا رہا ہوں اور کرتا رہوں گا اور کوئی جرم اور تعلق نہیں رکھتا۔ مگر مولوی صاحب موصوف اپنے ناعاقبت اندیشانہ اعمال کے نتائج اور ثمرات کو اولیائے دولت کے حضور اس لحاظ سے کہ ہمارے درمیان ایک جزوی طور پر شکر رنجی موجود ہے ان کو میری طرف منسوب کر کے ہمیشہ مجھ کو بدنام کرتے ہیں اور اکابرین حکومت کے سامنے اور دوسری جگہوں میں بھی جہاں ان کا ہاتھ اور زبان پہنچتی ہے ان کے تاریک پہلو پیش کر کے وضاحت کرتے ہیں۔ ہاں میں اسلام کا فریضہ سمجھتے ہوئے بھلائی کے لیے اور مولوی صاحب کے فائدہ اور جمعیت کی آبرو اور ذات شاہانہ کی عزت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو کہ مجاہدین کی خیر خواہی ہے اور تمام اراکین دولت کو متوجہ کرتا ہوں کہ آپس کی اصلاح کے لیے واقعات مذکورہ بالا میں مداخلت فرما کر ایک آبرو مندانہ صلح جمعیت اور اس کی بنیاد رکھنے والوں کے درمیان کرا کر مجھ کو ممنون اور مرہون منت بنائیں۔ ورنہ وہ واقعات جو میں نے عرض کیے ہیں یقیناً اس حیثیت سے کہ مجاہدین کی عزت اور بزرگی کو تمام سرحدی مقامات پر مجاہدین کی عزت کو خاک برابر کر دیں گے اور یہ بے نتیجہ رہنے والے نہیں ہیں۔

حکومت افغانستان کے ان مکتوبات کی نقل جو کہ مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی فضل الٰہی کے قتل کے اقدامات کے سلسلہ میں اطلاعاً یکے بعد دیگرے بھیجے گئے تھے

مکتوب اول

ف:۔ مولوی فضل الٰہی خاں صاحب مہاجر باشندۂ چمرکند سلمہ الرحمن۔

مجھ فدا کار دولت کو ایک مخصوص اطلاع پہنچی ہے کہ کوئی دین کا دشمن بعض غرضمند اور مفسد دل کے لیے نشان دہی کر رہا ہے کہ مولوی محمد بشیر خاں اور مولوی فضل الٰہی خاں کو قتل کرنے کے لیے اقدام کریں۔ اس سبب سے آپ فضائل آگاہ کو اطلاع دینے کے لیے

Marfat.com

میں نے تحریر کیا ہے کہ اپنے اوپر حد سے زیادہ سمجھ سے کام لیں۔ محتاط رہیں کیونکہ یقین ہے کہ دشمن دین کی تحریک کی بنا پر مفسد اقدام کریں گے اور خدانخواستہ آپ کے لیے ضرر رساں ہوں گے اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ خود مولوی لبشیر خاں صاحب سے قدرے بے اتفاقی اور دل آزردگی بھی رکھتے ہیں۔ اس وقت نہایت ضرورت ہے کہ آپس میں اتفاق اور یکجہتی سے رہو۔ اور میں نے مولوی محمد لبشیر صاحب کے لیے ایک علیحدہ مکتوب تحریر کیا ہے اور موضوع مذکور سے میں نے ان کو مطلع کرکے نہایت تاکید کردی ہے۔

تحریر ۲۱ ثور ۱۳۱۲ اور آئندہ سے آپس میں کسی وقت بھی بے اتفاقی نہ کریں کہ اس میں دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے۔ باقی السلام علیکم (دستخط محمد ہاشم)

مکتوب دوم

مخصوص ضروری ارشاد حکومت کلاں دائرہ تحریرات ۲۶/۱۱۱۴ ۲۶ ثور ۱۳۱۲

ف:۔ مولوی فضل الٰہی خاں مہاجر باشندۂ چمرکند

مکتوب ۲۹۵/۲۱۸ مورخہ ۲۲ ثور دائرہ ارکان شعبہ ۲ فرقہ مشرقی بعنوان حکومت کلاں واصل اور ذیلاً حکم فرمایا ہے۔

خاص اطلاع ۱۳/۷ مورخہ ۱۶ برج ثور۔ فوری اور ضروری

افغانستان کے وکیل تجارت مقیم پشاور نے تمہارے ذیل میں اطلاع دی ہے اس کے تحت میں لکھتا ہوں کہ فیض طلب منتواری سکنہ بہادر کلی (پشاور) کو حکومت برطانیہ کی طرف سے مولوی محمد لبشیر اور فضل الٰہی مجاہدین چمرکند کو قتل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور وہ آج چمرکند کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس اطلاع مذکور کے اثر کے ماتحت ٹیلیفون پر تم کو خبر دی گئی تھی اور وہ خبر تم سے مذاکرہ کرتے ہوئے نتائج ہوگئی تھی۔ تاکہ فوری صورت میں بذریعہ معتمدین قصہ مندرجہ بالا سے مجاہدین کو مطلع کردیں۔ تاکہ وہ اپنی حفاظت کرسکیں نہایت تاکید ہے کہ بے خبر نہ رہیں سستی نہ کریں۔

حضور والا حضرت سپہ سالار کماندار صاحب عسکری اور حاکم اعلیٰ مشرقی کے حکم کے

مطابق مندرجہ بالا مضمون سے آپ کو مطلع کیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا ہدایت کو ذہن میں رکھتے ہوئے حسب ہدایت تعمیل کرو اور خط پہنچنے کی اطلاع دے کر ہم کو اطمینان دلاؤ۔ نہایت تاکید ہے۔ نیز ایک علیحدہ مکتوب میں بھی اس سے پہلے اسی موضوع کے متعلق آپ کو خبر دی گئی تھی غالباً پہنچ گیا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

(دستخط محمد ہاشم)

نوٹ:۔ تینوں خطوط کی نقول اصل کے مطابق ہیں (فضل الٰہی عفی عنہ)

مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کے قتل کے المناک واقعہ پر بحث وتنقید

قبائل کے مخصوص عادات وخصائل

انتقام کا جذبہ کم وبیش ہر انسان کے مزاج میں رکھا گیا ہے لیکن اس سلسلہ میں قبائل ایک جداگانہ خصوصیت رکھتے ہیں اور اگر اسی چیز کو ان کے درمیان اور جہان کی دوسری قوموں کے درمیان ایک مابہ الامتیاز (خصوصیت) قرار دیا جائے تو یقیناً یہ بات مبالغہ سے خالی ہوگی اور اگر ان لوگوں نے اس باب میں کبھی سکوت کیا ہوگا تو یہ خاموشی مجبوری کے طور پر ہوگی نہ کہ اختیاری۔ اور جب وہ قابو پا لینے کی طاقت رکھتے ہوں گے تو اپنے طاقتور اور قوی ترین دشمن کو بھی جھگڑے کی فرصت نہ دیتے ہوئے اس کے سر کو تلوار سے الگ کر کے رکھ دیں گے بلکہ بہت دفعہ دیکھا اور سنا گیا ہے کہ ایک مخالف آدمی کے بدلے میں سینکڑوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ اپنے ذاتی امور میں کسی آدمی کی مداخلت کو گوارا نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ ان کے اندر کئی ایسے روحانی پیشوا پیدا ہو چکے ہیں کہ ان کی طاقت اور اقتدار اپنے زمانہ کے بادشاہوں سے زیادہ تھی اور ان میں سے بھی ہر ایک کے لیے قبائل کی معاشرت کی اصلاح سوہان روح ہی رہی ہے۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ ان کے امور کی اصلاح کے لیے اپنی مرضی کے مطابق اقدام کر سکیں۔ جب وہ روحانی بزرگوں اور با اقتدار بادشاہوں کی مداخلت

بھی یہ آسانی قبول نہیں کرتے تو پھر مسافروں اور پناہ گزینوں کی کیا طاقت ہے اس علاقہ میں بیشمار روز افزا مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مورخہ ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ کو پشاور کے دو مہاجرین صاحبزادہ محمد اسلم خاں اور عبدالستار خاں نے "سدال" کے مقام پر جو اتمان خیل کا قلعہ ہے بندوق کی گولی کھائی ایک تو فوراً جاں بحق ہو گیا اور دوسرا کچھ مدت کے بعد۔

(۲) جناب پاچہ گل صاحب کے سر پر ہمیشہ حکومت افغانستان جیسی طاقت کی طرف سے ایک مستقل محافظ نہایت چالاک وچوبند ہر وقت مقرر رہتا ہے اور فوق العادت اس کی حفاظت کرتا ہے لیکن اس کے باوجود کئی دفعہ اس کو گولی چلنے کے واقعات پیش آ چکے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ اس نے کتنی مدت تک "سرکوڈاگ" کے راستے پر آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔

(۳) وزیرستان کے قبائل کو مولوی محمد بشیر صاحب کے متعلق یہ غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے کہ مسمیٰ مذکور ان کی حکومت کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے لہذا ان پر کئی دفعہ انھوں نے حملہ کیا۔

(۴) شاہ امان اللہ خاں نے جب ان کے قبائلی امور میں مداخلت کی تو اس کی حکومت کا انھوں نے تختہ الٹ کر رکھ دیا۔

(۵) سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہو گا کہ قبائل کو مجاہدین ہندی کے بزرگوں کی نسبت یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ان کے امور میں مداخلت کرتے ہیں تو انھوں نے ہزارہا فرشتہ سیرت اور بے گناہ آدمیوں کو سوتے ہوئے آدھی رات کے ترقتنا تہ تیغ کر دیا تھا۔

جمعیت مجاہدین چمرقند اور قبائل

مکتوب منسلکہ ۵۱۸ کے مطالعہ سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ کس طرح قبائل نے جمعیت

Marfat.com

چمرکند کو تاراج اور مولوی صاحب محمد بشیر خاں مرحوم کو قتل کرنے کے لیے کئی دفعہ اتفاق کرلیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ مندرجہ بالا واقعات میں صرف وہی ایک روح کارفرما تھی جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

جمعیت مجاہدین اور فیض طلب شنواری

فیض طلب شنواری کو مولوی صاحب مرحوم اور راقم الحروف کی نسبت یہ یقین تھا کہ یہ دونوں مجاہدین کے سرکردہ اور تہ دل سے افغانستان کے دوست اور خیرخواہ ہیں اور اس کے مقصود کے راستہ میں مزاحم ہیں۔ مسمیٰ مذکور نے کئی مرتبہ تہدیدی پیغام بھیجے کہ جمعیت مجاہدین کے مال واملاک کو کلی طور پر برباد کر دینے پر متفق تھے ہم کو پہنچائے تھے لیکن جب تک چمرکندی انتقام لینے والوں کی جماعت اس مقصد میں ہم آواز نہیں ہوئی اس کو جرأت نہیں ہوئی کہ کسی عملی اقدام کا ارتکاب کرے۔
ماہ شوال ۱۳۵۲ھ کو جماعت مذکور کی درخواست پر فیض طلب خاں مشہور ڈاکوؤں کی ایک زبردست جمعیت لے کر اسی ناپاک مقصد کی تکمیل کے لیے مجاہدین چمرکند کے مرکز میں پہنچا۔ لیکن حسن اتفاق کہ اس وقت مولوی صاحب باجوڑ گئے ہوئے تھے اور جناب گل صاحب چارمنگ اور شیر عالم خاں خان کوٹ کئی کا چچا زاد بھائی جلال آباد کی طرف سے مرکز مذکور میں پہنچ گئے۔ اس کے علاوہ خود چمرکندی آدمیوں میں سے اس فریق کے مخالف ایک گروہ راقم الحروف نے فیض طلب اور اس کی جماعت کے مقابلے کے لیے تیار کیا۔ اور اس صورت میں اس موقع پر مولوی صاحب اور خود میں اور جمعیت دشمنوں کی تکلیف سے محفوظ رہے۔ بذریعہ مکتوب نمبر ۸۱ ۶ مورخہ ۲ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ کو میں نے صدارت عظمیٰ اور حکومت اعلیٰ کو ان واقعات کی پہلے اطلاع دے چکا ہوں۔

فیض طلب اور فضل الٰہی

فیض طلب کے عزائم میں جناب مولوی صاحب مرحوم اتنے مزاحم نہیں ہوتے تھے جتنا

Marfat.com

کہ خود راقم الحروف۔ کیونکہ مولوی صاحب نے زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کام کیا تھا کہ اس شورش کے ظہور کے وقت حکومت کلاں کے مرکز کو چلے گئے اور حاکم صاحب موصوف کے ساتھ چند روز و شب آرام سے جا کر بسر کر لیں۔ لیکن یہ خدا کا بندہ قبائل کے درمیان مذکور موصوف کے برخلاف پروپیگنڈا کر کے اس تحریک کی آتش کو فرو کرتا رہا اور جب حکومت کی طرف سے حافظ میاں گل صاحب سرکاتی اور لیشہد پاچہ صاحب کی سرکردگی میں ایک جرگہ آخر ماہ شعبان ۱۳۵۲ھ کو موصوف مذکور کے گھر سمجھانے اور اصلاح کرنے کی غرض سے پہنچا تو راقم الحروف بھی جرگہ کے ہمراہ گیا اور جرگہ مذکور اور مہمندی لشکر کے روبرو فیض طلب کے مطالبات کو ناجائز اور اس کو خدا اور رسول اور تمام مسلمانوں کا دشمن ثابت کر دیا۔ اور جب دوسری مرتبہ اس نے حکومت کے خلاف اقدامات کرنے شروع کیے اور گل صاحب ان دنوں کابل میں گئے ہوئے تھے تو اسی خدا کے بندہ نے چار منگ اور موسیٰ خیل مہمند قبائل کو مفسد مذکور کے برخلاف آمادہ کیا اور اس کی سرکشی کے ہاتھ کو دولت اسلام سے کوتاہ کیا۔ مولوی صاحب مذکور اس وقت بھی بڑی حکومت کے پاس گئے ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ فضل الٰہی کی حیثیت جداگانہ نہ تھی۔ لہٰذا فیض طلب مجھ کو اور مولوی صاحب مرحوم کو ایک ہی سمجھتا تھا اور مجھے ان کے زیر فرمان سمجھتا تھا۔ اس لیے وہ جمعیت کے سرکردگان کی ہلاکت اور خصوصاً مولوی صاحب مذکور مرحوم کے قتل کے لیے بہت کوشش کرتا رہتا تھا۔ وہ حرکت جو وہ چیر کندیوں کے اتفاق سے ماہ شوال ۱۳۵۲ھ کو عمل میں لایا وہ اسی مقصد کے ذیل میں تھی۔

حضور والا حضرت ع۔ نق کمانڈر صاحب لشکری اور حاکم اعلیٰ مشرقی آقائے محترم سردار محمد داؤد خاں نے میری ان خدمات کی جو کہ میں فیض طلب خاں کی شورشوں کو فرو کرنے کے سلسلے میں بجا لایا تھا بذریعہ مکتوبات ۴۵۳۴ء، ۴۷۴۵ء، ۴۸۲۱ء، ۵۵۷۱ء تصدیق کی ہے اور ان تمام میں سے بھی مکتوب ۴۷۵۱ء مورخہ ۲ برج دلو سنہ ۱۳۱۲ بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔

مولوی محمد بشیر خان صاحب کے قتل کا المناک قصّہ

زیں مصیبت داغہا بر سینہ سوزاں ماست ٭ زیں عزا صد شعلۂ غم بر دل بریاں ماست

اس خاص واقعہ مذکورہ کے متعلق میں کیا کہوں اور کیا لکھوں۔ دل پاش پاش اور تیرہ پانی پانی ہے بحقیقت حال صرف خدائے عالم الغیب جانتا ہے، ہمارے سامنے سوائے قرائن اور آثار کے کوئی یقینی شہادت اور شرعی دلیل نہیں ہے کہ اس کو بنائے دلیل قرار دے کر اس واقعہ کو صاف اور روشن کرلیا جائے۔ البتہ گذشتہ واقعات ایک سلیم الطبع اور صحیح الوجدان اور انصاف پسند آدمی کو اس مشکل تاریک میں کس طرف راہنمائی کرتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہے۔ اس علاقہ میں ایک مثل مشہور ہے "کافر علی کنڈی دیا برچیم کنڈی دی"

شاہ امان اللہ خاں کی طرح اپنی خودکشی کے سامان کی فراہمی وفادار وطن والوں کو جلاوطن کرنے کی صورت میں

مولوی صاحب مرحوم نے بے غرض دوستوں کی آواز پر آخری وقت تک کان نہ رکھا اور ہمسایہ بستی کے جذبات کا بالکل لحاظ نہ کیا۔ حالانکہ ان کی کئی سو روپے سالانہ کی لکڑی اور گھاس مفت اور بلاقیمت جمعیت مجاہدین کے مصرف میں آتی ہے اور صاف ستھری ہوا اور میٹھا اور ٹھنڈا پانی اور جائے رہائش کہ جس پر جمعیت مجاہدین قابض اور فائز ہے۔ یہ تمام علاقہ چیر کنڈ کے متعلق تھا اور اس قسم کے احسانات اور انعامات کے مقابلہ اور معاوضہ میں جمعیت کو اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ اس ہمسایہ بستی کے بچوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے ایک مدرسہ ہی بنا دیتے۔ بلکہ اگر کوئی انفرادی حیثیت سے بھی کچھ ایسی خدمت بجالاتا تھا تو اس کو بھی نہ چھوڑا گیا۔ کج فہم آدمیوں کو بجائے اس کے کہ حکمت عملی اور تالیف قلبی سے رام کرلیتے۔ مولوی صاحب مرحوم نے دولت افغانستان کی شہ کے دھوکہ میں بزرگوں کی لاٹھی کے ذریعے ان کو ہمیشہ زیرسیاست رکھا اور ہیبت میں

رکھتا چاہا۔ اور اس خطرناک محاذ کے مقابلہ میں باوفا وطن والوں کو جو کہ ضرورت کے وقت اس کے ایک قطرۂ خون کے عوض اپنی جان عزیز کو قربان کر دیتے تھے اور صدہا امتحان اور مصیبت کے مواقع پر اپنی صداقت کو مدلل کر کے دکھا چکے تھے۔ ان کو ایک ایک دو دو کر کے جمرکند کے مرکز سے خارج کر کے ان کے نام ونشان کو اپنے ماحول میں نہ چھوڑا یہاں تک کہ ان آخری دنوں میں ان کے پاس سوائے ایک غیر وطن داروں کی جماعت کے جو کہ صورت کے لحاظ سے انسان اور سیرت کے لحاظ سے شیطان تھے اور بزدلی اور بے وفائی کی تحریر ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر لکھی ہوئی تھی اور کوئی بھی ان کے پاس نہ رہا تھا ؎

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی   بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر پائیں

اس ہلاکت افزا حکمت عملی کے ساتھ انہوں نے نہ صرف اپنی ذات بلکہ اپنی تمام جمعیت کے لیے سامان موت اور بربادی اکٹھا کر لیا۔ یا حسرتا! ویا اسفا!

اسی حکمت عملی کو شاہ امان اللہ خاں نے اختیار کر کے اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے اور اپنی تمام قوم کے لیے خودکشی اور ہلاکت کا سامان اکٹھا کر لیا تھا۔

(۲) جمرکند کی لبستی سے مسلسل کشمکش رکھنے کی صورت میں اپنی خودکشی کا سامان

وہ فساد جو جمرکندیوں اور ہندوستانی مجاہدین کے درمیان عید الفطر ۱۳۴۹ھ کو واقع ہوا تھا اس کے متعلق مکتوب مسلسلہ ۵۱۸ سے معلوم ہو چکا ہو گا۔ اس کی تفصیلات کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قضیہ خطرناک نتائج پر جا کر ختم ہوا۔

(۱) جمرکند کی لبستی کو بلا تمیز نیک و بد کے سارے کا سارا جلا دیا گیا۔

(۲) اس کے علاوہ ایک جمرکندی عورت اسی کشمکش میں گولی کھا کر فوراً اسی جگہ مر گئی اور ایک نوجوان سخت زخمی ہو گیا اور جمعیت اور اس کے سرکردہ لوگوں کو نئی [illegible] میں کھینچ لایا جو کہ زمانہ گذرنے پر مندرجہ ذیل طریق پر ظاہر ہوتا رہا۔

(الف) شبخون

اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم کی طرف سے چمرکندیوں کے متعلق جتنی بے توجہی اور اصلاح حال اور تالیف قلب میں جتنی دیر ہوتی گئی اتنی ہی کینے اور انتقام کی رفتار مندرجہ بالامثال کے مطابق (کافر علیکنڈی دی یا پرچمرکنڈی دی) تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ شب خونوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ ایک مدت تک جمعیت پر میٹھی نیند حرام ہو گئی۔ آخر انہوں نے اپنی امداد کے لیے ایک پہاڑی کتا جو کہ بھیڑیئے کا بھائی تھا خرید کیا۔ اس نے ایک حد تک شبخونوں کے سلسلہ کی روک تھام کی۔

(ب) مویشیوں کی ہلاکت

اس کے بعد چمرکندیوں نے جمعیت کے مال مویشی پر دست درازی کرنی شروع کر دی۔ چنانچہ عیدالاضحیٰ کے دن ۱۳۴۹ھ کو ایک شیردار گائے جو کہ خاص اس بندہ کی ملکیت تھی معہ اس کے بچہ کے پہاڑی کے اوپر ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی۔ اس کے بعد چار اس خچروں کو جو نہایت بیش قیمت تھیں یکے بعد دیگرے مار ڈالا گیا اور اس کے ساتھ ہی مجاہدین کے بچوں کو ایک ایک کو طمانچے مارتے اور خوب پٹائی کرتے اور بے عزت کرتے رہے اور جو کچھ وہ مولوی صاحب کی شان میں گستاخی اور بکواس کرتے اس کا کوئی حساب ہی نہ تھا۔

لیکن افسوس! مولوی صاحب مرحوم کی بصیرت کی آنکھ باوجود دعوائے ہوشمندی اور عاقبت شناسی ان متواتر ہیبت افزا واقعات سے بھی نہ کھل سکی۔ اور کسی رنگ میں بھی چمرکندی ہمسایوں کے دلوں کے زخم کو مندمل کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے ہاتھ سے خاطرخواہ انتقام نہ لے سکے تو اس کے بعد ان لوگوں نے فیض طلب شنواری اور دیگر شریروں کی طرح توجہ کی اور مجاہدین کے سرکردگان کی ہلاکت اور جمعیت کے مال کو تاخت و تاراج کرنا چاہا۔ چنانچہ نکتو بابت مسئلہ دولت

افغانستان نمبر ۱۱۴۳ مورخہ ۲۶ ثور اور فیض طلب اور چمرکندیوں کی متفقہ سازش جو کہ ماہ شوال ۱۳۵۲ھ کو وقوع میں آئی واضح ہو جاتا ہے۔

(ج) ڈاکہ زنی

آخر ان لوگوں نے راہزنی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ مگر جس حد تک واقعات روشنی ڈالتے ہیں چمرکندی ڈاکوؤں کا مقصد کبھی بھی دولت اسلام کی ڈاک کو تاراج کرنا نہیں تھا۔ بلکہ راہزنی سے ان کا واحد مقصد اپنے مالی نقصانات کی تلافی تھا وہ مجاہدین کی جیبوں سے روپیہ نکالنا چاہتے تھے جو کہ ان کے خورد و نوش کے لیے کافی ہو سکے اور یہ ڈاکے اس وقت وقوع میں آئے جبکہ مجاہدین خورد و نوش کا سامان خریدنے کے لیے کنڑ، پیچ اور باجوڑ کی طرف آمد و رفت رکھتے۔ اور دوسرا مقصد رہزنی سے یہ تھا کہ جمعیت کے سرکردہ لوگوں کی بے عزتی کی جائے۔ لیکن مولوی صاحب موصوف نے ان واقعات میں سے کسی ایک واقعہ کی اطلاع نہ کی تو استغاثہ کے طور پر مشائخ وطن کے سامنے لائے اور نہ رسمی طور پر اولیائے حکومت کے کانوں تک پہنچائی۔ اور اپنی زیادہ بے وفاری اور بے اعتباری کے خوف سے اپنے اور جمعیت کے نقصان کو برداشت کرتے رہے اور اسی کو ترجیح دی۔ کیونکہ ایک سو سالہ پرانی جمعیت جو آزادی ہند کا دعویٰ رکھتی ہو اپنے پہلو میں ایک اسی آدمیوں کی بستی کو اگر خوش نہیں رکھ سکتی تو ایسی جمعیت کے ہاتھ سے ضرورت کے وقت ہندوستان اور افغانستان کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے اور کچھ ایسے ہی وجوہات تھے کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے چمرکند کے مرکز کے لیے کوئی ذریعہ ہمدردی اور مالی امداد کا کوئی واسطہ نہ رہا تھا۔ اس کے بعد افغانستان کی طرف سے بھی اندیشہ تھا کہ وہ اپنی روپیہ کی امداد کو بند نہ کر دے۔ اسی ڈاکہ زنی کے سلسلہ میں جب سرکاری ڈاک چمرکندیوں کے ہاتھ میں چلی گئی تو مولوی صاحب مرحوم نے اس موقع کو محض میری بدنامی کے لیے غنیمت سمجھا اور قسما قسم کی رنگ آمیزی سے سرحد آزاد اور مملکت افغانستان کے طول و عرض میں اس کو خوب مشہور کیا۔ اور بیت المال کے روپیہ کو اس پروپیگنڈا پہ

بے حساب خرچ کر دیا۔ حاشا وکلّا کہ اس خدا کے بندہ کو اس قسم کی ذلیل حرکات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ میری انتہائی کوشش یہ تھی کہ بے غرض خدمتگذاری کے ذریعہ تمام سرحدی اور کارکنوں اور ہندی مہاجرین کے مقابلہ میں مسابقت اور دولت اسلام کا اعتماد حاصل کرنے میں پہل کروں اور آگے بڑھ جاؤں اور اس کے علاوہ خود میں اور برخوردار لالی جو کہ ماموند قوم سے ہے اور ایک دوسرا آدمی ان دنوں باجوڑ کی طرف گئے ہوئے تھے اور خاص اس دن کہ سرکاری ڈاک کے لوٹنے کا واقعہ رونما ہوا میں میرزا حبیب اللہ خان پھاکن "بے سود" ملازم خاص شعبۂ ماموریت قبائل سرحدی جلال آباد کے ہمراہ گل صاحب چار منگ کے مکان پر اکھٹے رات گذار رہے تھے اور وہ لالی نامی آدمی جو کہ جمرکندی ڈاکوؤں اور سرکاری ڈاک لوٹنے والوں میں سے اور چار امیاں کے بھائی اور افواج کو ہ نتھی کے ہمراہ ہم سرکاری ڈاک کے گرفتار ہوا تھا وہ قتل شدہ عورت اور زخمی نوجوان کے حقیقی وارثوں میں سے تھا اور قوم محمود خیل سے تعلق رکھتا تھا۔

ڈاکہ کی تعزیر

لعلی نامی محمود خیل اور مقتولہ عورت کے وارث بجائے اس کے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے اس کے برعکس سرکاری ڈاک کو لوٹنے کی وجہ سے تمام اہل وطن کی ملامت اور مشائخ کے عتاب کے نیچے آگئے۔ گل صاحب چار منگ نے ان کے چند ایک برج دار مکان گرا دیئے اور زمین کے برابر کر دیئے اور ایک فرانسیسی بندوق لعلی مذکور کے ہاتھ سے دیکھنے کے بہانہ سے لی۔ اس کے بعد اس نے جتنی بھی کوشش اس کی واپسی کے لیے کی اتنا ہی نامراد ہوا۔

اس نئے واقعہ نے پرانے انتقام کو تازہ ہوا دی۔ اس گروہ انتقام جو نے مولوی صاحب مرحوم کو سابقہ تاوان اور بستی کے جلنے اور بے حساب مال کے لوٹے جانے اور ایک عورت کے قصاص اور نوجوان کی دیت وغیرہ کے ایک بندوق کے تاوان کا بھی جو کہ کسی زمانہ میں نو سو روپیہ کو خریدی گئی تھی اور پانچ عدد مزید مکانوں کے جلنے کا ذمہ دار بھی قرار دیا

Marfat.com

اور جوش انتقام میں دیوانگی کی حد تک پہنچ گئے۔

شمولیت چاڑ امیاں

(آتش انتقام کے لیے بے حساب پیڑ دل کی امداد)

نتھی کے مقام پر سرکاری ڈاک کی گرفتاری کے ضمن میں چاڑ امیاں کا بھائی بھی بہت بے عزت ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے بعض دانت بھی ٹوٹ گئے اور یہ چاڑ امیاں مجسم شیطانی اور کینہ پروری ہے کہ اس زمانہ میں اس کی مثال تھوڑے ہی مل سکے گی اس اجمال کی شرح کے لیے ایک بہت بڑا دفتر درکار ہے۔ جعل سازی۔ حیلہ گری۔ پکڑنے اور باندھنے پھاڑنے اور سینے جلانے اور بنانے کے فن میں ایسا استاد ہے کہ اس کی مثال کبھی دیکھی نہ گئی ہوگی۔ والیٔ کابل محمد یعقوب خاں مرحوم نے اس کو برما کا خطاب دیا تھا۔ اس کی شیطنت کا ادنیٰ ترین کرشمہ وہ ہے جو پاچہ گل صاحب کے مقابلہ میں اس سے ظہور میں آیا۔ مسمیٰ مذکور نے اقتدار کی رسہ کشی کے میدان میں پاچہ گل صاحب کے خاندان کے ساتھ ہاتھ ڈالا۔ باوجودیکہ پاچہ گل صاحب کو دولت افغانستان کی طرف سے مالی۔ مادی اور اخلاقی ہر طرح کی بے حساب امداد حاصل تھی اور موسیٰ خیل کی تمام قوم جو بلحاظ تعداد و سرمایہ داری اور جنگی قوت اور زمانہ شناسی اور امور وطنی و سیاسی میں تمام قبائل جھنڈیہ پر فائق ہے اور قومی حیثیت سے پاچہ گل صاحب کے تابع فرمان ہے اور افغانستان کی خیر خواہ اور دوست اور یہ شیطان کا بچہ ایک مفلس قلاش تھا اس نے اپنی حیلہ سازی اور جادوگری سے اس قوم کو پاچہ گل صاحب اور افغانستان کی دوستی سے الگ کر دیا اور اس کے دامن کو برطانیہ کی خیر خواہی کے ساتھ جا باندھا اور اس صورت میں اس نے پاچہ گل صاحب کو شکست فاش دیدی۔ چاڑ امیاں مذکور ملا عبد الحمید خاں کی ضد کی وجہ سے ہمیشہ ہی مولوی صاحب مرحوم کے گروہ میں رہتا تھا۔ پہلی مرتبہ اپنے بھتیجوں کی بے عزتی کے سبب جو کہ مولوی صاحب کے پاس افغانستان کی ڈاک پہنچانے کے سلسلے میں جمر کنڈ میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ مولوی صاحب مرحوم سے قدرے آزردہ خاطر ہو گیا تھا۔ اب

Marfat.com

بسبب اپنے بھائی کی بے عزتی کے چمرقند سے انتقام لینے والوں کی صف میں جا کر کھڑا ہو گیا ہے

ہر آتش کہ دست قضا بر فروخت　　ہمہ فکر و تدبیر ہا را بسوخت

(۳) چمرکندی انتقام لینے والوں کی چرب زبانی اور چاپلوسی پر فریفتہ ہونے کی صورت میں خودکشی کا سامان

انتقام لینے والی جماعت کو اب ایک مرشد کامل کی امداد بھی حاصل ہو گئی کہ جس سے شیطان بھی سبق حاصل کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان آخری دنوں میں لعلی کے بھائیوں نے مولوی صاحب مرحوم کے ساتھ راہ و رسم پیدا کر لیے اور قریباً ہر روز دودھ انڈے اور لکڑیاں وغیرہ تحفے اور سوغات کے طور پر لے آتے تھے اور یہ سب کچھ اسی شیطان کی تعلیم اور تلقین کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ کیونکہ چمرکندیوں کے دماغ اس قسم کے حیلے از خود نہیں تراش سکتے واللہ اعلم بالصواب

مولوی صاحب مرحوم اس جماعت کی خوشامد اور عذر خواہی پر بہت فریفتہ ہوئے اور دھوکہ کھا گئے اور فخر سے کہتے تھے کہ آخر چمرقندی سزاؤں اور سختیوں سے جاں بہ لب ہو کر اس کے سامنے گردن رکھ چکے ہیں اور ان کی سیاست کے سکہ کو تسلیم کر چکے ہیں۔ لوگوں نے بھی چمرقندیوں کی رفتار میں یہ تبدیلی دیکھی اور اسی میں بھی خیال کرتا تھا اور اس سرکش اور ضدی جماعت کی نیازمندی اور عجز کو مولوی صاحب مرحوم اپنی فتح مبین سمجھتے تھے اور اس وقت یہ کسی کو وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہ تمام خوشامد اور چاپلوسی محض ایک توریہ اور تعمیہ اور انتقام جوئی کے لیے ایک بہانہ تھی اور بس۔

مولوی صاحب مرحوم کے لیے تقدیر کا وقت قریب آچکا تھا۔ باوجود عقل و ہوش اور جوہر ہوشگافی اور انتہائی عقلمندی رکھنے کے وہ اس موقع میں قاصر ہو گئے۔ اور آزردہ دل دشمن پر اعتماد کر لیا۔ پس اسی موافقت اور نرمی سے مولوی صاحب مرحوم کے قتل کا واقعہ دردناک وقوع میں آیا۔ اس وقت جا کہ ہر آدمی کو ہوش آیا کہ یہ تمام چاپلوسی اور خوشامد

Marfat.com

محض اس لیے تھی کہ انتقام لینے کے راستے سے مشکلات اور رکاوٹوں کو دور کیا جاسکے۔

ازلی تقدیر کا مقتضا بہرحال پورا ہو جاتا ہے اور دنیا جہان کے عقلمندوں کی بصارت کی آنکھوں کو غفلت کی سلائی سے تیرہ وخیرہ کر دیتی ہے۔ تاکہ وہ حقائق اور واقعات کو دیکھنے سے بے بہرہ ہو جائیں۔ لوگوں نے کہا ہے اِذَا جَاءَ الْقَدَرُ عَمِیَ الْبَصَرُ (جب تقدیر آجاتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں) ؎

بوقتِ نفاذ قضا و قدر — ہمہ زیرکاں کور گردند و کر

قصہ مختصر انتقام لینے والے دشمنوں کا مقصد پورا ہو گیا۔ عورت کے قتل کے بدلے مولوی صاحب قتل ہو گئے اور ایک فرانسیسی بندوق کے بدلے دو دیسی بندوقیں اور ایک پستول چلا گیا اور جمعیت کے وقار کو ایک صدمہ پہنچا کہ جس کی تلافی کے لیے کوئی صورت غالباً دو سال تک بھی شائد پیدا نہ ہو سکے۔

پہنچنے والی متواتر خبروں کے مطابق چاڑامیاں کو دولت برطانیہ نے اس خدمت کے عوض نہایت زرخیز زمین اور دو ہزار روپیہ نقد اور ایک شکاری بندوق اور ایک پستول انعام میں دیا اور اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اس واقعہ کے بعد چاڑامیاں کی قدر و منزلت دولت برطانیہ کے نزدیک اس قدر بڑھ گئی ہے کہ جھنڈی وظیفہ خواروں میں سے بھی آج کسی کی وہ رسائی نہیں ہے جو چاڑامیاں کی ہے کہ جھنڈیوں اور صافیوں کے تمام کام حکومت برطانیہ کے پاس چاڑامیاں کی معرفت ہی طے پاتے ہیں۔ گذشتہ چار سال کے واقعات جس قدر مولوی صاحب کے قتل پر روشنی ڈالتے ہیں وہ میں نے عرض کر دیا ہے۔ اب اس ہندوستانی نوجوان کا قصہ باقی ہے۔

ہندوستانی نوجوان کا عقدہ

ہندوستانی نوجوان کا عقدہ کہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مولوی صاحب اس کے بہرہ میں قتل ہوئے اور وہ خود دو بندوقیں اور ایک پستول لے کر کہیں روپوش ہو گیا۔

Marfat.com

ابھی تک پوری طرح حل نہیں ہو سکا۔ لیکن جو چیز فکر کے سمندر میں غوطہ خوری کرنے والے کے ہاتھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ

کہتے ہیں کہ چاڑامیاں نے اپنے لیے ایک عورت اور اپنے بھتیجے کے لیے ایک لڑکی شہر بمبئی سے حاصل کی اور اس کی ہندوستانی بیوی اس زمانہ میں کہ مولوی صاحب مرحوم مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے بھی اسی وطن میں آئی ہوئی تھی۔ خیال اس طرف جاتا ہے کہ وہ ہندوستانی نوجوان چمرکند کی جمعیت میں جو آیا تھا اسی عورت یا لڑکی کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ اور چاڑامیاں کے ایجاد کن دماغ نے اس کو جمعیت میں شامل ہونے پر آمادہ کیا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پہلی شہادت چارمنگیوں کی

اس گمان کو اس وجہ سے تقویت پہنچتی ہے کہ بعض چارمنگی آدمیوں نے اسی مفرور بہرہ دار نوجوان کو انہی دنوں میں خاص چاڑامیاں مذکور کے گھر دیکھا تھا اور انہوں نے اس خبر کو اچھی طرح مشہور کیا تھا۔

دوسری شہادت ف۔ طوطی مُلّا کی

اس باب میں ف۔ طوطی ملّا ساکن درہ متیٔ موہلی خیل جو کہ حکومت افغانستان کے شعبۂ خبر رسانی میں کار خاص رسی۔ آئی۔ ڈی) پر ملازم ہے وہ جب مردہ فروشوں اور وظیفہ خوروں کو سمجھانے کے لیے آخر ماہ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ میں آیا تو اس نے ایک اور طرح سے علماء کی مجلس کے روبرو شہادت دی تھی کہ نوجوان مذکور حکومت برطانیہ کی طرف سے محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی میں ملازم ہے اور یہاں جمعیت مجاہدین کو خراب اور برباد کرنے کے لیے آیا ہے اور کہتا تھا کہ میں (طوطی ملّا) نے مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کو بروقت اس سازش سے مطلع کر دیا تھا اور جب مجھ کو معلوم ہوا کہ اس نے نووارد نوجوان کو ابھی تک جمعیت سے باہر نہیں نکالا ہے تو پھر میں بذات خود ان کے پاس چمرکند میں گیا اور ان کو اچھی طرح خبردار کیا۔ لیکن مولوی صاحب

مرحوم نے مجھ کو کہا کہ میں نے اس سے حلف وفاداری لے لی ہے (یعنی میں اس کو اب نکال نہیں سکتا۔)

تیسری شہادت شیخ میاں ساکن علینگار کی

شیخ میاں ساکن علی نگار کہتا ہے کہ میں برطانوی علاقہ میں گیا ہوا تھا۔ ناگہاں شبقدر کے بازار میں میری چاڑامیاں سے ملاقات ہو گئی۔ مذکور موصوف نے مجھ کو پکڑ لیا اور برطانیہ کی طرح طرح کی سزاؤں سے مجھ کو ڈرانے اور دھمکانے لگا اور کہا تو کیوں کابل ملا کے ساتھ مل کر میرے حق میں بری بری باتیں کرتا ہے اور مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کو ایک ایک لفظ بہ گالیاں دیتا جاتا تھا اور مجھ کو کہتا تھا کہ مولوی نے مجھ سے دشمنی کی تھی اس کو میں نے کہاں پہنچا دیا؟ کون ہے جو اس کا انتقام مجھ سے لے سکے؟ اور کہا اگر تمہارے بڑے باپ کا لحاظ نہ ہوتا تو میں تجھ کو فوراً اسی جگہ گرفتار کر لیتا۔ بہر حال کابل ملا کو کہہ کہ میری طرف سے ٹھنڈا ہو جائے ورنہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ دنیا اس کو مولوی بشیر کی طرح میرے ہاتھ سے خون میں لتھڑا ہوا دیکھے گی۔

چاڑامیاں اور فیض طلب شنواری

اور یہ حقیقت تو اس علاقہ کے تمام آدمیوں پر واضح اور روشن ہے کہ چاڑامیاں اور فیض طلب شنواری دونوں سوران درہ کے رہنے والے ہیں اور قدیم الایام سے ایک ہی گروہ اور ایک ہی دھڑا میں رہتے ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ حکومت افغانستان کی اطلاعات کے مطابق × مورخہ ۲۱ ثور ۱۳۱۲ مورخہ ۲۶ ثور ۱۳۱۲ اس مرتبہ بھی چیر قندی آدمیوں کے ساتھ سازش میں شریک ہوا ہو تا کہ اس نقد رقم کو جو اس نے دولت برطانیہ سے حاصل کی تھی کسی طریقہ سے دولت برطانیہ کی مرضی کے مطابق حلال کر سکے۔ واللہ اعلم بالصواب

Marfat.com

جماعت مجاہدین کا ننگا ہو جانا

اس دردناک واقعہ نے مولوی صاحب مرحوم کے ساتھیوں کی اخلاقی حالت کو ہر دوست و دشمن پر بے نقاب کر دیا ہے آہ۔ ثم آہ۔ ان ساتھیوں کی موجودگی میں کہ جن کو مولوی صاحب اپنے فرزندوں اور اپنے ہم وطنوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ مولوی صاحب مرحوم ایک بھیڑ بکری کی طرح ذبح ہو گئے اور کوئی بھی ان میں سے باوجود ہر قسم کا اسلحہ (انگریزی۔ روسی۔ جرمنی بندوقیں۔ بیشمار پستول انگریزی۔ روسی اور جرمنی اور لائٹ دار بندوقیں حتی کہ دستی بم تک بھی رکھنے کے باوجود کوئی بھی دشمن کے راستے میں مانع اور مزاحم نہ ہوا۔ اور نہ ہی کسی نے اس کا تعاقب کیا اور نہ ہی پہرہ دار کی گرفتاری کے لیے جو کہ پشتو زبان سے بالکل ناواقف سنا جاتا ہے کوئی کسی نے ناکہ بندی کی خود مجاہدین بھی اور مرکز کے قرب و جوار میں اور چمرکند کی بستی میں بہت سے آدمی موجود تھے کہ ہر ایک ان میں سے ایک ایک پتھر اور ایک ایک درخت اور پہاڑی راستوں سے پوری طرح واقف تھا اگر دو دو روپیہ ان کو فی کس دے دیا جاتا اور اصلی راز کو مخفی رکھتے ہوئے صرف اسی قدر کہا جاتا کہ فلاں پہرہ دار دو بندوقیں لے کر روپوش ہو گیا ہے۔ راستوں کو پکڑو اور اس کا پوری طرح تعاقب کرو تو یقینا پہرہ دار کو گرفتار کر لیتے اور اس دن تک نہ تو ابھی بارش ہوئی تھی اور نہ ہی برف باری ہوئی تھی راستے بالکل صاف تھے۔ اس کے علاوہ جمعیت کے پاس تیز رفتار گھوڑے بھی موجود تھے اور سب سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم کو سحری کا کھانا تقسیم ہونے کے وقت اطلاع ہوئی یہ بالکل عذر لنگ ہے کیونکہ مجاہدین کے چاروں کمرے مولوی صاحب کے کمرہ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور ہر کمرے میں دس بارہ آدمی اس وقت مسلح موجود تھے۔ اور کبھی آدھی رات سے پہلے اور کبھی آدھی رات کے وقت رمضان المبارک کے مہینے میں سحری کا کھانا پکنا شروع ہو جاتا تھا اور مولوی صاحب نہایت بلند آواز تھے کہ ان کا ایک معمولی آواز بھی ایک مست جوان کو آدھی رات کی نیند سے بھی بیدار کر سکتا تھا۔ تمام

Marfat.com

مجاہدین مولوی صاحب کے شور و فغاں سے جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا ہے بیدار ہو چکے تھے۔ لیکن کوئی بھی ان کی فریاد کو نہ پہنچا۔ سحری کا کھانا تقسیم ہونے کے بعد بھی پہرہ دار اور دشمنوں کے تعاقب اور راستوں کی ناکہ بندی کے لیے کافی وقت تھا لیکن کسی نے بھی اس سے استفادہ نہ کیا اور یہی وجہ ہے کہ بعض واقف کاران حال کہتے ہیں کہ یہ تمام کام اور فساد خود مولوی صاحب مرحوم کے ساتھیوں کے ہاتھ سے سرانجام پایا ہے اور خود ان لوگوں نے پہرہ دار کو بھاگنے اور چھپ جانے کا موقع بہم پہنچایا ہے اور جان بوجھ کر راستوں کی ناکہ بندی اور اس کے تعاقب سے پہلوتہی کی گئی ہے اور اس باب میں واقف کاران حال بہت خیال آرائی کرتے ہیں جو کہ عقلمندوں کے نزدیک فکر و غور کے قابل ہے۔

بہر تقدیر مولوی صاحب مرحوم کے رفقاء بزدلی، نامردی، نمک حرامی اور بے غیرتی کی اپنی گندگیوں کو مجھ خیر اندیش کے سر ڈال کر اپنی جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ لیکن ارباب بصیرت و ہوش ان کے اس عذر و سخن سازی کو قبول نہیں کر سکتے۔

مجھ بندۂ خدا کی کیفیت

جھوٹی بات فروغ نہیں پاتی۔ باطل آخر باطل ہے اگر چند روز فروغ پا بھی گیا تو آخر مغلوب ہو جاتا ہے۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا یہ فطرت کا قانون ہے ؎

گہ بدی گفت ترا دشمن باکے نیست   مس نہ آنست کہ بہ مرتبۂ زر برسد
طعن خفاش کجا رونق خورشید برد   سنگ بد اصل کجا قیمت گوہر شکند

جس کا معاملہ جبکہ خدائے پاک کے ساتھ ہے اس کو مخالفین کی بہتان بندی اور افترا پردازی کا کیا ڈر ہے۔ بہت سے خدا کے بندے کہ میں ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوں ناحق اور ناروا دشمنوں اور اہل زبان کی زبان سے متہم ہوئے آخر فضل خداوندی نے ان کی دستگیری فرمائی اور باطل پرست لوگوں کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا۔ پس مجھ کو چاہیئے کہ میں ان لوگوں کے مسلک کو نہ چھوڑوں۔

میں خود تو ان دنوں میں طریقت پناہ گل صاحب کے حقیقی ماموں شجاع خاں نامی

Marfat.com

کے اصرار پر چارمنگ گیا ہوا تھا۔ کیونکہ گل صاحب نے جلال آباد سے واپسی کے وقت مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ تم قرآن ختم کرنے کے لیے میرے گھر آؤ اور اس جگہ میں چارمنگ کے سفید ریشوں اور مولوی صاحب محمد بشیر خاں کو بلا کر قوم کے اتفاق سے تمہارے مسائل کو حل کر دوں گا۔

برخوردار لالی اس سے دو دن پہلے اپنے حقیقی بھائی کی شادی خانہ آبادی کے سلسلہ میں بمقام گوہاٹی چلا گیا تھا۔ اور میرے گھر میں سوائے چند ایک عورتوں کے اور کوئی بھی نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ میرے اور مولوی صاحب مرحوم کے درمیان کچھ شکر رنجی ضرور موجود تھی لیکن شکایات کو دور کرنے کے لیے بہت سی آسان تجویزیں مجھ کو میسر نہ تھیں مگر خود میں ان مصائب اور تکالیف کو جو اس کے ہاتھ سے مجھ کو پہنچ رہی تھیں ہمیشہ اپنی بلند بختی اور اپنی تربیت اخلاق کا ذریعہ سمجھتا تھا میں ان سے نہ صرف یہ کہ صرف نظر کرتا تھا بلکہ میں ان کو رحمت خداوندی سمجھتا تھا اور اپنے اور اس کے حسب حال مشرقی فلسفہ دان کے اشعار میری زبان پر اکثر جاری ہو جایا کرتے تھے ؎

باعزیزاں سرنگوں بودن چرا؟ | شکوہ سنج دشمناں بودن چرا؟
راست میگوئم عدو ہم یار تست | ہستیٔ او رونق بازار تست
ہر کہ دانائے مقامات خودی ست | فضل حق داند اگر دشمن قوی ست
کشت انساں را عدو باشد سحاب | ممکناتش را بر انگیزد ز خواب

اصلاح حال کی تمام کوششوں کو بے نتیجہ اور اوقات عزیز کے ضائع کرنے کا سبب سمجھ کر تمام امور کو خداوند کارساز کے سپرد میں نے کر دیا تھا۔ اور اپنے تن کو تقدیر کے سپرد کر کے اللہ تعالے کی رحمت کا منتظر تھا کہ کب اس کی مہربانی مجھ بے پناہ کی دستگیری کرتی ہے۔

افغانستان کے وزیر جنگ اور میں

کابل کے قیام کے دوران ح۔ ج۔ ا۔ المرتشان وزیر صاحب جنگ نے مجھ کو مولوی صاحب محمد بشیر خاں کے روبرو بلا کر فرمایا تھا کہ آپ کو اپنے لیے کون کونسی شکایت ہے۔"

میں نے عرض کیا "اپنی ذات کے لیے میں کوئی شکایت نہیں رکھتا اس مقصد کے لیے مجھ کو خدا تعالیٰ سمیع و بصیر کافی ہے۔ ہاں اگر شکایت ہے تو صرف اس قدر کہ وطن اور مہاجرین کو کیوں اپنے مرکز سے باہر نکالا جا رہا ہے" ؟ مجھ کو مولوی صاحب نے فرمایا "تم ان لوگوں کے وکیل نہیں ہو"۔ وزیر صاحب نے بھی ان کے اس کلمہ کی تائید فرمائی۔ میں نے ان کو کہا "واقعی قانونی طور پر تو میں ان کا وکیل نہیں ہوں لیکن بہر حال جمعیت کا ایک ذمہ دار اور نیکی بدی کا جوابدہ رکن ہوں"۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ "وطن دار مہاجرین پر اس قدر سختی مناسب نہیں ہے کہ یہی لوگ مصیبت کے وقت کام آنے والے ہیں"۔ وطن داروں میں سے چند آدمیوں کو مولوی صاحب مرحوم نے جمعیت سے نکال باہر کیا تھا اور یہ لوگ کابل میں پہنچ کر جمعیت چرکند کے بر خلاف جگہ جگہ فریاد اور پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ یہ مسئلہ اس وقت پیدا ہوا تھا۔ وزیر صاحب ممدوح نے پھر اسی پہلے فقرہ کو دہرایا کہ اور مہربانی کے انداز میں فرمایا کہ "اگر آپ کو کوئی ذاتی شکایت ہو تو بیان کریں تاکہ اس کو رفع کر دیا جائے"۔ میں نے پھر وہی جواب دیا اور مجلس برخاست ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت شہید مرحوم اور میں

خدا کی قسم اگر اعلیٰ حضرت شاہ شہید مرحوم علیہ الرحمۃ مجھ کو وزیر خارجہ کے ذریعہ پورے اصرار کے ساتھ آمادہ نہ کرتے تو میں ہرگز اصلاح جمعیت مجاہدین کے بارے میں نہ تو کوئی چیز کہتا اور نہ کسی اصلاحی پروگرام کو ضبط تحریر میں لاتا۔ الامر فوق کل شئی (حکم ہر چیز پر غالب ہے)

میں اور انتقامی جذبہ

خدانخواستہ اگر مجھ کو انتقامی جذبہ اپنے بھائی کی خونریزی پر آمادہ کرتا تو اس منزل کے لیے بہترین اور آسان ترین راستہ یہ ہوتا کہ میں اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر مولوی صاحب کی دوستی میں داخل کر دیتا اور بغیر کسی زحمت کشی اور ملامت پہنچنے کے خوف سے کسی آدمی

Marfat.com

کی طرف سے اس ملک میں یا افغانستان میں یا ہندوستان میں کامیاب ہو جاتا اور اپنے مال اور جان اور آبرو کو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ محفوظ رکھتا بلکہ جمعیت چمرکند کے تمام مال و اسباب سامان اور املاک کا بلا شرکت غیرے مالک اور قابض بن جاتا۔ اور اگر خدانخواستہ علیحدگی کی حالت میں کوئی قتل کی سازش میری طرف سے تشکیل پاتی تو کم از کم اپنی عزیز بیٹی اور اس کی ماں کو اور ضروری اسباب اور نایاب کتابوں کو تو اپنے گھر سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پہ پہنچا دیتا۔ کیونکہ چمرکندی لوگوں سے میں ناواقف نہیں تھا۔ یہ لوگ دن رات ہمارے خون کے پیاسے تھے اور جمعیت کو پورے طور پہ تاخت و تاراج کرنے اور ہمیشہ کے لیے فنا کر دینے کے درپے تھے اور کسی موقع اور بہانہ کی تلاش کرتے رہتے تھے اور چارمنگی لوگوں کی سیرت سے بھی میں ناواقف اور بیخبر نہیں تھا۔ دن رات ہمارے قرب و جوار میں قتل کے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے تھے اور قاتلوں اور ان کے ساتھیوں کا مال و متاع لشکر کے ہاتھوں لٹ جاتا تھا اور اس کے بیوی بچے حیا سوز مصیبتوں اور ننگ آور تکلیفوں سے دوچار ہوتے تھے۔

کیا مجھ کو اتنی بھی ہوش نہ تھی کہ مولوی صاحب کے قتل میں یا مولوی صاحب کے قتل کی سازش میں مجھ پہ کیا کیا مصیبتیں رونما ہوں گی۔ میں یقیناً اپنے اہل و عیال اور ضروری سامان کو پہلے ہی سے کسی جگہ محفوظ کر لیتا اور متوقع تکالیف سے اپنی جان کو فارغ کر لیتا۔ لیکن چونکہ میری نیت بالکل پاک تھی اور اس مسئلہ میں اشارۃً یا کنایتاً مجھ کو کوئی تعلق نہ تھا لہٰذا ہر قسم کے خوف و خطر سے میرا دل فارغ تھا۔ لیس مال و اسباب اور بیوی بچے غرض ہر چیز اسی طرح گھر میں موجود تھی اور خود میں گل صاحب کے مکان پہ اس حادثہ سے مطلع ہو کر شینجان گل صاحب کے ہمراہ واپس پہنچا اور پوری تسلی سے میں قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھا کہ اچانک لشکر کے آدمیوں نے میرے مکان پہ حملہ کر کے لوٹنا شروع کر دیا۔ میں جرگہ کے پاس گیا اور صدائے احتجاج بلند کی اور کہا کہ کیوں مجھ کو جرگہ کی حاضری اور صفائی کا موقع نہیں دیا گیا اور ان چیزوں کو پس پشت ڈال کر شریعت کے برخلاف یہ فیصلہ تم نے مجھ پہ کیوں جاری کر دیا" چنانچہ اخبار "شعلہ" نے باوجود

Marfat.com

ذاتی عداوت کے اس حقیقت کو اپنے اخبار میں تسلیم کیا ہے ۔ اخبار مذکور کا ایک پرچہ آنجناب کی اطلاع کے لیے ارسال کر رہا ہوں۔ اخبار مذکور نے اپنے چوتھے صفحہ کالم نمبر ۲ میں لکھا ہے کہ "یہ فیصلہ مولوی فضل الٰہی کے متعلق اس کے گھر میں پڑھا گیا"۔ اس کے علاوہ اس جرگہ میں سوائے ایک آدمی کے جو کہ محض گل صاحب موصوف کا آلہ کار ہے کوئی بھی وطن کے علماء میں سے حاضر نہیں تھا۔

ط۔ گل صاحب چارمنگ

گل صاحب چارمنگ موصوف مجھ سے ایک مدت سے آزردہ خاطر تھے محض خوانین چارمنگ اور ماموند کے لحاظ سے مجھ پر دست اندازی نہیں کرتا تھا۔ لیکن باایں ہمہ جب بھی اس کو کوئی موقع ملتا میری بربادی میں کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ اس موقع پر جو کچھ وہ اپنے دل میں رکھتا تھا وہ خیال سے گذر کر فعل میں آگیا۔ جو چیز ظاہر ہو اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سیادت پناہ پاچہ گل صاحب

اور جو کچھ پاچہ گل صاحب نے میرے حق میں کیا وہ اصول شریعت اور قواعد عرفی کے ساتھ بالکل کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ جو اس نے کیا تخمینے اور قیاس کی بنا پر کیا اور دنیا اور آخرت کی پوچھ گچھ کا بوجھ اپنے کندھوں پر رکھ لیا۔ اس کے باوجود یہ لوگ اپنی جان کو خدا اور رسول کے تابع اور شرع شریف کے حامی کہتے ہیں۔ پاچہ گل صاحب کی رائے کی کمزوری کئی دفعہ دنیا پر واضح ہو چکی ہے۔ کیونکہ اگر فی الحقیقت اس کے کام کی بنا مفقود تھی عقل اور تدابیر کے موافق ہوتی اور کام شروع کرتے وقت اس کی نگاہ کام کے نتیجہ اور انجام پر ہوتی تو یہ وطن سعادت عاجلہ اور پوری کامیابی سے فرخندہ آثار زمانہ میں ہمکنار ہوتا اور وطن مقدس کی عزت اور مرتبت کئی گنا بڑھ چکی ہوتی اور کبھی وطن کو زحمت اور پریشانی اور دشمنوں کی جگ ہنسائی کا موقع نصیب نہ ہوتا اور نہ

Marfat.com

ہی دوستوں کی ملامت اس کا استقبال کرتی۔ اگر اس کی فکر دور اندیش اور اس کی رائے روشن ہوتی۔ تو کیوں ایک نہایت بہادر موسٰی خیل جیسی قوم اس کی دوستی سے باہر چلی جاتی اور کیوں وادئ گنداب کوہ تنھی کے ہمراہ برطانوی محفوظ علاقہ سے ملحق ہو جاتی اور کیوں کوہ آگرہ اور نارنجی اتمان خیل کے علاقہ سے آسانی کے ساتھ انگریزوں کے ہاتھ چلے جاتے۔

یہ محض حکومت افغانستان کی توجہ کا فیض ہے کہ اس کے تمام نہ کرنے والے کاموں پہ پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہ لوگ جو کچھ دل میں آتا ہے وہ کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی کتاب اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کے احکام اور سیرت صحابہ کا بالکل احترام نہیں کرتے۔ اور وہ کس طرح احترام کر سکتے ہیں جبکہ وہ علوم دینی اور زمانہ کے حاضرہ علوم میں سے کچھ تھوڑا بہت بھی حصہ نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ اور اسباب بھی ہیں کہ ایک ان میں بنیادی اور نہایت ہی معقول ہے لیکن اس کا ظاہر کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔

انصاف پروری کی چند ایک مثالیں

انصاف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دین کے بدترین دشمنوں یعنے یہود سے بھی انصاف اور دادخواہی کا دریغ نہیں فرمایا۔ چنانچہ سورہ نساء پارہ نمبر ۵ رکوع $\frac{9}{6}$ آیت نمبر ۵۹ سے لے کر ۶۳ تک میں ہمارے بیان کی تصدیق موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے حق دار کو اس کا دے دیا اور اسی طریقہ سے خداوند تعالیٰ نے مزید فرمایا ہے کہ کسی کی عداوت تم کو انصاف سے روک نہ دے۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔

عہد خلافت میں انصاف کی ایک مثال

خاندان غسانیہ کے بادشاہوں میں سے جبلہ نامی ایک بادشاہ عہد خلافت حضرت عمر میں اپنے متبعین کے ہمراہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا اور اس کے وجود سے طاقت اسلام میں ایک فوق العادت اضافہ وجود میں آیا خود وہ اور اس کی قوم تمام عمر مسلمانوں کے برخلاف جنگ لڑتے رہے۔ غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک ان کی دشمنی کے تاریخی بابوں میں سے ایک یادگار ہیں۔ سینکڑوں مسلمان ان کے ہاتھوں سے مارے گئے مسلمان اس کے اسلام قبول کر لینے سے بہت خوش ہوئے۔

ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے قبیلہ بنی فزارہ کے ایک آدمی کو کسی نہایت معمولی وجہ سے اس نے ایک مکا رسید کر کے اس کے ناک کو زخمی کر دیا۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہو گیا اور شاہ جبلہ مذکور مجرم قرار دیا گیا اور اس باب میں اس کی نو اسلامیت اور اس کی خاندانی شرافت اور اس کی بزرگئے منزلت کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا اور ان تمام نقصانات اور خطرات کو جو کہ اس کے ارتداد کی صورت میں نظر آ رہے تھے انصاف کے معاملہ میں ایک ذرہ کے برابر بھی نہ سمجھا گیا۔ جبلہ مذکور نے ایک دن کی مہلت مانگی اور رات ہی رات میں اپنی نفری کے ساتھ بھاگ کر شاہ قسطنطنیہ کی پناہ جا کر لے لی اور پھر عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ شاہ مذکور کی طرف سے مسلمانوں کو یقیناً کیا کیا ضرر پہنچے ہونگے۔

کفار حاضرہ کے انصاف کی مثال

(۱) بھگت اور دت دو ہندوستانی نوجوان تھے جنہوں نے وائسرائے ہند لارڈ اردن کی ریل گاڑی کو دہلی کے نزدیک اس کی تیز رفتاری کے وقت بم کے گولے سے اڑا دیا تھا۔ اور اس کے بعد بھی وائسرائے ہند کی مجلس میں انہوں نے بم کا ایک گولہ پھینکا تھا۔ جبکہ صاحبزادہ عبدالقیوم خاں وزیر اعظم صوبہ سرحد قانون تحفظ (سیفٹی بل) کی حمایت میں تقریر کر رہا تھا۔ اور خاص طور پر اس خادم اسلام فضل الٰہی بدنام کے برخلاف زہر افشانی

Marfat.com

کر رہا تھا اور اس سے پہلے بھی یہ دونوں مسمیان مذکورہ چند ایک اعلیٰ انگریزی افسروں کو لاہور کے مقام میں قتل کر چکے تھے۔ جب یہ دونوں گرفتار ہوئے تو حکومت انگریز نے جو کہ دنیا کی ظالم ترین حکومت شمار کی جاتی ہے اس قسم کے قومی اور حکومتی دشمنوں کو برابر اسّی ماہ تک (پونے سات سال) صفائی پیش کرنے اور حجت گوئی کے لیے موقع دیا تھا انگریز کا ظلم اقتصادی ہے۔ انگریز کا ظلم سیاسی ہے۔ لیکن اپنے خود ساختہ قانون کے احترام میں چھوٹے سے لے کر بڑے تک تمام فنا ہیں۔

(۲) ایک فاحشہ عورت کی لڑکی کو راجہ اندور نے مار ڈالا تھا اور وہ فاحشہ مذکور راجہ کی معشوقہ تھی۔ راجہ مذکور نے جنگ عظیم میں ڈیڑھ کروڑ روپیہ جو کہ قریباً تیس کروڑ روپیہ افغانستانی بنتا ہے حکومت برطانیہ کو امداد کے طور پر دیا تھا اور ہزاروں آدمیوں کا لشکر بھی لیکن اس کے باوجود محل انصاف میں جب اس فاحشہ عورت نے مقدمہ دائر کیا۔ تو حکومت برطانیہ نے اسکی قیمتی امداد کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ راجہ مذکور اس کے آبائی تخت سے معزول کر دیا گیا۔ کفار اپنے خود ساختہ قانون کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن افسوس سرحدی پیشوا بزرگی اور تقدس کے دعویٰ کے باوجود آسمانی قانون کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔

اس اسلامی علاقہ میں میں خدا کا بندہ اسلام اور مظلومیت کا دعویٰ کرتا ہوں اور اسلام کے مذہبی راہنماؤں اور روحانی پیشواؤں کی طرف سے میں کیوں دادخواہی اور انصاف جوئی کے حقوق سے محروم کر دیا گیا ہوں؟ نہ تو مجھ پر کسی نے قتل کا دعویٰ کیا نہ میرے خلاف کسی نے اس دم تک کوئی شہادت بہم پہنچائی۔ نہ مجھ کو کسی نے صفائی اور حجت پیش کرنے کا کوئی موقع دیا۔ میں نے جتنی بھی زیادہ فریاد کی اتنا ہی زیادہ نامراد ہوا۔

Marfat.com

آخر میں جماعت اسمست کی طرف حضرت صاحب کا مکتوب کہ جماعت مجاہدین کو پھر سے منظم کریں اور اس کے بعد ایک جرگہ اجلاس جمعیت العلماء سرحد آزاد کا ۲۵ جون ۱۹۳۶ء کو بمقام ساگئی علاقہ شنواری اور اس کی روئداد کا خلاصہ حضرت صاحب کی قلم سے درج کرتے ہوئے۔ کتاب کا ایک حصہ ختم کرتے ہیں۔

دوسرے حصہ میں صرف وہ کاروائی اور حالات ہیں جو حضرت صاحب کے خود نوشت ہیں اور علاقہ سرحد آزاد کی تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنکو الگ بنام کوائف یاغستان شائع کیا جائے گا۔

میرے خیال میں حضرت صاحب کے کافی مکتوبات و مسودات وغیرہ نہیں مل سکے کیونکہ حضرت صاحب کا سب سے زیادہ کتب خانہ چمرکنڈ میں ہی تھا اور زیادہ مسودات وغیرہ وہیں تھے۔ اس کے باوجود اگر وہ اصحاب جن کا حضرت صاحب سے تعلق تھا وہ بھی اپنے اپنے واقعات قلمبند کر کے بھیج دیں تو بہت سے پوشیدہ واقعات سامنے آسکتے ہیں۔

(المرتب۔ خالد گھرجاکھی)

Marfat.com

Marfat.com

ایک مکتوب

حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً

از چمرکنڈ سرحد آزاد

مخدوم معظم حضرت امیر صاحب جمعیت مجاہدین ہندیہ اسمست وفقہ اللہ لما یحب ویرضاہ!

بعد ادائے تسلیمات مسنون آپ کی توجہ گرامی کو اور آپ کے ساتھ جمعیت کے تمام اراکین خصوصاً شہزادہ صاحب، حاجی محمد سلیم اور محمد حنیف جان کو بھی مندرجہ ذیل مضمون کی طرف مبذول کرتا ہوں

مقتضائے فریضۂ منصبی

خط و کتابت کا سلسلہ یوں تو مدت سے بند تھا۔ مگر جب سے مرکز چمرکنڈ میں بعض ناگوار واقعات رونما ہوئے وہ انداز اختیار کیا گیا جس سے مخابرہ کی امید قطعاً باقی نہ رہی۔ میرا خیال تھا کہ آپ کو اپنی اہم ذمہ داریاں اور جمعیت عالیہ کے عمومی مصالح بذور باعث ہوں گے کہ آپ جلد سے جلد حالات پر قابو پانے کی کوئی تدبیر اختیار کریں گے اور جمعیت کے وقار کو مزید نقصان سے بچا دیں گے۔ مگر میرا یہ خیال غلط نکلا۔ البتہ ہنگامی جذبات کا نشا ضرور پورا ہو کر رہا جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

مغالطہ بالائے مغالطہ

دوران زمان مدت سے جمعیت بذا کو نئے کلی کا پیغام دینے کے درپے تھا جس کے لیے وہ کسی مناسب موقع کا منتظر تھا۔ آخر وہ گھڑی سالہا سال کے انتظار کے بعد اس کو ملی جو مرکز ماتحت کے بعض ہنگامہ پرست لوگوں کی عاقبت ناشناسی نے اسے بہم پہنچائی۔ ان لوگوں

Marfat.com

کو اپنی نمک حرامی، بزدلی اور فرض ناشناسی پر پردہ ڈالنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی روسیاہی اور بے غیرتی کو بے گناہوں کے دامن سے پاک کرتے اور انتقام جویانہ جذبات کا زیادہ سے زیادہ اظہار کرتے اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ تمام دنیا کے نزدیک خود مجرم ٹھہرتے اور اہل ملک کی طعنہ زنی کی لتاڑ میں ہمیشہ گرفتار رہتے کوئی ان کو اس وطن میں نہ چھوڑتا اور ان کی قیمت انسانیت کے بازار میں کوڑی تک نہ رہتی۔ بہر صورت ان کوتاہ فکر دوں ہمت لوگوں کے ہاتھ سے جمعیت کی ساکھ پر وہ کاری ضرب لگی جس سے شاید ہی وہ عہدہ برآ ہوسکے۔ مرکز لوئیر نے بھی سابقہ جذبات کی رو میں آکر آؤ دیکھا نہ تاؤ انہی نالائقوں کی حمایت کی دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جمعیت کی قبر خود اس کے اپنوں کے ہاتھ سے کھدوائی گئی اس پہ اغیار کا کیا گلہ ہے

من نالہ ز بیگانہ ندارم کہ دلم برد   ہر غم کہ رسیدا است بہم از خویش رسید ست

رہی سہی کسر اغیار کے ہاتھ سے پوری کروائی گئی جنہوں نے دوستی اور ہمدردی کے لباس میں جمعیت کے ذمہ دار اراکین کو ایسا ہوشربا کلوروفارم سونگھایا جس کی بے ہوشی کا اثر مدت تک زائل نہ ہو اور یوں وہ اپنے نفع اور نقصان سے بے خبر رہیں۔

ماضی اور حال

ان پے در پے مغالطوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جمعیت جس کے اسلاف رحمہم اللہ تعالےٰ ایک جہان کی تقدیر کو اپنے لیند خاطر سانچوں میں ڈھالنے کے لیے سرحد آزاد میں آئے تھے آج خود ان کی قسمت کے مالک کون ہیں وہ جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ اجہل اور ارذل سمجھے گئے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

دور حاضرہ کی طرف سے انتباہ

اغیار کو جمعیت عالیہ کی اس طرح معنوی زندگی کا جنازہ نکالنے کے بعد صرف اتنا کام

باقی رہ گیا تھا کہ وہ اس کے ظاہری ڈھانچے کو بھی توڑ پھوڑ کر اس کا نام و نشان مٹا دیں۔ اور دنیا بھر کو اپنے مافی الضمیر کا تماشہ دکھا دیں۔ اس کے آثار اور قرائن زبردست پیدا ہو رہے ہیں۔ دشمن تو دشمن دوست بھی اس کے مستقبل سے دل شکستہ اور مایوس ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ خدانخواستہ اگر ذمہ دار اراکین نے حالات پر قابو پانے سے مزید بے پروائی کی تو وہ دن دور نظر نہیں آتا۔ بلکہ ہاتف غیب سے یہ حوصلہ شکن پیغام دنیا کے کان تک پہنچے "آہ امروز فلاں نہ ماند"۔ خدا کرے اغیار کا یہ نظریہ غلط ثابت ہو اور مسبب الاسباب حقیقی اصلاح حال کا پردۂ غیب سے کوئی سامان بنا دے۔ آمین

موانعات و مشکلات

وہ تحریک جس کی راہنمائی کی مدعی یہ جمعیت ہے حقیقت میں ان تمام لوگوں کی مشترکہ امانت ہے جن کا مقصد حیات خلافت راشدی کا احیاء ہے یعنی یہ کہ مخلوق کو مخلوق کی حکومت سے آزاد کر کے خالق یگانہ کی حکومت کے زیر سایہ لایا جائے۔ تمام انسانی حکومتیں مٹ جائیں اور دنیا بھر میں خالق کی حکومت قائم ہو جائے اس تحریک کی خیر خواہی ہر توحید پرست پر فرض ہے۔ میرا فرض تھا کہ میں پہلے ہی مرحلہ میں جمعیت کے وقار کو سنبھالنے کے لیے جماعت کے کارکنوں کو چیرہ دستی کرنے والوں کی غلطیوں پر متنبہ کرتا مگر میری معذوریوں اور مجبوریوں کا آپ حضرات کو علم ہے جمعیت کے گندم نما جو فروش دوستوں نے ازراہ خود غرضی مجھ پر مدتوں پہلے ارتداد کا حکم لگایا ہوا تھا اور کئی سال سے میرا مقاطعہ کر رکھا تھا اس آخری موقع پر میرے برخلاف پروپیگنڈا کرانے میں ہندوستان کی اخبارات کی مدد بھی حاصل کی گئی تھی۔ اور بلا سوچے سمجھے مجھ ہی کو مورد الزام بنایا گیا۔ اگر اس وقت میں آپ حضرات کو اس غلط رفتاری پر متنبہ بھی کرتا تو اس کا کیا اثر ہوتا۔ میری آواز پر کون کان دھرتا تھا۔ احتجاج کے اس وقت الٹے معنی لیے جاتے۔ اس لیے میں نے صبر اور انتظار سے کام لیا۔ یہاں تک کہ سارے واقعات خدا کے فضل و کرم سے خود بخود ساری دنیا پر واضح ہو گئے۔ اگر میں معاملات کو صاف کرنے کے لیے کوئی بھی تدبیر اختیار کرتا تو اس کے یہ معنی لیے جاتے کہ فضل الٰہی

Marfat.com

جلاوطنی کی تکلیفوں سے گھبرا گیا ہے اور جماعت کے دامن میں پناہ لینا چاہتا ہے۔ میرا لکھنا پڑھنا محض تور یہ اور تعمیہ سمجھا جاتا اور یہ سب تدبیریں جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی بجائے آگ پر تیل ڈالنے کے مترادف ہوتیں۔

وجوہات مکتوب ہذا

اب چونکہ زمانہ بدل چکا ہے وہ لوگ جو میرے برخلاف پروپیگنڈہ میں سب سے زیادہ پیش پیش تھے آج وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر رہے ہیں۔ مزید مخالفت سے دستبرداری کا اعلان کر چکے ہیں۔ مخلوق خدا پر میری بے گناہی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے۔ بچوں کو بوڑھا بنا دینے والے مصائب کا مجھے تنہا مقابلہ کرنا پڑا اور اس زمانہ میں جس صبر اور استقلال کا اظہار میری طرف سے مخلوق پر ہوا اس نے دوست دشمن کو میرا ہمدرد بنا دیا۔ میری پوزیشن پہلے سے بدرجہا مضبوط ہو گئی۔ پس اب اگر میں آپ کی طرف کوئی مصالحت کا پیغام بھیجوں تو اہل انصاف میرا یہ اقدام خود غرضی سے بالکل پاک سمجھیں گے اور امید ہے کہ خدائے عالم الغیب کے نزدیک بھی یہ عمل بہ مصداق حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ "خیرھما الذی یبدأ بالسلام" بنظر تحسین دیکھا جاوے۔

عالمگیر جنگ کی آواز دن رات کانوں میں گونج رہی ہے اور ہر قوم کو اپنی اپنی تعمیر اور تقدیر بنانے کی از سر نو دعوت دے رہی ہے۔ ہوشیار قومیں کئی سال سے تنازع للبقاء کے اس آنے والے میدان میں مسابقت کے لیے بڑی دھوم دھام سے تیاریاں کر رہی ہیں۔ ہندو اپنے راہنماؤں کی اعلیٰ قابلیت سے باوجود صدیوں کی غلامانہ ذہنیت کے اندر پرورش پانے کے اقتدار کے آسمان پر چمکنے والے نظر آتے ہیں اور وہ کئی سال سے عالم اسلام پر رام راج کا جھنڈا لہرانے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں میں باوجود قربانی کا بے پناہ جذبہ ہونے کے صرف راہنماؤں کی بے اتفاقی سے ان کا مستقبل نہایت تاریک نظر آتا ہے۔ حالانکہ سب کو ماضی کی عظمتوں کے ساتھ حال کی بربادی کا پورا علم ہے۔ عالم اسلام کی بالعموم اور مسلمانان ہند کی خصوصی خدمات کے پیش نظر میں آپ سب حضرات کو پرزور دعوت

دعوت دیتا ہوں کہ اگر آپ اس آنے والے امتحان میں اپنے اسلاف کی اقدس روایات کو زندہ کرنے کا صحیح جذبہ رکھتے ہیں اور مولا کی رضا حاصل کرنے میں اپنے ہمعصروں سے پیچھے رہ جانے کو اپنے لیے ننگ و عار سمجھتے ہیں تو یہ وقت ہے کہ اپنی ذاتی رنجشوں سے بالاتر ہو کر اجتماعی مقاصد کی تائید کے واسطے متحد ہو جائیں اور ان غلط فہمیوں کو جو بعض جاہ پرست اصحاب نے اپنی خود غرضی کی خاطر آپ کے دلوں میں ایک صادق شخص کی نسبت بٹھا رکھی تھیں۔ ذہن سے دور کریں یہ موقع نہیں کہ میں اپنے نفس کی صفائی پر یہاں بحث کروں۔ مگر اتنا کہنا غیر مناسب نہیں سمجھتا کہ جب شہزادہ صاحب مع مولوی قمر الدین صاحب مرحوم اور منشی محمد حنیف وغیرہم بعزم کابل جمرکند میں وارد ہوئے تھے۔ تو میں نے ہر مجلس میں ان سے تقاضا کیا تھا کہ اگر مولوی صاحب مرحوم کو اپنی سچائی کا دعویٰ ہے تو آپ حضرات کے روبرو میدان میں نکل کر بات کریں۔ مگر اس مرحوم کو نہ جرأت ہوئی اور نہ ان حضرات نے اپنے مصالح خصوصی کی بنا پر اس کی اجازت دی۔ میری نیک نیتی کی تازہ مثال میری یہی پیش قدمی ہے جو اس خط کے بھیجنے میں میں نے اختیار کی ہے۔ اجتماعی مقاصد کی خاطر مجھے اپنی ذاتی تکالیف پر ذرہ برابر شاکی نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ زحمتیں ارباب بصیرت کے نزدیک خالق تعالیٰ کی طرف سے اس کی بندہ نوازی کے اہم تمغے ہیں ؎

درویش و فقیریم دریں گوشہ دنیا — با نیک و بد عالم ما کار نہ داریم
ما شاخ درختیم پر از میوۂ توحید — ہر رہگذرے سنگ ندعا رنہ داریم

اعلان عام

اب میں از سر تو آپ سب حضرات کی خدمت میں اس اعلان کے ساتھ پیش ہوتا ہوں کہ اگر میرے ذمہ کوئی اخلاقی گناہ یا اجتماعی شکایت ثابت کر دیں یا وہ الزامات جو آپ یا کوئی دوسرا میری طرف نسبت کرتا ہے مدلل کریں تو میں انشاء اللہ تعالیٰ فوراً اس سے رجوع کرنے میں سب سے زیادہ فخر سمجھوں گا۔ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس کو اپنی غلطی کا اقرار کرنے میں ننگ و عار مانع نہ ہو جیسے مسلمان کو اپنی غلطی کا اقرار کرنے

Marfat.com

میں وہ مزہ ملتا ہے جو نیکی کرنے میں شاید اس کو نہ ملے۔ بے شک میں اپنے خالق کے نزدیک اس کا سب سے زیادہ گنہگار اور روسیاہ بندہ ہوں اور اپنے تئیں خطاؤں اور غلطیوں کا مجسمہ سمجھتا ہوں اور ان پر دن رات آنسو بہاتا رہتا ہوں مگر جو الزامات یہ خود غرض لوگ میری طرف نسبت کرتے ہیں ان سے خدا کی مہربانی سے میرا دامن بالکل پاک ہے۔ خداوند تعالیٰ مجھ کو خودستائی کی لغزشوں سے بچا دے۔ مگر اس بات کے کہنے میں میں اقمیہ بالکل نہیں جھجکتا کہ جمعیت کے اندر ایک شخص بھی بطور مثال آپ پیش نہ کر سکیں گے جس نے کسی اجتماعی مقصد کی خاطر مال و جان کی وہ قربانیاں پیش کی ہوں جن کے ادا کرنے میں خداوند بندہ نواز نے اس عاجز کو سرفراز فرمایا۔ اتفاق اور اتحاد کی خاطر بلا کسی زور اور جبر کے اپنی آبرو۔ بے حساب نقد سرمایہ اور قیمتی سامان کو ایثار کرنا صرف اسی شخص کا کام ہے جس کو خدا نے اپنی توفیق ازلی سے نوازا ہو وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقھا الا ذو حظ عظیم ؎

سرمد! غم عشق بوالہوس را نہ دہند — سوز دل پروانہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار — ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم مگر یہ قربانیاں کیا قربانیاں ہیں۔ ان کا نام زبان پر لانا شرف انسانیت سے دستبردار ہونے کے مترادف ہے۔ البتہ یہ جذبہ ان حضرات کی صحبت بابرکت کی طفیل سے پیدا ہوا جن کے دیکھنے کے واسطے آنکھیں ترستی ہیں۔ یہ وہ مقدس لوگ تھے جن کے دل و دماغ میں اور رگ و ریشے میں توحید خالص اور روحانیت اور ایثار کا جذبہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کے توسل سے سرایت کر چکا تھا۔ انہوں نے ہی تیرہ سو سال کے بعد دنیا پر ایثار اور دوسرے اخلاق انسانی کا کامل نمونہ پیش کیا تھا ؎

عاشقاں اول قدم بر ہر دو عالم میزنند — بعد ازاں در کوئے عاشقی دم میزنند
جرعہ نوشان بلا را شادمانی در غمہاست — شاد ماند آں دل کہ در دے سکہ غم میزنند
ساکنان آستان عشق مانند جلال — از فراغت پشت پا بر مملکت جم میزنند

میں اور جمعیت

جمعیت کے اغراض مقدس کے خاطر جو حضرت سید احمد صاحب اور ان کے سچے جانشینوں کے لائحہ عمل میں داخل ہیں یعنی احیائے خلافت راشدی جتنی بھی قربانیاں کی جاویں اور جتنی بھی تکلیفیں سہی جاویں۔ اپنوں کے ہاتھ سے ہوں یا کفار کے ہاتھ سے عین سعادت ہے۔ اس لیے میرا فرض ہے کہ جو جو تکلیفیں مجھ کو یا میرے عیال کو جو اپنے بھائیوں کے ہاتھ سے پہنچی یا آئندہ پہنچنے کا احتمال ہے ان کا مطلق خیال نہ کروں اور فرمان واجب الاذعان (وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ) کو پہلے کی طرح دستور العمل بنا کر بھائیوں کے حق میں دعا کرتا رہوں۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر جتنے حملے اور جان ستانی کی کارروائیاں اس جلاوطنی کے زمانہ میں مجھ پر اور میرے عیال پر پہنچی ہوئیں۔ ان پر میرا صبر کرنا یہی معنی رکھتا تھا۔ حالانکہ وطن کی زبردست طاقتوں نے ہر ایسے موقعہ پر مجھے آلہ کار بنا کر جمعیت کے کلی تاراج کی طرف اقدام کرنا چاہا۔ مگر خدا کی مہربانی سے وہ مجھے اپنے داؤ میں نہ لاسکے میں ہمیشہ جماعت کی خیر چاہتا رہا۔ اور رہتا ہوں۔ جماعت کی حمایت میں دولت افغانستان کی طرف نہایت دلسوز اور ہمدردی آمیز مضامین کا سلسلہ جاری رکھتا ہوں جس کے اب دشمن بھی قائل ہیں۔ بلکہ

میں اور اہل وطن

میرے لیے دو گونہ مشکلات کا مقابلہ ہے۔ جہاں تک اس کا بھائیوں سے تعلق ہے میں ان پر صبر کرنا اپنا فرض اسلامی سمجھتا ہوں۔ مگر جو تکلیفیں اور زحمتیں اہل وطن کے پروپیگنڈہ کے ذیل میں مجھ پر پیش ہو رہی ہیں۔ ان کی مدافعت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ بھی اس لیے کہ ان لوگوں کا مقصد وحید یہ ہے کہ جمعیت مجاہدین کا نام و نشان اس وطن میں نہ رہے۔ وہ ہر حملہ آپ حضرات کی ہمدردی کے لباس میں مجھ پر کرتے ہیں مگر مقصد ان کا مرکز کی بیخ کنی ہے جس کو آپ حضرات نہیں پہچانتے۔ مگر میں حق الیقین کے مرتبہ پر پہچانتا ہوں۔ ان

Marfat.com

کی تحریکات مخاصمانہ کی مدافعت میں تادم واپسیں کوشش جاری رکھوں گا۔ امید ہے کہ آپ بھی ان کی گندم نما جوفروش دوستی کے فریب سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ اور جمعیت کو مزید خارجہ محتاجیوں سے آزاد کرنے کی پالیسی اختیار کریں گے اور یہ نعمت گھر کے اتفاق ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ حضرات ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور و فکر کریں۔

آخری پیغام

اب بھی وقت ہے کہ اگر آپ حضرات نے جمعیت کی منتشرہ قوتوں کو جمع کرنے کے اس نادر موقع کو ضائع نہ کیا۔ اور میری اس دعوت کو قدر کی نظر سے دیکھا تو یقین ہے۔ کہ جمعیت اپنے کھوئے ہوئے وقار کی تلافی کر سکے اور پھر ایک دفعہ دوستوں کے لیے محل امید اور دشمنان اسلام اور وطن کے لیے خار چشم ثابت ہو اس عزت کے حاصل کرنے کا موقع جنگ عالمگیر ہے۔ جو بہت ہی قریب الوقوع معلوم ہوتا۔ دولت جرمن بالشوزم کے محاکا اعلان کر چکی ہے۔ روسی فوجیں مدافعت کے لیے اپنی مغربی سرحدوں پہ پہنچ چکی ہیں۔ جاپان مشرق کی طرف سے اس پہ دباؤ ڈال رہا ہے روس کی حمایت کا اعلان فرانس کر چکا ہے۔ برطانیہ فرانس کو ہرگز اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی ذاتی رنجشوں اور گلوں کو بھول کر ایک دوسرے کے گلے لگ جائیں اور دشمنوں کو اپنی برادرانہ زندگی کے حیرت انگیز نتائج سے متاثر کریں وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

وقت کا تقاضا یہ تھا کہ میں بذات خود حاضر ہو کر آپ حضرات کو حال کے آئینے میں مستقبل کے خطرات کی تصویر دکھانے کی کوشش کرتا۔ مگر میری آمد و رفت کے راہ میں ۱۹۳۱ء کے پائندہ خیل کے مسائل سد سکندری کی طرح حائل ہیں۔ جن کو عبور کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔ میری نقل و حرکت کو جمعیت کے دوسرے افراد پر قیاس کرنا جو ہندوستان میں بھی آزادی کے ساتھ آمد و رفت کر سکتے ہیں۔ سراسر غلط ہے۔ میرے لیے ۱۹۲۱ء کے بعد سرحد یا جوڑ سے اس پر عبور کرنا ہندوستان کے حدود میں داخل ہونے سے کم خطرناک نہیں ہے۔ اس لیے

میں اس مکتوب کو دستی بواسطہ . . . . خدمت میں ارسال کرتا ہوں اور اس خط کو آپ حضرات کی سلامتی اور اتفاق کی دعا پر ختم کرتا ہوں۔
بخدمت جمیع برادران مہاجرین و اخوات مہاجرات کو سلام مسنون عرض ہے فقط والسلام۔

فقیر الی اللہ فضل الٰہی عفی عنہ بقلم خود

Marfat.com

کاروائی اجلاس

(مخصوص برائے اجلاس)

از سرحد آزاد

بتاریخ ۲۵ رجون ۱۹۳۶ء کو بمقام ساگی علاقہ شنواری میں جمعیت العلماء سرحد آزاد کا ایک اجلاس رئیس الغزات فقیر صاحب علی نگر کی سرپرستی میں منعقد ہوا جس میں دو ہزار سے زیادہ نمایندگان مہمند، صافی، باجوڑ، اتمان خیل نے شمولیت کی۔ اس اجلاس میں مولوی فضل الٰہی صاحب مہاجر ہندی سیکرٹری جمعیت مذکور نے سیاسیات حاضرۂ عالم اور ہندوستان کے حالات پر پشتو زبان میں شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ خصوصاً ڈاکٹر مختار احمد خان انصاری کی بے وقت موت اور مسجد شہید گنج کے خلاف توقع فیصلہ برطانوی اور فلسطین کے عربوں کی روز افزوں مشکلات کا حال سن کر ان کے دلوں کو شدید صدمہ ہوا اور جمعیت مذکور نے دکلائے قبائل آزاد کے مشورے سے مندرجہ ذیل تجاویز پر اتفاق کیا۔ جو امید ہے کہ روزنامہ مذکور اپنی اولیں اشاعت میں طبع کر کے جمعیت العلماء کو ممنون فرمانے سے دریغ نہیں کریگا۔

(۱) جمعیت العلماء سرحد آزاد، ڈاکٹر مختار احمد خان انصاری اور مولانا محمد یار ماڈیوک پکتھال کی موت کو عالم اسلام کے نقصان سے تعبیر کرتی ہے اور ان مسافران عالم ملکوت کے لیے مغفرت کی دعا مانگتی ہے اور ان کے پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی توفیق چاہتی ہے اور اپنی طرف سے اور قبائل آزاد کی طرف سے اہل مرحومین کی خدمت میں ہمدردی کا پیغام تقدیم کرتی ہے۔

(۲) جمعیت مذکور مسلمانان ہند کی ان کوششوں اور قربانیوں کو غبطہ کی نظر سے دیکھتی ہے جو انہوں نے مسجد شہید گنج کی واگذاری کے ذیل میں کیں اور حکومت ہند نے

Marfat.com

جو فیصلہ مسجد مذکور کی اسلامی حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف کیا ہے اس کو حکومت کی سیاسی اغراض پر محمول کرتی ہے جو آنے والے عالمگیر جنگ میں فوجی بھرتی کے متعلق سکھوں کی جنگجو قوم اور ہندوؤں کی سرمایہ داری سے وابستہ ہیں اور مسلمانان ہند سے استدعا کرتی ہے کہ وہ صبر اور ضبط سے کام لیں اور مسجد کی واگذاری کے ضمن میں حکومت کے پٹھو خلیفہ یعنی قادیانی یا دفتی سے کسی قسم کا استغاثہ اور استعانت نہ کریں۔ کیونکہ مسجد کا ہاتھ نہ آنا چنداں تکلیف دہ نہیں ہے جتنا کہ خودداری اور غیرت کا ہاتھ سے دینا مسجد تو سو سال سے زیادہ عرصہ ہوا ان سے جا چکی اب غیرت کا دامن چھوٹنا خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوگا۔ ان کو چاہئے کہ ایک مسجد شہید گنج کے ضائع ہونے کا غم نہ کریں بلکہ بیشمار شعائر اسلامی ہیں جو ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور روز بروز نکلے جا رہے ہیں۔ ان سب کا فکر کریں اور جس چیز کے نہ ہونے سے ان کی قیمت دنیا کے بازار میں کوڑی کے برابر نہ رہی۔ اپنی تمام ہمت اور کوشش اس کے حاصل کرنے میں وقف کر دیں یعنی اپنے لیے مرکز اجتماعی پیدا کریں اور اس بارے میں قبائل آزاد کے عمل سے سبق حاصل کریں۔ فرانس جرمن، روس۔ ترکی۔ عرب غرض دنیا کی تمام بہادر اور باسامان فوجیں انگریزی حکومت کے سامنے پائے ثبات قائم نہ رکھ سکیں۔ مگر سرحدی قبائل ہیں جو باوجود نہایت ناداری اور بے سروسامانی کے آج تک ایک بڑی حد تک اپنی آزادی کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور اگر بعض عاقبت ناشناس رہنماان کے قدرتی قوی کو بے محل اور بے موقع خرچ نہ کرتے تو آج دنیا کا نقشہ ایک دوسری طرز پر ہوتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قبائل سرحدی باوجود ہمیشہ خانہ جنگی میں مبتلا رہنے کے خارجی حوادث اور مصائب کا اجتماعی قوت سے مقابلہ اور مدافعہ کرتے ہیں۔

(۳) جمعیت مذکور حکومت برطانیہ کی یہود نواز حکمت عملی کو فلسطین میں اسلام کے اخلاسے تعبیر کرتی ہے اور خدا پاک سے دعا کرتی ہے کہ وہ موجودہ کشمکش کو ایسے رنگ میں ختم کرے جو اہل فلسطین کی کامل آزادی کے مترادف ہو۔ اگرچہ اہل فلسطین نے ان مصائب کو برطانیہ کی دوستی پر ترکوں کے مقابلے میں اعتماد کرکے خود خریدا۔ بایں ہمہ

Marfat.com

ان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور یہودیوں کے اقتدار کو بیت المقدس کی سرزمین میں ہرگز نہیں دیکھ سکتی۔

(۴) جمعیت مذکور مسلمانان ہند کی اس خوش عقیدگی پر اظہار افسوس کرتی ہے۔ جو ان کو گاندھی جی کے بارے میں افراط کے درجے پر ہے۔ مسلمانان ہند کا یہ خیال غلط ہے کہ گاندھی جی ایک خالص وطن دوست اور قوم پرست رہنما ہے۔ گاندھی جی کے فرقہ وارانہ اعمال نے اس حقیقت کو بارہا بے نقاب کیا۔ مگر مسلمانوں کی اندھی عقیدت مندی نے ان کو اس وقت تک اس کے جال سے نہ نکلنے دیا۔ اگر انہوں نے ہندو مسلم اتحاد۔ اور تحریکات آزادی کی پیش رفت کے لیے ایسا کیا ہو تو وہ شاید معذور سمجھے جا سکیں۔ ورنہ ان کی ذات سے اس کے بعد کوئی امید رکھنا خشکی پہ کشتی چلانے کے ہم معنی ہے اہل سرحد کو اس عجیب شخص کی اصلیت کا پہلی بار اس وقت پتہ چلا جبکہ اس نے ہمارے آفریدی بھائیوں کو جون ۱۹۳۱ء کے جنگ میں یہ پیغام بذریعہ خانصاحب عبدالغفار خان پہنچایا کہ۔

"آفریدیوں سے کہہ دیجیئے کہ حکومت جو علاقہ ان سے لینا چاہتی ہے وہ انگریزوں کو دیدیں جب ہم کو سوراج مل جائے گا تو پھر ہم انہیں واپس دے دیں گے" - (جریدہ انقلاب مورخہ ۹ر جون ۱۹۳۱ء)

حالانکہ وہ علیناً اسی وقت اپنی ہزار سال کی ہندو غلام قوم کو آزادی کا سبق پڑھا رہا تھا اور دت اور بھگت کے مجسموں کو ہر مرکزی شہر میں ہندوستان کے اندر نصب کرانے کے لیے ہندو سرمایہ داروں سے چندہ کی اپیل کر رہا تھا۔ پھر جب اس نے مولانا محمد علی خان مرحوم کے مشورے کو مسترد کیا جو انہوں نے اچھوت قوم کی روز افزوں مظلومیت سے متاثر ہو کر گاندھی جی کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہ کہ یا تو اچھوت قوم کے لیے ہندو قوم سے مساوات کا حق حاصل کریں یا اہل اسلام کو اجازت دلویں کہ وہ ان کو اسلام کی طرف دعوت کریں۔ اس سے پہلے بھی شردھانند نے جب مسلمانان ہند کو شدھ کرنے کی کوشش کی تھی اس وقت بھی گاندھی جی نے اپنے طرز عمل سے اس اتحاد کش تحریک کو پوری پوری

Marfat.com

ہوا دی تھی۔ مگر مسلمانان ہند کی خوش عقیدگی کا کیا کہئے کہ اس وقت بھی نہ سمجھے۔ اس مولانا محمد علی مرحوم کے بر خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اب یہ وہی گاندھی جی ہے جو کانگرس کے اجلاس میں ہندوستان کی قومی زبان کا ہندوستانی قرار دینے کے باوجود اب اسے مٹانا چاہتا ہے اگر ایسے حالات کے دیکھتے ہوئے بھی مسلمانان ہند اس شخص سے کسی خیر کی توقع رکھیں اور اس کی جے کے نعرے لگائیں تو یہ ان کے ضمیر کی کمزوری کی دلیل ہے۔

(۵) جمعیت مذکور مسٹر محمد علی جناح کی ان کوششوں کو جو انہوں نے مسلمانان ہند کے اتحاد باہمی کے متعلق کیں نہایت احترام اور استحسان کی نظر سے دیکھتی ہے جمعیت الاحرار اور جمعیت اتحاد ملت کے باہمی اتفاق کو اہل اسلام کے واسطے نیک فال سمجھتی ہے۔

(۶) جمعیت مذکور ان تمام حضرات کی صحت اور طول بقا کے واسطے دعا کرتی ہے۔ جنہوں نے تحریک قادیانی کے انسداد میں حصہ لیا اور لے رہے ہیں کیونکہ یہ تحریک عالم اسلام کے حق میں نہایت ہی مضر ثابت ہوئی ہے اس تحریک کے مغیر تجدد اور عالمگیر نقصان کو دیکھتے ہوئے ان لوگوں کے حال پر تعجب کرتی ہے جو باوجود علم و فضل کے مدعی ہونے کے اب تک اس کی تائید میں سرگرداں ہیں۔ کیونکہ اگر میرزا قادیانی خدا کی طرف سے مامور اور خلیفہ ہوتا تو حسب وعدہ قرآنی مندرجہ سورۃ النور پارہ ۱۸ رکوع ۱۳ آیت ۵۵ اس کے ہاتھ سے تمام غیر اللہ کی مصنوعی اور جبری حکومتیں مٹ جاتیں۔ جو آج اشتراکیت کی پیدائش اور ترقی کا باعث ہو رہی ہیں۔ اور عالمگیر جنگ کا دیوتا جو تمام بنی نوع انسان کو ہلاکت کا لرزہ انگیز پیغام دے رہا ہے۔ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ آتا۔ زمین کے رہنے والے اپنے ہم جنسوں کی غلامی سے آزاد ہو کر فقط واحد قہار کے سامنے گردن نہاد دکھے جاتے۔ یہ بشارت آیت مشار الیہ کے لفظ لفظ میں موجود ہے۔ جو یہ ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۔ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَمَنْ

Marfat.com

کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

اگر میرزا قادیانی خدا کی طرف سے مامور ہوتا اور اس کا دعویٰ مہدویت کا سچا ہوتا تو وہ ضرور عالم اسلام کو اور اگر عالم اسلام کو نہیں تو کم از کم مسلمانان ہندوستان کو کفار کی غلامی سے ٹھیک اسی طرح چھڑاتا جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کی استبداد یت سے آزاد کرایا تھا اور جس طرح وہ مامور من اللہ قوم کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے قوم کی اخلاقی، روحانی اصلاح کی طرف کماحقہ توجہ اس وقت تک نہ کر سکا جب تک کہ ان کو آزاد نہ کرالیا۔ ٹھیک اسی طرح مرزا قادیانی ہند کے غلام مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرتا جب تک کہ ان کو سیاسی آزادی نہ دلوا دیتا۔ کیونکہ مشہور ہے۔ "دو بادشاہان در اقلیمے نہ گنجند"۔ اسلام اور کفر کی سلطنتیں۔ فطری اور مصنوعی حکومتیں ایک وقت میں اور ایک جگہ میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

(۷) جمعیت مذکور ڈاکٹر امبیدکار اور ان کی اچھوت قوم کو اسلامی برادری میں داخل ہونے اور مساوات حقیقی سے بہرہ مند ہونے کا پرزور مشورہ دیتی ہے اور ان کی خدمت میں عرض کرتی ہے کہ اگر وہ تمام دنیا کے طول و عرض کی سیر بھی کریں گے اور ہر جگہ سے اپنے دردوں کی دوا تلاش کریں گے تو ان کو یہ دوا اسلام کے ہمہ گیر فطری شفاخانے کے بغیر کہیں نہ ملے گی۔ ممکن ہو تو آپ سرحد آزاد کا دورہ کریں تو اپنی آنکھ سے دیکھیں گے کہ کس طرح ایک چمار، کمہار، حجام وغیرہ کی لڑکی ایک اعلیٰ سے اعلیٰ خان، سید اور قاضی کی منکوحہ بیوی ہے۔ جس پر کسی قسم کی ننگ اور عار کا احساس نہیں کیا جاتا۔

(۸) جمعیت مذکور خواجہ عبد اللہ گاندھی (رہبر لال گاندھی) خواجہ گل محمد خاں (اسٹرچے ایم لشمین انگریز) ڈاکٹر محمد صالح خاں (موہنچند دندان ساز) عبد اللہ خاں مرہٹہ۔ محمد عمر برہمن جمیل روٹون (سابق مسٹر جے آرٹون) کی خدمت میں ان کے مشرف باسلام ہونے پر اپنی طرف سے اور تمام قبائل آزاد کی طرف سے ہدیہ تبریک پیش کرتی ہے اور ان کی استقامت اور صحت و بقاء و فارغ البالی کے لیے دعا کرتی ہے۔

(۹) جمعیت مذکور حبش کے سقوط پر دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتی ہے اور اس واقعہ

Marfat.com

کو تمام ان قوموں کے لیے درس عبرت قرار دیتی ہے جو جمعیت الأقوام کے وعدوں پر بالعموم اور اس کے رکن رکین دولت برطانوی پر بالخصوص بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے بھروسے پر اپنے مستقبل کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

(۱۰) جمعیت مذکور حکومت ہند کے اس فعل کو اخلاق سوز قرار دیتی ہے جو وہ قوم موسیٰ خیل کو اس کی مرضی کے خلاف وظیفہ خوری پر خواہ مخواہ مجبور کرتی ہے اور اس کے رشتہ داروں کو جو محروسہ برطانوی ہند میں آباد ہیں اس بات پر جیل میں ڈال رہی ہے کہ وہ اپنے آزاد بھائیوں کو انگریزی حکومت کا بلیہ قبول کرلینے پر باعث ہوں اور اس کام کے لیے یکے بعد دیگرے دفعہ بھی بھیج رہی ہے۔ حکومت انگریزی کے اس قسم کے اعمال۔ سرحدی جنگوں کے سبب بن جاتے ہیں جن سے حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا پر اس کے اقدام کی حکمت عملی اور بمباری کا جواز بدلیل اور ثابت ہو۔

(۱۱) جمعیت مذکور اپنی طرف سے اور قبائل آزاد کی طرف سے حکومت افغانستان اور ملت ہندوستان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے جو حکومت انگریزی کے اقدام کی حکمت عملی اور بمباری کے خلاف ہمیشہ صدائے احتجاج بلند کرکے انسانی ہمدردی اور ہمسایوں کی غیر محدود غم شریکی کا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ اس نیک سلوک کے عوض میں خدا مطلق دولت افغانستان کو استقلال کی غیر محدود برکتوں سے مالا مال رکھے اور دن دگنی اور رات چوگنی ترقی نصیب کرے اور ملت نجیبہ ہندوستان کو آزادی نام کی نعمت سے جلد سے جلد سرفراز کرے تاکہ تمام دنیا غلامی کی لعنت سے نجات پاوے اور اس موقع پر ان ہر دو نیک اور فرض شناس پڑوسیوں سے استدعا کرتی ہے کہ وہ اپنے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرکے حکومت ہند کو موسیٰ خیل کے ہمدردوں کے رعیتی رشتہ داروں کی گرفتاری اور آزاد ہمدردوں کی ناکہ بندی کی تجاویز سے منع کرے۔ اور ان کو خواہ مخواہ مواجب (سبسیڈی) کا روپیہ قبول کرلینے پر مجبور نہ کرے۔ بلکہ انکو ان کے حال اور اختیار پر چھوڑ دے تاکہ وہ اس کے پڑوس میں امن سے زندگی بسر کرسکیں اور اسی طرح ان کے آفریدی اور وزیری بھائیوں سے بھی چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ اور ان کے وطن میں مزید سڑکیں بنانے سے بالکل علیحدہ رہے۔

Marfat.com

(۱۴) جمعیت العلماء نے صدر مجلس یعنی فقیر صاحب علی نگر کی وساطت سے اس جلسہ میں ان مخصوص حضرات کو خطی پرزور دعوت دی تھی جنہوں نے فردوس مکانی ارکان مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم کی شہادت کے موقعہ پر جمعیت مجاہدین ہندیہ چمرکنڈ کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر کے مولوی فضل الٰہی صاحب کو اس کی جگہ سے بے دخل کر دیا تھا۔ تاکہ وہ اس مجلس کے روبرو اس کے برخلاف اپنے مزعومہ الزامات کو ثابت کریں مگر وہ متواتر بلائے جانے پر بھی نہ آئے جس سے ان کے دلائل کی بے مائیگی اور افلاس کا راز سب پر واضح ہو گیا۔ جمعیت ہذا کی تحقیق کا نتیجہ حسب ذیل ہے۔

مولوی صاحب محمد بشیر خان ماہ رمضان ۱۳۵۵ھ کی پہلی شب میں قتل ہوا۔ دوست دشمن سب اس بات کے قائل ہیں کہ مولوی صاحب فضل الٰہی مذکور مع اپنے ایک بنگالی رفیق کے قتل کے واقعہ سے ایک یا دو روز پہلے طریقت یار گل صاحب چار سدہ کی جگہ پر حافظ القرآن کو نماز تراویح میں فتح دینے کے لئے گیا ہوا تھا اور واقعہ کے اندر اور ایک دن بعد بھی وہیں تھا۔ اس کا ملازم اپنے حقیقی بھائی کی شادی پر ایک روز کی مسافت پر گیا ہوا تھا۔ گھر میں سوا اس کی بیوی اور ایک لڑکی کے کوئی نہ تھا۔ جیسا کہ پہلے روز کسی کو اس کے برخلاف کوئی شرعی یا عرفی دلیل واقعہ کے متعلق نہ ملی۔ ویسے ہی اب تک اس بیس ماہ کے اندر باوجود تلاش اور تحقیق دقیق کے کسی کو دلیل تو بڑی بات ہے ادنیٰ سا قرینہ بھی ہاتھ نہیں لگا جو اس بات کی طرف راہنمائی کر سکے کہ مولوی صاحب مذکور اشارۃً یا کنایۃً اس مسئلہ میں شریک ہیں یا یہ کہ انگریزوں سے ساز باز کر کے اس واقعہ کو اس نے انجام دیا ہے۔ حاشا و کلا۔

خدانخواستہ اگر اس کی حکومت انگریزی سے کوئی نئی یا پرانی ساز باز ہوتی تو یہ بات ضرور اپنے پہلے ہی مرحلہ میں نصف النہار کی طرح قوم مومنہ خیل کے فرد فرد پر کھل جاتی کیونکہ وہ من حیث القوم برطانوی حکومت کی وظیفہ خوار ہے اور اس کے بعض افراد حکومت کی نہایت گہری وفاداری میں شریک ہیں اور اس کی شجاعت اور اہمیت کی بنا پر اس کو اب برابر پیشہ سے کہ اپنا طرفدار رکھنا چاہتی ہے جس کی جمعیت العلماء کو علم

Marfat.com

بالجزم کہہ چکی ہے۔ یہ محض ان لوگوں کا پروپیگنڈا ہے جو سرحد آزاد میں لائق اور مہم رجال کی موجودگی کو اور جمعیت مجاہدین ہندیہ کے فروغ کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھتے۔ اور اگر سچ پوچھا جاوے تو یہ محض مولوی فضل الٰہی مذکور کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ اس نے جمعیت مجاہدین کی فوق العادت مادی اور اخلاقی خدمت کر کے اس کو اس کامیابی کے ساتھ اعداء اسلام کی تحریکات کا مقابلہ کر رہی ہے۔ چنانچہ جمعیت العلماء ہندیہ بھی اسی کی ہدایت اور راہنمائی میں اپنا پروگرام چلا رہی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے یہی قوم تھی اور یہی ان کے علماء تھے جن میں اکثر ان کی تمام عملیات میں شریک اور خلط ملط ہے۔ جمعیت ہذا کا برطانیہ جیسی باشوکت حکومت اور موسیٰ خیل جیسی متعصب اور شجاع ترین قوم کے عزائم میں حائل ہونا موت کے ساتھ کھیلنے سے زیادہ صبر آزما ہے مگر جمعیت ہذا کے اراکین پر سے کسی پر بھی یہ قوم بسبب وطنیت اور قومیت کے ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔ مگر مولوی صاحب فضل الٰہی جو ایک مسافر اور بے وطن شخص ہے اور ایک نہایت کمزور قوم کے اندر سکونت پذیر ہے وہ دن رات کی کسی گھڑی میں اس کے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا۔ جیسا کہ نزلہ ہمیشہ ضعیف عضو پر گرتا ہے ویسے ہی قوم اور حکومت بیک وقت اس کی بربادی کے درپے ہے۔ چنانچہ بہت سے مواجب خواروں اور ان کے حاشیہ نشینوں نے اس غریب الوطن کو موت کی دھمکی دی اور کئی مرتبہ اس پر شبخون پڑے اور گذشتہ ماہ رمضان میں تو حد ہی ہو گئی۔ جبکہ وہ نماز تراویح میں مع عیال کے مشغول تھا اور مکان کا دروازہ بسبب دھوئیں کے آزاد تھا۔ کسی دشمن خدا نے اس پر انگریزی ساخت کا بم گولہ پھینکا جس کی آواز پانچ پانچ میل تک پہنچی۔ بہت سے چھرے مکان کے اندر بھی گئے۔

اس بم سے اس کا اور اس کے عیال کا بچ جانا محض خدا پاک کی قدرت کاملہ کا معجزہ نما مظہر سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو وہ ضرور اس وطن سے مدتوں پہلے گیا ہوتا مگر وہ اب تک باوجود اپنی کمزوری اور بڑھاپے کے تن تنہا متوکلا علی اللہ سرحد آزاد میں آزادانہ چلتا پھرتا اور جمعیت ہائے علماء کی اصلاح اور قوموں کی تنظیم میں برابر ساعی رہتا ہے۔ مولوی صاحب کی موجودہ اور سابقہ فداکارانہ اور مجاہدانہ زندگی کے حالات کے پیش نظر

Marfat.com

اس کے بدترین دشمنوں کو بھی اس کی نسبت ایسی مکروہ باتوں کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ مگر ہاں جس طرح بلبل ہزار داستان کی خوش الحانی اس کی زحمت کا باعث بنی رہتی ہے۔ اسی طرح مولوی صاحب کی علمی خوبیاں اور عملی کمالات اس کو گردوں اور رقیبوں کی نظر میں ہر وقت گردن زدنی قرار دیے ہوئے ہیں۔

یہی طائفہ کبھی اس کو امان اللہ خاں کا جلیہ دار قرار دے کر حکومت حاضرہ کی نظروں میں معتوب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی انگریزوں کا خفیہ کارندہ مشہور کر کے آزادی خواہان عالم کی نظروں میں سے گرانا چاہتا ہے اور جب ان تمام باتوں میں ناکام رہا تو اس مرتبہ اسے مولوی محمد بشیر صاحب کے قتل سے متہم کر کے مذہب پرست طبقہ کے اندر اس کو ساقط الاعتبار کرنا چاہتا ہے۔ آئندہ نہ معلوم کیا کیا کریگا اور یہی لوگ ہیں جو جمعیت مرکزیہ کو مولوی صاحب سے صلح کر لینے میں مانع ہے۔

بہر تقدیر یہ جمعیت ہذا معہ نمائندگان قبائل مہمند۔ اتمان خیل۔ باجوڑ مولوی صاحب کو ان تمام الزامات سے بری سمجھتی اور بری قرار دیتی ہے جو ان کی نسبت بعض لوگوں نے لگائے اور ایسے اشخاص کی اضاعت کو وطن اور ملت کا نقصان قرار دیتی ہے اور اس کی قدردانی کی خدا سے توفیق چاہتی ہے۔ جن لوگوں نے اس پر بم بھی پھینکا یا اس کی بے آبروئی میں ساعی ہیں۔ ان کو اسلام اور وطن کا دشمن قرار دیتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دولت افغانستان نے اپنے ذرائع معلومات خفیہ کی بنا پر ہر دو سرکردگان جمعیت مجاہدین کو (مولوی محمد بشیر صاحب مرحوم اور مولوی فضل الٰہی صاحب) دونوں کو علیحدہ علیحدہ دو مرتبہ قتل کے واقعہ سے کچھ مدت پہلے بہ صورت فوری اور ضروری اطلاع دی تھی کہ تمہارے دونوں کے قتل کے واسطے آدمی مقرر ہو چکے ہیں۔ اپنی حفاظت کا پورا پورا بندوبست رکھو ایسا نہ ہو کہ دشمنان دین اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ ان دونوں خطوط کو ہر دو مولوی صاحبان نے جمعیت ہذا کے اراکین کو اور بہت سے نمائندگان قوم کو بھی دکھا دیا تھا۔

پھر جب مولوی صاحب شہید مرحوم کے ملازمت میں نو وارد شخص داخل ہوا۔ جو

Marfat.com

قتل کے بعد اس وقت تک غائب ہے اور جس کے متعلق بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اس وقت موسیٰ خیل کے بعض صاحبزادوں کے رشتہ داروں نے جو مولوی صاحب مرحوم کے گہرے دوست ہیں۔ صاحبزادوں کی معلومات کی بنا پر مولوی صاحب مرحوم کو اس سازش کی خبر دی تھی۔ اور نوعارد کو نکال دینے کے متعلق بار بار متنبہ کیا تھا۔ مگر اس پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔

اس کے علاوہ مولوی صاحب اور الٰہ لیان چپرکند کے درمیان عید الفطر ۱۳۷۹ھ سے کشمکش جاری تھی۔ جو روز بروز بڑھتی گئی اور جس کے ذیل میں دو تین مرتبہ بستی کی بستی جلائی گئی۔ اور اسی کشمکش کے اندر ایک چپرکندی عورت بندوق کی گولی سے مر گئی تھی اور ایک نوجوان بری طرح زخمی ہوا تھا۔ اور ان کا ہزاروں روپیہ کا نقصان مالی بھی ہوا اور چند بندوقیں تلف ہو گئیں۔ دنیا میں یہ مسلم ہے کہ افغان لوگ خون کا بدلہ نہیں چھوڑتے

واللہ اعلم بالصواب۔

ضمیمہ

آخر میں اقبال شیدائی کا ایک خط اٹلی سے بھیجا ہوا لوائے وقت ۲۸ رجنوری ۱۹۶۲ء سے نقل کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ پاکستان بننے کے بعد بھی بعض افغان قومیں پاکستان سے اسی طرح برسرپیکار رہنا چاہتی تھیں کہ جس طرح انگریزوں سے تھیں۔ انگریز سے جنگ میں ان قوموں کو ایک فائدہ تھا وہ یہ کہ انگریز انہیں کچھ نہ کچھ وظیفہ دیتا رہتا تھا۔ لیکن اب جبکہ پاکستان بن چکا ہے اور تمام قوم مسلمان ہے اب مسلمان مسلمان سے اس طرح کا وظیفہ وغیرہ کس طرح لے سکتا ہے۔ چنانچہ انہی لوگوں میں فقیر آئی۔ پی صاحب بھی تھے جن کو حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب نے ایک چٹھی ۱۹۴۷ء میں لکھی اور فقیر صاحب کو وعظ کیا اور سمجھایا کہ آپ اس طرح نہیں کرنا چاہیئے چنانچہ اس چٹھی کو ہفت روزہ جریدہ "المنبر" لائلپور کے آزادی نمبر مورخہ ۱۲ راگست ۱۹۶۲ء سے نقل کیا جا رہا ہے اور اقبال شیدائی کا مضمون بھی اسی سلسلہ میں پختونستان سٹنٹ کی قلعی کھول رہا ہے۔

جمال محمد جاکھی

"پختونستان سٹنٹ کا پس منظر"

ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی مقیم تورین (اٹلی)

(ماخوذ از نوائے وقت ۲۸ جنوری ۱۹۶۲ء)

حکیم الامت علامہ اقبال رح کے ہم وطن ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی ایک آزادی پسند انقلابی مجاہد کی حیثیت مشہور و معروف ہیں۔ انگریزی دورِ حکومت میں وہ برصغیر سے ہجرت کر گئے تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں وہ اٹلی اور جرمنی میں مقیم رہے۔ آزادی کے بعد وہ پاکستان تشریف لائے تھے۔ چند سال ہوئے وہ اٹلی واپس چلے گئے۔ جہاں وہ تورین یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ اس مختصر مضمون میں انہوں نے "پختونستان سٹنٹ" کے پس منظر کی وضاحت میں ایک ایسے پہلو کا ذکر کیا ہے جو اکثر لوگوں کے لیے بالکل نیا ہوگا انہوں نے اپنی سرگذشت لکھنے کا بھی ذکر کیا ہے جس سے نہ صرف ان کی ذاتی بوقلموں زندگی بلکہ پہلی جنگ عظیم کے بعد برصغیر کی بعض تحریکات پر بھی روشنی پڑ سکتی ہے۔ وہ ۱۹۳۰ء کے بعد کی انقلاب آفریں سیاسی تبدیلیوں سے بے تعلق رہے۔ اس لیے اس مضمون کے مطالعہ میں یہ پہلو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

(ادارہ)

پاکستان، بھارت اور افغانستان کے درمیان موجودہ کشیدگی کو سمجھنے کے لیے گذشتہ نصف صدی کی تاریخ پر نظر ڈالنا ضروری ہے اس مطالعہ کے لیے صرف ان مفاد پرست مورخین سے رجوع کافی نہیں ہوگا۔ جنہوں نے برطانوی حکومت ہند کے ملازم "بے خبر لوگوں" سے "کہانیاں" سن کر کتب تاریخ لکھ ماریں۔ میں اس مضمون میں بعض ایسے واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں جو چالیس سال سے بھی زیادہ عرصہ قبل پیش آئے۔ یہ واقعات بڑے دوررس نتائج و مضمرات کے

Marfat.com

حائل ہیں اور آئندہ بھی ان تین ملکوں — پاکستان، بھارت اور افغانستان — کے باہمی تعلقات میں کشیدگی کا باعث بنتے رہیں گے۔

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸) کے درمیان ترکیہ اور وسطی یورپ کی حکومتوں نے افغانستان میں ایک مشن بھیجنے کا انتظام کیا۔ مشن کے سربراہ ڈاکٹر فان ہنٹگ تھے (وہ بعد میں حکومت مغربی جرمنی کے سفیر بنے اور اب ریٹائر ہونے کے بعد ہمبرگ میں رہتے ہیں) اس مشن میں دو مشہور ہندوستانی انقلابی مرحوم مولانا برکت اللہ بھوپالی اور راجہ مہندر پرتاب بھی شامل تھے۔ موخر الذکر اب بھارتی پارلیمنٹ کا رکن ہے ان کے علاوہ ایک آسٹرین کیپٹن نیڈرمیر، ایک ترک کیپٹن کاظم بے اور چند غیر معروف ارکان شامل تھے

یہ چار قومی مشن (جرمنی۔ آسٹریا۔ ترکیہ۔ ہندوستان) ایران کے راستے ۱۹۱۵ء کے موسم خزاں میں کابل پہنچا، جب روس کی زار شاہی حکومت کو علم ہوا تو اس نے اپنے ایک فوجی افسر کرنل رٹز کو انہیں ایران میں ہی گرفتار کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ کوشش ناکام رہی ۱۹۲۰-۲۱ء میں کرنل رٹز سے میری ملاقات کابل میں کئی مرتبہ ہوئی اس وقت وہ افغانستان میں روسی سفارت خانہ کا رکن تھا اسے فارسی زبان پر پوری دسترس تھی۔ اپنی ناکامی کا ذکر خود اس نے ہی میرے سامنے کیا۔

ہنٹگ مشن نے والئ افغانستان امیر حبیب اللہ سے جو امیر امان اللہ خاں کے والد تھے، ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے کہا امیر حبیب اللہ نے جواب دیا کہ جرمن اور ترک تو بہت دور ہیں لیکن انگریز اور روسی تو..... کابل کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ افغانستان ایسے حالات میں حملہ نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر ہنٹگ اپنے مشن کی ناکامی کے بعد چین چلے گئے بعد میں اس مشن کے ہندوستانی ارکان نے کابل میں مقیم ہندوستانی انقلابیوں کے ساتھ مل کر ایک "عبوری حکومت ہند" قائم کی۔ اس کے صدر راجہ مہندر پرتاب۔ وزیر اعظم (دیوان) مولانا برکت اللہ، وزیر داخلہ مولانا عبید اللہ سندھی، وزیر جنگ مولوی محمد بشیر اور وزیر مواصلات ڈاکٹر رحمت علی بنائے گئے (مولانا عبید اللہ ۱۹۱۵ء میں کابل پہنچے تھے۔ مولوی محمد بشیر کا حقیقی نام عبد الرحیم تھا اور وہ قبائلی علاقہ میں انگریزوں سے برسرپیکار ہندوستانی مجاہدین کے ایک سردار تھے، ڈاکٹر رحمت علی گوجرانوالہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور تحریک ہجرت کے ضمن میں لاہور کے میڈیکل کالج میں تعلیم چھوڑ کر فروری ۱۹۱۵ء میں کابل پہنچے تھے "عبوری حکومت ہند" کے وزیر خارجہ مسٹر پلائی تھے، جو اس وقت جرمنی میں تھے۔ وہ فاربول

کے ہاتھوں ہٹلر کے برسر اقتدار آنے سے پہلے مارے گئے۔ انیگلو افغان جنگ ۱۹۱۹ء کے زمانہ میں جب لپشاور کے قاضی عبدالولی خاں کابل پہنچے تو انھیں نائب صدر بنایا گیا۔

خفیہ معاہدہ

پس عبوری حکومت نے افغان قوم پرست پارٹی کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کیا، اس پارٹی کے سربراہ امیر حبیب اللہ کے چھوٹے بھائی مرحوم سردار نصر اللہ خاں تھے۔ دوسرے نمایاں ارکان سردار محبوب بیگ طرازی (خسر شاہ امان اللہ) اور جنرل قادر خاں تھے۔ موخر الذکر ۱۹۲۹ء میں تخت نشین ہوئے اور ۱۹۳۳ء میں ان کے قتل ہونے پر ان کا بیٹا محمد ظاہر تخت نشین ہوا۔ جو اب افغانستان کا بادشاہ ہے۔

امیر حبیب اللہ کو اس خفیہ معاہدہ کا کوئی علم نہ تھا۔ اس کے بموجب ان ہندوستانیوں نے دریائے سندھ کے سارے مغربی علاقے کو افغانستان کے حوالے کرنے اور تخت دہلی پر کسی افغان شہزادے کو بٹھانے کا وعدہ کیا، سلطنت دہلی میں پنجاب اور قریبی اضلاع آگرہ، میرٹھ، سہارنپور وغیرہ شامل ہوتے تھے، علاوہ ازیں یو۔پی کے بعض حصے سلطنت نیپال کو دیئے جاتے تھے متذکرہ صدر ہندوستانیوں کی اس غداری کے عوض افغان قوم پرستوں نے انھیں روپیہ اور ہتھیار دینے کا وعدہ کیا اس ناپاک معاہدے کے بیشتر دستخط کنندگان فوت ہو چکے ہیں صرف راجہ مہندر پرتاپ زندہ ہے۔ سردار نصر اللہ خاں کو تین افراد محمود جان، شجاع الدولہ، فراش باشی) نے کابل کے شاہی محل میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ اس کے صلے میں محمود جان وزیر دربار، شجاع الدولہ وزیر خزانہ اور فراش باشی مہتمم قصر شاہی بنائے گئے۔

میری معلومات کے مطابق مسٹر بیلانی اور ڈاکٹر رحمت علی نے اس ناپاک خفیہ معاہدہ پر دستخط نہیں کئے تھے، لیکن اس سے نوجوان افغان قوم پرستوں کے دماغ میں یہ سودا سما گیا کہ دریائے سندھ کے مغرب میں واقع تمام وسیع علاقے افغانستان کا حصہ ہیں مجھے کئی سربرآوردہ افغان قوم پرستوں سے کئی بار مفصل بات چیت کا موقع ملا وہ سب اس خفیہ معاہدہ میں یقین رکھتے تھے۔

۱۹۴۲ء میں ہی نے افغان قوم پرستوں کو بتایا کہ نام نہاد عبوری حکومت ہند کا خفیہ

Marfat.com

معاہدہ ہندوستانی قوم پرستوں کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ میں نے وسط اگست ۱۹۲۰ء میں شاہ امان اللہ سے بھی یہی کہا کہ ہم سرزمین برصغیر کے ایک انچ سے بھی دستبردار نہیں ہوں گے۔ البتہ جنگ آزادی میں کامیاب ہونے کے بعد افغانستان کو تعاون کے صلہ میں کروڑوں روپے دیں گے اس ملاقات میں مترجم کے فرائض شاہ کے پرائیویٹ سیکرٹری فیض محمد خاں نے ادا کیے۔ وہ راولپنڈی میں پیدا ہوا تھا اور اردو اچھی طرح جانتا تھا۔

اس خفیہ معاہدہ کے بارے میں مجھے بعض باتیں ہندوستان میں ہی وسط ۱۹۲۰ء میں کابل روانہ ہونے سے پہلے معلوم ہو گئی تھیں۔ البتہ تفصیلات کا مجھے اس کے دستخط کنندگان سے پتہ چلا۔ معاہدہ سے سخت بیزاری کے باوجود مجھے جنگ و مواصلات کا نائب وزیر بنا دیا گیا۔ لیکن شاہ امان اللہ خاں سے پہلی ملاقات میں ہی میں نے واضح کر دیا کہ برصغیر کے محبان وطن اپنی مادر وطن کے ایک ایک انچ کی اپنے خون سے حفاظت کریں گے اس زمانہ میں بعض سرکردہ مسلم لیڈر پورے محب وطن نہیں تھے وہ اس بات کے خواہاں تھے کہ باہر سے مسلمان حملہ کر کے انگریزوں سے آزادی دلائیں اور اس امر کا مطلق احساس نہیں کرتے تھے کہ بیرونی حملہ آور ان کی قوم کو اپنا غلام بنا لیں گے۔

امان اللہ خاں نے ۱۹۱۹ء میں تخت نشین ہونے کے بعد مہندر پرتاپ کو چالیس ہزار روپے شاہ نیپال کو بطور رشوت پیش کرنے کے لیے دیئے۔ مہندر پرتاپ کو چینی ترکستان کے راستہ نیپال پہنچنا تھا۔ لیکن حکومت چین نے اسے آگے جانے کی اجازت نہ دی۔ جولائی یا اگست ۱۹۲۰ء میں اس نے تاشقند سے مولانا عبید اللہ سندھی کو اپنی ناکامی کے بارے میں خط لکھا یہ خط ابراہیم عرف بڑے خاں لایا جو انگریزی فوج سے فرار ہو کر ہندوستانی انقلابیوں میں شامل ہو گیا تھا۔ تاشقند سے مہندر پرتاپ سائبیریا کے راستہ چین پہنچا۔ جہاں سے وہ امریکہ چلا گیا۔ جہاں ہندوستانی غدر پارٹی نے اسے روپیہ دیا اور وہ پھر نیپال جانے کے لیے چین واپس آ گیا۔ اس کے ساتھ غدر پارٹی کے چھ کارکن بھی آئے اس نے ان لوگوں کو نانکنگ میں بے سہارا قسمت کے حوالہ کر دیا۔ یہ بات مجھے ۱۹۴۳ء میں کامریڈ الیشر سنگھ نے بتائی جس نے ستمبر ۱۹۴۳ء میں اٹلی کے ایک ہسپتال میں انتقال کیا۔ نیپال کی مہم میں ناکام ہونے کے بعد مہندر پرتاپ نے ایک نئی جماعت

Marfat.com

ورلڈ فیڈریشن بنائی اور نانکنگ کو اپنا عبوری صدر مقام بنایا اس عالمی حکومت کا دار الحکومت ہو تو لولو میں قائم کیا جانا تھا۔

دریں اثناء کابل میں نام نہاد عبوری حکومت ہند کا کاروبار مولانا عبید اللہ سندھی چلاتے رہے وہ "خفیہ معاہدہ" پر مضبوطی سے قائم تھے اور حکومت کابل بھی یہی راگ الاپتی تھی۔ جب میں نے شاہ امان اللہ اور دوسرے افغان قوم پرستوں کو حقیقت حال سے باخبر کیا تو مولانا عبید اللہ مجھ پر بڑے غضب ناک ہوئے۔ مجھے کابل میں مولانا ابو الکلام آزاد نے بھیجا تھا اور مولانا عبید اللہ کو اس کا علم تھا۔ وہ کابل میں اپنے آپ کو علی برادران کا نمائندہ کہتے تھے۔ اس لیے مجھے اپنا حریف سمجھتے تھے۔ میں نے ان سے بھی صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ہندوستانیوں کے کسی طرح نمائندہ نہیں ہیں لیکن مولانا عبید اللہ مجھے بھی یہ درجہ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

ایک موقع پر عبد الہادی خاں نے مجھے خط لکھا کہ وہ مجھے مولانا آزاد کی جماعت "حزب اللہ" کا نمائندہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے۔ میں نے یہ خط جو غلطی سے مولانا عبید اللہ کو دکھا دیا، مولانا آزاد کو سنہ ۱۹۲۴ میں بھیج دیا تھا۔

یہ ہے "تختو نستان سٹنٹ" کا پس منظر۔ مجھے احساس ہے کہ میرا یہ مضمون بہت تشنہ ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ایک طرح سے اس کے لیے پرانے زمانہ کے "ہم ہندوستانی" ہی قصور وار ہیں

Marfat.com

فقیر صاحب ایپی کے نام مولٰنا فضل الٰہی وزیرآبادی کا

ایک تاریخی خط

"پاکستان قائم ہو چکا ہے۔ دنیا کے متعدد ممالک نے اس کے قیام کو تسلیم کر لیا ہے لیکن بعض طبقات ہنوز ایسے ہیں جو اس مملکت خداداد کی اہمیت کا شعور نہیں رکھتے۔ انھیں پاکستان کے بارے میں ابھی تک یہ بدگمانی ہے کہ یہ نوزائیدہ مملکت برطانوی استعمار کا اڈہ بن جائے گی وہ اس تصور کی بنا پر اس عظیم مسلم مملکت کے مخالف ہیں۔ انھیں مخالفین میں پاکستان کے انگریز دشمن فقیر ایپی صاحب بھی تھے ——— فقیر صاحب موصوف کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے جن حضرات نے کوششیں کیں ان میں مولانا فضل الٰہی صاحب وزیرآبادی رحمۃ امیر المجاہدین جماعت سید احمد شہید بالخصوص قابل ذکر ہیں ——— مولانا مرحوم نے ایک طویل ترین خط اس سلسلہ میں محمد ظاہر شاہ شاہ افغانستان کے نام بھیجا جسے ہم کسی دوسری صحبت میں پیش کریں گے۔ آزادی نمبر کی مناسبت سے ہم مولانا مرحوم کا ایک خط بنام فقیر ایپی صاحب شائع کر رہے ہیں

بشکریہ المنبر لائل پور ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء

(اس خط کا اردو ترجمہ جو کہ مخدوم حضرت حاجی مرزا علی خاں مرحوم المعروف بہ فقیر ایپی کی خدمت میں بزبان فارسی بھیجا گیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مورخہ ہفتہ ہم (۱۷) شوال ۱۳۶۶ھ

Marfat.com

بخدمت زبدۃ السالکین عمدۃ المجاہدین مخدوم محترم حضرت حاجی صاحب مدفیوضہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خوش آمدی، بخیر آمدی، ماندہ نباشی!

آپ کا (درہ مکین میں) تشریف لانا اہل وطن کے لیے اور سارے عالم اسلام کے لیے دونوں جہان کی برکتوں کا سبب ہوا۔ دست بوسی اور ملاقات کی آرزو کے بعد ایں مرام اینکہ:۔

۱۹۳۷ء میں آپ نے اپنے عزیز شائستہ خاں محمود خیل کے ذریعہ چمرقند سے مجھے بلا بھیجا جب میں پورے دو مہینہ کی پیادہ پا مسافت طے کرنے اور راہ میں ہزاروں قسم کے جان کے خطروں سے آمنا سامنا کرنے کے بعد آپ کی خدمت گرامی میں پہنچا تو آپ نے میری باتوں کو ہوش کے کانوں سے نہ سنا۔ حالانکہ ان مبارک دنوں خدائے مسبب الاسباب نے ایسے وسائل اور ذرائع بہم پہنچائے تھے کہ اگر میرے بے غرضانہ مشوروں کو قبولیت کے کانوں سے سنتے تو خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے امید تھی کہ آپ کا نام تاریخ عالم کے اندر برِاعظم ہندوستان کی فتح کے لحاظ سے بمنزلہ شیر شاہ سوری کے اور تبلیغ کے اعتبار سے محمود ثانی کے طور پر ثبت ہوتا اور اسلام کا غلبہ آفتاب عالمتاب کی طرح ہر جگہ چمکتا دکھائی دیتا اور دنیا بھر کے لوگوں کو قیامت کے دن تک آپ کی احسان مندی سے سبکدوش ہونے کی کوئی راہ نہ ملتی اور خدا کی ساری مخلوق میں سے کوئی شخص آپ کے نام کے سوا کسی دوسرے کے نام سے جیسے کہ گاندھی۔ نہرو اور جناح ہیں آشنا نہ ہونے پاتا۔ ولیکن آپ نے میری نہ سنی اور اپنے تئیں دونوں جہان کی سعادت عظمیٰ سے محروم رکھا۔ اور اپنے ساتھ ان سے ایک جہان کو محروم کر دیا۔

آج پورے دس برس کے بعد آپ کے بڑے بھائی شیر زمان خاں مرحوم کی تعزیت کا فریضہ ادا کرنے کے ذیل میں ملت اسلام کی خدمت کے بلند پایہ عزائم کو لے کر آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تاکہ باہمی صلاح و مشورہ اور اشتراک عمل سے کوئی ایسی راہ تجویز کر سکیں جو ہمارے نہایت کمزور اور ضعیف بھائی بہنوں اور بچوں کی نجات کا سبب بن سکے۔ جو ان دنوں مشرک (سکھ، گورکھا، راجپوت، جاٹ وغیرہ) کے ہاتھ سے مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے اندر طرح طرح کے ننگ آور اور حیا سوز مصیبتوں میں گرفتار ہیں اور قرآن مجید کی روشنی میں وقت کا سب سے بڑا جہاد یہی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

Marfat.com

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ٥ (سورۃ النساء پارہ ۵ رکوع ۱۰/۱)

ولیکن آپ نے (اس بار) بھی مجھ ایسے دو جہان کے خیر خواہ ۔ بے غرض دوست کی بات نہ سنی (بات سننا تو درکنار رہا) بلکہ ملاقات کا دروازہ بھی بند کر دیا۔

لیکن میں آپ کے اس سلوک اور رفتار سے آزردہ دل نہیں ہوا بلکہ زیر منطوق لازم الوثوق ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (سورۃ التوبہ پارہ ۱۱ ع ۱۴/۱)

ان سب چیزوں کو اپنے حق میں خدائے لایزال کی بے پایاں نوازشات کے تمغے سمجھ کر بدستور سابق آپ کے لیے ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہوں ہر طرح سے خاطر خواہ جمع رکھیں۔

خدائے عالم الغیب کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ میری ملاقات سے انکار کرنے کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے مگر قرائن و آثار شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے جو سیاسی مسلک اختیار کیا ہے سراسر زیر فرمان :-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ٥ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (سورۃ ابراھیم پارہ ۱۳ ع ۱۶/۵ اور ۱/۲)

خدا کی نعمت کی بڑی ناشکری ہے جس کا نتیجہ اسلام کی تباہی اور بربادی اور دونوں جہان کی برکتوں سے محروم رہنے کے سوا کچھ نکلنے والا نہیں ہے خدا کی پناہ۔

آپ میری بات کو غور سے سننے کی تکلیف گوارا فرمائیں کہ سلطنت خداداد پاکستان ان دونوں کے اندر دونوں جہان کے پروردگار کی طرف سے تمام اسلام کے حق میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس لیے سلطنت کی پرورش کرنا اور اس کو مضبوط بنانا اسلام کے ہر فرزند پر یکساں فرض و واجب ہے خواہ وہ ہندوستان کا باشندہ ہو یا پاکستان کا ہو یا افغانستان کا۔ اس کے برخلاف ہتھیار اٹھانا اسلام سے بغاوت کرنا اور جاہلیت کی موت مرنا ہے فَتَفَكَّرُوْا يَآ اُولِي الْاَلْبَابِ ۔ عالم اسلام کے تمام سلاطین اور وہاں کے علماء اور مشائخ

تھے:۔ (مکہ، مدینہ، بیت المقدس، بغداد، نجد، یمن، عراق عرب، شام، فلسطین، لبنان، ترکیہ مصر، سوڈان، ایران، مراکش، الجیریا، طیبولس، طرابلس، ترکستان، جاوا، سماٹرا، چین وغیرہ تھے) اس کے استقلال اور اس کی اسلامی حیثیت کو مان لیا ہے اور ان کی طرف سے چھ ہزار سے زیادہ مبارک بادی کے پیغام بذریعہ برقی تار ارکین دولت پاکستان کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں۔

خدانخواستہ اگر پاکستان نہ رہا تو پٹھانستان اور افغانستان بھی زندہ نہ رہ سکیں گے۔ کیونکہ ان دونوں کی بقا پاکستان کی بقا پر موقوف ہے۔ اس لیے پاکستان کے برخلاف آپ جو بھی قدم اٹھائیں خوب سوچ سمجھ کر اور استخارہ خداوندی کے بعد اٹھائیں کیونکہ اس قسم کے سیاسی کاموں میں جلد بازی بہت دفعہ ندامت اور خسران دارین کا موجب ثابت ہوئی ہے۔

پاکستان کی صداقت اور پٹھانستان کی موجودہ تحریک کا بطلان شرعی اور سیاسی نقطۂ نظر سے ثابت کرنے کے لیے یہ غریب الوطن بوڑھا جس جگہ اور جس وقت آپ چاہیں حاضر ہونے کو تیار ہے۔ انشاء اللہ اس بات میں ہرگز تخلف نہیں ہوگا۔

فقط والسلام مع الاکرام۔ فقیر الی اللہ ابوسعید فضل الٰہی عفی عنہ۔ خادم جمعیت عالیہ مجاہدین ہند مہاجرین یاغستان بقلم خود۔

تحریک مجاہدین کا ایک ورق

پاکستان کے بانی اولین سیدین الشہیدین کی تحریک کا آخری دور

۱۹۰۰ء سے ۱۹۵۱ء تک یعنی

سوانح حضرت

مولانا فضل الٰہی مرحوم

وزیر آبادی امیر المجاہدین جمعیۃ عالیہ ہندیہ چمرقند آزاد

مرتبہ **خالد گھرجاکھی**

ناشر: جمعیت مجاہدین پاکستان

زیر سرپرستی

امیر جمعیت مجاہدین پاکستان (صاحبزادہ مولانا محمد سلیمان) صاحب

Marfat.com